ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalnovel.com
aanchalpk.com

امہات المومنین

ذکر اس پری وش کا

آغوش مادر

ملاقات

عید سروے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اگست ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

آپ تمام بہنوں اور قارئین کو ادارے کی جانب سے جشن آزادی مبارک ہو۔ اگست کا مہینہ برصغیر کی تاریخ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اسی ماہ میں مسلمانوں نے قائداعظم کی زیرقیادت الگ وطن کے حصول کی خاطر جدوجہد کی اور اقبال کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی غرض سے جان و مال کی قربانیوں سے بھی دریغ نہ کیا۔ یہ ان کا جوش اور ولولہ ہی تھا کہ انہوں نے انسٹھ سال قبل ہر فرقے، رنگ ونسل کے امتیاز سے بالا ہوکر اسلامی ریاست کے حصول کی جدوجہد کی اور خاک وخون کا طویل دریا عبور کرنے کے بعد آزادی جیسی نعمت کا حصول ممکن بنالیا لیکن آج پاکستان کے حصول کی وہ غرض وغایت ہمارے ذاتی مفادات تلے دب کر رہ گئی ہے۔

آج بحیثیت قوم اپنی شناخت مضبوط کرنے کی بجائے ہم صوبائی، لسانی اور نسلی اختلافات میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ پاکستان میں رہنے والے سید، مرزا، افغان، پنجابی، سندھی، بلوچ سب ہیں لیکن ہائے افسوس کہ کوئی بھی پاکستانی نہیں۔ ان ذاتی اختلافات، بغض وعناد کا فائدہ اغیار نے اٹھایا ہے اور آج بھی ان کی میلی نظریں ہمارے ارض وطن پر لگی ہیں لیکن حکومت اور عوام سب ہی ملکی مفادات سے بے نیاز ذاتی اختلافات میں الجھے ہیں۔ روایتی حریف بھارت کی شرپسندی اپنے عروج پر ہے، ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اتحاد بین المسلمین کو فروغ دیا جائے اور اسلام دشمن عناصر اور قوتوں کے خلاف صف آراء ہوا جائے تاکہ دشمن کو اس کے ناپاک ارادوں کو نیست ونابود کیا جاسکے۔ اے کاش ہم یکجہتی کے اظہار میں اقبال کے اس شعر پر عمل پیرا ہوسکیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

نماز وروزے کی پابندی کرنا ہم پر فرض ہے لیکن حقوق العباد سے بھی نظریں نہیں پھیر سکتے لیکن اب ہم یہ کر رہے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ حقوق العباد کی معافی اس وقت تک نہیں جب تک بندہ خود معاف نہ کردے جب ہم ہی دل سخت کرکے بیٹھ جائیں گے تو کوئی دوسرا کیونکر ہمیں معاف کرے گا، یہ بات ہم نہیں سوچتے۔

آج بھی ہم انسٹھ سال پیچھے دیکھنے پر مجبور ہیں کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ یہ بات غلط نہیں کہ ہم نے بہت کم پایا اور کھویا اپنے اعمال کے برابر۔ اس کے باوجود ہم نے سبق نہیں سیکھا اور اعمال بہتر نہیں کیے یہ ہی وجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں سے جوائنٹ فیملی سسٹم ختم ہوتا جارہا ہے اور وجہ گھریلو جھگڑے ہیں یہ اس بات کی واضح نشان دہی ہے کہ ہم میں صبر وبرداشت کا مادہ کم ہوتا جارہا ہے اس کا الزام بھی ہم دوسروں کے سر رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ارض وطن پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم ودائم رکھے آمین۔

آئیے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

شازیہ مصطفیٰ، سویرا فلک، شبانہ شوکت، ریحانہ آفتاب، عنبر فاطمہ، زویا اعجاز، تمثیلہ زاہد، سحرش فاطمہ، کنزہ مریم، ماریہ پاس، حمیرا نوشین، زارا رضوان اور صوفیہ سرور۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

کہہ نظر لا الہ الا اللہ

یاد کر لا الہ الا اللہ

تیرے مشتاق ذکر کرتے ہیں

رات بھر لا الہ الا اللہ

ہے وظیفہ ترے فقیروں کا

ہر سحر لا الہ الا اللہ

قبر میں گرز روکنے کے لیے

ہے سپر لا الہ الا اللہ

داغ عصیاں کے دور کرنے کو

ہے ضیا لا الہ الا اللہ

عاصیوں کی قبول کرنے کو

ہے دعا لا الہ الا اللہ

خالد حسن صابری

نعت

حضور ﷺ ایسا کوئی انتظام ہو جائے

سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے

میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہ کو

بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہوجائے

تجلیات سے بھر لوں میں اپنا کاسۂ جاں

کبھی جو ان کی گلی میں قیام ہوجائے

حضور ﷺ آپ جو سن لیں تو بات بن جائے

حضور ﷺ آپ جو کہہ دیں تو کام ہوجائے

حضور ﷺ آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل

سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہوجائے

ملے مجھے بھی زبان بو میری و جامی

مرا کلام بھی مقبول عام ہوجائے

مزہ تو جب ہے فرشتے یہ حشر میں کہہ دیں

صبیح مدحتِ خیر الانام ہوجائے

صبیح الدین رحمانی

امہات المومنین

ندا رضوان

حضرت صفیہؓ بنت حضرت حیؓ

صفیہ بنت حی کی پہلی شادی ان کی ماں کے قبیلے بنی قریظہ کے مشہورو نامور شہسوار سلام بن مشکم سے ہوئی تھی۔ یہ شاعر بھی تھا لہٰذا اپنی تلوار اور زبان دونوں سے مسلمانوں کے خلاف کام لیتا تھا۔ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا لیکن اس کے پلے جو عورت پڑی تھی وہ بڑی نیک سیرت اور خوش اطوار تھی۔

آگ اور پانی کا ملاپ زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتا تھا صفیہ جس قدر اچھی صفات کی مالک تھیں سلام بن مشکم اتنا ہی اس کے الٹ تھا لہٰذا وہ جوڑی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی تھی لہٰذا وہی ہوا جو دو مختلف الخیال وافکار اور مختلف اعمال و کردار کے افراد کے درمیان ہوتا ہے۔ سلام بن مشکم نے صفیہ کو طلاق دے دی۔

حی بن اخطب بن نضیر اور خیبر کی یہودیوں کا سردار تھا اور ماں بنو قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کی لخت جگر کو طلاق ہو جائے اور اس کی شادی کا کہیں سے پیغام نہ آئے چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کا پیام آیا۔ اس کا تعلق بنی نضیر سے تھا اور جلا وطن ہو کر آیا تھا" ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا ماں باپ نے رشتہ قبول کر لیا اور پھر صفیہ بنت حی کنانہ کے حبالہ عقد میں آ گئیں۔ ماتھے پر شادی کا جھومر سج گیا اور اپنے خاوند کے ساتھ زندگی کے دن گزارنے لگیں۔

حی بن اخطب کے قتل کے بعد خیبر کی یہودی ریاست کی سربراہی کنانہ بن ربیع کے چچا ابو رافع بن ابی الحقیق کے حصہ میں آئی۔ اس بدبخت نے بھی تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا۔ اس نے حی بن اخطب کے اسلام دشمنی کے مشن کو جاری رکھا اور اس کے لیے اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں اور آخر وہ بھی حق کی مخالفت میں تگ و دو کرتا ہوا واصل جہنم ہوا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر کنانہ بن ربیع کے ہاتھ خیبر کی قیادت آئی اور وہ بھی اپنے پیشرووں کے راستے پر آگے بڑھنے لگا۔

اس زمانے میں عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ امور سلطنت میں کوئی مشورہ دے سکے۔ خاص طور پر جب آنکھوں پر عداوت کے پردے پڑے ہوئے ہوں تو پھر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ سوچ بچار کی قوتیں سلب ہو چکی ہوتی ہیں لیکن سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ یقین تھا کہ اگر یہودی اسی روش پر قائم و دائم رہے تو ان کا حشر بہت برا ہو گا چنانچہ کنانہ بن ربیع نے بھی بنی غطفان کی مدد سے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا۔

کنانہ بن ربیع ریاست خیبر کا حکمران تھا۔ اس کی مصروفیت کا عالم قابل دید تھا لیکن ان تمام واقعات سے بے نیاز سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ خواب یاد آ رہے تھے جو انہوں نے کچھ عرصہ پہلے دیکھے تھے۔

پہلا خواب یہ تھا کہ وہ اس ہستی کے ساتھ ہیں جنہیں لوگ اللہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اور ایک فرشتہ ان دونوں کو پروں میں چھپائے ہوئے ہے۔

خواب سے بیدار ہو کر سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا ذکر اپنے گھر والوں سے کیا تو انہوں نے انہیں برا بھلا کہا۔

دوسرا خواب انہوں نے یہ دیکھا کہ مدینہ سے ایک چاند طلوع ہوا اور ان کی گود میں آ گرا ہے۔

اس خواب کا ذکر انہوں نے اپنے شوہر کنانہ بن ربیع سے کیا وہ غضب ناک ہو گیا بولا۔ "اچھا تو مدینہ کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔"

پھر اس بدبخت نے زور سے ان کے منہ پر طمانچہ مارا جس کا نشان ان کے چہرے پر پڑ گیا اور ہنوز بڑا واضح تھا۔ بے اختیار ان کے ہاتھ اٹھا اور وہ اپنی انگلی کو اس نشان پر پھیرنے لگیں۔ ان خوابوں کو یاد کر کے ان کی سوچیں اور گہری ہو گئیں۔

باہر میدان کارزار گرم تھا" تلواریں انسانی خون سے اپنی پیاس بجھا رہی تھیں اور سرتن سے جدا ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کو کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ بنی نضیر کے خزانے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر کنانہ بن ربیع کے پاس ہیں لہٰذا اسے بارگاہ نبوت میں طلب کیا گیا جب وہ آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔

"ابو الحقیق کا خزانہ کہاں ہے؟"

"وہ تو ہم خرچ کر چکے ہیں۔"

کنانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری یقین دہانی کرانے کی کوشش کی اور قسم کھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر اس کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوا تو تمہارا خون مباح ہو گا اور امان سے نکل جاؤ گے۔"

"بے شک۔" کنانہ بن ربیع نے کہا تو حضرات شیخین حضرت علی رضوان اللہ علیہم اور یہود کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بنا لیا گیا۔

جس زمانہ میں قلعہ نطات فتح ہوا تھا اس مال کو اس نے ایک ویرانہ میں مدفون کردیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو طلب کیا اور فرمایا۔

"آسمانی خبر کے حکم سے تو جھوٹا نکلا۔"

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا یہاں تک کہ کھود کر وہ اس مال کو وہاں سے نکال لائے جب یہودیوں کی غداری ظاہر ہوگئی تو اس شرط وعہد کی رو سے جو انہوں نے کیا تھا ان سے امان اٹھ گئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ بن ربیع کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا تاکہ وہ اپنے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے عوض اسے قتل کردیں چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی۔

خیبر کی فتح کے بعد جب گرفتار شدہ قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک لونڈی عطا فرمائیں۔"

"جسے چاہیں اپنے لیے پسند کرلیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو انہوں نے اپنے لیے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حی کو منتخب کرلیا اس پر صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صفیہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کی رئیسہ ہیں۔ شرافت ونجابت اور عزت ووقار ان کی شخصیت میں نمایاں ہے ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور ان کا زوج نہیں۔"

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حی کے ساتھ حاضر ہوں۔ حکم ملتے ہی وہ حاضر خدمت ہوگئے' حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا احساس ہوگیا تھا لہٰذا صفیہ کے عوض انہیں کوئی اور لونڈی عطا کردی گئی پھر رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ بنت حی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

"اے خاتون! میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر خوشی سے قبول کرتی ہو تو میں تمہیں عزت واحترام سے اپنے پاس رکھ لوں گا اور اگر اپنا آبائی مذہب پسند ہے تو بھی آزاد کرکے تمہاری قوم کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ فیصلے کی تمہیں پوری آزادی ہے۔" جب سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنا تو عرض کیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دعوت اسلام دینے سے پہلے میں اسلام کی صداقت وحقانیت کی قائل ہوچکی ہوں اور اس کی محبت میرے دل میں موجزن ہے۔ علاوہ ازیں خاندان میں اب میرا رہا ہی کون ہے؟ میرا یہودیوں سے کیا واسطہ وتعلق؟ میں پورے خلوص سے خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت سے وابستہ کرچکی ہوں۔"

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے حبالہ عقد میں لے آئے اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ شادی کی تقریب جمادی الاول ۷ ہجری میں ہوئی۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کے لیے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر' لاڈلی سیدہ حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تشریف لائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے حسن محبت کے ساتھ پیش آئیں اور اپنے کانوں کے قیمتی جھمکے اتار کر سیدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

"یہ لو۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی ایک علیحدہ مکان سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فراہم کردیا۔ یہ کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا لیکن یہاں جو طمانیت وسکینہ' اطمینان وراحت اور امن وسکون تھا وہ ان محلوں میں نہیں تھا جہاں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے قبل اپنی زندگی کے دن گزارے تھے۔

فتح خیبر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہر ایک کے لیے ۸۰ وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ مقرر فرمادیے تھے۔ مساوات وبرابری کے لیے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے بھی اسی قدر مقدار مقرر فرمادی اور اس سالانہ وظیفے کے خرچ کے سلسلے میں بالکل آزاد وخود مختار تھیں کہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور دوسری ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ان کی بھی باری مقرر فرمادی۔

اگرچہ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش بڑے ناز ونعم میں ہوئی تھی اور گھر میں کام کاج کے لیے لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خانہ داری میں ید طولیٰ رکھتی تھیں اور بڑی سلیقہ شعار تھیں۔ کھانے بڑے لذیذ بناتی تھیں' خصوصاً اپنے آقا ومولا اور شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے دل پسند اور مرغوب کھانے تیار کرتی تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں ہوتے تو کھانا پکا کر ان کے پاس بھیجا کرتی تھیں۔ سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں

جو کھانا ڈال کر بھیجا تھا اس کا تو ذکر بخاری شریف اور نسائی میں بھی آیا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کائنات رضی اﷲ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں
"عمدہ اور مزے دار کھانا تیار کرنے میں صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا۔"

دوسری ازواج مطہرات رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ حضرت صفیہؓ کے ساتھ نہایت مشفقانہ و محبت آمیز تھا۔ ایک مرتبہ باری کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا رو رہی ہیں' ارشاد فرمایا۔

"صفیہ! کیوں رو رہی ہو؟"

عرض کیا۔"حفصہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا و عائشہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ وہ مجھ سے بہتر و افضل ہیں کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔"

سنا تو ارشاد فرمایا۔"تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں' اس لیے تم کیونکر مجھ سے افضل ہوسکتی ہو۔"

اس پر انہوں نے رونا بند کردیا اور مسکرا دیں' اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔

جب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک بیماری کا حملہ ہوا تو سارے مدینہ میں تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ازواج مطہرات رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم کا بھی فکر مند ہونا قدرتی امر تھا لہٰذا انہیں بھی تشویش تھی جب مرض نے شدت اختیار کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم کی رضا و رغبت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا کے حجرہ اقدس میں منتقل ہوگئے۔ تمام ازواج رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم تیمارداری و خدمت کے لیے وہیں چلی جاتی تھیں۔

ایک دن تمام ازواج مطہرات رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا کو محبوب رب دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت و پیار تھا' چنانچہ آپ بولیں۔

"کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری مجھ کو ہوجاتی۔"

دوسری ازواج رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم نے سنا تو ایک دوسری کی طرف دیکھا اور آنکھوں سے اشارے کیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس حرکت کو پسند نہ کیا اور ارشاد فرمایا۔

"اللہ کی قسم! صفیہ (رضی اﷲ تعالیٰ عنہم) اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔"

دین اسلام کی تکمیل کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں واپس بلالیا تو عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اندھیر ہوگئی انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ حضور اکرم ان سے قیامت تک کے لیے جدا ہوگئے ہیں جس وقت یہ سانحہ عظیم برپا ہوا تو اس وقت سیدہ صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا کی عمر اکیس اور بائیس سال کے درمیان تھی اور اپنے محبوب آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں تقریباً چار سال گزارے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے کے بعد زندگی کا لق و دق صحرا نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ اب تو صرف ایک ہی مقصد حیات تھا کہ اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کریں لہٰذا دیگر ازواج رضوان اﷲ تعالیٰ عنہم کی طرح حضرت صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا بھی اپنے زمانے میں علم کا مرکز تھیں۔ مدینہ منورہ کی خواتین تو مختلف مسائل کی تشریح و وضاحت کے لیے حاضر خدمت ہوتیں مگر باہر سے بھی وفود آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی و خانگی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔

وقت اپنے قدم آگے بڑھاتا رہا اور وہ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے ادوار سے ہوتا ہوا حضرت امیر معاویہؓ کے مبارک دور میں پہنچا تو ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا وقت آگے بڑھنے سے رک گیا۔

یہ ۵۰ ہجری کا زمانہ تھا اور خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہ کاتب وحیؓ تھے۔ ہر طرف امن و امان کی فضا قائم تھی اور فتوحات کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے جو نقصان ملت اسلامیہ کو پہنچا تھا اس کی بہت حد تک تلافی ہوچکی تھی اور مسلمان پھر ایک جھنڈے تلے بحر و بر میں گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

جب دم واپسیں آیا تو سیدہ صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا نے وصیت فرمائی کہ"میری ایک لاکھ درہم کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد میں سے ایک تہائی میرے یہودی بھانجے کو دیا جائے۔"

اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا' جو ذاتی مکان تھا وہ پہلے ہی اللہ کی راہ میں دے چکی تھیں۔ جب وصیت فرما چکیں تو آنکھیں آخرت کے جھروکوں میں جھانکنے لگیں اور پھر مدینہ کی گلی کوچوں میں شور مچ گیا کہ ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اﷲ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں' بوقت وصال آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔

سب سے پہلے تو آنچل اور حجاب کو پڑھنے والے تمام ہنستے بستے چہروں کو ہماری جانب سے پیارا بھرا السلام علیکم! میرا نام سیدہ رابعہ اصغر ہے' میرا تعلق گجرات کے ایک گاؤں لکھنوال سے ہے۔ تاریخ پیدائش 7 جولائی 1997ء کو اس دنیا میں اور اپنے ماں باپ کی زندگی میں روشنی بکھری ہے۔ کاسٹ سے سید ہیں' میٹرک تک کی تعلیم ہے آگے پڑھنے کو ہمارے حالات نے اجازت نہ دی۔ شوق بہت تھا پر میں نے اپنے اس شوق کو ٹیچنگ کرکے پورا کیا۔ بچوں کو گھر پر بھی ٹیوشن دیتی ہوں۔ ٹیچنگ ایک سال کی' تجربہ اچھا تھا۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں' سب سے بڑا بھائی جعفر وہ غصہ زیادہ کرتے ہیں پر ہم بہنوں سے بہت پیار بھی کرتے ہیں پھر فروا ہے اس کا چار ماہ پہلے ماموں کے بیٹے کے ساتھ سادگی سے نکاح کیا ہے یاد بہت آتی ہے کیونکہ میں زیادہ پیار بھی اسی سے کرتی ہوں۔ وہ بہت خوش اخلاق ہے اس کے ساتھ کوئی برا کرے تو بھی اس سے بہت محبت سے بات کرتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں جبکہ میں تو اس کا الٹ ہوں' کوئی تھوڑی سی عام سی بات بھی کرے تو وہ بات میرے دماغ سے نکلتی ہی نہیں۔ اسی بات کو سوچتی ہوں کہ اگر ایسا کرتی تو یہ نہ ہوتا۔ برائی یہ ہے کہ غصہ بہت کرتی ہوں' کیئرنگ ہوں' امی ابو سے بہت محبت ہے بقول امی کے کام چور اور سست بہت ہوں۔ آنچل پڑھنے کا تو مجھے بہت جنون ہے' آنچل سے عشق ہے اب حجاب بھی میرا فیورٹ ہے کیونکہ یہ میرے اور ہم سب کے لیے دوسرا آنچل ہے جس میں ہمیں کچھ نصیحتیں کچھ سبق اور دوسروں سے پیار کرنے کا سبق ملتا ہے آنچل اور حجاب پڑھ کر مجھ میں جو تبدیلی آئی وہ یہ ہے دنیا میں ماں باپ ہی ہمارا قیمتی سرمایہ ہے ان کی خدمت کریں' دنیا و آخرت کو سنواریں۔ میں نے آنچل تب پڑھنا شروع کیا جب نازی آپی کا ناول ''جھیل کنارہ کنکر'' شروع ہوا تب سے اور اس سے پہلے والے بھی میرے پاس ہیں جن کو تین تین دفعہ پڑھ چکی ہوں ہر ماہ والا بھی دو دفعہ تو پڑھ لیتی ہوں جب تک نہ پڑھوں نیند نہیں آتی۔ اب آتی ہوں کلر کی طرف تو بے بی پنک کلر اور دوسرے ہلکے رنگ دل کو بھاتے ہیں۔ فیورٹ ڈش کڑی پکوڑا اور نمکین چاول ہر طرح کے پسند ہیں۔ سادگی پسند ہے' ہمیشہ سادہ ڈریس پہنتی ہوں' فیورٹ سنگر نصرت فتح علی خان اور راحت فتح علی خان ہیں۔ موسم ہر طرح کا پسند ہے' زیادہ تر چپ رہتی ہوں۔ فیورٹ ٹیچر مس گل شہزادی اور مس خالدہ ہیں' اللہ میری مس گل کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ مسلمانوں کو ہمیشہ راہ راست پر چلنے کی توفیق دے' اللہ حافظ۔

چوری چوری چپکے چپکے تُو نے دل کو دھڑکنا سکھایا' جی جناب سمجھ تو گئے ہوں گے میں کس کی بات کررہی ہوں۔ ماشاء اللہ سے تمام رائٹرز اور ریڈرز بڑی تیز ہیں' ارے میں آنچل کی بات کررہی ہوں جی میرا نام روبا اشفاق ہے محبت کے نام بہت سارے ہیں اگر لکھنے بیٹھ جاؤں تو صبح سے شام ہوجائے مگر ان تمام ناموں میں مجھے رومی روٹھی شہزادی دونوں بہت پسند ہیں۔ مری یعنی (ملکہ کوہسار) کی رہنے والی ہوں' ملکہ کوہسار کے چھوٹے سے گاؤں جو کہ دیول اور بیروت کے درمیان ہے ترمٹھیاں جب بھی ہم

دوسروں کو اپنے گاؤں کا نام بتاتے ہیں تو وہ تین چار بار لازمی پوچھتا ہے کیا نام ہے تو بار بار بتانا ہماری مجبوری ہے جناب اچھا تو 15 جنوری کو میں اس دنیا میں تشریف لائی بہت ہی خوب صورت دن تھا راولپنڈی کا موسم خاصا خوشگوار تھا مگر مری کے راستے بند تھے برف باری کی وجہ سے بقول میرے بڑے بھائی فہد کے جب ہم لوگ مری تمہیں لے کر پہنچے تو موسم بہت سویٹ تھا ہر طرف برف ہی برف تھی چیڑ کے درخت خاصے خوب صورت لگ رہے تھے۔

ماشاء اللہ سے ہم لوگ گیارہ بہن بھائی ہیں دو امی میں سے بڑی ماما بابا دونوں کا انتقال ہو چکا ہے' فرسٹ ماما میں تین بہنیں اور چار بھائی ہیں اور دوسری ماما سے یعنی میں روما مجھ سے چھوٹی نیلم اور پھر اسامہ اور عظیم۔ جب میرے بڑے بھائی اور بہنیں ہمارے گھر آتے ہیں تو یوں لگتا ہے ہمارے ہاں شادی یا منگنی ہے۔ ماشاء اللہ سے چھ بہن بھائی شادی شدہ ہیں۔ سب کی اپنی اپنی فیملیز ہیں ان دنوں مائی سویٹ برادر انجینئر دانش ملک نے بہت شور مچایا ہوا ہے میری شادی کرواؤ' میری شادی کرواؤ ان کے لیے بہت ساری دعا کریں کہ کوئی لڑکی اچھی سی مل جائے۔ ابھی ایک سال پہلے میں نے ایف ایس سی کلیئر کر کے گورنمنٹ اسکول میں بطور ہیلپنگ ٹیچر پڑھانا شروع کیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کل کی بات ہے دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے ڈھیروں ڈھیر کامیابیاں عطا کرے' میرے بھائی اسامہ ملک کے لیے بالخصوص دعا کیجیے گا کافی ذہین لڑکا ہے ہر کلاس میں فرسٹ پوزیشن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ 9th میں ٹاپ کروائے' میرے فہدی بھائی کا سر فخر سے مزید اونچا ہو جائے۔ خوبیاں یہ ہیں کہ دل کی بہت اچھی ہوں' سخی ہوں جو کوئی جو چیز مانگتا ہے دے دیتی ہوں' زیادہ نخرے بھی نہیں کرتی۔ حساس طبیعت کی مالک ہوں' خامیاں بھی ہیں تھوڑی تھوڑی جذباتی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونا شروع کر دیتی ہوں' موسم جو مجھے پسند ہے ایک موسم ہو تو کہوں۔ بہار ہر طرف پھول ہی پھول ہلکی ہلکی بارش' ست رنگی دھنک تھوڑی تھوڑی دھوپ پرندوں کی چہچہاہٹ' میوزک اپنا جھولا' ہاتھوں میں کتاب ٹیچر بائیو آئی لو یو یعنی ٹیچر عاصمہ میری سب سے اچھی ٹیچر بہت اچھی لگتی ہیں مجھے دل میں ان کا ٹیسٹ کا ڈر' بارش میں سائیکل چلانے کا اپنا مزہ جو کوئی مجھے دیکھتا ہے تو کہتا ہے دیکھو تو اتنی بڑی لڑکی سائیکل چلا رہی ہے مگر کیا کروں فہدی بھائی کو شکایت نہیں ہونی چاہیے زمانہ کچھ بھی کہتا رہے۔ برف کے موسم میں تو میری جان ہے' ہمارے گاؤں میں پڑے یا نہ پڑے آدھا گھنٹہ ہی تو لگتا ہے یہاں سے مری جانے میں ہم برف باری میں ضرور مری جاتے ہیں پھر خوب مزے کرتے ہیں ہم سب بہن بھائی مل کر۔ کلرز جو مجھے پسند ہے ریڈ' بلیک' بلیو' پنک' پرپل کلر تو خوب پہنتی ہوں۔ کھانے میں بریانی' چپلی کباب بہت پسند ہیں۔ میٹھے میں کھیر بہت پسند ہے' آنچل سے میری وابستگی بہت پرانی ہے' میری ماما اور بڑی سسٹرز آنچل کو بڑے شوق سے پڑھتی ہیں ان کی وجہ سے یہ شوق مجھے بھی پیدا ہو گیا اور اب ہم سب حجاب بھی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی' عمیرہ اور نمرہ آپی کی کیا ہی بات ہے۔ دوستیں تو بہت ہیں مگر طوبیٰ' ماہم' روبا' عائشہ' نیلم اور حمیرا آپی میری بیسٹ فرینڈز ہیں جو کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے ویلکم مائی ڈیئر فرینڈز! اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

سجل اشتیاق

ڈیئر قارئین اینڈ آنچل اسٹاف السلام علیکم! کیسے ہو سجنوں! اللہ پاک آپ سب کو اپنی حفظ وامان میں

رکھے‘ آمین تو ڈیئر فرینڈز مجھے پیار سے میری
فرینڈز سجل ہی کہتی ہیں مابدولت کا پورا نام سجل
اشتیاق ہے (ہے نا پیارا نام) جی تو اللہ تعالیٰ کے
فضل سے سات بہن بھائی ہیں چار بہنیں اور تین
بھائی۔ بہت خوب صورت سی فیملی ہے‘ مجھے اپنے
سب سے چھوٹے بھائی سے بہت بہت پیار ہے۔
ہم کھٹیالہ شیخاں میں رہائش پذیر ہیں۔ میٹرک کے
امتحان دے کے رزلٹ کے انتظار میں ہیں۔
ہمارے لیے پلیز دعا کیجیے رزلٹ اچھا آئے۔ ان
شاء اللہ آگے بھی بہت سارا پڑھنا ہے (بشرط
زندگی)۔ جی میں اسٹار پہ بالکل یقین نہیں کرتی اور
نہ ہی پڑھتی ہوں۔ پڑھنے کی بات کروں تو پنجگانہ
نماز‘ قرآن پاک‘ آنچل دیگر ناولز کا مطالعہ کرتی
ہوں۔ کھانے میں نخرہ بالکل نہیں کرتی جو ملے کھالیتی
ہوں۔ چاول تو ہماری جان ہیں اگر موڈ خراب ہو تو
سامنے چاول رکھ دو موڈ خوشگوار (ہاہاہا)۔ مجھے شروع
سے ہی گھر میں بہت اہمیت حاصل ہے‘ امی سے بھی
بہت محبت ہے مگر ابو جی تو ہمارے ہیں ہی گریٹ اینڈ
نائس مین۔ ہمدرد‘ رائٹر‘ شاعر اشتیاق احمد‘ امی ہاؤس
وائف ہیں۔ مجھے سب کو مہندی لگانے کا شوق ہے
(مگر اپنے ہاتھوں پر نہیں) اور لگاتی بھی اچھی ہوں
(ماشاء اللہ کہیے نا)۔ میری دیرینہ خواہش ہے کہ میں
اپنے ابو جی کا ہاتھ بٹاؤں‘ درحقیقت ان کا بیٹا بنوں۔
رنگ بھی سبھی اچھے لگتے ہیں مگر وائٹ‘ بے بی پنک
اورنج پسند ہے جو پہنتی بھی بہت ہوں۔ میری
دوستوں کو میری آنکھیں بہت پسند ہیں جبکہ مجھے
عبداللہ (بھائی)‘ ثناء اقرار کی خوب صورت آنکھیں
اٹریکٹ کرتی ہیں۔ تنہا رہنا اچھا لگتا ہے‘ تنہائی میں
آگہی کے در وا ہوتے ہیں۔ تنہائی انسان میں بہت
سی تبدیلیاں لاتی ہے۔ مجھے رنگ موسم‘ روشنی‘ بارش‘
چاند‘ ڈوبتا سورج‘ سیاہ دسمبر کی راتیں‘ رنگ برنگی
تتلیاں‘ پھول‘ دل کی دھڑکنوں کا ارتعاش‘ گہری
جھیل سی آنکھیں‘ اداسیاں‘ موسم خزاں میں پتوں کی
سرسراہٹ‘ اڑتے پنچھی‘ اچھا اخلاق‘ تند ہوائیں‘
خوب صورت کھلی آنکھوں دیکھے خواب‘ دھنک کے
سبھی رنگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ حس مزاح بھی
رکھتی ہوں‘ بہت شرارتی مگر جب سنجیدگی طاری ہوتی
ہے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ہے۔ مجھے پہلی اور
دوسری رات کا چاند بہت اچھا لگتا ہے‘ اداس سا
میری طرح وہ پوری طرح کوشش کرتا ہے کہ اپنی
روشنی چہار سو بکھیر سکے۔ لباس میں لانگ شرٹ ود
پاجامہ اور بڑا سا آنچل پسند ہے۔ مشاغل مطالعہ کرنا‘
سونا اور دوستوں سے چیٹ کرنا‘ اصل میں کسی بھی
ڈائجسٹ میں پہلی بار لکھ رہی ہوں۔ اخلاق کے
اچھے‘ نیت کے صاف‘ نمازی‘ حافظ‘ سید لوگ بہت
اچھے لگتے ہیں۔ خوبیاں کیا ہیں نہیں جانتی مگر جب
کسی کو دکھ میں دیکھ لوں رو پڑتی ہوں۔ حساس بہت
ہوں‘ کسی کو نظر انداز کرنا برا لگتا ہے مگر صبر بھی کافی
مقدار میں پایا جاتا ہے۔ غصہ جلدی آتا ہے جلدی ہی
رخصت ہو جاتا ہے۔ شاعری تو وراثت میں ملی ہے
اس لیے بہت جنون ہے۔ شاعرہ نازیہ کنول‘ شاعر
احمد فراز‘ اشتیاق احمد اور سجل اشتیاق بہت پسند ہیں۔
فیورٹ ناولز میں ’’محبت دل پہ دستک‘ جو چلے تو جاں
سے گزر گئے‘ سبز رتوں کی جھلمل میں‘ عشق کا عین‘ یہ
چاہتیں یہ شدتیں‘ انتظار لاحاصل‘ پتھروں کی پلکوں
پر‘‘ ہیں۔ فیورٹ رائٹر عفت سحر طاہر‘ ماہا ملک‘ نازیہ
کنول‘ سمیرا شریف طور‘ عمیرہ احمد‘ رفعت سراج
ہیں۔ کبھی کبھی دل کرتا ہے آنچل فیملی سے ملوں۔
میری دوستیں زیادہ نہیں ہیں مگر جو ہیں وہ بہت مخلص
ہے سوائے آصفہ ناز کے‘ دیکھ لو ڈیئر میں تجھے آج
بھی یاد کرتی ہوں مگر تم مجھے بھول گئی ہو‘ میری دعا ہے
جہاں رہو خوش رہو آباد رہو‘ آمین۔ فیورٹ شخصیت
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘ مولانا طارق جمیل‘
حضرت عمرؓ‘ ماسٹر غلام حسین‘ اشتیاق احمد شامل ہیں۔

ایک پیغام کے ساتھ اجازت' آپ سے گزارش ہے زندگی کو ایسے گزارو جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہؓ نے گزاری' خود کو دنیا کی نظروں سے چھپاؤ' اس کے ساتھ ہی اللہ حافظ۔

حنا زمان

السلام علیکم! جی مابدولت کا نام حنا زمان ہے ملک فیملی سے میرا تعلق ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑی فیری اُف جی یعنی میں' اس کے بعد ملک حمزہ زمان پھر حمنیٰ زمان اور پھر سب سے چھوٹا میرا شہزادہ ملک عبدالاحد زمان۔ میرے ابو جانی کا نام ملک نور زمان ہے اور ہاں دادا ابا ابو بھی ہیں' بس یہی چھوٹا سا میرا خاندان ہے۔ ابھی میٹرک کے پیپر دیئے ہیں اور آج کل فراغت کے مزے لوٹ رہی ہوں۔ میرا خواب فوج میں جانا ہے اور ان شاء اللہ پورا بھی ضرور ہوگا' میرا واحد مشغلہ ہنسنا ہے (ہی ہی ہی)۔ اسکول میں مغرور' سڑیل اور بھی نہ جانے کن کن ناموں سے جانی جاتی ہوں حالانکہ یہ بات غلط ہے بس میں زیادہ فری نہیں ہوتی کسی دوسرے کے ساتھ اور پھر جس کے ساتھ ہوجاؤں اس کی خیر نہیں۔ بولتی بہت زیادہ ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ میں پیدا بھی بولنے کے لیے ہی ہوئی ہوں' چپ بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔ فرینڈز زیادہ نہیں بناتی' ہر ایک فرینڈ کے ساتھ بہت مخلص ہوں۔ سب لوگوں کو ایک لمٹ میں رکھتی ہوں' اس لیے دھوکے شوکے سے کوسوں دور ہوں۔ میری دوستوں میں تابی' نیلو' شنی' فری' ہاری (حرا) اب یہ مت سمجھیے گا یہ ہاری ہوئی ہے ہاہاہا۔ یہ اس کا نک نیم ہے۔ صوفی' ثوبی' مانو (بہن)' کلثوم آپی اور میں بس یہی میری فرینڈز ہیں' کھانے میں سب کچھ پسند ہے۔ ہر ایک چیز شوق سے کھاتی ہوں بقول میری کزن ہاری کہ کھا کھا کے گھر اجاڑ دیا ہے لیکن موٹے ہونے کا نام نہیں لیتی بس جی کیا کریں میں ہوں ہی اسمارٹ اور سلم سی (اللہ نظر بد سے بچائے)۔ خوبیوں اور خامیوں کی خوبی یہ کہ بہت حساس ہوں اگر کوئی دکھی ہو اور میں کچھ نہ کرسکتی ہوں تو اس کے ساتھ رونے بیٹھ جاتی ہوں اور خوبیاں چراغ تو کیا ٹیوب لائٹ' بلب' سورج' چاند' ستارے لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی امی جانی سے خوبی پوچھی تو کہا کہ آج تک کوئی ڈھنگ کا کام کیا بھی ہے (ہی ہی ہی)۔ خامی یہ ہے کہ بلاوجہ ہنستی ہوں اور بہت زیادہ ہنستی ہوں آپ زندگی کے کسی لمحے مجھے دیکھ لیں میرا چہرہ مسکراتا ہی ملے گا۔ صاف گو ہوں' بہت زیادہ دنیا کی نظر میں منہ پھٹ کیا کریں جی ایک تو جلنے بہت ہیں دنیا والے (کیوٹ ہی اتنی ہوں ناں)۔ خیر جی مجھے تو کسی کے کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اپنا ہی خون جلاتے ہیں' ارے ایک ہستی کا نام لینا تو میں بھول گئی' کافی زندہ دل ہوں' بقول فرینڈز تم تو محفل کی جان ہو آخر میں صرف اتنا کہوں گی کہ پیاری دوستوں کوئی بھی غلط قدم اٹھانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ آپ کے گھر والوں کی اور آپ کی اپنی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے' کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم۔ میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا' اوکے جی اللہ حافظ۔

آغوشِ مادر

کوثر خالد

آغوش مادر سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے
ماں کے دودھ سے بڑھ کر کوئی مے نہیں ہے

رات ایک بحث چل رہی تھی' ایک نے کہا مائیں ایک سی ہوتی ہیں۔ دوسرے نے کہا سب مائیں ایک سی نہیں ہوتی (ٹی وی میں) تو میں نے اپنی بیٹی سے کہا۔

''ہاں شمع...... مائیں ایک سی نہیں ہوتی' دیکھو تمہاری دادی اپنی بیٹی اور بیٹوں کے لیے کیسی نرم ہیں۔ کیسے بے چین (شروع سے ہی) اور ہم اور ہماری ماں...... تم اور تمہاری ماں (یعنی میں) اور طرح کے ہیں' فرق تو ہوتا ہے۔'' رات گئی مگر بات نہیں گئی' کچھ خواب ایسا دیکھا جاگ گئی تو بیٹی قرآن پڑھتی دکھی' جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی کم از کم اٹھ کر بیٹھ جائیں' برائے حاجت باہر چلے تو بیٹی بولی۔

''امی آتے ہوئے پانی لے آنا۔'' خاموش رہے کہا گر ''اچھا'' بھی بولا تو صبح صبح زلزلے کا سماں ہو جائے گا (آواز بہت اونچی ہے) باہر نکلتے ہی ذہن کی اسکرین روشن ہو گئی۔ جانے کیا کیا یاد آ گیا' آخر میں رات کا پڑھا قیصرہ جی کا پیغام بھی جو دو ماہ سے ہمیں نثر پر اکسا رہی ہیں اور واقعی ہم نہ افسانہ لکھیں گے نہ ہی کوئی جھوٹی بات گھڑ سکتے ہیں۔ ہم نے بچپن میں سوائے ایک کے چند کہانیاں اپنی ہی ذات کی بنائی تھیں تب کی لگی بندشیں تین سال قبل کھولی گئیں (بوسیلہ بیٹی)۔

لیجیے ساس صاحبہ بھی اٹھ گئی ہیں اور باہر کو لپک رہی ہیں' ہم نے خاصے رعب سے یاد کروایا آپ چل نہیں سکتیں' پیمپر لگا ہے' لیٹ جائیے۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی (یہ بچوں کے سرو قاص کا جملہ ہے جو مجھے اور میاں جی کو بہت پسند ہے)۔

ہاں جی...... کیوں نہ طبع آزمائی کر ہی لی جائے مگر کس موضوع پر لکھوں' ہاں ہاں حجاب' آغوش مادر' نہیں نہیں...... لیجیے باہر دستک' بیٹی کو بھیجا' دیکھو' سوچا' رضا ہو گا لاہور گیا تھا مگر ساتھ حیران تھے کہ ہماری طرح صبح صبح اٹھ کر جڑانوالہ آ سکتا ہے۔

ہاں جی نہیں آ سکتا' کوڑے والی تھی چونکہ ہمارا کوڑا باہر رکھا ہوتا ہے تو کبھی دروازہ نہیں کھٹکھٹاتی مگر دیکھئے ہمارا خیال رضا والا غلط تھا (دیکھی ماں)۔

ہاں تو چلئے واپس' آج انوکھا یوں ہوا کہ ماں پر ایک شعر اترا (آغاز والا) اور ہم نے قلم تھامنے کی ٹھان لی۔ پانی لا کر بیٹی کو پلایا' شکریہ وصول کیا اور لکھنے بیٹھے ہیں اور بیٹی سے پوچھ رہے ہیں کہ بھلا پانچ منٹ ہوئے یا دس' قلم تھامے' جبکہ وہ بیڈ پر ورزش کرتے بولی۔ زیادہ ہوئے دس سے' اب لکھنے کی رفتار بھی ملاحظہ کر لیں تو پھر آیئے ایک شاعرہ کی ماں دیکھئے۔

بھئی ہر ماہ بچے کے بچپن میں ایک سی ہوتی ہے بالکل ایک سی کم از کم ڈھائی سال' زیادہ سے زیادہ پانچ سال اور اللہ کے ایک ولی نے لکھا کہ پانچ سال تک بچے کو ہاتھ بھی مت لگاؤ نہ جھڑکو پھر پیار سے تربیت کرو سات سال تک اور پھر بعد میں بھی کوشش کرو کہ آپ کے عمل سے بچہ سیکھے اور ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بیٹی کے آنے پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور ہم......

جی تو ہماری ماں نے بھی بچپن میں پیار کیا' دودھ پلایا اور اس دودھ نے کرشمہ یوں دکھایا کہ جب اماں لکھنے سے روکتی تھیں تو آخر ہم نے کہا یوں ''ماں! جب آپ نے ہمیں اسکول میں داخل کیا تو معلوم نہ تھا یہ نظمیں پڑھیں گی تو لکھنے کا شوق بھی

آ سکتا ہے۔'' بولی ''نہیں'' اور وہ لکھنے سے پتا نہیں کیوں روکتی ہیں کہ میں آگے ہی اتنے کام کرتی ہوں تو تھک جاؤں گی یا کہ فضول خطوں پہ پیسہ خرچتی ہے' ملنا تو کچھ نہیں۔ ہم الفاظ بیچنا نہیں چاہتے' دل تو کرتا ہے انہیں عنقریب ''پیسہ کما کر دکھا ہی دوں''

کتاب بیچ کر' مگر خود پہ نہ لگاؤں کہ غیب کی مدد پر یقین ہے

اگر ماں کے گھر اپنی رہائش بیس سالہ پر دھیان کروں تو ذرا تصور کریں' ایک گھر' باپ صبح و شام مصلے پر یا مسجد میں (سوائے اوقات ڈاک خانہ) ابا پوسٹ مین تھے اور عبادت کی وجہ سے ہمیں بہت پسند تھے انہوں نے مجھے کبھی نہ ڈانٹا سوائے ایک بار کہ نماز کے لیے کہنی مار کر اٹھایا۔ ہم نے جوانی میں نمازیں پڑھیں تو صرف ماں باپ کی وجہ سے ورنہ ہمیں نیند بہت آتی ہے۔ دو نمازیں گئیں (فجر' عشاء) دن میں کام تو بہت تو پھر سب گئیں۔ اب تو زبان ہی نماز پڑھتی ہے بس......

امی بہت محنتی' ابا کی کم تنخواہ کی بدولت' سلائی' کڑھائی اور بُنائی کرتی اور کم عمری سے ہی ہمیں بھی ساتھ لگایا' زندگی میں چند بار ڈانٹ پڑی۔ پنسل نالے میں گر گئی تو پنکھی سے مارا' بالوں کی لٹ کاٹی تو سارا دن پلنگ سے باندھے رکھا رسّی سے۔ آٹھویں میں چچا کے گھر باہر جا کر دوڑ لگانا چاہی تو روکا مگر ہم بضد رہے اور پھر اتنا تیز دوڑے کسی کے ہاتھ نہ آئے۔ سیدھا ٹیوب ویل سے ملحقہ نالے میں گرے' کیسے نکالا' لمبی داستان نکلنے کے بعد سب نے مذاق اڑایا۔ اب کو کلا کلر چھپا کی کیسے کھیلو گی' لتھڑے کپڑوں سے بھی کھیل لیا' گھر آئے' نہا کر چھت پہ سو گئے مگر پاؤں جام تھا۔ چچی نے گود میں اٹھایا (ڈھائی من بوری اٹھانے والی چچی) پٹھانی ہمسائی بانو خالہ کی ماں نے پٹاخہ نکالا تو چلنے کے قابل ہوئے (نافرمانی کی سزا) ایک بار پھر کپڑے دھو کر اٹھنے والے تھے' ماں نے ڈھونڈ کر اور دھر دیئے۔ وہ دھوئے تو اور لے آئیں پھر اور لائیں تو ہم بولے ''کیا مصیبت ہے ایک بار نہیں دے سکتیں۔'' بولیں ''اگر بک بک کی تو خالد کے ساتھ ابھی بیاہ دوں گی'' (منگنی کی بات چھٹی میں ہو گئی تھی) ہم نے تب معافی مانگی۔

بھئی خیالوں میں ایک لم ڈھینگ آ گیا تھا (بعد میں شہزادہ بن گیا تھا) ہاں بھئی ایک بڑا واقعہ' سلائی کڑھائی سے خرچہ پورا ہوتا تھا مگر بچت نہ تھی (شادی کے لیے) تو بھائی سیل مین و اخبار مین بن گیا اور ہم امروز و نوائے وقت کے لکھاری (شکریہ ماں اور بھائی) تمام عمر مفت ہی پڑھا۔ اب بیٹی خرید کر دیتی ہے (اللہ مجھ سے اچھا نصیب دے اسے) جونہی ہم نے میٹرک کیا' پڑھائی بس اور جاب کا آرڈر آ گیا (ابا تو آٹھویں میں بس کرا رہے تھے) تب تو ماں نے ہمارے آنسوؤں کی لاج رکھ لی۔ اب تو ماں کا آرڈر تھا' ہم نے وجہ پوچھی' بولیں۔ ''پیسے نہیں ہیں'' ہم نے مس فرحت سے بات کی جنہوں نے ساتویں میں قذافی اسٹیڈیم کی کھیلوں میں مفت فراک دلوایا تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ فیس معاف' کتابیں بھی لے دوں گی بس داخلہ لے لو۔ ہم نے ماچس کی تیلیاں بھر کر 70 روپے جوڑے تھے' ماں نے کہا ''اب بھی تم نہیں پڑھ سکتیں'' بھئی کیوں؟'' ''وہ تمہارے چچا اور سسر نہیں مانتے''

ہم نے ان سے بات کی ''ہاں جی چچا بولو'

''اوہ کالج کی لڑکیاں خراب ہوتی ہیں؟''

لائیے لائیے لکھوالیں ہرگز خراب نہیں ہوسکتیں' مان گئے' سسر آئے۔

''ہاں جی بولو'' کہنے لگے ''بس ڈرائیور اچھے نہیں ہوتے۔''

میں نے کہا ''تو مطلب آپ بھی ڈرائیور ہوتو کیا خراب ہو؟''
بولے ''ہم تو سگریٹ بھی نہیں پیتے' مگر باقی......''
ہم نے کہا ''ہم چوبرجی سے ''بنات'' تک پیدل جائیں گے۔'' وہ مان گئے یوں ہم لیٹ فیس (فرسٹ پوزیشن کام آگئی) دے کر داخل ہو پائے' گھر آئے تو ماں زاروقطار رو رہی تھی' پوچھا ''اب کیا ہوا؟''
بولیں ''گھر کے کام کون کرے گا؟'' (ہمیشہ نماز قرآن پڑھ کر کڑھائی کر کے صفائی کر کے جاتے تھے) لیجیے اب دادا کی صالحہ کوثر کیا کرے' دے دی قربانی پڑھائی کی مگر آج بھی پڑھ رہی ہوں' وہی چھوٹی سی ننھی ہوں پر گھر میں اب بھی مسئلہ پیسہ تھا' جاب کے لیے بھیجا گیا تو فارم واپس آگئے۔ عمر سولہ سے کم ہے پھر پرائیوٹ اسکول میں جاب ملی مگر خالہ کے گھر کے سامنے (فرح ہوم) میڈم بہت اچھی تھیں' ان کے طریقے آج بھی میرے کام آرہے ہیں۔ آج کل ساس بیڈ پر ہیں ساتھ لکھنے پڑھنے کا چسکا' ٹیوشن بند کر دی مگر پھر بھی کچھ مائیں نہیں مانیں' لہٰذا پڑھاتی ہوں مگر مرضی کا مگر ہم سوچ رہے ہیں کہ ماں کا وہ بہانہ کہ گھر کا کام نہیں ہوتا۔ بے چاری نے ہمارے لیے پیسے جوڑنے کی خاطر اپنے آرام کی قربانی دے دی تو ہم ہفتے کی شام گھر آتے کام کرتے اور پھر ڈیوٹی' خالہ کے گھر کا کام ساتھ ٹیوشن کے بچے' وہ بھی میڈم سے حساب سیکھ کر کروانا پڑتا۔
پانچویں میں چیچک نکلی تو حساب سیکھنا رہ گیا' سائنس بھی سر سے گزری بس اردو انگلش اچھی ہے اتنی بھی نہیں۔ میرا خیال ہے دو دو مائیں بیان ہوگئیں' چلیے جاتے جاتے ایک پیار کی واردات اور سن لیں جب خالہ کے گھر سے چھٹی گزارنے آئے تو رات کے ڈھائی بجے ماں کی آنکھ کھلی تو ہمیں گھورا (ہم سوٹ سلائی کر رہے تھے) ''صبح نہیں چڑھتی'' ہم نے بھی ترکی بہ ترکی بولا۔ ''کام پر نہیں جانا'' سی کر ہی اٹھے سوٹ' اچھا جناب ایسی ہی ایک لڑائی تیار ہے۔ بیٹی نے اسکول پڑھانے جانا ہے اور ہم نے اسے دو گھونٹ چائے بنا کر دینی ہے۔ ساس صاحبہ بھی پورے فارم میں اپنے بال سنوار رہی ہیں' ہاتھوں سے اور باہر جانے کو پَر تول رہی ہیں' لہٰذا اللہ حافظ۔
ماں پر نظمیں لکھ رکھی ہیں پھر کبھی سنا دوں گی' ہماری بیٹی تو 14 گھنٹے پڑھاتی ہے' ٹائم نہیں ہے شاید کبھی لکھے وہ......

آؤ نبی ﷺ کے در پر چلتے ہیں
اپنی غفلت اور ان کی ﷺ
رحمت کا ذکر کرتے ہیں
ہمیں تو ہر ماں میں دکھ
جاتی ہے ماں
نہ دکھے تو ہم بیٹی بن
کے رہ لیتے ہیں
(ناشتے کے دوران کی آمد)

پڑھیے اور سر دھنیے پھر کہیے کوثر نہیں رہی نثر کے لائق' ہوگئی ہے وہ کہیں حمدوں' نعتوں میں غرق' ڈوبا رہنے دیں' شکریہ۔

انٹرویو: بشریٰ اعجاز

☆ میڈم آپ کا بہت شکریہ، کہ آپ نے نے حجاب ڈائجسٹ کے انٹرویو کے لیے ہمیں وقت دیا۔ سب سے پہلے ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ آپ اس دنیا میں کب تشریف لائیں اور اپنے اردگرد کا ماحول کیسا پایا؟

☆☆ میں 1959 میں پیدا ہوئی۔ میرا بیک گراؤنڈ زمیندار گھرانے سے وابستہ ہے۔ جب ہماری زمینوں سے نہریں نہیں نکلی تھیں تو وہاں جنگل تھے، وہاں کی زبان کو بھی جانگلی کہا جاتا ہے۔ گوندل بار، ساندل بار کے جانگلی علاقہ کی میری پیدائش ہے۔ ڈسٹرکٹ سرگودھا سے میرا تعلق ہے۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں چار بہنیں اور دو بھائی، میں تیسرے نمبر پر ہوں میرے والد زمیندار تھے اور بہت بڑے شکاری بھی، یہ جو تلور کا شکار ہے صحرا میں جا کر میرے ابا جی کیا کرتے تھے۔ میرے والد کا نام نوازش علی رانجھا ہے میری فیملی رانجھا ہے۔ میرے والد کا وہ گھر بہت بڑا حویلی نما تھا۔ اس گھر میں ہی میرا بچپن گزرا ہے۔ ایک گاؤں کوٹ فضل احمد ہے جو کہ میرے دادا کے نام پر ہے۔ وہاں میرے کام کے حوالے سے دو اہم کام، پی ایچ ڈی بھی ہوئی ہے۔ ایک پٹیالہ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی سے اور ایک کوروکیشتر سے یہ ذکر میں اس لیے کر رہی ہوں کیونکہ پی ایچ ڈی کا مقالہ جب لکھا جاتا ہے تو اس پر بہت ریسرچ ہوتی ہے۔ انہوں نے میرا گاؤں، میرے دادا کا گاؤں وہ کیا کرتے تھے، یہ سب سوال انہوں نے مجھے لکھ کر بھجوادیے۔ وہاں سے میرے کام پر دو تین کتابیں بھی آئیں ہیں۔ کوروکشی میں تو بڑا کام ہوا ہے۔ وہاں بارہ میری کتابیں مقامی زبانوں میں تراجم کی گئی ہیں۔ پنجابی اور اردو سے گوروکھی میں اور دو کتابیں نہرو یونیورسٹی سے ہوئی ہیں۔ جس میں میری شارٹ اسٹوریز کی کتاب، ایک شاعری کی، ایک وہاں کے گجرات کے کوئی پروفیسر ہیں انہوں نے میری اردو شاعری کو لے کر اسے انگلش میں ترجمہ کیا ہے۔ اور وہ بہت زبردست کتاب ہے جس کا نام "ڈریم بی فور" صاحب نے بھجوائی ہے۔ اس کے علاوہ میری بیس نظمیں سندھ یونیورسٹی نے اپنے نصاب میں شامل کی ہیں۔ دراصل انڈیا میں لوگ کام کے بھوکے ہیں وہ ڈھونڈتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا شخص مل جائے کہ جس پر وہ ورک کرسکیں۔ انہوں نے میرے افسانوں اور شاعری کے حوالے سے بہت کام کیا ہے۔ اور میرا یہ حال ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ خود ہی میری کہانیوں کو لے کر اسٹیج ڈرامے بنا رہے ہوتے۔ وہاں میری شاعری کو بھی بہت گایا گیا ہے۔ پھر مجھے پٹیالہ سے 2008 میں ایوارڈ بھی ملا تھا۔ وہ ہر سال پنجاب کو دو ایوارڈ دیتے ہیں۔ جس میں ایک تو پوری دنیا سے نان انڈین رائٹر لیتے ہیں اور ایک ہندوستان سے رائٹر لیتے ہیں۔ انہوں نے نان انڈین میں پوری دنیا میں سے میرا انتخاب کیا تھا اور مجھے ایوارڈ کے ساتھ گولڈ میڈل بھی دیا۔ لیکن مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اب تک جو میں نے کیا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ میرا کام صرف مجھے تسکین دیتا ہے۔ اور مجھے کام صرف اپنی تسکین اور خوشی ہی کے لیے کرنا

ہے۔اگر وہ چیز کسی دوسرے کو اچھی لگ جائے اور میری پہچان بن جائے۔تو یہ اللہ کا کرم ہے۔میرے خیال سے فطری اور حقیقی رائٹر کا یہ مسئلہ ہوتا ہی نہیں ہے لیکن اسے کوئی ستائش ملے کوئی بڑا صلہ ملے۔میرا ننھیال تخت ہزارہ سے ہے۔ ہمارے بزرگ میاں رانجھا ہی تھے۔چھٹیوں میں ہم ننھیال جایا کرتے تھے۔ چناب کے کنارے پر ایک گاؤں ہے تخت ہزارہ۔میری ایک نظم بھی ہے۔"نانی کا گاؤں" ایک اردو میں ہے اور ایک پنجابی میں اس کا نام ہے"نانی دا ویڑہ"اس زمانے میں وہاں سرکس لگتا تھا اور میلے ٹھیلے لگتے تھے۔ہم سب بہن بھائی وہاں جاتے تھے اور بہت انجوائے کرتے تھے۔ہم کیسے دریا چناب پر جا کر خوش ہوتے تھے میری تحریروں میں اس کا بہت عکس موجود ہے۔میں اپنی نانی سے بہت متاثر تھی،میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی مکمل عورت نہیں دیکھی ہے۔وہ بہت بہادر،مکمل،دلیر اور نہایت خوبصورت،اونچی لمبی،دبنگ خاتون تھیں۔میں جب ہیر کو پڑھتی ہوں،جس طرح کا ہیر کا کردار ہے۔ہیر بہت مضبوط اور جی دار عورت تھی۔میں جب بھی اپنی نانی کو دیکھتی تو مجھے ہیر یاد آتی تھی۔ہیر یقیناً میری نانی جیسی ہوگی۔میں نے رشتوں،محبتوں کے حوالے سے ایک بہت ہی جاندار بچپن گزارا ہے۔جو ہماری دیسی ثقافتیں ہیں۔میری نانی سیف الملوک،شاہ نامہ کربلا،قصہ یوسف،زلیخا جو کہ پنجابی میں ہوتا تھا وہ پڑھتی تھیں۔میاں محمد بخش اور پیر وارث شاہ کو پڑھتی تھیں۔مجھے یہ ساری چیزیں بچپن میں بہت اچھی لگتی تھیں اور میں یہ سب بہت غور سے دیکھتی اور سنتی تھی۔وہاں سے مجھے تھوڑا سا شاعری کا شعور ملا۔ویسے دور دور تک میرے خاندان میں کوئی ادیب نہیں گزرا۔البتہ صوفی و بزرگ ضرور گزرے ہیں۔وہ پورا ایک پیر خانہ ہے۔جہاں بزرگوں کا قبرستان ہے اس کو دربار شریف کہا جاتا ہے۔وہ صرف میری ہی فیملی کا قبرستان ہے۔میاں محمد صاحب تھے ان کی درگاہ ہے ان کے بہت مرید ہیں۔ایک زمانے میں ان کے چالیس لاکھ مرید تھے۔وہ گدی نشینی ہمارے خاندان میں ہے۔خاندان کے دو حصے ہیں ایک حصے میں وہ گدی نشینی چلتی ہے۔میں پیدا تو گاؤں ہی میں ہوئی۔جب میں چھوٹی تھی تو میرے والد سرگودھا میں آ گئے وہاں ان کا بہت بڑا گھر تھا۔میری ابتدائی تعلیم سرگودھا کانونٹ میں ہوئی ہے۔ وہ اس زمانے میں مشنری اسکول تھا،ہماری ٹیچرز جرمن ہوا کرتی تھیں۔مدرز اور سسٹرز بھی ہوتی تھیں۔اس اسکول کی عمارت تو ابھی بھی وہاں موجود ہے مگر وہ چیزیں ختم ہوگئی ہیں وہ سسٹم نہیں رہا ہے۔

میں نے اپنے خاندان میں بہت بزرگ دیکھے ہیں اور گدی نشین بھی دیکھے ہیں جو کہ بہت دین دار اور دنیا دار بھی تھے۔مگر کوئی ادیب و شاعر نہیں دیکھے ہیں۔میری والدہ کی فارمل ایجوکیشن تو نہیں تھی۔مگر وہ فارسی بھی پڑھتی تھی،اردو بھی اور پنجابی پڑھنا بھی جانتی تھیں۔اس زمانے میں انہوں نے بہت تراجم پڑھے ہوئے تھے۔میرے والد اور والدہ دونوں نے بہت لٹریچر ریشین کا بھی پڑھا ہوا تھا۔مولانا عبدالحلیم شرر کی جو سیریز تھی ہمارے گھر میں تھی،شکسپیئر کے تراجم،ہیملٹ،چنگیز خان یہ سب ہمارے گھر میں تھے۔اور سلطان ٹیپو کو میری امی ہیرو کے طور پر لیتی تھیں۔گو کہ!میری والدہ کے پاس فارمل ایجوکیشن نہیں تھی لیکن انہوں نے ہمیں اس بات سے آگاہ کیا کہ روپے کا سونے کے ذخیرے سے کیا تعلق ہوتا ہے اور افراط زر کسے کہتے ہیں۔قصہ مختصر میں نے رشتوں اور محبتوں کے حوالہ سے بہت شاندار بچپن گزارا ہے میں ابھی ساتویں جماعت ہی میں کونوینٹ اسکول میں پڑھتی تھی کہ میری شادی ہوگئی۔تب میری عمر صرف بارہ سال تھی۔

☆اتنی کم عمری میں شادی کے پیچھے کیا وجوہات تھیں؟

☆☆اس کی وجہ تو کوئی بھی نہیں تھی۔بس اتفاق تھا کہ میری بڑی بہن کی شادی بھی نو سال کی عمر میں ہوئی تھی۔میری شادی 1972 میں ہوئی۔میرے تایا کی دو بڑی بیٹیوں کی بھی اسی طرح شادیاں ہوئیں کسی کی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہوئے تو کسی کی ساتویں جماعت میں،چھوٹی عمر میں شادی میرا

کوئی فیملی کلچر نہیں تھا۔ میری بڑی بہن کی نو سال کی عمر میں شادی پھوپی کے بیٹے سے ہوئی۔ میری پھوپو کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کے بچے بہت چھوٹے تھے۔ میری دادی جی کو اچانک کینسر ہوگیا تو میری دادی نے اپنی سب سے بڑی پوتی یعنی میری بڑی بہن کا رشتہ اپنے سب سے چھوٹے نواسے سے کیا ہوا تھا۔ جب انہیں اچانک سے کینسر ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ میں یہ شادی دیکھے بغیر اس دنیا سے نہیں جانا چاہتی ہوں۔ اور میری بڑی بہن اپنی گڑیاں، پٹولے اور اپنے کھلونے اپنے ساتھ لے کر ڈولی میں بیٹھ کر رخصت ہوئی۔ اور میری شادی بھی اسی روایتی انداز سے چھوٹی عمر میں ہوگئی تھی۔ میں نے شادی کے بعد اپنے والدین سے پوچھا تو امی نے کہا کہ اس کی کوئی باقاعدہ وجہ تو نہیں تھی لیکن جب تمہارے، بہت سارے رشتے آنے لگے تو مجھے یہ لگا کہ اگر میں نے سب رشتوں کو مسترد کردیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری شادی ہی نہ ہو پائے۔ اس لیے میں نے تمہاری شادی کردی۔

شادی کے بعد ابھی میری ٹین ایج ہی تھی کہ میرے تینوں بچے پیدا ہوگئے پھر جب میرے بچے تھوڑے سے بڑے ہوئے تو میں لاہور میں شفٹ ہوئی۔ بچوں کی پیدائش اور ان کے بڑے ہوجانے کے بعد میری ایجوکیشن دوبارہ سے شروع ہوئی۔ میں نے اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ ہی میٹرک کیا اور پھر جب میرا بیٹا ایف اے کر رہا تھا تو میں نے بھی ایف اے کر لیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جب میں نے ایف اے کیا تب تک میں نے دو تین کتابیں لکھی ہوئی تھیں۔ جب میں نے ایف اے کیا تب میں خبریں میں باقاعدہ کالم لکھ رہی تھی۔ اس کے بعد جنگ میں کالم لکھنا شروع کیا تھا۔ اس وقت میرے لیے مسئلہ یہ ہوگیا تھا کہ بی اے کرنے کے لیے یونیورسٹی میں امتحان دینے کے لیے جانا ہوتا ہے اس وقت مجھے سب پہچانتے تھے، میں نے بی اے کا امتحان دینے میں دو سے تین سال کی تاخیر کردی۔ اور جب میں پیپر دینے کے لیے جاتی تھی تو وہاں بڑا مسئلہ بن جاتا تھا کیونکہ میں نے اپنا تمام چہرہ کور کیا ہوتا تھا۔ وہاں کا اسٹاف کہتا تھا کہ بی بی اپنا چہرہ اوپن کرو تا کہ شناخت ہوسکے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہاں میری شناخت ہو کیونکہ اس وقت میں باقاعدہ کالم لکھ رہی تھی۔ اور میری دو سے تین کتابیں بھی مارکیٹ میں شائع ہوچکی تھیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا میرے بچے پڑھتے رہے اور میری تعلیم کے ساتھ میرے کام کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ میری پہلی کتاب کا نام "عرض حال" تھا۔ جو کہ حج کا سفرنامہ تھا۔ اور میری یہ کتاب میٹرک کے بعد آئی تھی۔

☆ آپ کی فیملی میں کوئی ادیب و شاعر نہیں گزرا بچپن میں آپ کو والدین کی طرف سے بہت سا کلچر و ادب سننے کو ملا تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ وہ آپ کا ہوم ورک تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرف لانا تھا؟

☆☆ میں شادی کے وقت کتاب سے تو آشنا تھی۔ لیکن شادی کے فوراً بعد کتاب سے کچھ دوری ہوگئی اور سبب اس کا یہ تھا کہ ایک بارہ سال کی بچی کی دور دراز گاؤں میں شادی ہوجانا۔ اور پھر وہ بالکل انجان اور ہم سے بہت مختلف لوگ تھے۔ وہ جگہ بھی ایسی تھی کہ وہاں بجلی بھی نہیں تھی۔ پھر دس سال جوائنٹ فیملی میں رہنا اس دوران میں میرا لکھنے کا کام نہیں ہوسکا البتہ میں ڈائری ضرور لکھتی تھی۔ ڈائری کا مجھے بچپن سے بہت شوق تھا میں نے گاؤں میں رہتے ہوئے بہت ڈائریاں لکھیں۔ شادی کے بعد میں نے بیشتر ڈائریاں لکھیں۔ شادی کے بعد میں اپنی والدہ کو بہت یاد کرتی تھی۔ حالانکہ آنے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور میں کافی عرصہ اپنی والدہ کے پاس رہی بھی ہوں۔ مگر ایک اداسی تھی جو کہ میرے اندر ماں کے لیے مستقل بیٹھ گئی تھی۔

☆ آپ کی اس عمر میں شادی ہوگئی تھی۔ جس عمر میں لڑکی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلتی ہیں۔ کچھ اس حوالے سے بتائیں؟

☆☆ میں نے ایک نظم بھی اس حوالے سے لکھی ہوئی ہے جو کہ پنجابی میں ہے۔

"میریاں گڈیاں پٹولے رہ مائیں
مینوں اصل حقیقت دس مائیں
مینوں خواباں اندروں کڈ مائیں" یہ ایک لمبی سی نظم ہے۔

☆ بارہ سال جو والدین کے گھر گزارے، جب آپ ایک بچی تھیں تو کیسا بچپن تھا آپ کا؟

☆☆ میں بہت شرارتی بچی تھی آپ سوچ نہیں سکتے کہ میں نے کتنی بڑی بڑی ظالم قسم کی شرارتیں کی ہیں۔ درختوں پر

چڑھنا، ہم بالکل بندر کی طرح درختوں پر چڑھتے تھے۔ میرے ابا جی کا گھر بہت بڑا تھا۔ اور اس میں بڑے بڑے اور پرانے سکھ چین کے درخت تھے۔ اور جامن کے درخت، اس میں بیریاں بھی تھیں اور شہتوت کے درخت، شیشم کے درخت، نیم کے درخت تھے۔ وہ بہت بڑی حویلی تھی۔ اس حویلی میں ایک بہت بڑی بارہ دری بھی تھی۔ اس گھر میں اونچے چوبارے بھی تھے۔ میری عادت یہ تھی کہ میں درختوں سے ہوتی ہوئی شاخوں پر چڑھ کر چھت پر جایا کرتی تھی۔ گاؤں کے تیس چالیس بچے بھی ہمارے ساتھ ہوا کرتے تھے، دیواروں کو پھلانگتے ہوئے کئی چوٹیں بھی لگی، پاؤں میں موچیں بھی آئیں۔

☆ کبھی والدین سے ڈانٹ پڑی؟

☆☆ ڈانٹ کبھی نہیں پڑی تھی۔ ہمارا بچپن ہی کچھ ایسا تھا کہ والدین نے ہمیں پوری آزادی دی ہوئی تھی ہر طرح کی سرگرمیاں کرنا اور ہماری حفاظت بھی ہر طرح سے تھی۔ انہوں نے ہمیں بہت اعتماد دیا ہوا تھا۔ بھائیوں کے ساتھ پتنگیں اڑانا، ان کے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنا۔ میری اپنے بڑے بھائی کے ساتھ بڑی دوستی تھی۔ میں نے ایک نہایت بھرپور بچپن گزارا ہے۔ آج کے بچوں پر تو مجھے بہت ترس آتا ہے۔ سچی بات ہے کہ مجھے تو پرندے بھی وہ اچھے لگتے ہیں جو آسانی سے نہ پکڑے جاسکیں۔ میرے اباجی پرندے پکڑتے تھے اور ادھر رحیم یار خان میں کیمپنگ ہوتی تھی تو وہاں ابوظہبی کے شیخ زید اور ان کے وزیر آتے تھے۔ ابوظہبی والوں کے ساتھ میرے اباجی کی بڑی دوستی تھی۔ شیخ زید اباجی کو اپنے پیلس میں بلایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرے اباجی نے سفید رنگ کا فالکن پکڑا۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ پرندہ ڈیڑھ سو سال سے نایاب تھا۔ جب شیخوں کو معلوم ہوا کہ میرے اباجی نے نایاب فالکن پکڑا ہے تو کبھی کسی اسٹیٹ کا وزیر ہمارے گھر آرہا تھا تو کبھی کسی اسٹیٹ کا وزیر آنا شروع ہوگئے وہ کہتے تھے کہ یہ فالکن ہمیں فروخت کردیں۔ میرے والد صاحب پرندوں کے شوقین تھے بیوپاری نہیں تھے انہوں نے کہا ہم لوگ زمیندار ہیں یہ بیچنا اور سوداگری ہمیں آتی ہی نہیں تھی۔ اباجی نے ان کو کہا کہ یہ میرے شوق کی چیز ہے میں اسے فروخت نہیں کرسکتا ہوں۔ پھر ابوظہبی والوں

نے کہا کہ ہمیں یہ نایاب فالکن دکھا تو دیں۔ شیخ زید نے میرے ابا جی کو اسٹیٹ گیسٹ کے طور پر بلایا اور ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اباجی نے بتایا کہ سونے کے پیالے میں فالکن کو پانی پلایا شیخ کی آنکھیں فالکن کو دیکھ کر چمک اٹھی، اس نے اباجی سے کہا کہ برادر یہ مجھے دے دو۔ اس کے بدلے میں مجھ سے کچھ بھی لے لو۔ اس نے بڑا اصرار کیا کہ آپ کچھ بھی مجھ سے مانگ لیں آخر اباجی نے وہ فالکن پرندہ اس کو تحفہ دے دیا۔ پھر اس شیخ نے کہا کہ میں نے بھی اپنے دوست کو تحفے میں کچھ دینا ہے۔ اس نے میرے اباجی کو بڑی جیپ گفٹ کی شکار کھیلنے کے لیے اور ایک سونے کا خنجر دیا اور ساتھ اس نے اپنی مہر دی اور اس کے ساتھ ایک لیٹر دیا جس پر تحریر تھا کہ آپ اور آپ کی فیملی کا کوئی بھی بندہ، جب چاہے بحیثیت اسٹیٹ گیسٹ ہماری اسٹیٹ میں آسکتا ہے۔ جب بھی کوئی سروس ہم سے چاہے تو ہم حاضر ہیں۔ میرے اباجی اس طرح سے تھے۔ میں نے اپنے اباجی پر کہانی بھی لکھی ہے۔ وہ جو آپ کا سوال تھا کہ کتاب سے آشنائی تو میری اپنے والدین کی وجہ سے ہوئی۔ اور شادی کے بعد دس سال کا وقت میرے لیے بہت مشکل تھا۔ وہاں میں پھر سے کتابوں سے جڑ گئی مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کبھی لکھوں گی۔ میں کتاب پڑھتی تھی ٹائم پاس کرنے اور خود کو گرم کرنے کے لیے، جاننے کے لیے۔ مجھے کتاب پڑھنا بہت اچھا لگتا تھا

۔میں نے شاعری بھی بہت پڑھی اور ہسٹری کا بھی بہت مطالعہ کیا ہے۔اس زمانے میں مذہب نہیں پڑھا، البتہ فکشن بہت پڑھا ہے۔جب میں لاہور شفٹ ہوئی تو میرے ذہن میں بس ایک یہی سوچ تھی کہ بس میں نے پڑھنا ہے۔لکھنے کا تو میرے ذہن میں کہیں دور دور تک کوئی خیال بھی موجود نہیں تھا۔

☆شادی کے بعد شوہر کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی کیسے ہوئی؟

☆☆جب میری شادی ہوئی تو میں بچی تھی۔اس عمر میں شادی کی سمجھ بوجھ بھی نہیں ہوتی پھر آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ انسان کا شعور سکھاتا ہے۔یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ بندے کو اس کے مطابق ہمت دے دیتا ہے۔اور ان چیزوں سے گزرنے کی طاقت وشعور بھی عطا کر دیتا ہے۔میرے شوہر شادی کے وقت مجھ سے بارہ سال بڑے تھے۔ان کی عمر اس وقت چوبیس سال تھی۔میں شادی کے بعد جس گھر میں بیاہ کر گئی وہاں جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔میرے شوہر کی بہت ساری بہنیں تھیں۔وہ انڈر اسٹینڈنگ جسے ہم ذہنوں کا ملنا، سوچ کی ہم آہنگی اور نظریے کا ملاپ کہتے ہیں وہ تو میرے خیال سے بہت مشکل ہوتا ہے۔دنیا میں بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں کہ جس کے ساتھ آپ کی مینٹل ایکویشن ہوتی ہے۔اس کے علاوہ دنیا داری کی انڈر اسٹینڈنگ تو فوراً ہوگئی تھی۔مجھے اللہ نے بڑا مثبت بنایا ہے۔میں ہر چیز کو بہت مثبت انداز میں لیتی ہوں۔

☆ایک چیز ہوتی ہے انڈر اسٹینڈنگ اور ایک چیز ہوتی ہے قبول کرنے کی صلاحیت کیا آپ نے اس صورت حال کو اپنا لیا؟

☆☆کسی بھی صورت حال کو اپنانے کی صلاحیت، اللہ نے میرے اندر ایسی ڈالی ہے کہ اس وقت بھی اگر مجھے یہاں سے اٹھا کر کسی جنگل میں بٹھا دیا جائے تو میں وہاں بھی بڑے مزے سے رہ لوں گی۔میں نے کبھی کسی چیز کو خود پر طاری نہیں کیا۔میں یہ سوچتی ہوں کہ خدا نے اگر مجھے کسی سچویشن میں ڈالا ہے تو کسی وجہ سے میرے سسرال والوں کا ماحول کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ ہم سے تقریباً پچاس سال پیچھے کے لوگ تھے۔میرے سسرال کا گاؤں جغرافیائی طور پر اندر سے تو قریب ہی تھا مگر وہ انتظامی حدود کے حوالہ سے ضلع گجرات میں شامل تھا۔اور میرے اباجی کا گاؤں ڈسٹرکٹ سرگودھا کہلاتا تھا۔میرے ابا کے گھر کے ماحول اور میرے شوہر کے گھر کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔تقریباً پچیس سال کے بعد میں نے ازسرنو خود ماحول کو اپنے مطابق ٹھیک کیا۔

☆ہر لحاظ سے اتنے نمایاں فرق کے ساتھ سال پچیس سال کیسے گزرے؟

☆☆وہ پچیس سال بڑے مزے سے گزرے۔مجھے آج تک اپنی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ یاد نہیں کہ جب میں نے خود پر ترس کھایا ہو، الحمدللہ میں نے بڑی ہنس کھیل کر زندگی گزاری ہے۔

☆آج کے عہد کا ایک بنیادی سوال کہ جب رہن سہن میں، عمروں میں، ماحول میں، تہذیبوں میں اس قدر فرق ہو تو پھر اس صورت حال میں خود کو سمجھانا اور تمام معاملات میں آپ نے خود کو کیسے ڈیل کیا؟

☆☆کچھ معاملات ایسے تھے جن کے بارے میں ایک چھوٹی سی بچی کے شعور نے بتا دیا تھا کہ یہ بہت ہی مشکل ٹاسک مل گیا ہے۔میری تربیت شروع ہی سے ایڈجسٹ کرنے والی تھی۔میری والدہ بھی ایسی ہی تھیں۔اور میرے نانا درویش تھے۔وہ بزرگ پیر کانواں والی سرکار کے مرید تھے۔وہ براہ راست مرید تھے اور انہیں روحانی فیض تھا۔میرے نانا جی بہت بڑے زمیندار تھے، چناب کے علاقے میں کئی دیہاتوں کے مالک بھی تھے اور میری والدہ ان کی اکلوتی بیٹی تھیں۔مگر میرے نانا جی کی درویشی ایسی تھی کہ ساری زندگی وہ بانٹتے رہے۔لیکن خود پر خرچ کرنا اور دکھاوے، نمود ونمائش اچھا پہناوہ پسند نہیں کرتے تھے اور بڑے عجز میں، بڑے انکسار میں رہنے والے انسان تھے۔اور وہ خدا کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے اور میری والدہ بھی ایسی ہی تھیں۔میرے خاندان کی باقی خواتین اونچی جگہ پر بیٹھتی تھیں مگر میری والدہ ایک عوامی شخصیت تھیں۔غریب عورتوں کے میری والدہ دکھ سکھ سنتی تھیں۔شاید میں نے ورثے میں یہ چیز ان سے لی ہے۔صبر، شکر اور عوامی سطح پر زندہ رہنا میری فطرت میں شامل ہے۔وہ جو میرے سسرال کا گھر تھا وہاں بجلی بھی نہیں تھی۔وہاں کا ماحول بالکل مختلف تھا۔میری نندیں عمر میں مجھ سے بہت بڑی تھیں مگر وہ غیر شادی شدہ تھیں۔میں اپنے سسرال میں سب سے چھوٹی تھی۔میں نے ان سے دوستی کر لی آج اگر میں اس

زمانے کا موازنہ کرتی ہوں تو مجھے خود یقین نہیں آتا ہے کہ میں نے یہ چیزیں کہاں سے سیکھی۔ یہ مجھے کیسے پتا چلا کہ جھگڑا نہیں کرنا۔اور مل جل کر رہنا ہے۔ ہنس کھیل کر زندگی گزارنی ہے۔اور پتانہیں کہ مجھے کیسے یہ معلوم تھا کہ خود پر ترس نہیں کھانا ہے۔اور کسی کو الزام نہیں دینا میں کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی کہ میرے والدین نے یہ میرے ساتھ کیا کیا۔لیکن آج کل بچوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنی ہر کمزوری، ہر ناکامی کا ذمہ دار اپنے والدین کو ٹھہراتے ہیں۔میری فطرت شاید کچھ ایسی ہی تھی۔اور میرا مزاج ان صوفیا کی مانند تھا جو شکوہ شکایت نہیں کرتے۔ مجھے زندگی میں جو بھی آج حاصل ہوا ہے اور میں نے جو بھی آج تک سیکھا ہے وہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے۔میں یہ سمجھتی ہوں کہ خدا کی توفیق کے بغیر کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔میں نے اپنی صوفیانہ سوچ اور گلہ شکوہ نہ کرنے کی عادت کی وجہ سے اپنی نندوں سے دوستی کرلی۔میرے شوہر کی سوتیلی ماں بھی وہاں ہی موجود تھی،ان کے بھی بچے تھے۔میرے سسرال میں ایک کھچڑی پکا ہوا ماحول تھا۔وہاں ہر وقت جھگڑے اور سیاست ہوتی تھی۔میں دیکھتی رہتی تھی کہ دو گروپ آپس میں لڑ رہے ہیں تو میں چھپ کر کمرے میں جا کر بیٹھ جاتی تھی۔جب ان کی صلح صفائی ہوجاتی تو ان کے درمیان آکر بیٹھ جاتی تھی۔میں اپنی تعریف نہیں کررہی ہوں بلکہ میں یہ اللہ کا کرم بتا رہی ہوں کہ پتانہیں یہ سب کیسے ہوا مگر کمال کی بات یہ ہے کہ وہ سارے جھگڑے کرنے والے لوگ، جن کے درمیان میں دس سال رہی۔آج تک میرا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جھگڑا نہیں ہوا۔وہ سب آج یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ماں کی جگہ پر دیکھا ہے۔میری نندیں یہ کہتیں ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتیں تو ہمارا اباپ اور ہمارے بھائی تو شاید ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔میں عمر میں تو ان سے چھوٹی تھی مگر میرا کردار بڑا تھا۔پھر جب دس بارہ سال کے بعد ان کی شادیاں ہوگئیں۔میں بھی خود مختار ہوگئی۔مگر خود مختار ہوجانے کے باوجود بھی میں نے ہمیشہ اپنی نندوں کو فیملی سمجھا کیونکہ میرے بچوں کے تو یہی رشتے ہیں اگر میرے بچوں کے لیے خالہ اور ماموں ضروری ہیں تو پھر پھوپھیاں اور دادا بھی ضروری ہیں۔میری یہ سوچ تھی کہ میں نے اپنے بچوں کو رشتوں سے بالکل محروم نہیں ہونے دینا ہے۔حالانکہ وہ سب اور طرح کے لوگ تھے مگر میری شادی کو 44 سال ہوگئے ہیں آج تک ایک لفظ بھی ہمارے درمیان ایسا نہیں آیا جو کہ تکرار و تلخی کا ہو۔

☆آپ نے پہلی بار قلم کب اٹھایا؟

☆☆قلم کے ساتھ وابستگی کا بھی ایک سلسلہ ہے۔یہ 1985ء کی بات ہے۔میں حج کرنے گئی۔حج پر جانے سے پہلے کے تین چار سال بہت مشکل تھے۔میں حج پر جانے کے لیے تڑپ رہی تھی مگر حج کو میں روایتی حج کی طرح لے نہیں رہی تھی۔میں تو یہی سمجھتی تھی کہ حج تو بس یہی ہے کہ بیت اللہ شریف اللہ کا گھر ہے اور وہاں اللہ سے ملاقات ہے۔اور میں نے اس سے ملنا ہے۔میں نے لبیک پڑھی ہوئی تھی۔اور کچھ اللہ سے محبت والی چیزیں پڑھی ہوئی تھیں۔میں صوفیاء کو پڑھ رہی تھی۔یہ سب چیزیں پڑھ کر مجھے یہ لگ رہا تھا کہ اگر میں بیت اللہ شریف نہیں جاؤں گی تو مجھے چین نہیں ملے گا۔میں حج کے لیے نہیں جارہی تھی میں اپنی بے چینی کو دور کرنے کے لیے حج کرنے جارہی تھی۔ مجھے بس یہ معلوم تھا کہ بس مجھے وہاں جانا ہے،روح کے چین اور دل کے سکون کے لیے جانا ہے،میں نے تین سال کوشش کی۔ دو سال تک میری درخواست مسترد ہوتی رہی۔تیسرے سال منظوری ہوگئی۔میرے ساتھ میری والدہ تھیں،میری بڑی بہن،میری خالہ ہم سب کا ایک گروپ بن

گیا۔ اور اس گروپ میں سب سے چھوٹی میں تھی۔ میں نے 1985 میں 26 سال کی عمر میں حج کیا۔ مکہ مکرمہ میں محلہ الجیاد میں ایک پرانا مکان تھا۔ جو کہ مٹی، گارھے اور لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے اوپر کے دو حصے گر چکے تھے۔ درمیان کی منزل میں ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ ایک چھوٹی سی لابی کے ساتھ ایک چھوٹا سا کچن تھا۔ اور ایک واش روم بنا ہوا تھا۔ ہم نے اس کمرے میں زمین پر گدے بچھا رکھے تھے۔ حج کی فلائیٹ سے پہلی رات کو میں نے لبیک پھر سے پڑھی۔ اس لبیک نے تو مجھے پتا نہیں کیا کر دیا۔ جب میں بیت اللہ شریف پہنچی تو مجھے نہیں معلوم کہ میری کیا حالت تھی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی ایک عجیب ہی میری حالت تھی۔ وہ حج ایک عجیب سی قلبی کیفیت تھی۔ میرے اندر ایک خلش، تڑپ اور قراری تھی وہ سب وہاں جا کر مزید بڑھ گیا۔ میں ننگے پاؤں دھوپ میں طواف کیا کرتی تھی۔ اور ہر روز میں گیارہ گیارہ طواف کیا کرتی تھی۔ ہر طوائف میں سات سات بوسے لیتی تھی۔ وہ پینتالیس دن کا حج تھا اور گرمیوں کا حج، جولائی کے دنوں کا تھا۔ تب بیت اللہ شریف موجودہ حالت جیسا بھی نہیں تھا۔ آج والی بہترین سہولیات بھی تب وہاں موجود نہیں تھیں۔ بیت اللہ شریف میں گیارہ بجے سے قبل ظہر کی نماز کے درمیانی وقت میں طواف کے لیے بہت کم لوگ ہوتے تھے۔ کیونکہ اس وقت گرمی شدید ہوتی تھی لوگ گر جاتے تھے، مر جاتے تھے۔ میرے گھر والے کہتے تھے کہ تم مر جاؤ گی، کڑی دوپہر میں، سخت دھوپ میں طواف کے لیے کیوں جاتی ہو۔ میرے پاؤں سوجھ گئے، چھالے پڑ گئے۔ پاؤں پر پٹیاں باندھ کر چل رہی ہوتی تھی۔ کیونکہ مجھے طواف کیے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ میں حجر اسود کے ساتھ لپٹی رہتی تھی۔ اور مجھے اپنی کیفیت کی سمجھ ہی نہیں آئی پھر اسی کیفیت میں مدینے پاک چلی گئی۔ اس زمانے میں مدینہ ایسا تھا کہ مدینے کی گلیاں کچی تھیں اور ان گلیوں میں چھوٹی چھوٹی لال مٹی اور چھوٹے چھوٹے لال پتھر تھے۔ اب تو رسول ﷺ کے عہد کا پورا مدینہ شہر مسجد نبوی میں آ گیا ہے۔ میں مدینے میں پہنچی تو مجھے فلو کے ساتھ ایک سو تین بخار ہو گیا تھا۔ جب باب جبرائیل کے سامنے پہنچے تو تب رات کے تین بج رہے تھے۔ تب دروازہ رات کو بند ہو جاتا تھا۔ وہاں گتے کے ڈبے پڑے ہوئے تھے مجھے اتنا تیز بخار تھا میں ان گتوں پر لیٹ گئی۔ وہاں میری خالہ نے مجھے بتایا کہ تم تو یہاں پڑی ہوئی اور ہم نبی پاک ﷺ کے روضہ پاک کی زیارت بھی کر کے آ گئے اور مسجد نبوی میں نماز فجر بھی پڑھ لی ہے۔ یہ سن کر مجھے بہت تڑپ لگی۔ میں ایک سو تین بخار میں اٹھ گئی اور کہا کہ میں بھی جاؤں گی۔ جب میں باب جبرائیل میں کھڑی ہو گئی تو بہت ہی زیادہ رش تھا۔ ایک سو تین بخار میں انسان کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ مجھے فلو اور چیسٹ انفیکشن بھی تھا۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ یا اللہ میں کیسے اندر جاؤں گی؟ اسی اثناء میں سیاہ جبہ اور عمامہ میں ملبوس ایک بندے نے اتنے شدید رش میں، آ کر مجھ سے پوچھا "حاجی زیارت......؟" میں نے کہا ......ہاں" اس آدمی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے کھینچتا ہوا اندر لے گیا میں نے اس کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ وہ راستے میں مجھے بتا رہا ہے کہ صفا کا چبوترہ ہے، یہ ریاض الجنۃ ہے۔ یہ منبر رسول ﷺ ہے۔ میں اسے کہتی ہوں کہ مجھے روضہ رسول پاک ﷺ کی جالیوں پر جانا ہے۔ مجھے راستے میں کہیں نہیں رکنا ہے مجھے وہاں پہنچاؤ۔ روضہ پاک ﷺ کی جالی سے چمٹ گئی سیکورٹی والوں نے مجھے کھینچا۔ مجھے نہیں پتا کہ میں جالی کے ساتھ کتنی دیر لگی رہی ہوں۔ جب میں وہاں سے ہٹی تو میں زار وقطار رو رہی تھی۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ اس بندے نے آج اتنا بڑا میرا کام کر دیا ہے۔ پتا نہیں یہ کون ہے۔ کیا یہ اللہ کا فرشتہ ہے۔ جب میں نے اس بندے کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو وہ بندہ مجھے نظر ہی نہیں آیا۔ ہم لوگ دس دن مدینہ پاک میں رہے۔ تین دن کے بعد میرا بخار بھی ٹھیک ہو گیا۔ میں وہاں کی مٹی اکٹھی کرتی رہی۔ جو کہ اب میرے پاس ہے میں نے اپنے بچوں کو کہا ہوا ہے کہ یہ میری قبر میں رکھنی ہے۔ اب تو وہاں کی وہ مٹی بھی نایاب ہے۔ وہاں وہ مٹی رہی ہی نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا تھا کہ میں لکھنے کی طرف کیسے آئی، تو اپنے پہلے 45 روزہ سفرِ حج کے بعد جب میں واپس آئی، لوگ پوچھتے تھے کہ کیا لائے، وہاں کیا دیکھا؟ کیا کھایا، کیسے رہے؟ یہ کوئی نہیں پوچھتا تھا کہ تم نے محسوس کیا کیا؟ تم پر وہاں کیا گزری؟ جس کام کے لیے تم گئی تھی وہ تم سے کیسا ہوا؟ کیا محسوس کر کے اور کیا کچھ حاصل کر کے آئی

ہو؟ میں واپس آ کر بیس دن تک تو گم تھی۔ میں ہر وقت روتی رہتی تھی۔ ہر وقت کانوں میں مدینے پاک اور بیت اللہ شریف کی اذانیں سنائی دیتی تھیں۔ ہر وقت صلوٰۃ کی آوازیں آتی تھی۔ ہر وقت بیت اللہ شریف اور روضہ پاک ﷺ میری آنکھوں میں رہتا تھا۔ وہ سب میرے آنکھوں سے ہٹتا ہی نہیں تھا۔ تو پھر میں نے ڈائری میں لکھنا شروع کیا، ڈائری میں 32 باب میں نے لکھے۔ میں لکھتی تھی اور روتی تھی۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں لکھتی ہوں اور روتی ہوں۔ مجھے اپنی کیفیت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ یہ میں کیا لکھ رہی ہوں۔ میرے بھائی احمد شیر رانجھا بہت پڑھے لکھے ہیں۔ اور انہوں نے بہت ساری کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ اور ان کی تحریر کمال کی ہے۔ جب میں نے اپنی وہ ڈائری بھائی کو دکھائی تو انہوں نے مجھے کہا کہ یہ تو سفرنامہ ہے اسے چھپوا دو۔ میرا وہ سفرنامہ سنگِ میل سے چھپایا تھا۔ اس سفرنامے کا نام تھا "عرض حال" جو کہ میری پہلی تحریر تھی۔ وہ تحریر ہی میرا تعارف بن گئی۔ اس زمانے میں سجاد حسین قریشی صاحب گورنر ہوتے تھے۔ جب حاجیوں کی فلائیٹ جانا شروع ہوتی تھیں تو وہ انہیں رخصت کیا کرتے تھے۔ میری وہ کتاب سجاد قریشی صاحب حاجیوں کو کئی سال گفٹ دیتے رہے۔ اس کے بعد میں بھی بہت ایڈیشن آئے ہیں۔ میری اس کتاب کو ملیر کوٹلہ، انڈیا کے ایک مسلمان پروفیسر انور چراغ صاحب نے گورومکھی میں ترجمہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اردو اسکرپٹ سے ناواقف ہیں۔ وہاں مسلمانوں کے لیے جو کہ اردو نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اب وہاں بھی پچھلے تین چار سالوں سے لوگ اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں۔ یہ سفرنامہ نثر میں میرا پہلا تعارف بنا مگر میری ذاتی پسند شاعری تھی۔ نثر میں نہیں لکھنا چاہتی تھی۔ جب میں نے اردو شاعری کی تو مجھے کسی نے کہا کہ آپ تو پنجابی شاعری بھی لکھ سکتی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو ٹھیک سے پنجابی پڑھ بھی نہیں سکتی ہوں کیونکہ پنجابی اسکرپٹ پڑھنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ مجھے قائل اور مائل کیا گیا کہ آپ پنجابی شاعری بھی کریں

☆ آپ نے اردو شاعری کی ابتداء کب کی؟

☆☆ اردو شاعری کی ابتدا میری 1988 میں ہی ہو گئی تھی۔

اپنی اردو شاعری کی ابتدا کے اگلے ہی سال میں نے 1989 میں پہلا عالمی مشاعرہ پڑھا تھا۔ جو کہ دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ میں نے پہلی بار غزل لکھی تھی۔ اور پہلی بار میں نے اپنی پہلی شاعری شبنم شکیل کے گھر میں پڑھی تھی۔ انہوں نے اپنے گھر میں وہ نشست میرے اعزاز میں ہی رکھی تھی۔ اس کے بعد میری شاعری چھپنا شروع ہو گئی۔ اس زمانے میں خالد عبدالعزیز صاحب تھے شبنم شکیل نے مجھے کہا کہ میں بھی شاعری کی اصلاح ان سے لیتی ہوں تم بھی ان سے اصلاح لے لیا کرو۔ میں نے شروع میں چند غزلیں خالد صاحب کو دکھائی تھیں۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی کو کچھ نہیں دکھایا۔ ان دنوں پروین شاکر بھی منظر عام پر آ چکی تھیں اور میں نے دہلی کا پہلا مشاعرہ پروین شاکر کے ساتھ ہی پڑھا تھا۔ وہ مشاعرہ کیا بہت بڑی کانفرنس تھی۔ اس میں پاکستان سے اڑھائی سو لوگ گئے تھے۔ جن میں ممتاز مفتی، اشفاق صاحب، قاسمی صاحب، قتیل شفائی صاحب اور اردو ادب کے بے شمار بڑے نام شامل تھے۔ میں نے شاعری میں کسی سے اصلاح نہیں لی۔ میں یہ بھی نہیں کہتی ہوں کہ میں نے موزوں طبیعت پائی۔ میں نے خود ہی لکھ لکھ کر سیکھا ہے۔ مجھے بہت دیر بعد ایک بار کیفی اعظمی صاحب ملے تھے ان کے ساتھ بھی میں نے مشاعرے پڑھے تھے۔ دہلی کے مشاعرے کے بعد شملہ اور پٹنا میں بھی مشاعرے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ میں نے کیفی صاحب سے درخواست کی تھی کہ میں نے شہروں کی کوسٹر میں نہیں بیٹھنا ہے۔ اس میں بہت رش ہوتا ہے اگر آپ نے مجھے لے کر جانا ہے تو آپ کو میری اس چیز کا خیال رکھنا ہوگا۔ انہوں نے پھر میرے لیے وہاں الگ کار کا بندوبست کروایا تھا۔ جس کار میں، میں ہوتی تھی اس میں میری ایک ہندو دوست سحر گیتا ٹھاکر، اور فرنٹ سیٹ پر کیفی اعظمی صاحب ہوتے تھے۔ دوران سفر میں کیفی صاحب سے بہت باتیں پوچھتی رہیں۔ کیفی صاحب نے بتایا کہ میرے استاد آرزو لکھنوی صاحب تھے۔ جب میں نے پہلی غزل کہی تو میں نے کیفی صاحب سے پوچھا کہ یہ کیسی ہے اور مجھے شاعر بننے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ لکھتے رہو لکھتے رہو اور اس مشق سے جو ناپختہ چیزیں ہوں گی وہ خود بخود ایسے جھڑ جائیں گی جیسے درختوں سے خشک پتے اور پختگی

ایسے ہی ہے جیسے ٹہنیاں اور شاخیں رہ جاتی ہیں۔ پختگی بھی ایسے ہی باقی رہے گی۔

☆ کہانیاں اور افسانے لکھنے کی طرف کب آنا ہوا؟

☆☆ میں نے 1991ء میں اپنی پہلی کہانی لکھی اور اپنی مرضی سے لکھ دی لیکن اس وقت کے رواج کے مطابق چیزیں چل رہی تھیں ان کو ملحوظ خاطر ہی نہ رکھا اس کہانی کا نام تھا۔ ''عمر میری تھی مگر'' اور وہ ایک بے ساختہ سی کہانی تھی۔ اس کہانی کا تھیم یہ تھا کہ اس میں ایک ایسی عورت ہے جو کہ مرد سے اظہار محبت کرتی ہے۔ چونکہ ہیر نے رانجھے سے خود اظہار محبت کیا تھا رانجھے نے نہیں کیا تھا۔ میرے ذہن میں ہیر کا کردار ہمیشہ سے ہی بہت مضبوط رہا ہے۔ موجودہ صدی میں بھی میں نے ہیر جیسی کوئی عورت نہیں دیکھی ہے۔ جب میں نے وہ کہانی لکھی تو میں نے وزیر آغا صاحب کو اوراق میں بھیجی۔ اس وقت کے اوراق اور فنون دو بڑے پرچے تھے۔ مجھے اخبار کی دنیا سے منسلک کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ بھی سرگودھا سے ہیں اور آغا صاحب بھی سرگودھا سے ہی تعلق رکھتے ہیں آپ انہیں خط لکھ دیں۔ اور انہیں اپنا سرگودھا کا حوالہ بتائیں وہ سرگودھا کے لوگوں سے زیادہ شفقت فرماتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا نہیں میں نے کام میرٹ پر کرنا ہے۔ میں بالکل نہیں بتاؤں گی کہ میں کہاں سے ہوں۔ بہرحال میں نے آغا صاحب کو کہانی بھیج دی اور اس کے ساتھ میں نے خود سے یہ عہد کیا کہ اگر یہ کہانی چھپ گئی تو میں نثر لکھوں گی ورنہ میں نثر نہیں لکھوں گی۔ وہ اس وقت کے بڑے لوگ تھے ان کے کیا طریقے تھے اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے، مجھے آغا صاحب کا ایک طویل خط آیا جس میں تحریر تھا کہ تم جو بھی ہو، میں تمہیں نہیں جانتا ہوں۔ لیکن تمہاری کہانی بہت اچھی ہے۔ بلکہ کہانی کی خوبی یہ ہے کہ اس میں عورت کا جو کردار تم نے دکھایا ہے۔ وہ اس قدر مضبوط ہے کہ میں نے اردو ادب میں کبھی یہ نہیں دیکھا کہ عورت خود مرد کے ساتھ اظہار محبت کرتی ہے اور کس انداز سے کر رہی ہے وہ انداز کتنا اچھا ہے۔ تمہاری کہانی مجھے بے حد پسند آئی ہے۔

یہاں ایک ''تنظیم بزم ہم نفساں'' ہوتی تھی اور وہ سائرہ ہاشمی چلاتی تھیں۔ اس بزم میں بانو آپا، مفتی صاحب، اشفاق صاحب، منیر نیازی، قاسمی صاحب یہ سب بڑے بڑے لوگ آتے تھے۔ وہ ماہانہ اجلاس ہوتا تھا۔ جب میری وہ کہانی چھپی تو مجھے کیا معلوم تھا میں ان سب لوگوں کو جانتی ہی نہیں تھی۔ مجھے سائرہ ہاشمی کا فون آ گیا کہ تم بشریٰ بات کر رہی ہو تمہارا نمبر میں نے اوراق سے لیا ہے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تمہاری یہ کہانی مجھے اتنی اچھی لگی ہے کہ میں نے اس کا ذکر بہت سارے لوگوں سے کیا ہے۔ ہم دس دن کے بعد ایک اجلاس کر رہے ہیں اور تم نے اس میں ایک نئی کہانی پڑھنی ہے۔ اور میرے پاس کوئی نئی کہانی تھی ہی نہیں، چونکہ میں نے عہد کیا ہوا تھا کہ اگر چھپے گی تو نثر لکھوں گی ورنہ نہیں، اتفاق سے وہ چھپ گئی اور تعریف بھی ہوگئی تو پھر میرے دل میں ایک شوق پیدا ہوا۔ کہ اب مجھے کہانی لکھنی ہے پھر میں نے ایک کہانی لکھی ''فیری ٹیل'' اور وہ ایک ایسی کہانی تھی جو کہ مادی ترقی سے، تعلیم سے محبت کی ناکامی سے شروع ہو کر خدا کی محبت کی طرف جاتی ہے۔ اس کا کینوس وسیع تھا۔ مجھے تو کہانی لکھنی ہی نہیں آتی تھی وہ پہلا موقعہ تھا کہ جب میں ان سب بڑے لوگوں سے ملی اور اتنے بڑے بڑے لوگوں کے سامنے کہانی پڑھی۔ اتفاق سے اشفاق صاحب میرے بالکل سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں نے گھبرا کر دیکھا کہ سب خاموش بیٹھے ہیں تو مجھے یہ خیال آیا کہ یقیناً مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ تو میں نے کہا کہ میں بند کردوں پڑھنا؟ اشفاق صاحب بولے، بچہ پڑھتی جاؤ تم نے تو ہمیں کہانی میں گم کر دیا ہے۔ ہم تو تمہاری کہانی کے جادو میں گم ہوگئے ہیں۔ پھر میں پڑھتی گئی، اور جب پڑھ کر کہانی ختم کی، تو آپ یقین کریں کہ بانو آپا نے اُٹھ کر مجھے اپنے گلے لگا لیا۔ انہوں نے مجھے سر پر پیار دیا اور کہا کہ بیٹا جس نتیجے پر ہم ساری زندگی کے بعد پہنچے تھے تم اس نتیجے پر اتنی جلدی کیسے پہنچ گئی ہو؟ اس کہانی میں یہ تھا کہ زندگی ایک دائرے کا سفر ہے جہاں سے سفر شروع کرو گے جب واپس آؤ گے تو وہی پر ہو گے جہاں سے زندگی کا سفر شروع کیا تھا۔ الف اللہ سے وہ کہانی شروع ہوتی ہے۔ اللہ کی محبت میں کیسے اور کب وہ کردار ڈوبتا ہے اور پھر وہ کہاں چلا جاتا ہے۔ سب نے بڑی تعریف کی اور بہت محبت دی سچی بات ہے میں تو بہت شرمندہ ہوگئی۔ اس کے بعد اشفاق صاحب نے ایک بڑا سا تاثراتی نوٹ لکھ کر مجھے

بھیج دیا۔احمد ندیم قاسمی صاحب نے بھی اسی کہانی پر بہت بڑا ایک تاثراتی نوٹ بھیج دیا۔میں نے وہ سب سنبھال کر رکھ لیے۔اس کے بعد میری کہانیوں کی کتاب چھپی تو میں نے ان کی وہ سب تعریفیں جو کہ صرف ایک کہانی کے بارے میں تھیں میں نے وہ اس میں شامل نہیں کیں۔پھر میری دوسری کہانیوں کی کتاب ''آج کی شہرزاد'' آئی تو میں نے وہ تاثراتی نوٹ اس میں بھی شامل نہیں کیے،اور پہلی کتاب ''دو آنے کی عورت'' تھی۔پھر اس کے بعد پنجابی شاعری لکھنے لگی۔پہلی پنجابی شاعری کی کتاب ''پباں پھار'' اور دوسری پنجابی کی کتاب ''دھلیکھا'' پھر اس کے بعد میں نے انڈیا کے کچھ سفر کیے تو ایک سفر نامہ لکھا جس کا نام تھا ''آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں'' جو کہ میں یہ کہتی ہوں کہ مجھ سے اظہر جاوید صاحب نے ہی زبردستی لکھوایا ہے۔کیونکہ وہ قسط وار سلسلہ تخلیق میں آتا تھا۔پھر میری کہانیوں کی تیسری کتاب ''میں عشق کی بیمار ہوں'' آئی اور تب میں نے اشفاق صاحب کی اور قاسمی صاحب کی وہ آراء اس تیسری کتاب میں شامل کردیں۔میری زندگی کی پہلی کتاب تھی جس میں،میں نے کسی کی رائے کو شامل کیا تھا۔اس سے قبل میری کسی کتاب میں کسی بڑے آدمی کی رائے نہیں تھی اور نہ آئندہ ہوگی۔میری اردو شاعری کی کتاب ابھی چھپ رہی ہے۔میں نے اردو شاعری بہت کی ہے،جو کہ ساتھ ساتھ چھپتی رہی ہے۔لیکن جبکہ اب میری اردو شاعری کی کتاب چھپنے کے مراحل سے گزر رہی ہے تو میں نے اپنی آدھی سے زیادہ شاعری خود ہی مسترد کردی ہے۔یہ شاید اس لیے میں نے کیا کہ جب انسان grow کرتا ہے اس کا شعور اور ویژن بڑھتا ہے تو پھر کیا فائدہ ایسی شاعری دینے کا جو کہ آپ کو خود محسوس ہو کہ اس میں پختگی نہیں ہے۔

☆عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ تخلیق کار کے لیے اس کی ہر تخلیق ہی اس کو اپنی اولاد کی مانند عزیز ہوتی ہے تو پھر یہ کاٹ چھانٹ کیوں؟

☆☆یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب وہ تخلیق کی گئی تو اس وقت فوراً ہی چھپ جاتی تو ٹھیک تھا جیسا کہ میری ''عرض حال'' ہے۔وہ اس وقت چھپ گئی اور اگر وہ آج مجھے چھپوانی ہوتی تو میں اس کو نہ چھپواتی۔شاعری کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے آج سے پندرہ سال پہلے کی ہوئی شاعری،ویسے تو میری ہر چیز ہی شائع ہو چکی ہے۔اور اچھے پرچوں میں ہی شائع ہوئی ہیں مگر میں یہ سب کچھ ہی مجموعہ میں شائع نہیں کروانا چاہتی۔اور اس کے علاوہ میرے شائع شدہ کالموں کی کتاب ''تیسرا کنارہ'' کے نام سے آرہی ہے۔

☆آپ نے کالم لکھنا کب شروع کیا؟

☆☆کالم میں نے 2001 میں لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے خبریں میں کالم لکھا۔میں انڈیا گئی اور وہاں سے آکر سارک کانفرنس کا حال لکھا اور چھپنے کے لیے دے دیا۔حالانکہ شروع میں کالم لکھنے میں مجھے ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی مگر جب لکھنا شروع کیا تو پھر یہ سلسلہ چل پڑا اور کالموں پر بہت حیران کن طور پر مجھے سراہا بھی گیا۔کالم کے ذریعے آپ کی تحریر اور سوچ لاکھوں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔مجھے کالموں پر بھی الحمدللہ بہت پذیرائی ملی۔کالم لکھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کالم لکھنے کے بعد آپ کے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہتا ہے۔اس سوسائٹی میں رہتے ہوئے بے پناہ ہر طرح کے دباؤ ہم پر آتے ہیں اور بے پناہ دکھوں کو ہم فیس کرتے ہیں۔انسان تڑپتا رہ جاتا ہے کہ کیا کرے،لیکن کالم لکھنے کے ذریعے سے آپ سوسائٹی میں اپنا حصہ ڈال دیتے ہو۔

☆کیا کسی ایک پوائنٹ پر توجہ مرکوز کرنے میں مشکل ہوتی ہے؟

☆☆اس کی سب سے زیادہ ضرورت فکشن میں ہوتی ہے۔ناول اور کہانی دنیا کا سب سے مشکل ترین کام ہے۔کیونکہ اس میں کردار کو لے کر چلنا ہوتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ ڈرامہ لکھنا زیادہ مشکل ہے جبکہ میں یہ کہتی ہوں کہ کہانی آپ کی جان نکال دیتی ہے۔مجھے ڈرامہ لکھنا بالکل مشکل نہیں لگتا۔حالانکہ آج کے دور کا ڈرامہ تکنیکی لحاظ سے،بہت مشکل ہے۔اس میں ریٹنگ بھی دیکھنی ہے،جملے بھی سادے رکھنے ہیں،سین کا دورانیہ بھی لمبا نہیں رکھنا ہے،آج کے ڈرامہ کے ہزار مسائل ہیں۔لیکن مجھے وہ فکشن کے مقابلے میں آسان لگتا ہے۔اگر آپ مجھے دن میں ڈرامہ لکھنے کے لیے بیٹھائے،میں تیس صفحات آپ کو چلتے پھرتے لکھ کردے دوں گی۔

☆ ڈرامہ لکھنے کا شوق کیسے ہوا؟

☆☆ میری ایک بہت پیاری دوست ہیں جن کا تعلق سندھ سے ہے نورالہدیٰ شاہ۔ انہوں نے ہی مجھے کہا کہ تم ڈرامہ لکھو، "ہم" ٹی وی کے لیے، وہ "ہم ٹی وی" سے وابستہ ہیں۔ پھر میں نے نورالہدیٰ شاہ کے کہنے پر ہی ڈرامہ لکھنا شروع کیا۔ اس وقت میرا بہت بڑا پروجیکٹ "آج" ٹی وی پر چل رہا ہے۔ وہ "میں کملی" کے نام سے چل رہا ہے۔ جو کہ فیوڈل بیک گراؤنڈ پر مبنی ہے۔ اور "ہم" ٹی وی کے لیے ابھی ایک ڈرامہ لکھ رہی ہوں جو کہ مومنہ درید کا پروجیکٹ ہے۔ جو کہ انڈو پاک کے بیک گراؤنڈ ہسٹری میں لکھی گئی ایک کہانی ہے جو کہ میری اپنی ہی کہانی ہے۔ اس میں تاریخ کا جبر بھی ہے، دہشت گردی بھی ہے۔ اس کہانی کی بہت تعریف بھی ہوئی ہے اور یہ اسلام آباد کے ایک پرچہ میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ ایک اور ڈرامہ "اے پلس" کے لیے "پری خان" کے نام سے کر رہی ہوں۔

☆ آپ کب تصوف کی طرف مائل ہوئیں؟

☆☆ میرے اندر تو یہ شروع سے ہی تھا۔ میں نے جو وہ پہلا حج کیا تھا اس حج سے پہلے اور جو حج کے دوران میری تڑپ تھی تب مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ تصوف ہے کہ پتا نہیں یہ کیا ہے۔ الحمدللہ میں شروع سے ہی نمازی ہوں۔ بارہ، چودہ سال کی عمر میں جب اللہ نے نماز شروع کروائی ہے تو آج تک میں نے کبھی نہیں چھوڑی، البتہ قضا ضرور ہو جاتی ہے لیکن نماز چھوڑ دینے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ایک اور چیز جو کہ مجھے بہت بعد میں سمجھ آئی وہ ہماری نبی پاک ﷺ سے نسبت ہے۔ جب تک نبی پاک ﷺ سے حقیقی نسبت نہیں ہے۔ ہر چیز بے معانی ہے۔ آپ ﷺ کا اچھا اُمتی بننے کی خواہش، کیونکہ اُمتی کی کوئی بہت بڑی تعریف، پہچان نہیں ہے۔ اُمتی وہ ہے آپ دیکھیں تو ہمیں ان کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ہم اپنے حقوق و فرائض اپنی بساط کے مطابق ضرور ادا کرنے کی کوشش کریں۔ باقی ہم خطا کے پتلے ہیں اور گناہ گار ہیں۔ جب تک اللہ کی توفیق اور کرم نہ ہو تو لوگ گمراہی میں ہی مر جاتے ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے شعور دیا۔ میں نے اپنے نبی پاک ﷺ کی سیرت پڑھی۔ اسلام ہمیں اپنے ماں باپ سے ملا ہے۔ جیسا سلوک ہم موروثی چیزوں کے ساتھ کرتے ہیں ایسا ہی سلوک ہم نے اپنے مذہب کے ساتھ بھی کیا ہے۔ اور سیرت و حدیث ﷺ کو بھی ہم ایسے ہی لیتے ہیں۔ ٹھیک ہیں چلیں ثواب کے لیے پڑھ لیتے ہیں۔ محبت اور جذبہ ایمانی سے آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو جاننا ہی آپ ﷺ سے نسبت ہے کہ میرے نبی پاک ﷺ کون تھے، انہوں نے کیا کیا، اور کیوں کیا، ان کا حال کیسا تھا۔ ان کا بچپن کیسا تھا۔ انہوں نے زندگی میں کیسے کیسے مصائب دیکھے۔ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے اپنے علاقے، گھر چھوڑے۔ پتھر کھائے تو کیوں کھائے، گالیاں کھائیں تو کیوں، جب آپ اس طرح سے دیکھتے ہیں اپنے پیارے نبی ﷺ کو جاننے کے لیے کہ زندگی کے جو پہلو مجھے معلوم نہیں ہیں وہ دیکھوں کیسے ہیں۔ جب سیرت پاک ﷺ آپ پر کھلتی ہیں۔ پھر آپ پر نبی ﷺ کی ذات مبارک کھلتی ہے۔ پھر اگر آپ کی نسبت مضبوط ہو جائے اس کے بعد بہت چیزیں واضح ہو جاتی ہیں۔ یہ سب میرے ساتھ بھی ہوا اور اللہ کی توفیق سے ہوا اور دھیرے دھیرے سے ہوا۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ ایک عمل ہے اور کچھ لوگوں کو اللہ کی ذات اس عمل سے گزارتی ہے۔ جیسے مٹی کو پہلے زمین سے نکالا جاتا ہے پھر اسے پانی میں ڈال کر نرم کیا جاتا ہے کتنے دن تک وہ نرم ہوتی رہتی ہے۔ میں چونکہ دیہات کی رہنے والی ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس مٹی کو تیار کرنے کے لیے لوگ اس میں پاؤں سمیت گھستے ہیں۔ اور کتنے دن تک وہ اس مٹی کو پاؤں سے مسلتے ہیں یعنی وہ مٹی تیاری کے عمل میں روندی جاتی ہے۔ روندنے کے بعد پھر اس مٹی کو ایک شکل دینے والا آتا ہے ایک شکل کے لیے اسے ایک چاک پر چڑھایا، گھمایا جاتا ہے، پھر آخری مرحلہ اس مٹی کو پکانے کا ہے۔ کتنے مرحلوں سے نکل کر وہ مٹی آگے جاتی ہے۔ اسی طرح سے انسان کو بھی بنایا جاتا ہے اس کی مٹی لی جاتی ہے، اس کو اچھا سا روندا جاتا ہے کہ اس کی مَیں مرے۔ کیونکہ نفس بہت ظالم ہے، بہت زور آور ہے۔ پیغمبروں نے بھی اور اللہ کے بزرگوں نے بھی اس مَیں سے پناہ مانگی ہے۔ اور ہم عام لوگوں نے پالا ہی نفس کو ہوتا ہے۔ ہم نفس کی نافرمانی، اور نفس کا دکھ اٹھا ہی نہیں سکتے ہیں۔ ہمیں اپنا نفس

بہت عزیز ہوتا ہے۔اس کو مارنا آسان کام نہیں ہے۔انسان کا ذہنی ارتقاء اور حقیقت کو جاننا بھی ایسا ہی ایک سفر ہے۔اسی سفر سے گزر کر انسان کہیں نہ کہیں جاتا ہے اور ایک شکل پکڑتا ہے۔میرے ساتھ جو ذاتی وارداتیں ہوئیں تو میں یہ کہوں گی کہ میں نے زندگی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔میں کسی ایک خیال کی پابند نہیں ہوں۔میں جانتی ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتی ،مجھے اگر حقیقت کو جاننا ہے تو مجھے ایک مسافر جیسی زندگی گزارنی ہے میں مسلسل سفر کروں گی تو ہی حقیقت تک پہنچوں گی۔راستے کے مقامات پر ٹھہر جانے سے،رک جانے سے تو منزل نہیں ملتی۔دوران سفر وقتی پڑاؤ کے لیے جو مقام آتے ہیں وہ سوئے منزل جانے کے لیے چھوڑنے ہی پڑتے ہیں اور تصوف کا سفر تو مسلسل ارتقاء کا سفر ہے۔

☆اس ارتقاء کے سفر میں آپ کو کبھی کوئی مایوسی ہوئی؟

☆☆بے شمار دفعہ مایوسی ہوئی،اور خصوصاً تصوف کے سفر میں،کیونکہ یہاں جھوٹے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔میں بہت دفعہ،بہت hurt ہوئی۔

☆آپ نے پھر خود کو کیسے سمیٹا؟

☆☆خدا نے مجھے سمیٹا۔انسان پر ذات کے بڑے،بحران آتے ہیں۔اپنے آپ کو جاننا سب سے مشکل ہے۔جب آپ اپنے اندر کا سفر شروع کرتے ہو۔یہ سفر ہی سب سے دشوار ہوتا ہے۔اور آپ کو کچھ سمجھ بھی نہیں آتی ہے کیونکہ آپ کو اپنی ذات سے بڑا پیار ہوتا ہے۔اپنے آپ کو مسترد کرنا،اپنی پیاری چیزوں کو جنہیں عرصہ دراز سے آپ نے سنبھالا ہوتا ہے،جنہیں پالا ہوا ہوتا ہے،ان کو چھوڑنا،اور ایسے چھوڑنا،کسی سیکنڈ پرسن کی حیثیت سے خود کو دیکھنا۔خود کو میں سے ہٹ کر تُو کی طرح سے دیکھنا۔اپنی خامیوں کو دیکھنا اور پھر ان پر شرمندہ ہونا۔اپنی غلطیوں کا اللہ کے سامنے اعتراف کرنا اور پھر خود کو تبدیل کرنے کی اللہ سے توفیق مانگنا۔اور بدلنے کی کوشش کرنا۔اپنا احتساب کرنا۔جب تک ہم ڈنڈا پکڑ کر اپنا احتساب خود نہیں کرتے تب تک ہمیں کسی کو کچھ بھی کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔پہلے خود کو ٹھیک کرنا چاہئے پھر دوسروں کو کچھ کہنا کا موقع آتا ہے،جب سے مجھے اس بات کی سمجھ آئی،میں تو اپنے بچوں کو کچھ بھی کہنے سے ڈرتی ہوں۔میں اگر خود ٹھیک نہیں ہوں تو میں پھر اپنے بچے کو کیا کہوں گی۔

☆آپ کی شاعری میں عارفانہ خیالات ہیں،آپ میں داخلیت کا رجحان کب سے ہے؟

☆☆عجیب بات ہے کہ شاعری میری ہی ہے۔مگر میری پنجابی شاعری اور اردو شاعری کے مضامین میں فرق ہے۔میری پنجابی شاعری کی پہلی دو کتابیں خالصتاً خدا کی محبت کی شاعری ہے۔اردو میں بہت ساری نظمیں لکھی ہیں جو کہ اللہ کی محبت کی طرف نکل جاتی ہیں۔مگر تمام شاعری ایسی نہیں،چونکہ شاعری کا ایک فیز ہوتا ہے آتا ہے نکل جاتا ہے۔کبھی ایسا لگتا ہے کہ شاعری ختم ہوگئی مگر پھر وہ اندر سے نکل آتی ہے۔تین سال پہلے مجھ پر پنجابی شاعری کیفیت آئی۔اور وہ سات دن تک برقرار رہی۔ان سات دنوں میں،میرا یہ حال تھا کہ اگر میں بیڈ پر لیٹی ہوئی بھی ہوں تو میرے پاس ڈائری ہوتی تھی میں اندھیرے میں بھی لکھ رہی ہوتی تھی۔ان سات دنوں میں نے چالیس پنجابی نظمیں لکھیں اور ان میں پہلی بار مضامین مختلف تھے۔میں کوئی چیز بھی زبردستی نہیں کرتی ہوں۔اس میں بہت ساری چیزیں صوفیانہ رنگ کی تھیں۔مگر وہ نظموں کی شکل میں ہیں کافیاں نہیں ہیں۔باقی انسانوں کے ساتھ ہونے والے حادثات، معاشرتی حالات کی عکاسی ہے پنجابی شاعری میں میرا اسٹائل کلاسک شاعری والا ہے۔میری پنجابی شاعری میں پرانی زبان ہے جو کہ ہماری اپنی جانگلی زبان ہے۔کیونکہ میں سوچتی بھی اس زبان میں ہوں اور وہ مجھ پر وارد بھی اسی زبان میں ہوتی ہے۔پھر میری کوشش ہوتی ہے۔اردو کی کہانی میں میری ہر کہانی خدا کی محبت تک جاتی تھی لیکن میں نے پھر خود کو اس پہلو سے روکا۔میں نے یہ سوچا کہ یہ تو مجھ پر چھاپ لگ جائے گی۔کہانیوں میں بہت سارے رنگ ہوتے ہیں انسان کی زندگی کے مختلف پہلو انسانوں کے دکھ سکھ اور عورت کے حالات ومعاملات پھر ان کی کیفیات۔

☆پنجابی صوفی شاعروں میں سے کس سے سب سے زیادہ متاثر ہیں؟

☆☆میری یہ مجال نہیں کہ میں کسی کے بارے میں یہ کہوں کہ میں فلاں سے متاثر ہوں۔میں نے کسی سے کیا متاثر ہونا ہے۔ان بڑے ناموں کی برکت وفیض سے ہی میں تھوڑا

بہت کچھ کہہ لیتی ہوں۔ مگر میرے دل کے زیادہ قریب بابا بلھے شاہ ہیں۔ بنیادی طور پر بابا بلھے شاہ کے ہاں وارفتگی اور بے ساختگی بہت ہے۔ ان کی شاعری میں ردھم اور فلو بہت ہے۔ اور وہ تھوڑی آسان زبان میں بات کرتے ہیں۔ جوان کا انداز اور مزاج نظر آتا ہے کہ "چھیتی دوہڑیں وے طبیبا میں تاں میں مرگئی آں" وہ دہاں سے گھنگرو پہن کر چلے ہیں اور لاہور شاہ عنایت حسین کو منانے آگئے ہیں۔ ایک تو ان کی زبان آسان ہے اور ان کے بڑے بڑے مضامین ہیں۔ شاعری کا ایک تاثر ہوتا ہے۔ اور جو کیفیت ہوتی ہے وہ سیدھی آپ کے دل میں اتر جاتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی تخلیق انسان جسے اللہ نے اپنا نائب کہا ہے۔ اور عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی خوب صورت ترین تخلیق ہے آپ کی نظر میں عورت کیا ہے؟

☆☆ بلاشبہ عورت خدا کی خوب صورت تخلیق ہے اور اللہ نے خود اسے پسند بھی بہت پسند فرمایا ہے۔ مختلف معاشروں میں عورت پر ظلم ہوتا آرہا ہے۔ اگر یورپ کی عورت کو دیکھیں تو چرچ نے عورت پر بہت ظلم کیا ہے۔ اور اگر برصغیر کی عورت کو دیکھیں تو ہزاروں سال پہلے یہاں عورت بہت مضبوط تھی۔ یہاں عورت دیوی تھی، اس کی پوجا ہوتی تھی کیونکہ خاندان وہ چلاتی تھی۔ پھر معاشرے نے عورت کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی جو تکالیف ہیں۔ میں موجودہ معاشرے کی بات کر رہی ہوں۔ صدیوں کے تسلسل میں عورت کے کردار کو دیکھے کہ چرچ عورت کو زندہ جلا رہا تھا۔ عرب بیٹیوں کو زندہ دفنا رہے تھے۔ پھر جاہلیت کا دور گزر گیا۔ یورپ کا بھی بلیک دور گزر گیا۔ ہم مہذب ہوگئے۔ یورپ بہت آگے چلا گیا۔ مگر آج بھی ویسٹ میں عورت پر تشدد ہو رہا ہے۔ اور ہمارے ہاں بھی ویسا ہی ہو رہا ہے۔ جب سے عورت کو بل بورڈز پر چڑھایا گیا ہے اور اس کو اشتہارات میں لایا گیا ہے اس کے بعد سے وہ مجھے انسان سے زیادہ ایک جنس لگنا شروع ہوگئی ہے۔ یہ بہت ایک دکھ کی بات ہے۔ اور اس کو بیان کرتے ہوئے بھی مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ عورت کے وجود کو ایک اشتہار، ایک پروڈکٹ بنا دیا گیا ہے اور اسی طرح اس کو سیل بھی کیا جا رہا ہے۔ اس وقت پاکستانی ڈرامے میں عورت پر تشدد سب سے زیادہ فروخت ہو رہا ہے۔ جتنا زیادہ عورت کو مارا پیٹا جائے گا، گھر سے نکال دیا جائے گا تو آپ کے چینل، ڈرامے کی اتنی ہی زیادہ ریٹنگ آئے گی۔ عورت ایک منڈی کا مال بنا دی گئی ہے۔

☆ کیا عورت خود محبوبہ نہیں بنتی ہے؟

☆☆ عورت بہت تھوڑی دیر کے لیے محبوبہ بنتی ہے۔ اور وہ بھی صرف ٹریپ ہونے کے لیے بنتی ہے۔ چاہے جانے کا جذبہ عورت کے اندر سب سے زیادہ شدید ہے۔ مگر اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ جب وہ اس تسکین کے راستے پر نکلتی ہے تو وہ ذلت اٹھاتی ہے۔ وہی محبوب اس کے گلے میں اس کی محبت کا طوق ڈال دیتا ہے۔ اور اس کو اپنے پیچھے لگا لیتا ہے اور پھر وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہتی ہے۔ عورت کا المیہ ہی یہی ہے اس لیے تو اس کے ہاں ہجر، جدائی کا دکھ اس قدر شدید ہے اسی لیے وہ رشتوں میں محبوب ڈھونڈتی رہتی ہے۔

☆ عورت محبوب بناتی ہے۔ مرد محبوب بناتا ہے یا محبوب رکھتا ہے؟

☆☆ مرد خود محبوب ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ مجھے چاہو۔ میرا بیٹا کہتا ہے کہ مجھے چاہو۔ میرا بھائی کہتا ہے کہ تم میری بہن ہو میرے لیے قربانی دو۔ مجھے چاہو۔ میرا باپ کہتا ہے کہ تم میری تابعدار، فرمانبردار بیٹی ہو، میرے فیصلے پر عمل کرو۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ میری محبت میں سب کچھ کر گزرو۔ پھر جو دوسرا مرد عورت کی زندگی میں آتا ہے جو کہ محبوب کے روپ میں آتا ہے۔ اس کے لیے پھر عورت خود کو اس کے پاؤں میں بچھا دیتی ہے۔ کیونکہ کیفیات صرف دو ہی ہیں۔ چاہو یا چاہے جاؤ۔ مرد ہمیشہ اونچی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے نیچے اترتا ہے جب وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے کہ نہیں تم میری محبوب ہو تھوڑی دیر کے لیے روڈ بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ صرف تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے۔ جب وہ اسے شکار کر لیتا ہے تو پھر جا کر اونچی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ میرا اپنا بیٹا جو کہ بڑا اسکالر ذہن کا ہے اور بڑا پڑھا لکھا ہے۔ میرے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ وہ سول سرونٹ ہے۔ اب ماشاءاللہ 19 گریڈ میں چلا گیا ہے۔ ایڈیشن سیکرٹری ہوگیا ہے۔ ہم دونوں ماں بیٹے کی بڑی دوستی ہے۔ ہم آپس میں مذہب ڈسکس کرتے ہیں۔ مذہب، اسلامک ہسٹری، فلسفہ، اس کے پسندیدہ موضوع ہیں۔ میں نے ایک بار اپنے بیٹے سے

پوچھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جس سے ہم محبت کرتے ہیں وہ اتنا سنگ دل کیوں ہوتا ہے۔ ہمیں لفٹ کیوں نہیں کرواتا ہے۔ اس نے مجھے یہ جواب دیا کہ اماں مجھے آپ یہ بتائیں کہ جس شخص سے آپ پہلے ہی محبت کررہے ہیں اس کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ بھی آپ کو محبت کرے۔ جب اس کو معلوم ہوگیا ہے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں تو وہ کیوں مڑ کر دیکھے گا۔ آپ اس کے پیچھے بھاگو، وہ آپ کو بھگائے رکھے گا۔

☆آپ نے کہا کہ عورت کو جنس بنا دیا گیا ہے تو اس میں عورت کی اپنی کتنی منشا شامل ہے؟

☆☆میں بہت زیادہ شو بزنس میں آتی جاتی رہی ہوں پچھلے کچھ سالوں میں، میں نے ٹی وی کے بہت سارے پروگرامز کیے ہیں۔ جن میں مذہبی پروگرامز اور ٹاک شوز بھی شامل ہیں۔ اب میں نے پچھلے دو سالوں سے میڈیا کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب مجھے میڈیا سے ڈر لگنے لگا ہے۔ مجھے یہی نظر آیا ہے کہ یہاں باعزت لوگوں کی کوئی جگہ نہیں اور مجھ جیسے لوگ بالکل یہ سب افورڈ نہیں کرسکتے ہیں۔ اور آج کے میڈیا سے کچھ حاصل وصول نہیں ہے، میرا مشاہدہ یہ رہا ہے کہ میں نے میڈیا کے اندر جو خواتین مختلف شعبوں میں، ایکٹنگ میں، اشتہارات میں، اور ماڈلز دیکھی ہیں۔ میں اب کیا آپ کو بتاؤں کہ وہاں کیسی کیسی مجبور لڑکیاں موجود ہیں۔ اور وہاں کس کس طرح سے ذلیل ہو رہی ہیں۔ پہلے میں بھی عام لوگوں کی طرح سے یہی سمجھتی تھی کہ یہ سب شوق سے آتی ہیں۔ اس فیلڈ میں بہت چھوٹی سی تعداد ایسی ہے جو کہ شوق سے آتی ہے۔ بیشتر مجبور عورتیں ہوتی ہیں۔ ان کی ایک غلطی ضرور ہے۔ وہ یہ ہے کہ تھوڑا کھا لو کوئی باعزت کام کرلو۔ اس کام کی لائف ہی کوئی نہیں ہے۔ ایک ماڈل کے کام کی زندگی کتنے سال ہے۔ ایکٹنگ کے کام کی کتنی زندگی ہے۔ محض چار پانچ سال تک، میں ہمیشہ ایسی لڑکیوں کو یہی کہتی ہوں کہ چھوڑ دو اس گندی دنیا کو، اس میں نہ تو کوئی روزگار مقرر ہے۔ یہ تو ہوائی روزی ہے۔ مل گئی تو مل گئی ورنہ صرف رسوائی، جو ایک لڑکی ڈرامے میں کام کرتی ہے۔ اس کے پیچھے ڈائریکٹر، پروڈیوسر، لائٹ مین، جو اس کے آگے اسٹاف ہوتا ہے چائے بنانے والا کس کس کی نظریں اور جملے نہیں سہنے پڑتے ہیں نہیں۔ ان عورتوں کو دیکھ کر مجھے چار دیواری کی قدر آئی ہے۔ اس مشاہدے سے پہلے مجھے چار دیواری کی کوئی قدر نہیں تھی میں یہ سمجھتی تھی کہ ساری عورتیں میرے جتنی ہی محفوظ ہیں۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ جس طرح الحمدللہ میری سب عزت کرتے ہیں سب ہی عورتوں کی ایسے ہی عزت کی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد میں نے فٹ پاتھ پر کھڑی عورتوں کو پبلک ٹرانسپورٹ (سواری) کے انتظار میں خوار ہوتے دیکھا ہے اور ان پر پڑتی ہوئی ظالم نظریں دیکھی ہیں۔ میرے ساتھ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں کہیں گئی تو میں نے اپنے ڈرائیو کو جو ٹائم دیا تھا وہ اس وقت سے پانچ منٹ تاخیر سے پہنچا۔ کسی ہوٹل کی لابی میں کھڑے ہو کر جو میں نے پانچ منٹ انتظار کیا۔ اس دن مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ یہ چوکوں پر، بس اسٹاپوں پر، سڑکوں پر کھڑی عورتیں جو بس کا انتظار کرتی ہیں تو اس سواری کے معانی کیا ہیں۔ ان پر کتنی بری گزرتی ہے۔ یہ مرد کا معاشرہ ہے۔ مرد معاف نہیں کرتا ہے۔ باہر نکلی ہوئی عورت کو تو یہاں تبرک اور مفت کا مال سمجھا جاتا ہے۔ اس عورت کو اتنا زیادہ ذلیل سمجھا جاتا ہے کہ ایک سطح پر آ کر وہ خود کو واقع ہی ذلیل سمجھنا شروع ہوجاتی ہے۔

☆چادر اور چار دیواری کے کلچر اور اس کے وقار کو ہم کیسے بحال کرسکتے ہیں؟

☆☆دیکھیے یہ جو دوپٹہ میں پچھلے بیس سالوں سے اپنے سر پر اوڑھ رہی ہوں یہ مجھے لینے کے لیے کسی نے فورس نہیں کیا ہے۔ کیونکہ میں وہ انسان ہوں کہ اگر مجھے فورس کیا جائے تو میں وہ کام کرہی نہیں سکتی ہوں میں ضد میں آجاتی ہوں۔ یہ چیزیں اگر کرو تو دل سے کرو ورنہ دکھاوے کے لیے نہ کرو۔ میں نے کبھی کوئی چیز دکھاوے کے لیے نہیں کی۔ چادر اور چار دیواری کی حقیقت مجھ پر آہستہ آہستہ کھلی ہے۔ اور یہ حقیقت کھولنے کے لیے ہمیں اپنے بچوں کو یہ دوسری سائیڈ دکھانی ہوگی۔ ہمیں اپنے بچوں کو یہ بتانا ہوگا کہ یہ ٹی وی اسکرین پر چمکتی دمکتی عورت جو نظر آرہی ہے وہ نا جانے پیچھے سے کتنی مار کھا کر یہاں تک پہنچی ہیں۔ اور جو وہ کیمرے کے سامنے ایک ٹیک دیتی ہے اس کے لیے اسے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ کئی بار کوئی سین ایسا پھنس جاتا ہے کہ وہ دس ٹیک سے بھی نہیں ہو پاتا ہے۔ ہمیں دوسرا رخ

دکھانا ہوگا۔ یہ جو ہم شرمندہ شرمندہ سے ہیں اپنی زبان سے، اپنی اسلامی روایات سے، اپنے کلچر سے، ہم اپنے بزرگوں سے شرمندہ ہیں، اپنی معاشرت سے شرمندہ، اپنے لباس سے شرمندہ، ہم ایک شرمندہ قوم ہیں۔ جوائنٹ فیملی سسٹم نے ہمیں بہت تحفظ دے رکھا تھا۔ مگر ہم اس کے بھی خلاف ہیں اس لیے ہم نے اس کو بھی توڑ دیا ہے۔ ان چیزوں سے شرمندگی دور کر کے اپنی زبان پر فخر، اپنی روایات پر فخر، اپنی معاشرت پر فخر اپنے لباس پر فخر کرنا ہوگا۔ ہمارا لباس جس نے عورت کو ڈھک کر رکھا تھا، اپنی زینت کو چھپاؤ یہ کیوں کہا گیا ہے؟ پرانے زمانوں میں جب بھی کوئی بچہ بیمار ہوتا تھا تو ایک جڑی بوٹی ہے ہرمل اس کا دھواں دیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ اس سے بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے اب ریسرچ نے بتایا ہے کہ یہ اینٹی سیپٹک چیز ہے۔ جو کہ جراثیم ماردیتی ہے۔ میں اپنے بچوں کو یہ بتاتی ہوں کہ یہ صدیوں کے نتیجے ہیں جو آج ہم میں موجود ہیں یہ سب پرانے لوگوں نے اپنے تن پر جھیلی ہیں تو پھر یہ روایات ہم تک پہنچ پائی ہیں۔ یہ سب نسلوں نے آزمایا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی مہربانی کی وجہ سے ہم تک پہنچ پائی ہیں ہم کیسے انہیں مسترد کر سکتے ہیں۔ ہمارے بچے اس زمین کے بچے ہیں اگر اس زمین سے کٹے گے تو کدھر جائیں گے۔ اپنی زبان سے کٹ کر کہاں جائیں گے۔ یہ ایک بہت لمبی بحث ہے۔

☆ ایک دیہاتی عورت جس کے دن کا آغاز فجر سے پہلے ہوتا ہے، جو اپنے شوہر سے پٹتی ہے اور ہر سال بچہ بھی پیدا کرتی ہے۔ اس عورت کو آپ کہاں کھڑا دیکھتی ہیں؟ کیا آج ہمارے دیہات کی عورت بھی مجبور ہے؟

☆☆ ہمارے دیہات کی عورت اس قدر مجبور ہے کہ وہ فیملی پلاننگ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی ہے۔ دیہاتی عورت صرف خاوند ہی کی مار نہیں کھاتی بلکہ وہ سسر کی مار بھی کھاتی ہے۔ وہ دیور، جیٹھ کی مار بھی کھاتی ہے اور جب اس کا بیٹا بڑا ہو جاتا ہے تو وہ بھی اپنی ماں کے سر پر جوتے مارتا ہے۔ اس عورت کا کیا المیہ ہے یہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔ میں تو ان دیہاتی عورتوں کے درمیان میں رہی ہوں۔

☆ ہم اس کو کیسے تبدیل کر سکتے ہیں؟

☆☆ جب تک جہالت دور نہیں ہوگی، غربت دور نہیں ہوگی، ایجوکیشن نہیں ملے گی، خالی آگاہی سے کوئی بدلاؤ نہیں آتا ہے۔ میں آگاہ ہوں مگر میں ان دیہاتی عورتوں کے لیے کیا کر سکی ہوں؟ کوئی اور بھی کیا کر سکے گا۔ وہ صرف جلتا کڑھتا رہے گا۔ میرے پاس تو ایک قلم کا ہتھیار ہے۔ میں تو اپنے قلم کے ہتھیار کو چلا لیتی ہوں۔ یہ ہر کسی کے پاس تو موجود نہیں ہے۔ وہاں نہ کوئی ہیلتھ سنٹر ہے، نہ گائنی سنٹر، ہر روز عورتیں دائیوں کے ہاتھوں مر رہی ہیں۔ ہر سال اس عورت کے گود میں ایک بچہ آ رہا ہے جبکہ کھانے کو نوالہ میسر نہیں ہے۔ اس ملک میں افزائش اس قدر زیادہ ہو رہی ہے۔ ہمارے وسائل کی بربادی کے پیچھے، یہ ہماری زائد آبادی بڑی وجہ ہے۔

میں یہ سوچتی ہوں کہ دیہات کی بڑی عمر کی عورتوں کو پڑھایا جائے، تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ میں اپنے گاؤں ایک بار گئی ہم اپنے فارم ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے یہ خبر ملی جو لوگ ہمارے گھروں میں کام کرتے ہیں ان میں سے کسی کی ماں اچانک فوت ہو گئی ہے۔ میں اس عورت کی ہمیشہ دلجوئی کرتی تھی میں نے اس کا ماہانہ بھی لگایا ہوا تھا۔ مجھے اس عورت پر بڑا ترس آیا کرتا تھا۔ ویسے ہم لوگ ان کے گھروں میں زیادہ تر نہیں جاتے مگر میں اس دن اس عورت کے گھر گئی۔ وہ منظر میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ وہاں دو عدد لالٹین جل رہی تھیں۔ ویسے ہم نے انہیں لائٹ کا کنکشن دیا ہوا تھا لیکن بجلی گئی ہوئی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے میت چارپائی پر رکھی تھی۔ اردگرد عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں کوئی بچہ رو رہا ہے۔ کوئی کچھ کھا رہا ہے، کوئی گپیں لگا رہا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ابھی کچھ دیر میں اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ تم سب کچھ اس مرنے والی کے لیے کچھ پڑھ لو، باتیں نہ کرو، سورۃ فاتحہ پڑھو کلمہ پڑھو قل شریف پڑھو، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں سورۃ فاتحہ بھی نہیں آتی اور نہ ہی کلمہ آتا ہے۔ وہ کیا ہوتا ہے، یہ ان کا جواب تھا۔ میں گاؤں کی پیداوار ہوں میں حیران پریشان ہو گئی، وہ لوگ ایسے ہیں کہ دو سال اگر میرے پاس کام کیا تو دو سال کسی اور کے پاس کام کیا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر کام کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ اس لیے نہ تو وہ کسی مسجد، مدرسے سے جڑ پاتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی فیملی سے ٹھیک طرح سے جڑ پاتے ہیں اس

لیے وہ اکثر جاہل ہی رہ جاتے ہیں۔ مجھے بڑا دکھ ہوا میں نے سوچا کہ ان کے لیے اسکول بنایا جائے، میں نے یہ سوچا کہ یہ تو مجھ سے پوچھا جائے گا آخرت میں' تمہارے آس پاس لوگ تھے تم نے ان کو کلمہ پڑھنا بھی نہیں سکھایا۔ میں نے گاؤں میں اپنی چھوٹی سی جگہ پر ان لوگوں کے لیے اسکول بنایا۔ ماسٹر رکھا اور ایسا آدمی رکھا جو کہ انہیں قرآن بھی پڑھاتا نماز بھی، میں نے ان عورتوں سے کہا کہ دن میں ظہر تک تمہارے بچے ان سے پڑھیں گے اور ظہر کے بعد تم لوگ ان سے آ کر پڑھو۔ میں نے انہیں یہ سمجھایا کہ تم لوگ صرف اپنا کلمہ ٹھیک کرلو، اور نماز سیکھ لو۔ تین چار دن وہ عورتیں گئیں بس اور پھر یہ کہہ دیا کہ ہم نہیں جاتے۔ اب وہ لوگ جنہیں کلمہ نہیں آتا ہے وہ تو جانور کی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں انہیں تو کچھ بھی نہیں آتا ہے۔ یہاں ایک وومین ڈے آٹھ مارچ کو منالیں وہ ایک مغرب کا ہی دیا ہوا دن ہے۔ یہ جو ہمارے ملک میں دنوں کا رواج پڑ گیا ہے، ماؤں کا دن، باپوں کا دن اور پھولوں کا دن، ویلن ٹائن ڈے، زبانوں کا دن اور عورتوں کا دن، یہ جو دن باہر سے ہم نے لے لیے ہیں یہ دن ہماری عورتوں کا کیا حال سنواریں گے؟ ان بے چاریوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آج ہمارا دن ہے۔ وہ تو ویسے ہی پس رہی ہیں۔ ہزاروں بار ہم بھی لکھ بیٹھے ہیں۔ مگر لکھنے سے بھی کیا ہوتا ہے؟ جب تک ان کو ایجوکیٹ نہیں کیا جائے گا۔

☆عورت سب سے پہلے ماں ہے اور شخصیت کی بنیاد وہی رکھتی ہے۔ اور بیٹے کی خواہش مند زیادہ ہوتی ہے آج یہ مردوں کی سوسائٹی ہے آج کا بچہ کل کا مرد ہے۔ اور مرد ظالم ہے مگر اس کا مائنڈ سیٹ بنانے والی، اس کی شخصیت و کردار کو بنانے والی بھی تو عورت ہی ہے۔

☆☆ویری گڈ! بہت اچھا سوال ہے۔ اس کا جواب ابھی میں نے اپنے چند دن پہلے کے کالم میں دیا تھا۔ یہ جو تحفظ حقوق نسواں کا بل آیا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف محاذ آرائیاں کر رہے ہیں۔ میں نے بھی اس پر اپنے طریقے سے لکھا ہے اور ایک بات کہی ہے کہ تین چیزیں جس کے بغیر عورت کی تقدیر نہیں بدلی جاسکتی ہے۔ سب سے پہلے مائنڈ سیٹ تبدیل کیا جائے۔ جب تک ہم مائیں ظالم بیٹے اور مظلوم بیٹیاں پیدا کرتی رہیں گی۔ تب تک یہاں کے مرد کا مائنڈ سیٹ تبدیل نہیں ہوگا۔ بیٹوں کو ہم مائیں خود ظالم بناتی ہیں۔ اور بیٹیوں کو بھی مظلوم ہم خود بناتے ہیں۔ مظلوم بیٹیاں اور ظالم بیٹے ماؤں کی گودوں سے نکلتے ہیں۔ جب تک میرے ملک کی ماں نہیں بدلے گی بیٹی کو انسان نہیں سمجھے گی۔ بھائی کا بہن کے اوپر رعب، حق اور تشدد، جب تک یہ کلچر، یہ سوچ ختم نہیں ہوگی، بڑے گھروں میں یہ اب کافی حد تک کم ہوا بھی ہے۔ مگر دیہاتوں میں یہ اول روز کی طرح ویسے ہی رواں دواں ہے۔ پہلے مائنڈ سیٹ بدلا جائے اور پھر ان بچوں کی کردار سازی کی جائے۔ اس کو یہ بتایا جائے کہ بیٹا تم انسان ہو تمہاری بہن بھی انسان ہے اور باہر سے آنے والی عورت بھی تمہارے جیسی انسان ہے اور جو تمہارے ساتھ دفتر میں کام کرنے والی عورت ہے اس کی بھی عزت کرو وہ بھی انسان ہے۔ پھر اس پر عمل درآمد ہو۔

☆اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی ایک رعایت دی ہے۔ اس میں عورت کا تحفظ بھی پنہاں ہے۔ کہیں قرآن میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ پہلی بیوی کی حق تلفی اور اس پر ظلم ہے۔ دوسری بیوی کو بھی تحفظ ملتا ہے۔ اور درجہ بھی یکساں ہے اور قرآنی آیت میں ساتھ ہی عدل کا بھی حکم دے دیا گیا ہے۔ بحیثیت مسلمان آج ہم دوسری شادی کو اتنا برا کیوں سمجھتے ہیں۔ اور دوسری شادی کو ہم نے کیوں ایک خوفناک چیز بنا رکھا ہے؟

☆☆سارا مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو سمجھ کر آج تک پڑھا ہی نہیں ہے۔ قرآن کو ہم نے مقدس مذہبی کتاب سمجھا ہوا ہے۔ جس سے مُردے کو ہم ثواب پہنچا دیتے ہیں اور وظیفے پڑھ لیتے ہیں، فالیں ہم نکال لیتے ہیں۔ قرآن کو سب سے اونچی جگہ پر رکھا ہوا ہے مگر زندگی میں شامل نہیں کیا ہوا ہے۔ جب تک وہ ہماری زندگیوں میں، ہمارے عمل میں شامل نہیں ہوگا تب تک زندگی پر سکون نہیں ہو پائے گی۔ جب پہلی بار میں نے قرآن کی تفسیر پڑھی، ایک زمانے میں، مَیں اعتکاف کیا کرتی تھی۔ وہ میرا ایک تبدیلی کا وقت تھا۔ شاید خدا سے تعلق جڑنے کا وہ وقت تھا اس زمانے میں، مَیں نے قرآن کی تفسیر پڑھی۔ تو مجھے ایسا لگا کہ میرے ہر سوال کا جواب، میرے ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہے۔ مجھے تفسیر پڑھ کر بہت رونا آیا کہ ہم تو

اس مسئلے کے حل کے لیے لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا کلام جو کہ خدا نے خود براہ راست اپنے بندے کی فلاح کے لیے بھیجا ہے۔ ہم نے اس سے کام کیا لیا ہے۔ عربی میں طوطے کی طرح رٹا ہے بلکہ عربی میں ہی حفظ کر کے سینے میں اتار لیا ہے مگر سمجھا نہیں ہے۔ ہم طوطے کی طرح قرآن کو رٹتے ہیں اپنی زبان میں سمجھتے نہیں ہیں۔ قرآن کو عربی میں ضرور پڑھیں مگر عربی کا ایک مطلب بھی تو ہے عربی ہماری زبان تو نہیں ہے۔ میری ایک چھوٹی سی نظم ہے جو میں نے کسی زمانے میں لکھی تھی۔ ایک ہمارے بہت اچھے اسکالر ہیں اور تنقید نگار ہیں انہوں نے اس نظم کا تجزیہ لکھا جو کہ اوراق میں چھپا، جب میں نے وہ پڑھا تو میں حیران ہوگئی کہ اس کے اتنے معانی تھے۔ تب میں نے یہ سوچا کہ ایک عام آدمی کی لکھی ہوئی ایک عام سی چیز کے اتنے معانی ہوسکتے ہیں تو اللہ کے کلام کے معانی کتنے وسیع ہوں گے۔ قرآن تو ایک ذیشان کتاب ہے اور ہم نے اس کو کتنا روایتی سا لیا ہوا ہے۔

☆ ایک بڑا مشہور مقولہ ہے کہ وہ آیا اس نے دیکھا اور فتح کرلیا، آپ کی زندگی بھی کچھ ایسی ہی لگتی ہے آپ نے ایک شاندار بچپن گزارا، جوانی میں بھی جو چاہا وہ پالیا۔ زندگی میں اتنی کامیابیاں آپ نے حاصل کرلیں، کیا کبھی زندگی میں کسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا؟

☆☆ میری ساری زندگی ایک نارسائی ہے۔ میری نارسائی یہ ہے کہ میں اپنے گاؤں کی جاہل عورتوں کو کتاب نہیں پڑھا سکی۔ میری نارسائی کی کہانی جہاں سے شروع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں کسی کالج، یونیورسٹی میں پڑھ نہیں سکی۔ مجھے اگر میرا بچپن واپس مل سکے تو میں پھر سے مشن اسکول جانا چاہوں گی وہ مزہ میں نے کسی اور اسکول سسٹم میں دیکھا ہی نہیں ہے۔ میں آج بھی اپنے بچوں کو یہ کہتی ہوں کہ اگر میرا تھوڑا بہت نام نہ بنا ہوتا تو میں بی اے کسی ریگولر اسٹوڈینٹ کے طور پر کسی کالج یا یونیورسٹی سے ہی کرتی۔ یہ میرا ایک خواب تھا۔ اس کے بعد میری ساری زندگی جو گزری، میری زندگی کا جو دکھ ہے وہ میری ماں ہے جن سے میں بچپن میں بچھڑی، مجھے اپنی ماں سے بہت محبت تھی اور اس محبت کو میں نے محسوس بھی تب ہی کیا جب میں ان سے بچھڑ گئی۔ انسان کی حیثیت ہی اصل میں اتنی ہی ہے۔ اگر وہ غور کرے تو اسے قدم قدم پر پتا چلتا ہے کہ اس کی حقیقت اس کی اوقات کیا ہے۔ اور میری ذات کے حوالے سے اگر میں آپ کو سادہ لفظوں میں بتاؤں تو اس کا جواب یہ ہے، جنہیں آپ شاندار بچپن کہہ رہی ہیں اور کامیابیاں کہہ رہی ہیں اس کے پیچھے میری جدوجہد اور جستجو کی اتنی لمبی کہانی ہے کہ دو سال پہلے تک میرے گھر اور میرے خاندان میں یہ تھا کہ یہ کیوں لکھتی ہے۔ میری بہت لمبی جدوجہد ہے۔ اصل میں مسئلہ یہ تھا کہ میں بہت فرمابرداری کرنے والی، بہت بھرپور تعاون کرنے والی ہوں۔ مگر یہ ایشو ایسا تھا کہ اگر میں لکھنا چھوڑ دیتی تو شاید میں ذہنی طور پر بہت بیمار ہوجاتی، میں ڈپریشن میں چلی جاتی، میں ایک مایوس انسان بن جاتی اور میں اس مایوسی میں کچھ بھی کرسکتی تھی۔ میں لکھنے کو چھوڑ دینا افورڈ ہی نہیں کرسکتی تھی، وہ بھی صرف اپنے لیے، اس کے بغیر مجھے یہ لگتا تھا کہ میں گھٹ کر مر جاؤں گی لکھنا میرے لیے آکسیجن تھی۔ میں اپنی تسکین کے لیے لکھتی تھی۔ مگر میرا پورا خاندان اور وہ لوگ بھی جو مجھے نہیں جانتے تھے اور جن کا میری زندگی سے کوئی دور سے بھی تعلق نہ تھا۔ جو کہ دور پار کے ملنے والے تھے میں نے ان کے ہاتھوں میں بھی اپنے لیے پتھر دیکھے ہیں۔ اور میرے شوہر نے منع تو نہیں کیا مگر انہوں نے زیادہ پسند بھی نہیں کیا اور جب میرے شوہر پر ان کے اپنے خاندان کی طرف سے زیادہ دباؤ پڑتا تھا۔ ابھی پچھلے چند سالوں میں یہ ہوا ہے کہ وہ گاؤں کے لوگ جو میرے میاں سے یہ کہا کرتے تھے کہ تمہاری بیوی کی تصاویر اخبارات میں آتی ہیں اور کبھی یہ ٹی وی پر بیٹھی ہوتی ہیں۔ اب میں خود حیران ہوتی ہوں کہ جب میں اس گاؤں میں کسی خوشی غمی کے موقعہ پر جاتی ہوں تو وہاں کے مرد عورتیں میرے پاس آتے ہیں اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ جی ہم بھی لوگوں سے یہ کہتے کہ آپ ہمارے علاقے سے ہیں آپ ہماری بچیاں کو کچھ بتائیں۔ بچیاں آتی ہیں اور یہ کہتیں ہیں کہ آپ تو ہماری رول ماڈل ہیں، ان کی مائیں آکر میرے پاس بیٹھ جاتی ہیں۔ اب وہ لوگ مجھے اتنی عزت دیتے ہیں، جن کے ہاتھوں میں کچھ سالوں پہلے تک میرے لیے پتھر تھے۔ اب شاید ہوا بدلی ہے تو میرے گھر والے بھی مطمئن

ہوگئے ہیں۔

☆ آپ کو کچھ طمانیت ملی کہ جو سفر آپ نے اکیلے شروع کیا تھا آج اس سفر میں سراہنے والے موجود ہیں؟

☆☆ جی ملی تو مگر طمانیت تو انسان کو جب ہم روز رات کو سوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ معلوم نہیں اللہ نے ہمیں کس کام کے لیے بھیجا تھا اور ہم پتا نہیں کس کام میں پڑ گئے ہیں۔ اچانک مر گئے تو کیا لے کر جائیں گے۔ یوں تو طمانیت والی کوئی بات نہیں، مگر اس لحاظ سے شکر گزار ہوں کہ اللہ نے تھوڑا سا نام دے دیا۔ میرے بارے میں یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ کسی سے لکھواتی ہے۔ ساری زندگی مجھے یہی سننے کو ملا کہ یہ کسی سے لکھواتی ہے، یہ تو ساتویں جماعت میں اسکول چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ یہ کہاں سے لکھے گی۔ حالانکہ میں مزاجاً اور کچھ میرا فیملی بیک گراؤنڈ بھی ایسا ہی ہے کہ میں کسی کے بھی کبھی قریب ہوئی ہی نہیں ہوں۔ میرے جو جاننے والے ہیں وہ فیملی کی طرف سے جاننے والے ہیں اور جو میرے ملنے والے ہیں ان کی فیملی میری فیملی سے ملتی ہے۔ میرا پرسنل جاننے والا کوئی نہ میرے گھر آتا ہے اور نہ میں کسی کے گھر جاتی ہوں۔ میں صرف کام کے لیے ہی ملتی ہوں کام کے علاوہ کسی سے نہیں ملتی۔

☆ آپ نے ایک کتاب لکھی تھی رہ نوردِ شوق، جو کہ ایک بالکل منفرد آپ کا کام ہے آپ نے ایک شخصیت کو سامنے رکھ کر لکھا۔ آپ کیسے متاثر ہوئیں؟

☆☆ اس ایک کتاب کے اندر پوری لائبریری لگتی ہے۔ حضرت اکرم اعوان صاحب کے پاس جو بھی لوگ آتے ہیں جو ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو حضرت جی آنے والوں کو وہ کتاب دے دیتے ہیں۔ یہ کتاب یوں لکھی یہ وہ زمانہ تھا نوے کی دہائی کا آخر تھا۔ پہلے میں ذہنی طور پر ڈسٹرب تھی میں کسی روحانی منزل کی تلاش میں تھی۔ وہ میرا روحانی بے چینی کا زمانہ تھا۔ میری کہیں حضرت جی سے ملاقات ہوئی تو میں نے کتاب کا کام شروع کردیا۔ پھر جب کتاب لکھ لی تو میری حضرت جی سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ میں نے وہاں سے ذکر بھی سیکھا اور وہ کرتی بھی رہی۔ پھر جب آپ کسی راستے پر چلنا شروع کرتے ہیں اور خدا نے جب کسی ارتقا کے راستے پر آپ کو ڈالنا ہو اور کوئی حقیقت بتانی ہو، مجھے آگے چل کر یہ محسوس ہوا کہ نہیں، مجھے اس شکل میں تلاش نہیں ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کی حد تک میں فل ان کی شخصیت کے حصار میں تھی۔ پھر یہ ہوا کہ میں نے کسی شخصیت میں خدا کو ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مجھے خدا نے یہ شعور دے دیا کہ مجھ سے براہ راست ملو، میں تمہیں براہ راست ملوں گا۔ اور اگر کسی کو تم سے ملوانا ہوا تو میں اس کو تمہارے گھر تک لے آؤں گا۔ تم نے اب کہیں نہیں جانا ہے۔ اس ذکر کا سلسلہ بڑے سال تک جاری رہا۔ لیکن اب وہ تسلسل نہیں رہا ہے۔

☆ میڈم یوتھ کو کیا پیغام دیں گی؟

☆☆ نوجوانوں کو میرا یہ پیغام ہے کہ شرمندہ ہونا چھوڑ دیں۔ اپنے والدین پر، اپنی زبان پر، اپنے کردار پر، اپنے ماضی پر، اپنی مٹی سے شرمندہ ہونا چھوڑ دیں۔ اس کو اون کریں اور سر اونچا کرکے جئیں۔ ہمارے بزرگ بہت بڑے لوگ تھے۔ ہماری جس نبی ﷺ سے نسبت ہے وہ ایک عالیشان ہستی ہیں۔ ہمیں جو پڑھایا اور سکھایا گیا ہے اس کے پیچھے بے شمار لوگوں کی محنت ہے۔ خود کو مسترد کرکے، خود پر شرمندہ ہوکر ترقی نہیں ہوتی ہے۔ پھر دوسری زبانیں، دوسرے کلچر اس کی جگہ آجاتے ہیں۔ ویسٹ ہمارے ذہنوں کے اندر آکر بیٹھ گیا ہے۔ جہاں بھی خالی جگہ ہوتی ہے وہاں ایسی بلائیں آتی ہیں۔ ان بلاؤں سے بچو۔ اپنے اندر جھانکنا، اپنا احتساب کرنا بہت ضروری ہے۔ اپنے اندر کا سفر کرنا بھی زندگی میں نہایت ضروری ہے۔ جب تک اپنا احتساب نہ کیا جائے تب تک ہم کسی دوسرے پر انگلی اٹھانے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ آپ کے ساتھ نہایت اچھی گفتگو رہی میں نے یہ تمام باتیں ایک طویل عرصے کے بعد کی ہیں۔ میں تو اپنے آپ میں تھی ہی نہیں، باتوں باتوں میں جو کیفیت بندھی میں کہیں اور نکل گئی۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور خوش رکھے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

عید سروے

ہلال عید

ندا رضوان

سلمیٰ غزل...... کراچی

۱۔ رمضان میں میری کوئی خاص روٹین نہیں ہوتی دو میاں بیوی زیادہ وقت عبادت میں گزرتا ہے افطاری میں بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا ایک زمانہ تھا افطاری پر جاتے بھی تھے اور بلاتے بھی تھے مگر وہ بھی اب نہ ہونے کے برابر ہے البتہ میں بیٹی داماد اور نواسہ، نواسیوں کو بلا کر خوب اہتمام کرتی ہوں دونوں بیٹے تو امریکا میں ہیں لیکن صد شکر روزے کے پابند اور افطار پارٹیاں بھی کرتے ہیں۔

۲۔ میں ڈھائی بجے اٹھتی ہوں اور شوہر کو ساڑھے تین بجے اٹھاتی ہوں ایک آواز میں اٹھتے ہیں۔

۳۔ عید کے دن بیٹی کے علاوہ رشتہ دار دوست احباب آتے ہیں میں خود اسی دن اپنی بڑی بہن کو عید کا سلام کرنے ڈیفنس جاتی ہوں سالوں سے یہ روٹین ہے۔

۴۔ بچپن کی ہر عید یاد ہے عیدی کے لیے بہن بھائیوں سے لڑنا کہ میں سب سے چھوٹی تھی۔

۵۔ روزہ کشائی اچھی طرح یاد نہیں اپنے ۳ سال بڑے بھائی کے ساتھ رکھا تھا صرف اتنا یاد ہے کہ میری تائی ایک بڑے سے دیگچے میں تخم بالنگاہ کا شربت لے کر بیٹھی تھیں اور سب کو لائن سے گلاسوں میں ڈال ڈال کر دے رہی تھیں، اس وقت سائرن نہیں بجتا تھا ایک آدمی اونچی جگہ کھڑے گھنٹی بجاتا تھا ہم لوگ ٹھنڈ میں رہتے تھے۔

۶۔ آج سے ۲۰ سال پہلے میں سحر و افطار کی نشریات لازمی دیکھتی تھی اب نہیں دیکھتی۔

۷۔ اپنے اور بچوں کی شوہر ایمان کی سلامتی زمینی اور جسمانی معذوری سے بچنے کی دعا اور ملک کی سلامتی کے ساتھ مسلمانوں میں یکجہتی کی دعا ویسے بھی ہر وقت لبوں پر رہتی ہے۔

۸۔ عید پر اب میں اپنے لیے کوئی اہتمام نہیں کرتی سنت ہے اس لیے نئے کپڑے ضرور پہنتی ہوں اور پھر اپنے دونوں بیٹوں بہوؤں، پوتا اور پوتیوں کو یاد کر کے ان کی صحت، زندگی اور ایمان کی سلامتی کی دعا کرتی ہوں ظاہر ہے ان کی یاد میں آنکھیں بھی بھر آتی ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بچپن میں مالی وسائل کم تھے مگر حقیقی خوشی تھی اب ہر طرح کی آسانی ہے آسائش ہے مگر خوشی مفقود خوشی کا احساس جیسے ختم ہو گیا ہو۔

حرا قریشی...... ملتان

مسرتوں، رحمتوں، برکتوں کا سامان آ گیا
دیکھیے جناب من پھر سے رمضان آ گیا
دستر خوان محبتوں کا نور خلوتوں کا
ہاتھوں میں ایک مقدس جزدان آ گیا
حفاظت کر رہا ہے سبھی کی شیطان سے
برائیوں سے بچانے کو نگران آ گیا
مل گیا بدی سے چھٹکارا مسلمان کو
اندر دلوں کے نیکیوں کا میلان آ گیا
جا بجا من و سلویٰ، فراوانی رزق کی
ہمارے لیے کیسا جنتوں کا مکان آ گیا
بن مانگے ہو گئیں دعائیں سبھی کی مستجاب
دعاؤں کی قبولیت کا اعلان آ گیا
بانٹ رہا ہے نذرانے خوشیوں کے حرا
بنا بلائے کیسا یہ مہمان آ گیا

۱۔ شب و روز، روٹین، معمولات سب کے سب حرا کے بالکل سیدھے سادے ہیں ہاں یہ خوب کہا جناب

عالی، عام دنوں سے تو حقیقتاً مختلف ہوتی ہے بوقت سحری ہو یا افطار ربط وضوابط اور گردو پیش میں بچھے معمولات کے امور میں ازخود ایک انوکھا بندھن، ایک منظم ترتیب سی پیدا ہوجاتی ہے جاتی شب میں تیرگی کے اختتامی اوقات کے دوران (سمجھ گئے ناں، سحری کی بات کررہی ہوں) حرا بیٹا سحری بنانے کے بعد (ساتھ ساتھ نعتوں کی آواز روحانی ساعت کے حوالے کرتے جسم کو تھکن کے آزار سے فری رکھتے ہیں) یا کبھی کبھی تو سحری ہونے کے وقت سے پہلے ہی اٹھ کر ماسی کے روپ میں آجاتی ہوں (خبردار جو مذاق اڑایا تو) کہ سحر کی کرنوں میں سورج کے ہمدردانہ جذبات اور تسلیاں ہماری برداشت سے تو باہر ہوتے ہیں سو صفائی ستھرائی کو نپٹانا سحر میں ہی فرض عین سمجھ لیا جاتا ہے عام دنوں میں فلک کی طرف دیکھو یا نہ دیکھو سحری کے اوقات میں نگاہیں ضرور آسمان کی نظر اتار کر کچن میں جاتی ہیں (بھئی نظر نہ لگے نا) چونکہ ہمارے پیارے بابا گردے کے مریض ہیں (آپریشن بھی ہوچکے ہیں) بس اس لیے روزہ نہیں رکھتے لہٰذا دن میں ان کی مرغوب ڈرنک چائے ہوتی ہے ''چائے نہیں تو زندگی نہیں'' ان کے ساتھ ایسا ہی ہے چائے بناتے ہلکے پھلکے برتن دھوتے اشیا ادھر سے ادھر لے جاتے (بھئی کمرے سے بیٹھک میں جانا) صحن کی دھوپ سے چھیڑ خانی کرتے روزے کی حالت میں خصوصی ورزش ہوتی رہتی ہے بلند آواز میں نعتیہ اشعار کے راگ الاپتے بہت نہیں سادہ سا افطاری کا اہتمام کیا جاتا ہے (اگر مہمان نہ ہو تو) پھر حرا بیچاری مظلوم روزہ دار، اس مظلوم کی صحت کا خیال رکھنا بھی تو ضروری ہے ناں (آگے کم اوور اسمارٹ ہے) بہر حال رمضان کے شب و روز میں خود کو ایک الوہی کیفیت کے زیر اثر پاتی ہوں بنا کسی خوشی کے بھی گردو نواح میں مسرتوں کے انوار کا خوشگوار سا ہالہ محسوس ہوتا رہتا ہے اور پھر عبادت کی لذت تو کچھ اور ہی ہوتی ہے، جیسے حالت خاموشی میں رخصت ہوتی تیرگی صبح سے گلے ملے جیسے سحر کی کرنیں آفتاب کے کشادہ سینے پر شاداں و فرحاں سر رکھ دیں جیسے سرسبز و شاداب چراگاہوں میں اشجار کی ٹہنیوں پر طائر ایک پختہ و مصمم عزم لیے نئے سفر پر جانے کے لیے تیار ہوں، پھر جس رب سوہنے اللہ عزوجل کے لیے روزہ رکھا جاتا ہے وہ استطاعت دینے کے ساتھ ساتھ رحمتوں، نعمتوں اور برکتوں کا نزول من وسلویٰ سے کم نہیں کرتا، ہر ہر گزرتے لمحے سجدہ شکر کی سی حالت مجذوب ہوتی ہے۔

۲۔ یہ بھی پوچھ لینا تھا سب سے جلدی کون اٹھتا ہے، (نہ پوچھیں) میں تو بتا رہی ہوں سو سب سے پہلے سحری میں حرا بٹیا اور سب سے تاخیر میں چھوٹے ہمارے ہنر مند بھائی جان کبھی کہتے ہیں اٹھ جا شانی بس تیس منٹ باقی ہیں کبھی کہتے ہیں اب بیس منٹ رہ گئے پھر آخر کے دس پندرہ منٹ میں موصوف اٹھ ہی جاتے ہیں اور ایسے اٹھتے ہیں کہ اشیائے خوردونوش (کھانے کے لوازمات) کے ساتھ ساتھ قلی کرنے کا پانی بھی بستر کے پاس ہی فراہم کردیا جائے اور جب سحری بند ہونے لگتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے۔

زمین بھیگی ہوئی ہے آنسوؤں سے
یہاں بادل عبادت کررہے ہیں

اذان کی چہار سو سے آنے والی صدائیں کچھ ایسا ہی مسحور کن سماں باندھ دیتی ہیں اور مومن کھنچے چلے جاتے ہیں۔

۳۔ عید ہو اور مہمان نہ ہو ایسے تو حالات نہیں عید کے پہلے دن تو وقتاً فوقتاً آمد و رفت جاری ہی رہتی ہے۔ حیات کے ان خوشی سے بھرپور لمحات میں نعتوں

کا تشکر کا ساماں بھی ہوتا رہتا ہے (جتنی زیادہ عیدی اتنا زیادہ شکر) جہاں تک یہ شرف دوسروں کو بخشنے کا سوال ہے تو جناب ہماری کچھ یہ منطق ہے۔

بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلے رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

احباب میں سے کسی کی طرف عزیز برادر لے جائیں (جو شاذ شاذ ہی ممکن ہوتا ہے) تو خوشی دیدنی ہوتی ہے اور اگر ہم کسی کو دعوت دے اور وہ آجائے اپنے قیمتی، گراقدر لمحوں میں سے کچھ وقت ہمارے لیے نکال کر تو گھر کے آنگن کی تپتی دھوپ ٹھنڈی لگتی ہے۔

۴۔ اگر ماہ و سال کے مدار کو ناپنے لگے تو پیائش کرتے کرتے ہم بہت دور نکل جاتے ہیں یادداشت کے چوک پر جب قدم دھرے تو ذہن کے کینوس پر ایک سنہری جھلمل جھلمل کرتی عطر کی مہک میں مزین یاد، سال کی ایک خوب صورت متبسم عید کی پر مسرت جھلک کی صورت مثل طلوع سحر نمودار ہوتی ہے۔ چشم نم اس منظر کے خوابیدہ سحر میں کھو سی جاتی ہے اس منظر میں کچھ یوں ہوا تھا کہ مری قیمتی متاع میرے بابا سفید براق کلف لگے لباس میں ملبوس تھے جس کے کالر پر کڑھائی ہوئی تھی وہ مری سب سے انمول ہستی چشمہ شفقت بحر محبت امی جان کے لیے کھوئے میں ملفوف رس گلے لے کر آئے تھے امی جان اس وقت غالباً دہی بڑوں کے لیے چٹنی پیس رہی تھیں وہ بابا کو دیکھ کر کھڑی ہوگئیں بابا نے اپنے ہاتھ سے مٹھائی کا ڈبہ بطور تحفہ امی کے حوالے کیا اور ایک عدد رس گلہ اٹھا کر ان کے منہ میں ڈال دیا اس لمحے، اس وقت، اس گھڑی جو تبسم ان کے مرمریں لبوں پر آیا تھا اسے دیکھ کر بابا مسکرا دیے تھے، کچن میں موجود کسی معصوم سے جذبے کے تحت گڑیا سی معصوم حرا نے اس منظر کو کیمرے میں تو نہیں بلکہ اپنی آنکھوں کے تصرف میں لے کر اس منظر کو سدا کے لیے مقید کر لیا تھا بقول جناب کے

ان کی دید ہوگئی...... ہماری گویا عید ہوگئی

۵۔ عمر غالباً سات یا آٹھ سال...... رغبت حد درجے تھی روزہ رکھنے کی چونکہ جلدی تھی بہت سادہ سی حرا کی سادہ سی روزہ کشائی تھی سب سادگی سے ہوا تھا (ویسے افطار میں لوازمات دیکھ کر بھوک یہ جا وہ جا ہوگئی تھی حالانکہ بہت نہیں تھا) کبھی تھوڑا بھی بہت کے مصداق لگتا ہے اسی کو برکت کہتے ہیں۔

۶۔ نشریات کے حوالے سے رائے؟ (رائے لیتے رہا کریں حرا بیٹا مشورے خوب دیتا ہے) خوب صورت، دلکش، دل آفرین، دل پسند صداؤں کا امتزاج، کیف آفرین، پرکشش طرح دار مناظر کی دھنک، حقائق کا روپ دھارتے خوابوں کی سرزمین کچھ ایسے دلکش تناظر نشریات کے پس منظر میں مخفی ہوتے ہیں اس مقصد پر لگتا ہے ہر ذی روح عمل کر رہا ہے ''اگر امن چاہتے ہو تو کان اور آنکھیں استعمال کرو مگر زبان بند رکھو، سو جب ٹی وی ہو یا ریڈیو یا کیبل کی نشریات جگہ جگہ نعتیں، کھانوں کے حوالے سے مختلف، مرغوب و دلپسند تراکیب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے حوالے سے واقعات کی تشریح خلیفہ المسلمین کے کارہائے نمایاں ہر کوئی خاموشی ساکت سن یا دیکھ رہا ہوتا ہے اسی لیے امن و سکون کی دلفریب کیفیت ہوتی ہے جا بجا۔

۷۔ چاند کو دیکھ کر چاند کو دیکھنے کی دعا پڑھی جاتی ہے اور

فلک سے اترا ہے عکس میرے ساجن کا
زمیں پر بکھرا ہے چاند میرے آنگن کا

چاند کو دیکھنے کی دعا پڑھنے کے بعد ماں جی کی مغفرت و دیگر وابستہ افراد کے لیے دعا، بہن بھائیوں

کی مشکلات سہل ہونے کی دعا اور......آ ہم اپنے لیے نیک اور صالح ''ان'' کی دعا (سمجھ جائیں ناں)

۸۔ کوئی چیز تو خاص ایسی نہیں نہ سویاں، نہ جیولری نہ کپڑے، ہاں ایک ہستی ہے جو ماں کی ہے بغیر اس کے ہر خوشی ادھوری لگتی ہے نہ پوری لگتی ہے رب سوہنا جوار رحمت میں انہیں خصوصی جگہ عطا فرمائے، آمین۔

زینب ملک ندیم (کالم نگار، افسانہ نگار)

ا۔ سحری کرنے کے بعد سوجاتے ہیں رمضان المبارک میں قرآن زیادہ تر پڑھا جاتا ہے تو زیادہ وقت اس پر ہی گزارا جاتا ہے پھر افطاری کی تیاریاں اور مقررہ اوقات پر نمازیں بس ایسے ہی شب وروز گزر جاتے ہیں۔

۲۔ عموماً پاپا تاخیر سے اٹھتے تھے مگر وہ ہستی اس ماہ چھوڑ کر چلی گئی ایسے جہاں جہاں سے لوٹنا ناممکن ہے۔

۳۔ کبھی کبھار پہلے دن اور کبھی کبھار دوسرے دن رشتوں کی نوعیت پر منحصر ہے۔

۴۔ ہم کوئی بھی نہیں۔

۵۔ میرے خیال سے اتنی چھوٹی تھی کہ یاد ہی نہیں جی مگر سادہ انداز میں ہی ہوئی تھی۔

۶۔ نشریات وہ لوگ جو بے حیائی پھیلاتے ہیں ان کے سروں پر ڈوپٹے آجاتے ہیں کیا اسلام رمضان تک ہی محدود ہے جو سبق دیتا ہے میرے خیال سے یہ لوگ خود اس پر عمل کریں تو ناظرین بھی کچھ سیکھ لیں۔

۷۔ یااللہ تیرا شکر آپ نے ایک اور سال دیا زندگی دی کہ ہم روزے رکھ سکے ہمیں تمام روزے رکھنے کی توفیق دیجیے گا آمین۔

۸۔ جیولری اور جوتوں کے بغیر اور خاص طور پر مہندی کے بغیر۔

کوثر ناز......حیدر آباد

السلام علیکم سب سے پہلے تو حجاب وآنچل کے قارئین کو ہمارا محبت بھرا اسلام اور نیک تمنائیں۔

ا۔ ماہِ رمضان تو رحمتوں کا مہینہ ہے بالکل روٹین مختلف ہوتی ہے اور ہمارے شب و روز بھی بالکل تبدیل ہو کر رہ جاتے ہیں یوں تو گھر میں چھوٹے ہیں سو زیادہ ذمہ داریاں نہیں ہیں مگر پھر بھی باقی کی روٹین تبدیل ہوتی ہے تو ہم میں بھی تبدیلی آ ہی جاتی ہے اور روزہ رکھ کر تو پھر سارے کام میں پہلے ہی سمیٹ لیتی ہوں جو مجھے کرنا ہوتے ہیں یا پھر افطار کے بعد کے لیئے رکھ لیتی ہوں اگر دل چاہے تو درمیان میں بھی کر لیتی ہوں روٹین ایک نہیں رہتی۔

۲۔ ہاہا سحری کے لیئے چھوٹا بھائی بہت تاخیر سے اٹھتا ہے اسے بار بار جا کر اٹھانا پڑتا ہے ہر روز رات کو کہہ کر سوتا ہے روزاہ رکھنا ہے پھر صبح کہتا ہے کل رکھوں گا۔

۳۔ واقعی عید کے دن تو بس سب کو جلدی کی ہوتی ہے پہلے دن گھر میں بھی آتے ہیں چاچو ماموں ان کے بچے وغیرہ......اور سب کے ہاں مما ہو آتی ہیں یا آپی بھی گھر آئی ہوں جو کہ اکثر ہوتا ہے تو پھر ہم بہنیں کبھی مما کے ساتھ تو کبھی خود ماموں اور چاچو کے ہاں ہو آتے ہیں موسٹلی گھر میں دن گذرتے ہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی آیا ہوا ہوتا ہے۔

۴۔ ہاہاہاہا بہت مزے کا سوال بچپن کی یوں تو سب عیدیں ہی کمال تھیں ہم تو ابھی بھی بچپن ہی گزار رہے ہیں لیکن وہ باہر جا کر پرس لٹکا کر عیدی جما کرنا چھوڑ دیا ہے۔ میں اور بہن جب ہم چھوٹے تھے تو بہت تیار ہو کر چاٹ اور کولڈ ڈرنک پینے نکلا کرتے تھے ایک دن کیا ہوا کہ ہم اور ہماری کالونی کی ایک لڑکی ہم نے مل کر سوچا کہ کیوں نہ اس پٹھان سے تصویر کھنچوا

لیں (بچپن میں بہت شوق تھا اور تصویر کھنچنے والا پٹھان بھی سامنے ہی) تو ہم نے وہ تصویر کھنچوالی خوشی خوشی گھر آ گئے کہ بھئی دو دن بعد یہ لڑکی کے گھر دے کر چلا جائے گا ہمارے اس لیئے نہیں کہ ڈر تھا بابا کیا کہیں ڈانٹیں ناں مگر پھر دو دن گذرے اور پندرہ بھی مگر وہ نہ آیا اور پیسے بھی لے گیا ہم مایوس ہو کر بیٹھ گئے برا بھلا کہتے کہ ہائے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔ پھر ایک دن ہماری اسی دوست کے ماموں آئے تو وہ تصویر لے آئے پتا چلا کہ پٹھان وہ تصویر اپنے ہاتھ میں پکڑنے والی لاٹھی جس میں بورڈ پر تصاویر ہوتی ہیں پر چپکائے گھوم رہا تھا وہ ماموں نے اس سے خرید لی اپنی بھانجی کو پہچان کر یوں وہ تصویر ہمیں ملی تو وہ عید آج تک ہمیں یاد آتی ہے۔

۵۔ وہ تو یاد نہیں کہ پہلا روزہ کب رکھا تھا غالباً روزے کی سمجھ تھی تبھی رکھا تھا اور سادگی ہی سے گھر میں مما نے اہتمام کیا تھا۔

۶۔ ٹی وی پر نشریات ہونی چاہیئے جو وقت گذر نہیں رہا ہوتا تب آرام سے گذر جاتا ہے اچھا دیکھنے کو سننے کو مل جاتا ہے۔

۷۔ چاند دیکھنا مجھے ہمیشہ سے بہت خوب صورت لگتا ہے مغرب کی نماز ادا کر کے بہن اور بھائی کے ساتھ اوپر چھت کی طرف بھاگتی ہوں اور چارپائی پر چڑھ کر پورے آسمان کو گول گول گھوم کر دیکھتی ہوں جب نظر آ جاتا ہے تو مما کو آ کر سب خوشی خوشی بتاتے ہیں نہ نظر آئے تو اعلان کا انتظار کرتے ہیں اور دعا یہی کہ بس اس جہاں میں سب اچھا اچھا ہو میری مخصوص دعا یہی ہوتی ہے۔

۸۔ مجھے چوڑیاں پہننا بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ وہ بہت سوٹ کرتی ہیں ہاتھوں پر بہت خوبصورت لگتے ہیں مجھے ہاتھ سو پہنوں نہ پہنوں خریدتی ضرور ہوں وہ نہ ہوں تو بہت خالی خالی لگتا ہے۔

آخر میں سبھی کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک خوش رہیئے خوشیاں بانٹیئے۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

ا۔ روٹین تبدیلی تو صرف یہ کہ سحری کے وقت اٹھنا پڑتا ہے کبھی تو اٹھ جاتے ہیں کبھی گھر والے مشکلوں سے اٹھاتے ہیں عین وقت پہ سحری کرتے ہیں مجھے صرف چار روٹیاں پکانا ہوتی ہیں میری دو روٹیاں دہی سے بیٹی کی ایک انڈے سے اور بیٹا سالن اور دہی کھاتا ہے، افطاری میں تین دن بعد ایک ہنڈیا پکاتی ہوں شربت، دودھ سوڈا یا ملک شیک بنا لیتی ہوں کبھی دہی بڑے بنا دیتی ہوں چپس، پکوڑے یا سموسے بیٹی بنا لیتی ہے۔ رہے عبادات کے سلسلے تو بیٹی پانچ نمازیں قرآن اور تراویح پڑھتی ہے بیٹا روزے تو سارے رکھتا ہے مگر نمازوں میں عشا گم اور ہماری اللہ سے ہمکلامی ہر پل جاری رہتی ہے اور درود ہر پل ورد زباں۔

۲۔ اٹھنا تو یوں کہ پونے تین کا الارم لگاتے ہیں جو صرف بیٹی کے کانوں تک رسائی پاتا ہے وہ چھت سے نیچے آ کر ہمیں جگاتی ہے کبھی تو جلد ہوش میں آ جاتے ہیں اور کبھی پانچ منٹ تک جگانا پڑتا ہے آج تو حد ہوگئی چچی کی فوتگی پر لاہور گیا گئے صبح اٹھ ہی نہ رہے تھے آنکھیں بند اور رو رو کر روٹی پکائی اور بیٹا تو دس ہاتھ ہم سے آگے ہے اکثر تو وہ منہ میں بڑبڑاتا ہے کیوں جگا رہے ہو کان بند...... پھر بیٹی روٹی اوپر لے جا کر پاس رکھ دیتی ہے تو پھر کہیں ہمارا روزہ پورا ہوتا ہے اگر نہ جاگے تو اٹھ پہر ا روزہ چند دن پہلے ہم دونوں نے آنکھ نہ کھلنے پر صرف دہی سے روزہ رکھا جبکہ بیٹی نے ایک گلاس شربت سے۔

۳۔ سسرالی رشتے اور سہیلیوں کے گھر شام کو اکثر

جاتے ہیں (وہی عید ہے)

۴۔ بچپن کی پہلی عید کچھ یوں ہے کہ امی جو عیدی دیتیں ہم عمر سہیلیوں کے ساتھ محلے والی مختاری چوڑیوں والی سے چوڑیاں خریدنے میں صرف کردیتے کھیل کھیل کر گر گر کر ٹوٹ جاتیں تو اور چڑھا آتے اور گھر میں ایک پیالے سے پیسے اٹھا کر لے جاتے خود بھی کھاتے اور فقیروں کو بھی دیتے، (بعد میں پتا چلا کہ وہ فقیروں کے لیے ہوتے تھے) عید کا ایک سوٹ لیا تو تین سال کی چھٹی بڑی عید تک چلتا تھا پہلے سال لمبا ہوتا پھر پورا اور آخر میں اونچا ہو جاتا ہے (یعنی تین فیشن) ہمیں سوٹوں سے غرض نہیں صرف سہیلیوں سے ہوتی ہے۔

۵۔ پہلا روزہ اتنا یاد ہے چوتھی یا پانچویں میں ہم روزہ رکھتے تھے مگر کلی کر کر کے آج بھی گرمی کا روزہ کلی سے ہی رکھا جا سکتا ہے میٹرک کے بعد ہم فیکٹری میں سلائی کرتے تھے تو رمضان کا پورا ماہ چھٹیاں کر کے روزے رکھے مگر جب تنخواہ لینے گئے تو سر نے ہماری ابتر حالت دیکھ کر انگلی دانتوں میں داب لی بولے یہاں لڑکیوں نے کام کر کے روزے نبھائے مگر آپ سے کئی گناہ اچھی حالت، روزہ کشائی تو ہم نے بس ٹی وی پر دیکھی ہے۔

۶۔ سحر و افطار کی نشریات جوائنٹ فیملی میں تو وقت مل جاتا تھا اب کہاں ویسے بھی اب ہم حمد و نعت میں مصروف رہتے ہیں۔

۷۔ چاند دیکھ کر سب کے لیے سلامتی کی دعا مانگتی ہوں اگر یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ ہر پل سب کی سلامتی مانگتی ہوں جس گلی سے گزروں دعائیں دیتے چلی جاتی ہوں۔

۸۔ ارے دنیا کی ایک چیز بھی درکار نہیں ہوئی کبھی کسی عید پر نہ شادی سے پہلے نہ بعد میں پہلے خالد صاحب نے کہا تھا کہ تم جمعدارنی ہو کہ سب کو تیار کروا کر عید پڑھنے بھیج دیتی ہو اور خود کام سمیٹنے میں لگی رہتی ہو، تو ہم کہتے جب آپ عید پڑھ کر آؤ گے تو کپڑے بدل لوں گی، پھر انہوں نے کبھی نہ کہا، اب بیٹا کہتا رہتا ہے کہ نیا سوٹ پہنو (میں ہر وقت پرانے کپڑوں میں سکون محسوس کرتی ہوں) تو چار و ناچار پہننا پڑتا ہے مگر سادہ، لان کاٹن اور لیلن کے سوا میرے پاس کوئی کپڑے نہیں ہوتے، شادی پر اگر کوئی زبردستی بنوا دے تو بعد میں کسی کو دے دیتی ہوں ہاں اللہ کے ذکر کے بنا عید ادھوری ہو سکتی ہے۔ میرا تو یہی خیال ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

۱۔ ماہ رمضان میں میرے شب روز سحری اور افطاری کی تیاری اور قرآن پاک کی تلاوت میں گزرتے ہیں۔

۲۔ صرف اور صرف میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین جنہیں جگانے کے لیے پانی کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ عید کے دوسرے دن یہ شرف بخشتی ہوں اور اپنے میاں کے ہمراہ ستلج پارک اور کاشف فیملی پارک جاتی ہوں۔

۴۔ اپنے ابو مرحوم کی جانب سے ملنے والی پہلی عیدی میرے حافظے میں محفوظ ہے۔

۵۔ سات سال کی عمر میں روزہ رکھا تھا اس پہلے روزے کی روزہ کشائی بڑی سادگی سے ہوئی تھی۔

۶۔ سحر و افطار کی نشریات شور شرابے اور ہلا گلا سے نہیں چلنی چاہیے۔

۷۔ چاند دیکھ کر یہ دعا لب پر آتی ہے کہ ہمارے آنگن میں بھی پھول کھل جائیں۔

۸۔ اپنے میاں کے سوٹ اپنے ہاتھوں سے سینا اور جیولری ہو چاہے آرٹی فیشل ہی ہو اس کے بغیر عید

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ادھوری لگتی ہے۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

ا۔ اس سال تو ماہ رمضان میں میری روٹین یکسر مختلف ہے (کیونکہ اب سب کچھ مجھے خود کرنا پڑتا ہے) رات کو عشا کی نماز اور تراویح کے بعد الارم لگا کر سوتی ہوں تو ایک بجے الارم کی آواز پر اٹھتی ہوں اور کبھی کبھی الارم بند کر کے سو جاتی ہوں تو امی کی آواز پر اٹھنا پڑتا ہے۔ پھر سحری کی تیاری میں لگ جاتی ہوں اس کے بعد بھیا کو اٹھاتی ہوں اور میں امی بھیا مل کر سحری کرتے ہیں، فجر کی اذان ہوتی ہے تو بھیا مسجد کو چلے جاتے ہیں میں اور امی گھر میں نماز کا اہتمام کرتے ہیں نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہوں چھ بجے گھر کی صفائی وغیرہ کر کے سو جاتی ہوں پھر دو بجے نماز پڑھ کے تلاوت قرآن پاک کرتی ہوں چار بجے جھاڑو لگاتی ہوں اور افطار کی تیاری میں جت جاتی ہوں۔

۲۔ ہائے نا پوچھیں جتنا غصہ گہری نیند میں سونے والے کو اٹھانے والے پر آتا ہے اس سے کہیں زیادہ اٹھانے والے کو اٹھنے والے پر آتا ہے (سن لیں بھیا) ہمارے گھر پر میرے چھوٹے بھائی فہد (یعنی مجھ سے بڑے اور دوسرے بہن بھائیوں سے چھوٹے) کو اٹھانا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے مترادف ہے یوں لگتا ہے وہ گھوڑے گدھے کیا پورا اصطبل بیچ کر سو رہے ہیں۔

۳۔ میں تو عید کے پہلے دن ہی یہ شرف دوسروں کو بخشتی ہوں اور دوستوں کے گھر نکل جاتی ہوں البتہ اس عید پر کچھ چینج ہوگا۔

۴۔ ہاں مجھے اب بھی یاد ہے عید کی صبح عابی بجو نے مجھے نئے کپڑے پہننے کو دیے اور میرے بالوں کی ایک سائیڈ سے مانگ نکال کر فرنچ بنایا کپڑے کے میچنگ پونی سے بال باندھے فرنچ پر مختلف کلر کے چھوٹے چھوٹے کیچر لگائے ہلکی سی کپڑوں سے میچنگ لب اسٹک لگا کر دونوں کلائیوں میں کپڑوں سے میچنگ چوڑیاں پہنائیں پھر سب سے میں نے عیدی لی میری دوستیں آئیں تو ان کے ساتھ جھولوں پر بیٹھنے کے لیے چلے گئے۔

۵۔ اتنا تو نہیں یاد کے کس عمر میں رکھا البتہ روزہ کشائی سادگی سے ہی ہوئی تھی

۶۔ سحر و افطار کی نشریات دیکھنے کے لیے فرصت ہی نہیں ہوتی، ہاں البتہ طارق جمیل کے بیان (روشنی کا سفر) ضرور دیکھتی ہوں۔

۷۔ چاند دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور بے ساختہ یہ دعا لبوں پر آجاتی ہے کہ اللہ کرے آئندہ آنے والی عیدیں بھی ہمارے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آئیں اور ہمارا پورا ملک خوشیوں کا گہوارا بن جائے، آمین۔

۸۔ عید کے موقع پر اگر ہاتھوں پر مہندی اور کلائیوں میں چوڑیاں نہ ہوں تو لگتا ہی نہیں ہے کہ عید ہے اور تیاری بھی کچھ ادھوری ادھوری سی لگتی ہے۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ

ا۔ ماہ رمضان میں روٹین عام دنوں سے یکسر مختلف ہوتی ہے، زیادہ وقت عبادت اور سونے میں گزر جاتا ہے۔

صبح مشکل سے آنکھیں ملتے ملتے اٹھتے ہیں سحری جو بنانی ہوتی ہے (ظلم کی انتہا) سحر کے بعد سب سے مشکل کام سب کو اٹھانا اٹھو صرف دس منٹ رہ گئے ہیں پھر نہ کہنا اٹھایا نہیں یہ جھوٹ کام آجاتا ہے سب اٹھ جاتے ہیں سحر کے بعد نماز تلاوت کے بعد جو سوتے ہیں تو پھر سات بجے زینب ہی آ کر جگاتی ہے مس اسکول نہیں جانا او ہو آپ کو تو بتایا ہی نہیں ماہ دولت نے ٹیچنگ اسٹارٹ کر دی ہے تیار ہو کر اسکول جاتے ہیں

وہاں بچوں کے ساتھ اچھا ٹائم گزر جاتا ہے، اسکول سے آ کر نماز پڑھ کر سو جاتی ہوں پانچ بجے اٹھ کر کچن میں چلی جاتی ہوں افطاری کے بعد برتن وغیرہ دھو کر لانگ مارچ پہ نکل جاتے ہیں یہی ہمارا سب سے اچھا وقت ہوتا ہے دن میں، کبھی گلی میں، کبھی کرن کے گھر، کبھی مشی کے گھر بہت مزہ آتا ہے گھر آ کر نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں اس طرح ایک پیارے دن کا اختتام ہوتا ہے۔

۲۔ سارے ہی تاخیر سے اٹھتے ہیں پہلے تو میں ہی تاخیر سے اٹھتی ہوں، الارم چلاتا رہتا ہے میں پندرہ منٹ آگے کر کے پھر سو جاتی ہوں جب اٹھتی ہوں پھر سب افراتفری میں کرتی ہوں سب کو دھمکیاں دے کر اٹھانا پڑتا ہے اٹھ جاؤ اب میں نہیں آتی اٹھانے صرف ۵، ۱۰ منٹ رہ گئے ہیں۔

۳۔ عموماً تو گھر میں ہی ہوتی ہوں جب سے آپی کی شادی ہوئی ہے سارا کام عید کے دن کرنا پڑتا ہے کام ختم ہو تو کرن کے گھر مشی، سائرہ زینب اور دوپہر کے ٹائم اپنی پیاری کیوٹ دوست صبیحہ کے گھر پھر میری عید کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے شام کو نانی لوگوں کے گھر اور رات ادھر ہی رکتے ہیں پھر گھر آ کر کہیں اور جانے کا پروگرام بن جائے تو چلے جاتے ہیں، ورنہ گھر میں ہی کوئی نہ کوئی آیا ہوتا ہے۔

۴۔ بچپن (اب بھی بچپن ہی ہے) جب ساتویں کلاس میں تھی تو میں کنزہ، صبیحہ اور دو تین اور دوستیں شاہین لوگوں کے گھر گئی تھیں ان کا گھر بہت دور تھا اور چل چل کر پاؤں تھک گئے تھے گھر میں بتایا ہوا بھی نہیں تھا اس بات کا زیادہ ڈر تھا شاہین کے گھر سے رخسانہ کے گھر بھی گئے تھے بہت مزہ آیا تھا آج بھی اپنی دوستوں کا وہ خلوص یاد ہے تین بجے گھر آئے تھے سہمے ہوئے تھے لیکن بچ گئے ڈانٹ سے گھر میں امی جو نہیں تھا (ہاہاہا)

۵۔ ہائے رے یہ کیا پوچھ لیا بھلا دس سال پہلے کی باتیں ہمیں یاد ہوں گی۔

۶۔ ٹی وی ہی نہیں دیکھتی نشریات کا کیا پتا ہوگا۔

۷۔ چاند دیکھ کر بے ساختہ یہ دعا لبوں پر آجاتی ہے۔

خدا نصیب کرے ان کو دائمی خوشیاں
عدم وہ لوگ جو اکثر اداس رہتے ہیں

اور اپنے ملک اور اپنے گھر والوں دوستوں سب کو دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں اور ایک اسپیشل دعا کہ اے اللہ تو میرے دل میں کبھی کسی کے لیے نفرت نہ ڈالنا یہ دعا میں ہر دعا کے موقع پر کرتی ہوں۔

۸۔ عید کے موقع پر بلیک کانچ کی چوڑیاں ضرور لیتی ہوں کیونکہ یہ میرا فیورٹ کلر ہے اور مہندی کے بغیر عید ادھوری لگتی ہے۔

آخر میں تمام آنچل فرینڈز، حجاب فرینڈز، قارئین اینڈ رائٹرز کو بہت بہت عید مبارک ہو، دعا ہے کہ یہ عید سب کے لیے خوشیوں اور امن کا پیغام لے کر آئے عید کے پرمسرت موقع پر دوسروں کی مسرت کا بھی باعث بننا ہے (سمجھ گئی ہوں گی) اللہ حافظ بلقیس علی کو اسپیشل عید مبارک۔

جو تونے دیا پیغام چاہت

شازیہ مصطفی

ہذیل اپنی تعلیم مکمل کرکے آ گیا تھا اور دو سال سے یہیں افتخار احمد کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔ شاہدہ کو اس کی شادی کرنے کی فکر تھی مگر ہذیل کو کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آتی تھی وہ بھی خاصی پریشان رہنے لگی تھیں۔ لڑکیاں دکھانے میں شہزین پیش پیش ہوتی تھی۔

"تائی امی تائی امی......" وہ انہیں پکارتی ہوئی اوپر آئی۔ اوپر تلے کے تین بڑے بڑے پورشن تھے تینوں ہی بھائی اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ رہتے تھے۔

"امی زلزلہ آ گیا آرام سے کہیں بیٹھ جائیں۔" ہذیل نے شرارت سے اسے دیکھ کر ہانک لگائی۔ شہزین اسے دیکھ کر خفیف سی ہوگئی۔ لائٹ پرپل پرنٹڈ لان کے خوب صورت سے کپڑوں میں بہت پیاری لگ رہی تھی مگر اس کے بھرے بھرے جسم کو موٹا موٹا کہہ کر ہذیل نے کانشس بھی کر دیا تھا اور یہ حقیقت بات تھی وہ گھر میں اپنی کزنز کے مقابلے میں اچھی خاصی بھاری بھر کم جسم کی تھی مگر اس کی سادگی معصومیت اور سرخ و سپید رنگت کی وجہ سے اس پر ہر رنگ ہی سجتا تھا۔ نبیلہ بھابی اس کی بات پر مسکرانے لگیں وہ جانتی تھیں ہذیل اسے صرف تنگ کرنے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے۔

"ہذیل کیا بدتمیزی ہے۔" شاہدہ نے خاصے تیکھے لہجے میں اسے سرزنش کی۔ شہزین لب کچل کے رہ گئی۔ کتنا ہی اچھا لگنے کی کوشش کرے مگر اس انسان کو وہ کبھی اچھی لگ ہی نہیں سکتی' کیا وہ اتنی موٹی اور بھدی ہے کہ وہ اسے دیکھتے ہی دل جلانے والے جملے ادا کرنے لگتا ہے۔

"ایسا میں نے کیا کہہ دیا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں جس جس جگہ سے یہ گزرتی ہیں وہاں گڑھا پڑ جاتا ہے اور پرسوں بھابی آپ خود ہی تو کہہ رہی تھیں میرے بیڈ کا میٹرس ایک طرف سے دب گیا ہے کافی دیر شہزین جو بیٹھی رہی تھی۔" ہذیل نے اب حد ہی کردی اور نبیلہ بھابی تو سٹپٹا گئیں۔ جبکہ شہزین کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا' دل اس کا ایسا ٹوٹا کہ وہ جانے ہی لگی جو بات کرنے آئی تھی وہ بھی بھول گئی۔

"شہزین یہ مذاق کر رہا ہے ایسا کچھ میں نے نہیں کہا۔" وہ تو سر پکڑ کے رہ گئیں کیونکہ وہ جانے ہی لگی تھی۔ شاہدہ نے ہذیل کو خاصے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"اس کی شادی ہو تو کم از کم یہ شہزین کو تنگ کرنا چھوڑے گا۔" انہوں نے روئی روئی شہزین کو زبردستی ہاتھ پکڑ کے روکا۔

"تائی امی مجھے جانے دیں۔"

"ارے اس کی تو عادت ہے مذاق کرنے کی۔" نبیلہ بھابی نے جھٹ کہا۔

"بھابی میری ایسی کوئی عادت نہیں ہے۔" ہذیل نے پھر اسے سلگایا۔

"ہذیل تمہیں کہیں جانا تھا' جاؤ چلو۔" شاہدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"امی ان سے پوچھ تو لیں کسی لڑکی کی تصویر دکھانے کے لیے لائی ہیں۔" اس نے شاید شہزین کے ہاتھ میں شاپر دیکھ لیا تھا۔

"اللہ کرے آپ کی شادی موٹی بھدی اور بدصورت لڑکی سے ہو۔" اس نے جل کے غصہ نکالا۔ ہذیل کا قہقہہ بڑا جاندار تھا وہ تو جھینپ گئی شاہدہ نے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔

"دیکھا آپ دونوں نے کیسے صفائی سے خود کو دعا دی ہے' کسی طرح بھی اس کی مجھ سے شادی ہو جائے۔"

"لاحول ولاقوۃ مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ سے شادی کرنے کا۔" اس نے جھٹ طنزیہ انداز میں کہا۔

"اوہو موٹے لوگوں کے بھی نخرے ہیں اسمارٹ اور

خوب صورت ہینڈسم لڑکوں کو دیکھ کر جیسے ان کا دماغ ہی خراب ہوگیا ہے۔"

"توبہ ہے ہذیل بس بھی کرو کیوں بے چاری کو اتنا تنگ کرتے ہو کتنی تو تمہاری فکر ہے کہ کسی بھی خوب صورت لڑکی سے تمہاری شادی ہوجائے۔"

"بھابی جیسی یہ خود ہیں ان لڑکیاں بھی ویسی ہی دکھا رہی ہیں ظاہر ہے جلن جو ہورہی ہوگی۔ اتنے ہینڈسم لڑکے سے اس لڑکی کی شادی ہونہ جائے۔"

"اتنے خوب صورت اور ہینڈسم بھی نہیں ہے زیادہ ہی خوش فہمی ہے اور جو لڑکے ایسی اونچی سوچ رکھتے ہیں آخر میں انہیں عام سی ہی لڑکی ملتی ہے۔"

"ہاں ہاں میں سمجھ رہا ہوں تمہارا اشارہ بس آخر میں وہ عام سی لڑکی تم ہی نہ ہو اور میرے ماں باپ پکڑ کے تم سے نکاح پڑھوادیں چل بیٹا اس موٹی دھوبن سے تو ہی کر لے کوئی اور تو پوچھے گا بھی نہیں تو ہی یہ قربانی دے لے۔"

"آپ...... آپ انتہائی بددماغ اور مغرور انسان ہیں۔ اب تو میں بالکل بھی نہیں دکھاؤں گی کسی لڑکی کی تصویر۔ تائی امی میں جارہی ہوں۔"

"ہاں جاؤ جلن اور حسد صاف نظر آرہا ہے۔" وہ پھر اسے سلگا کے لقمہ دینے لگا۔ شاہدہ نے ہذیل کی پشت پر زوردار تھپڑ لگایا شہزین رونے جیسی ہوگئی تھی۔

"آؤ شہزین تم میرے ساتھ اندر چلو۔" نبیلہ بھابی اسے لے کے اندر چلی گئی۔

"ہذیل اتنا بھی تنگ نہیں کرو۔"

"ارے امی آپ بھی تو میری شادی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑگئی ہیں مجھے ابھی کرنی ہی نہیں ہے۔" وہ نک سک سے تیار بلیک پینٹ پر بلیو دھاری دار شرٹ میں ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔

"دو سال تمہیں ہوگئے ہیں میں چاہتی ہوں تمہاری شادی ہوجائے تو میں بھی سکھ سے ہوجاؤں۔" وہ خاصی فکر مند اور شاکی ہورہی تھیں۔

"شعیب کی 'صدف' کا پچھلے سال ہی رشتہ ہوا ہے تم نے اسے بھی منع کردیا اور کوئی خاندان کی لڑکی ہے نہیں۔"

"پلیز امی بس کریں آپ تو شروع ہوگئیں اتنا پریشان نہیں ہوں جب میں شادی کرنی ہوگی میں آپ کو بتادوں گا۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے شانے پر رکھ کر تسلی اور اطمینان دلایا۔

"پتہ نہیں کب کرے گا۔" وہ تاسف سے گویا ہوئیں۔

"اچھا چلو جاؤ میں شہزین کے پاس جاتی ہوں دیکھوں تو کس لڑکی کی تصویر لائی ہے۔"

"امی آپ باز نہیں آئیں گی۔" وہ پھر انہیں دیکھنے لگا۔

"مجھے میرا کام کرنے دو تمہارے باپ کو تو فکر ہے نہیں۔ انہیں بھی تم نے پتہ نہیں کیسی باتیں کرکے قابو کیا ہوا ہے تمہاری ہی بولتے ہیں۔"

"ابو کو تو بہت مشکل سے قابو کیا ہے ورنہ تو وہ بھی میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔" وہ ہنسا۔

شاہدہ نبیلہ بھابی کے روم میں چلی گئیں تھیں ہذیل کو جانے کیوں شہزین کو تنگ کرنے میں مزا آتا تھا۔ وہ بچپن میں بھی اس سے ایسی ہی چڑتی تھی اور اب جبکہ اس نے پانچ سال بعد امریکہ سے آکے دیکھا وہ خاصی چینج ہوگئی تھی سب سے الگ مزاج کی تھی۔ معصومیت اور سادگی میں یکتا اور اس کے لیے کتنی فکر مند بھی۔

اسے ہذیل کی باتیں ایسی دل کو لگی تھیں اس کا کھانے پینے تک کو دل نہیں کررہا تھا وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ بھائی بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے اور افتخار احمد کی تو آنکھ کا تارا تھی اس کی ذرا سی تکلیف پر وہ پریشان ہوجاتے تھے۔

"کیا بات ہے میرا بیٹا اتنا خاموش کیوں بیٹھا ہے کھانا کیوں نہیں کھایا۔" افتخار احمد اس کے روم میں آگئے تھے اس نے رات میں کھانا نہیں کھایا تھا سوائے اداسی کے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

"ایک دن نہیں کھاؤں گی تو کون سا مرجاؤں گی۔"

''اللہ نہ کرے بیٹا' ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔'' انہوں نے اسے اپنے شانے سے لگالیا۔

''بیٹا تم اپنی پڑھائی آگے جاری رکھو۔''

''ابو آپ مجھ سے پڑھائی کا نہیں کہیں۔'' وہ ویسے ہی پڑھائی سے اس لیے بچتی تھی کہ یونیورسٹی جوائن کرنے میں اس کی رنگت کالی نہ ہو جائے موٹے ہونے کا غم الگ ہے جو رنگت کالی کا طعنہ بھی ہذیل کے منہ سے سن لیا تو......!

''بیٹا...... خالی گریجویشن کو تم کیا سمجھتی ہو پوری ہوگئی تعلیم۔''

''مجھے آگے پڑھ کر کرنا بھی کیا ہے اور مجھے شوق بھی نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''اچھا تو ایسا کرو کورس وغیرہ کرلو جو لڑکیوں کے شوق ہوتے ہیں۔'' وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتے تھے۔ وہ بچپن سے کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ جب سے صدف کی منگنی ہوئی تھی انہیں بھی یہ احساس ہونے لگا تھا ان کی بیٹی کی بھی جلدی شادی ہو جائے مگر آج کل کے لڑکوں کی سوچیں ہی نرالی تھیں اسمارٹ اور تیلی لڑکی چاہیے۔ شہزین اتنی موٹی بھی نہیں تھی مگر خوب صورتی میں نمایاں تھی' شہزین کو اس کا غرور بھی نہیں تھا۔

''ابو آپ صاف یہ کیوں نہیں کہتے میں سلمنگ سینٹر جوائن کرلوں۔'' وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

''ایسا کچھ نہیں کہا' مجھے اپنی بیٹی ایسی ہی پسند ہے۔'' انہوں نے اسے ساتھ لگا کے اپنی محبت اور شفقت کا یقین دلایا۔ ''تم فوراً اٹھو اور کھانا کھاؤ تمہاری امی نے قورمہ بہت مزیدار پکایا ہے۔'' انہوں نے اسے ہاتھ پکڑتے بیڈ سے کھڑا کیا۔

''مجھے سچ میں بھوک نہیں ہے۔''

''جھوٹ بالکل نہیں بولو' میں کچھ نہیں سنوں گا۔'' شہزین کو ان کی ضد کے آگے ہار مانتے ہی بنی تھی کچن میں آئی تو قورمے کی خوشبو سے بھوک چمک اٹھی تھی۔

''کھانا کھا کے برتن دھولینا۔'' مبینہ نے اسے ساتھ ہی ہدایت بھی دی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا امی نے کھانا پکایا تھا' وہ تو صبح سے اپنے کمرے میں بند تھی' ہذیل کی باتیں اس کا دل جو دکھا رہی تھیں۔

''کیا کسی عام سی لڑکی کو اسمارٹ اور خوب صورت شوہر کی خواہش نہیں' سارا حق خوب صورت لڑکوں کو ہی حاصل ہے۔ کاش میں بھی صدف اور صبا کی طرح اسمارٹ اور خوب صورت ہو جاؤں مگر کیسے؟'' پورا کچن وہ صاف کر کے باہر آ گئی' فواد اور اسد ٹی وی پر میچ دیکھ رہے تھے۔

''آپی چائے مل جائے گی پلیز۔'' اسد نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''اچھا لاتی ہوں۔'' وہ اپنے بھائیوں کا بھی بہت خیال رکھتی تھی۔ انہیں چائے دینے کے بعد خود ٹیرس پر آ گئی لان کا نظارہ واضح ہو رہا تھا' اوپر تین پورشن تھے' کافی وسیع و عریض بنگلہ تھا جس میں بڑے تایا ابو چھوٹے تایا اور وہ خود رہتے تھے۔ لان بھی بہت بڑا تھا۔ اکثر شام میں وہ اور صدف جھولا جھولتی تھیں۔ صدف کی بھی اس سال عید سے پہلے ہی شادی ہو جانی تھی وہ تیاریوں میں مصروف تھی' جب سے منگنی ہوئی تھی اور پیاری ہوگئی تھی۔ اس کے سسرال والے اسے اتنی قدر اور اہمیت دے رہے تھے' شہزین کو تو رشک آتا تھا' جانے اس کی قسمت میں کیا ہے پسند کرنے کا اسے اختیار ہی نہیں' اپنے دل اور زبان پر لاتے ہوئے ڈرتی تھی اگر ہذیل کو خبر ہوگئی تو وہ تو اس کی بے عزتی کر دے گا۔

''کاش کاش اس انسان کو میں بھی اچھی لگنے لگوں' یااللہ مجھے اسمارٹ اور خوب صورت بنا دے۔'' وہ بس دعائیں ہی کرتی تھی مگر اس نے کبھی خود پر توجہ دینے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

وہ اندر آ گئی اپنا بکھرا کمرہ سمیٹا' کمرہ اس نے اپنا خاصا قرینے سے رکھا ہوا تھا۔ خوب صورت جدید بیڈ اور دبیز پردے' کمپیوٹر اور رائٹنگ ٹیبل اور صوفہ کم بیڈ اس نے کارنرز پر بھی خاصے قیمتی ڈیکوریشن پیس رکھے ہوئے تھے اسے سجاوٹ کا بہت شوق تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم بھی جدید

طرز پر سجایا ہوا تھا۔ سب ہی اس کے سلیقے اور قرینے کو سراہتے تھے۔ وہ خاصی تھک گئی' اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبایا' ڈریسنگ ٹیبل کے مرر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"کاش میں بھی پتلی ہو جاؤں۔" اس نے اپنی شرٹ کو پشت سے سمیٹ کے مٹھی میں کر کے خود کو جانچا خاصی پھیلی ہوئی تھی۔

"پتہ نہیں لڑکیاں اسمارٹ کیسے ہو جاتی ہیں۔" وہ افسردگی سے سوچتی ہوئی بیڈ پر آ کے لیٹ گئی۔

◉......◉......◉

صدف کے سسرال والے صدف کے سینڈل اور کپڑوں کا ناپ لینے آ رہے تھے' صدف تو پارلر چلی گئی تھی اور صبا کو کچن کا کام اتنا نہیں آتا تھا' چھوٹی امی کچن میں لگی ہوئی تھیں' وہ تو صدف سے ملنے آئی تھی۔

"چھوٹی امی میں کچھ مدد کرواؤں۔"

"ارے بیٹا تم کب تک کرواتی رہوگی' میں نے صدف سے کہا بھی تھا آدھا کام نمٹا کے ہی چلی جاتی۔" وہ چکن کڑھائی کے لیے چکن دھو رہی تھیں۔

شہرین کو ان کی یہ تھکاوٹ والی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"چھوٹی امی بیٹھے لائیے میں کچھ کام کروا دوں۔" اس نے انیسہ کو زبردستی سنک کے آگے سے ہٹایا۔

"میں تو صدف کے ہر دوسرے دن پارلر جانے سے پریشان ہوں' شادی کے بعد کیسے گھر سنبھالے گی' تم بھی تو ہو تم تو نہیں جاتی بیٹا پارلر۔" وہ کباب بناتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل کی چیئر کھسکا کے بیٹھ گئیں۔

"چھوٹی امی مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جانے کی صدف تو اتنی پیاری اور اسمارٹ ہے اسے خوب صورت رہنے کے لیے یہ سب کرنا ضروری ہے اور پھر معاملہ سسرال کا ہے آپ کو تو پتہ ہی ہے لڑکے والوں کے دماغ کتنے آسمان پر ہوتے ہیں' لڑکی اسمارٹ اور خوب صورت چاہیے۔" وہ گوشت دھوتی اور باتیں کرتی جا رہی تھی۔

"میری تو دعا ہے اللہ تمہارا بھی نصیب اچھا کرے اور جلد نصیب کھولے۔" انہوں نے دل سے دعا دی۔

شہرین پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گوشت نیٹ میں رکھ کے اس کا پانی نکالنے لگی۔ جلدی جلدی اس نے ان کے سارے ہی کام نمٹا دیئے تھے' صدف چار گھنٹے بعد پارلر سے آئی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے اپنے بالوں کی کٹنگ کو لہرا کے ذرا اترا کے پوچھا۔ شہرین کی نگاہوں میں رشک تھا۔ کتنی خوش اور بے فکر تھی۔

"ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی ہو۔" وہ ہمیشہ ہر کسی کی کھلے دل سے ہی تعریف کرتی تھی۔

"شہرین تم کتنی اچھی ہو کبھی میرا دل نہیں توڑتی۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے مرر کے سامنے سے ہٹ کے اس کے ساتھ ہی صوفے پر آ بیٹھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے یقین دلایا۔

"ہاں پتہ ہے اچھا یہ بتاؤ تم کیوں پارلر نہیں جاتی' فشل اور بلیچ کروایا کرو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" وہ ایسے بولی جیسے صدف نے عجیب انوکھی بات کر دی ہو۔

"ارے اتنی خوب صورت اور پیاری ہو اور زیادہ ہو جاؤ گی' تمہاری اسکن دیکھو کتنی چمک دار ہے اور میری دیکھو میرا رنگ تک تم سے کم ہے۔" صدف کو احساس محرومی ہونے لگا۔

"ارے صدف کیا ہو گیا ہے اتنی خوب صورت اور اسمارٹ تو ہو۔" اس نے صدف کی دماغی حالت پر جیسے شبہ کیا۔

"پاگل مجھے خوب صورت اور پیاری کہہ رہی ہے' اتنی موٹی اور بھدی کو اگر اسے یہ پتہ چل جائے ہذیل بھائی مجھے کیا کہتے ہیں' نہیں بالکل نہیں اسے تو نہیں بتاؤں گی۔"

"ایسی خوب صورت اور اسمارٹ نہیں ہوں۔" وہ منہ بسورنے لگی۔

"اللہ کا شکر ادا کرو اللہ نے ہر چیز سے نوازہ ہے۔" اس

ہجر وفراق کے رنگوں سے مزین

نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول

شب آرزو تیری چاہ میں

جلد حجاب کے صفحات کی زینت بنے گا

عشق و محبت کے انداز بھی

تو جدائی کے جاں گسل لمحات بھی ہیں

غم جاناں، غم دوراں کی بھرپور عکاسی کرتا

یہ ناول آپ کی سوچ کو نیا رخ عطا کرے گا

نے ساتھ ہی صدف کو سرزنش کی۔
''بجو امی کہہ رہی ہیں برتن صاف کر کے ٹیبل پر لگا دیجیے۔'' صبا اسے کہنے آئی۔
''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔''
''شہزین تمہارا شکریہ تم نے امی کا ہاتھ بٹا دیا ورنہ امی میری شامت ہی لے آتیں۔''
''اچھا اچھا بس کرو جاؤ اپنی تیاری کرو میں بھی چلوں۔'' وہ اٹھ گئی سلکی دراز بال اس کی پشت پر پھیل گئے تھے۔ ہاتھوں سے سمیٹ کے کیچر لگایا۔
''واؤ شہزین تمہارے بال بھی بہت خوب صورت ہیں' میرے تو ایسے تھے ہی نہیں۔ اسی لیے تو میں نے کٹنگ کروالیے۔'' وہ پھر حسرت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔
''میں چلتی ہوں تم نے تو میرا دماغ پکادیا ہے خوب صورت خوب صورت کی گردان کر کے۔'' وہ اپنا سر دکھتا ہوا محسوس کرنے لگی جانے کیوں شہزین کو ایسا لگ رہا تھا صدف اس کا مذاق اڑا رہی ہو یا پھر دل رکھنے کو کہہ رہی ہو۔ چھوٹی امی کی پکار پر صدف بھاگی اور وہ بھی جانے کیلیے اٹھ گی۔
''شہزین بیٹا افتخار اور مبینہ کو بھیج دینا۔'' چھوٹی امی نے اسے جاتے جاتے یاد دلایا۔
''جی اچھا۔'' وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔
رہتے سب الگ الگ پورشن میں تھے مگر جب بھی کوئی ضروری بات ہوتی گھر کے بڑے ایک جگہ جمع ضرور ہوتے تھے۔ گھر آ کے اس نے رات کا کھانا پکایا امی اور ابو تو چھوٹی امی کی طرف جا رہے تھے وہ بھی فواد اور اسد کو کھانا دے کے اپنے کمرے میں آ گئی۔
بڑے ابو کی طرف گئے ہوئے اسے چار دن ہو گئے تھے۔ راحیل بھائی کے بچے طلحہ' اور سمن آتے رہتے تھے دونوں بچوں کا دل اسد اور فواد کے ساتھ بہت لگتا تھا۔ طلحہ' دن میں اور سمن KG کلاس میں تھی۔ اس لیے بچے اکثر سارا سارا دن یہیں ہوتے تھے' نبیلہ بھابی کو کام ہوتا تو وہ آ جاتی تھیں البتہ ہذیل اسے تنگ کرنے کے لیے یہاں ضرور آتا تھا مگر اس دوران وہ بھی نہیں آیا تھا۔

◉......◉......◉

''آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔'' ہذیل اسی وقت آفس سے آ کے بیٹھا تھا' احتشام احمد جلدی آ گئے تھے اس لیے وہ گھر پر نظر آ رہے تھے۔ راحیل بھائی کسی ضروری کام سے گئے ہوئے تھے۔
''ہاں شعیب کی طرف جا رہے ہیں' صدف کے سسرال والے آ رہے ہیں۔'' انیسہ نے اسے بتایا۔
''امی اس کے سسرال والے آئے دن آتے ہی رہتے ہیں۔ شادی کب کریں گے؟'' ہذیل ایسے بے زار ہو کے بولا جیسے وہ اسے ہی تو تنگ کرنے آتے ہوں۔
''ارے ایسے کیسے جلدی شادی کر دیں' کچھ معاملات ہوتے ہیں وہ بھی پورے کرنے ہوتے ہیں۔''
''پتہ نہیں کیا معاملات ہوتے ہیں۔'' وہ کاؤچ پر ٹانگیں لمبی کر کے لیٹ گیا' ریموٹ اٹھا کے چینلز سرچ کرنے لگا۔
''نبیلہ اسے کھانا دے دینا' یہ خود سے تو کھائے گا نہیں۔'' وہ تیار ہو کے بیٹھی ہوئی تھیں' احتشام احمد کے انتظار میں۔
''اپنے اس بیٹے کو نھا کا کا بنا کے رکھنا۔'' احتشام احمد نے ہذیل پر نگاہ ڈالی وہ مؤدب ہوتے' سیدھا ہو گیا۔
''کہتی تو ہوں اس کی شادی کا سوچیں۔''
''اس کی جب شادی کرنی ہو گی میں اس سے بھی نہیں پوچھوں گا یہ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔'' ہذیل پہلو بدل کے رہ گیا' اس نے اشارے سے انہیں چپ رہنے کو کہا کہ وہ امی اور بھابی کے سامنے کچھ نہ بول دیں۔
''بھابی کیا بات ہے شہزین نظر نہیں آئی چار دن سے۔'' ہذیل کو تشویش اور فکر ہوئی۔
''تم نے اسے کچھ زیادہ ہی زچ کر دیا تھا۔'' امی اور ابو کے جانے کے بعد وہ کوریڈور کا دروازہ بند کر کے آئی تھیں' بچے اندر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔
''امی بھی تو اس سے اتنے ذوق و شوق سے لڑکیوں کی

تصویریں منگواتی ہیں، مجھے غصہ آتا ہے۔" وہ چڑ گیا۔

"تمہیں بھی تو کوئی پسند نہیں آتی۔" نبیلہ اس کے لیے کھانا گرم کرنے چلی گئی۔

"میں دیکھنا اسے اتنا زچ کردوں گا بھول جائے گی پھر کوئی تصویر لانا۔" ہذیل نے تو تہیہ کیا ہوا تھا۔

"ہذیل ویسے اتنی موٹی تو نہیں ہے جو تم اسے موٹی کہہ کر چڑاتے رہتے ہو۔" وہ اس کے لیے کھانا لے آئی تھیں، وہ اٹھ کے بیٹھ گیا۔

"وہ تو میں اسے تنگ کرنے کو کہتا ہوں۔" ہذیل کو شہزین شروع سے ہی پسند تھی ہر ایک کی فکر کرنے والی ہر ایک کا کام کرنے والی۔ اس میں اور لڑکیوں کی طرح اتراہٹ نہیں تھی۔

"اتنا بھی نہیں کیا کرو تنگ وہ سچ میں دل پر لے گی۔"

"لگتا نہیں ہے ایسا کچھ آپ دیکھتی نہیں ہیں ہر دوسرے دن پھر آجاتی ہے۔" وہ لقمے لے رہا تھا اور نگاہ ٹی وی پر بھی تھی۔

"ایک بات پوچھوں، ابو نے تمہیں کیا بتا دیا ہے کہ تمہاری شادی جب کرنی ہوگی تم سے بھی نہیں پوچھیں گے۔"

"ابو تو مجھے جانے کیا کیا وارننگ دیتے رہتے ہیں۔" اس نے بات کو مذاق میں اڑایا۔ اتنے میں راحیل بھائی بھی آگئے۔ نبیلہ بھابی اندر چلی گئی تھیں۔ ہذیل نے کھانا کھاکے ٹرے اٹھائی اور کچن میں رکھ آیا۔

شہزین کو دیکھے بغیر اسے بے چینی بھی ہوجاتی تھی اسے خبر تھی سارے بزرگ نیچے جمع ہوں گے اور اس وقت جانا مناسب نہیں تھا، مگر ہذیل کی رگ ظرافت پھڑک رہی تھی، شہزین کے سیل کا نمبر تو تھا ہی آج اس نے ملا ہی لیا۔

"کیا بات ہے سلمنگ سینٹر جوائن کرلیا ہے، سلم ہونے کے لیے۔" اس نے دوسری طرف شہزین کی آواز سنتے ہی جھٹ کہا۔

"ک......ک......کون ہے؟" وہ گھبرائی۔

''زیادہ خوش فہمی میں نہیں پڑو اور بنو بھی نہیں، میں ہوں ہذیل کیا تجھی کوئی تمہیں لائن دے رہا ہے۔''

''شٹ اپ...... کیوں کال کی ہے؟'' وہ تو تنگ ہی گئی اس دن کی باتیں بھولی ہی کب تھی سوچ سوچ کر غصہ ہی آئے جا رہا تھا۔

''کیوں کیا ہوا اتنا ہی اسٹمنا ہے ڈر گئیں جو آنا چھوڑ دیا۔''

''میں کیوں آپ سے ڈروں گی میرے تایا ابو کا گھر ہے جب دل چاہے گا آؤں گی۔ آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔'' وہ خاصی اکڑ کے آواز اور لہجے کو مضبوط بنا کے گویا ہوئی۔

''اتنا تو مجھے اندازہ تھا اگر تم مستقل مزاج ہوتی تو آج ڈھائی من کی دھوبن نہیں ہوتی۔'' وہ مسکراہٹ دبا کے بول رہا تھا۔

ادھر اتنی اہانت اور بے عزتی پر شہزرین کا برا حال تھا اس نے کال ہی کٹ دی۔ ہذیل نے قہقہہ لگایا اسے اندازہ تھا وہ بری طرح تلملا رہی ہوگی۔

''شہزرین تم اتنی بڑی بے وقوف ہو میں مسلسل ہر لڑکی کو ریجیکٹ کر رہا ہوں، تم اندازہ ہی نہیں کر رہی ہو خیر...... کوئی بات نہیں وقت آنے پر تمہیں احساس دلا دوں گا تم میرے لیے کیا ہو؟'' وہ شہزرین کا تصور کیے خوش کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا وہ اسے چپکے چپکے چاہتا تھا اس نے یہ سب مخفی رکھا ہوا تھا۔ اسے کسی خاص موقعے کا انتظار تھا۔

⊙......⊙......⊙

صدف کے سسرال والے شادی کی ڈیٹ فکس کر گئے تھے عید سے پہلے کی جبکہ وہ تو عید کے بعد کرنے والے تھے لڑکے کو انگلینڈ جانا تھا یہ بھی اس کے جانے کا اچانک سے ہی پتا چلا تھا۔ پہلے سے زیادہ مصروفیت بڑھ گئی تھیں۔ شہزرین کو امی یہی کہے جا رہی تھیں اپنی تیاری بھی کر لے۔

''امی مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔'' وہ بہت افسردہ ہو رہی تھی۔

''شہزرین میری بھی یہی کوشش ہے کہ تمہارا بھی صدف کی شادی سے پہلے رشتہ ہی طے ہو جائے۔''

''امی مجھے نہیں کرنی شادی اور میری ہو بھی نہیں سکتی۔'' وہ لاؤنج کی سیٹنگ میں لگی ہوئی تھی اسے صفائی ستھرائی کا ویسے ہی بہت شوق تھا مبینہ کو کبھی کسی کام کے لیے کہنا نہیں پڑتا تھا ہر کام وقت سے پہلے کر دیتی تھی۔

''ایسی بات کیوں کی؟'' وہ تو حیرانگی کے ساتھ جھٹ گویا ہوئیں۔

''آپ جانتی تو ہیں لوگوں کو اسمارٹ لڑکیاں چاہیے۔''

''ارے اتنا کون سا تمہارا وزن ہے تھوڑی سی ایکسر سائز کرو سب سیٹ ہو جائے گا۔'' وہ اپنی بیٹی کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتی تھیں لوگوں نے جانے کیا سوچیں بنالی تھیں، خوب صورت اسمارٹ لڑکی چاہیے سلیقہ شعار تو سمجھ ہی نہیں آتی۔

''کر تو چکی ہوں، نہیں ہوتا وزن کم۔'' اس نے سارے کشن سیٹ کر کے صوفوں پر رکھے سائیڈ پر ڈیکوریشن شیلف تھا اس میں بھی وہ ردوبدل کر کے سیٹ کر رہی تھی۔

''میری تو یہی دعا ہے کہ تم گھر کے کسی لڑکے سے ہی بیاہی جاؤ۔''

''امی کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' وہ چونک کے ان کی افسردگی کو نوٹ کرنے لگی۔

''حسن ہے شعیب بھائی کا، احتشام بھائی کا ہذیل ہے کسی سے بھی تمہاری ہو جائے۔''

''امی آپ حسن بھائی کی کہانی جانتی تو ہیں وہ پہلے ہی کسی کو پسند کرتے ہیں۔'' اسے یہ بھی خبر صدف نے ہی دی تھی۔ ''اور ہذیل پانچ سال امریکہ میں رہ کے آئے ہیں، بہت او نچا دماغ ہے تائی امی نے اتنی لڑکیاں انہیں دکھائی ہیں کوئی پسند نہیں آتی۔'' اس نے اپنی بات گول ہی کر دی کہ لڑکیاں دکھانے میں وہ پیش پیش رہتی ہے۔

''ہاں بھابی نے ایک دفعہ ذکر تو کیا تھا۔ مجھے ہذیل ایسا لگتا تو نہیں ہے اس کی باتوں سے بھی اندازہ نہیں ہوا کہ کسی خوب صورت لڑکی سے ہی کرے گا۔''

"امی وہ ہر بات ہر ایک کو تھوڑی بتائیں گے۔" وہ انہیں بتانے لگی ہذیل کی اصلیت جتنا وہ جانتی تھی اور کوئی تو جانتا بھی نہیں۔ کیسے اسے منہ پر اس کی ذات کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔

"تم ان سب باتوں کو چھوڑو میرے ساتھ کل بازار چلنا اپنے لیے کپڑے وغیرہ لے لو ورنہ ٹیلر وقت پر سی کے نہیں دے گا۔"

"میرا موڈ نہیں ہے اتنے کپڑے پہلے ہی الماری میں بھرے پڑے ہیں' میں کون سا کہیں آتی جاتی ہوں۔" اسے ویسے ہی بازاروں میں گھومنے سے چڑ تھی۔

"عجیب لڑکی ہے کسی بات کا شوق ہی نہیں' بس گھر سجاتی رہتی ہے یا کھانے پکاتی رہتی ہے۔"

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔" وہ مسکرا کے ان کے سامنے بیٹھی وہ اپنی ماں کی سوچوں اور فکروں کو خوب جانتی اور سمجھتی تھی۔

"مگر بیٹا یہ سب بھی تو بہت ضروری ہے۔"

"امی اگر آپ کو اتنا شوق ہو رہا ہے تو آپ خود فوادیا اسد کو لے جائیں۔" اس نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی۔

"زیادہ فضول بولنے کی ضرورت نہیں' میرے ساتھ چلنا میں تمہاری پسند سے دلاؤں گی۔" وہ چاہتی تھیں اور لڑکیوں کی طرح شہزرین بھی بن سنور کے رہے۔ سرخ وسپید اور خوب صورت نقوش کی وہ مالک تھی مگر اپنے فربہی جسم کی وجہ سے اس نے خود کو ہر چیز سے لاتعلق کرلیا تھا۔

"جلدی آجانا یہ نہیں کہ رات وہیں رک جاؤ۔"

"جی اچھا۔" اس نے سر ہلایا۔

◉......◉......◉

"یار امی کھانا تو لگوادیں۔" وہ چینج کرکے آیا۔ وائٹ قمیص شلوار میں نکھرا نکھرا خاصا چارمنگ لگ رہا تھا۔

"اف امی پھر آپ نے پالک گوشت پکالیا۔" اس نے پتیلی کا ڈھکن بند کیا۔

"آج راحیل نے فرمائش کی تھی سادے چاول بھی پکائے ہیں اس کے ساتھ کھالو۔" وہ تسبیح بھی پڑھ رہی تھیں اور اس کے لیے کھانا بھی گرم کررہی تھیں۔

"نبیلہ سارا دن لگی رہتی ہے دو دو سالن پکانا آسان نہیں ہوتا اور مجھ سے کوئی کام ہوتا نہیں۔"

"آپ سے کہا بھی کوئی کام والی رکھ لیں۔" وہ چاول پر سالن ڈال کے پلیٹ اٹھائے ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا۔

"کام والی کوئی ڈھنگ کا کام کرتی ہے۔"

"ارے امی کام والی سے میرا مطلب ہے کہ کسی ایسی لڑکی سے میری شادی کروادیں جو کام ہی کرتی رہے' اگر کم شکل وصورت کی لائیں گی تو نوکرانی بن کے کام کرے گی۔" اس نے شہزرین کو دیکھ لیا تھا' بلیو لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس ڈش لیے کھڑی تھی مگر وہ ایسے بن گیا جیسے دیکھا نہیں۔

"ارے شہزرین بیٹا کتنے دن بعد آئی ہو' میں نے مبینہ سے کل پوچھا بھی تھا تمہارے بارے میں۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ شہزرین نے انہیں سلام کیا اور ڈش بھی تھمائی۔

"کیا پکا کے لائی ہو؟"

"امی لگتا ہے بچ گیا ہوگا تو خراب ہوجانے کے ڈر سے یہاں دینے چلی آئی۔" وہ چمچ سے چاول منہ میں ڈال رہا تھا۔

"ہذیل شہزرین بریانی لے کے آئی ہے۔"

"کیا بریانی۔" وہ خوشبو سے پہلے ہی الرٹ ہوگیا تھا۔ شہزرین کھانے بہت مزے دار پکاتی تھی۔ اس خوبی کا تو وہ معترف تھا ہی مگر وہ کسی کے سامنے اظہار نہیں کرتا تھا۔

"امی ذرا چکھائیں تو' کہیں خراب بریانی تو نہیں......؟" اس کا لہجہ ذومعنی اور مسکراتا ہوا تھا۔

شہزرین تو سلگ کے رہ گئی۔ ڈش فوراً اس نے دوبارہ تھام لی۔

"یہ میں آپ کے لیے نہیں لائی ہوں باقی سب گھر والوں کے لیے ہے۔"

"امی اس کی چالاکی دیکھیں اس میں کچھ ایسا ملا کے لائی ہوگی تاکہ آپ اس موٹی کی طرف ہوجائیں اور اس

سے میری شادی کروادیں۔“
”ہذیل بھائی حد ہوتی ہے ہر بات کی۔“ وہ تو جھینپ گئی ایسی بات تو وہ سوچتے ہوئے بھی ڈرتی تھی۔ لڑکی ہونا بھی مصیبت ہے امی ٹھیک ہی کہتی ہیں لڑکوں سے محتاط ہو کے بات کیا کرو کہیں الٹا سیدھا کوئی نہ سمجھ لے۔
”ہذیل کیا بدتمیزی ہے۔“ امینہ نے شہزین کے چہرے کے رنگ دیکھ لیے تھے وہ کتنی جز بز ہو رہی تھی۔
”ارے میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں لاؤ ڈش۔“ ہذیل کو ویسے ہی بریانی کی خوشبو سے منہ میں پانی ہی آئے جا رہا تھا‘ شہزین کتنے موقع پر بریانی لائی تھی اس وقت وہ شہزین کو بھی مانگتا تو وہ بھی مل جاتی‘ ڈش لے کے وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا اور کھانے لگا۔
”بیٹا بیٹھو تو۔“
”تائی امی میں چلوں گی۔“ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔
”بریانی تو بہت مزے دار پکائی ہے ویسے کھانے سارے ہی لذیذ پکاتی ہے میں نے اس کے ساتھ زیادہ ہی زیادتی کردی ہے بے چاری کا چہرہ بھی اتر گیا۔“ ہذیل نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو امی کے کہنے پر بیٹھ تو گئی تھی مگر وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔
”بڑے دن بعد نظر آئی ہو ارے کہاں تھیں؟“ نبیلہ بھابی اسے دیکھ کر خوش ہوگئیں۔
”بے چاری اپنے موٹاپے کا سوگ مناتی رہتی ہوگی۔“
”ہذیل اب کچھ بولے تو اچھا نہیں ہوگا۔“ امی کی وارننگ پر وہ لب بھینچ کر مسکراہٹ روکنے لگا۔
”تائی امی انہیں مذاق اڑانے دیں دیکھئے گا ان کی کیسی موٹی بھدی اور بدصورت لڑکی سے شادی ہوگی۔“ وہ جلی اور تپی ہوئی تو پہلے سے ہی تھی۔
”دیکھا آپ لوگوں نے کتنی چالاکی سے خود کو ہی دعا دیئے جا رہی ہے۔“ امینہ کی نگاہوں میں سرزنش اور غصہ دیکھ کے وہ چپ ہوگیا۔ شہزین خود پر کنٹرول کیے بیٹھی تھی وہ پتہ نہیں کیسے اس کی یہ سب باتیں برداشت کر رہی تھی۔

”شہزین کل اگر فارغ ہو تو میں شاپنگ کے لیے جا رہی ہوں تم ساتھ چلو۔“
”بھابی امی کو بھی جانا ہے آپ ایسا کریں ان کے ساتھ چلی جائیں۔“
”تم بھی چلو نا۔“ نبیلہ بضد تھیں۔ ہذیل کی زبان پر کھجلی ہو رہی تھی مگر امی کے کڑے تیوروں کی وجہ سے وہ چپ تھا۔
”مجھے الجھن ہوتی ہے۔“
”میرے ساتھ تم بھی چلو گی‘ ارے صدف کی شادی کے لیے شاپنگ نہیں کرو گی۔“
”امی بھی یہی کہہ رہی تھیں مگر بھابی مجھے رش سے بے زاری ہوتی ہے۔“
”صاف کہو صدف کی شادی ہو رہی ہے تو تمہیں جلن ہو رہی ہے۔“ ہذیل نے پھر لقمہ دیا۔
”جی نہیں مجھے کوئی جلن نہیں ہو رہی اور نہ ہی مجھے شوق ہے شادی کا نہ کبھی شادی کروں گی۔“ اس نے بھی ذرا سخت لہجے میں جتا کے کہا۔
”ہاں جیسے چچا جان اور چچی جان تمہاری مان ہی لیں گے۔“
”توبہ ہے ہذیل میں تو تم سے تنگ آ گئی ہوں‘ کیوں اس کے پیچھے پڑے رہتے ہو؟“
”امی ایسی چیزوں کے لوگ پیچھے پڑے ہی رہتے ہیں۔“ وہ کھانے سے فارغ ہو کے کھڑا ہوا۔
”کسی کی اتنی بھی بے عزتی نہیں کرنی چاہیے بعد میں آپ کو خود کو رونا پڑ جائے۔“ وہ یہ کہہ کر رکی نہیں اپنا آنچل سنبھالتی ہوئی چلی گئی۔
امینہ نے اسے گھورا‘ نبیلہ بھابی کی بات ادھوری رہ گئی تھی انہیں کل ضرور شاپنگ کے لیے جانا تھا۔
”ہذیل اتنا فضول نہیں بولا کرو‘ شہزین ایسی لڑکی نہیں ہے۔“
”پھر کیسی ہے؟“ وہ ان کے سامنے آ کے کھڑا ہوا۔
”امی آپ اس سے تو شہزین کے متعلق بولیں ہی

نہیں۔ میری تو خود یہ سمجھ نہیں آتا یہ اسے اتنا تنگ کیوں کرتا ہے۔" نبیلہ بھابی کو بھی کبھی تشویش ہوتی تھی وہ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتی بھی تھیں کہیں یہ شہزین کو پسند تو نہیں کرتا۔

"ٹھیک کہا کچھ نہیں بولیے۔" ہذیل نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی کیونکہ امی کو زبردست غصہ آرہا تھا۔

صدف کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں ادھر مبینہ نے شہزین کی بھی تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وہ ماں تھیں ان کی بھی خواہش تھی ان کی بیٹی سب سے زیادہ پیاری اور خوب صورت لگے مگر شہزین نے چند سال سے خود کو بالکل ہی ڈل کرلیا تھا پہلے تو شوق سے کپڑوں کی خریداری کرتی تھی مگر اب ان سب سے لگتا تھا اس کا دل اچاٹ ہوگیا ہے۔ مبینہ کو اس کی رات دن فکر رہتی تھی۔

وہ نیچے آئی تو چھوٹی امی اور صدف سامان کی لسٹ صبا سے بنوا رہی تھیں اور صبا اتنی الجھن کا شکار تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سی چیز پہلے لکھے۔

"آخاہ شہزین باجی آگئی ہیں امی پلیز ان سے بنوالیں۔" وہ ڈائری اور پین ان کے ہاتھ میں تھما کے خود کھڑی ہوگئی۔

"بالکل نکمی اور کام چور ہو کوئی کام نہیں کرتیں کتنے کام ایسے پڑے ہیں جو ان کے کرنے کے ہیں۔" وہ تو غصہ ہونے لگی۔

"لائیں چھوٹی امی میں آپ کی مدد کردوں۔" شہزین خوشدلی سے ان کے کام کروانے کے لیے تیار ہوگئی۔ صبا نے سکون کا سانس لیا۔

"ارے بھئی شہزین کیسی ہو؟" حسن نے اسے دیکھا تو مسکرا کے پوچھا۔

"ٹھیک ٹھاک۔" اس نے فریش موڈ کے ساتھ جواب دیا۔ چھوٹی امی کی کتنی خواہش تھی حسن کی دلہن شہزین کو بنانے کی مگر وہ پہلے ہی کسی لڑکی کو پسند کرتا تھا اس نے آگہی دے دی تھی۔

"تم کہاں جارہے ہو؟" چھوٹی امی نے سوالیہ نگاہ اس کے سراپے پہ ڈالی جو بلیک پینٹ شرٹ میں تیار کھڑا تھا۔

"صدف کے فرنیچر کے لیے مجھے ہی جانا ہے ابو کا آڈر جو ہے میں ہذیل کو ساتھ لے کے جارہا ہوں۔" اس نے انہیں بتایا۔

ہذیل کے نام پر شہزین کا دل جانے کیوں فوراً دھڑک اٹھتا تھا۔ ہر دھڑکن اسے پکارتی تھی مگر وہ خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتی تھی بلکہ وہ خود کو ہالی وڈ کا ہیرو سمجھتا تھا۔

"شہزین، شہزین۔" چھوٹی امی اسے پکار رہی تھیں جو ہذیل کے خیالوں میں کھوگئی تھی حسن چلا گیا تھا۔

"جی چھوٹی امی۔" اس کی سوچیں منتشر ہوئیں۔

"بیٹا تم ہی لسٹ بنادو یہ لڑکیاں تو میرے کسی کام کی نہیں ہیں۔" شہزین نے ان کے سارے کام نمٹا دیئے۔ شادی میں صرف دو ماہ تھے صدف کے تو ٹیلر اور پارلر کے چکر ختم ہی نہیں ہو رہے تھے ادھر چھوٹی امی چاہ رہی تھیں حسن کا بھی نکاح ساتھ ہی کردیں تاکہ جلد سے جلد رخصتی کروالیں۔

"چھوٹی امی آپ نکاح کیوں کررہی ہیں رخصتی بھی رکھیں تاکہ آپ کو سہولت بھی رہے۔" شہزین نے اپنے مشورے سے انہیں نوازہ۔

"ارے یہ حسن کا دماغ ہے کہتا ہے میری ساری رسمیں الگ ہوں گی' آپ کنجوسی کر کے ایک ہی شادی میں دو شادیاں نمٹانا چاہتی ہیں۔"

"شادی تو ہوجائے گی ایک ساتھ ہو یا الگ۔" اسے حسن کی منطق سمجھ نہیں آئی۔

"ادھر مجھے حسن نے تنگ کیا ہوا ہے ادھر بھیا بھابی کو ہذیل نے تنگ کیا ہوا ہے اسے کوئی لڑکی ہی سمجھ نہیں آتی۔"

"چھوٹی امی آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں' آپ حسن بھائی کی فکر کریں ہذیل بھائی کا تو امریکہ سے آنے کے بعد دماغ خراب ہوگیا ہے۔" وہ بس اتنا بولی۔

"نہیں بیٹا ایسی بات نہیں ہے بچے کے نخرے نہیں ہیں۔" وہ ہذیل کی تعریفیں کرنے لگیں۔

شہرین چپ چاپ ان کی سنتی رہی۔ اسے کاموں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا وہ تو فواد بلانے آیا تھا کہ نبیلہ بھابی آئی ہوئی ہیں۔

''بیٹا تم جاؤ' اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے' آمین۔'' چھوٹی امی اسے دعائیں دینے لگی۔ شہرین نے جھینپ کے انہیں دیکھا وہ خاصی سنجیدہ بھی ہو رہی تھیں۔

''چھوٹی امی عمیر نہیں ہے۔''

''ارے یہ موا انٹرنیٹ آگ لگے اسے۔ اس کے آگے منہ دیئے پڑا رہتا ہے۔'' وہ ہوا میں ہاتھ نچا کر کہا تو فواد عمیر کے روم کی طرف بڑھ گیا' شہرین وہاں سے رخصت ہوگئی۔

''تم سے کہا بھی تھا شاپنگ کے لیے جانا ہے تم تو ایسے ہی پھر رہی ہو۔'' نبیلہ بھابی خفگی سے گویا ہوئیں۔

''امی آپ چلی جائیں نا۔'' وہ مبینہ سے بولی۔

''نبیلہ تم اسے ہی لے کے جاؤ اس لڑکی نے میرا ناک میں دم کردیا ہے کسی بات کا شوق ہی نہیں رہا۔'' وہ شکایت کرنے لگیں۔

''شوق پورے کرکے مجھے کرنا کیا ہے۔'' لہجے میں افسردگی اور محرومی بھی تھی' جو نبیلہ سے تو مخفی نہیں رہ سکی۔

''کیا فضول سوچیں پال رکھی ہیں' گھر میں شادی ہے اس کی تیاری تو کرنی ہے۔''

''بھائی جس کی شادی ہے اس کی تیاری ہو تو رہی ہے۔'' وہ مسکرا کے انہیں دیکھنے لگی۔

''دیکھا یہ کچھ دنوں سے ایسی ہی باتیں کرنے لگی ہے۔'' مبینہ نے بے زار ہو کے کہا۔ نبیلہ اس کی ان باتوں کو بھی سمجھتی تھیں وہ ہذیل کی باتوں کی وجہ سے ہرٹ ہونے لگی تھی۔

''تم ہذیل کی باتوں کو دل پر کیوں لیتی ہو۔'' انہوں نے مبینہ کے جانے کے بعد اس سے آہستگی سے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' جھٹ وہ سنبھل کے گویا ہوئی۔

''میں سب سمجھتی ہوں اور جانتی ہوں تم اٹھو اور اپنی تیاری کرو جیسے چچی جان کہتی ہیں۔'' انہوں نے زبردستی اسے اٹھایا۔

''سچ بھابی میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اسے کافی دیر نیچے لگ گئی تھی اس لیے کمر تختہ ہوگئی تھی۔

''میں کچھ نہیں سن رہی جلدی کرو مجھے بچوں کی بھی شاپنگ کرنی ہے اور امی کی بھی' ٹائم بھی لگے گا۔'' شہرین کو ان کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ نبیلہ بھابی نے اس کی زبردستی اپنی پسند سے شاپنگ کروائی تھی' وہ پورا وقت یہی سوچتی رہی اگر وہ یہ ڈریس پہنے گی تو ہذیل پھر اس کا مذاق اڑائے گا۔ بار بار آنکھوں میں نمی آئے جارہی تھی۔

گھر آئی تو مبینہ تو خوش ہوگئی تھیں کیونکہ نبیلہ نے اس کی اچھی خاصی تیاری کروادی تھی۔

رات میں لیٹی تو جسم تھکن سے دکھ رہا تھا' بغیر کھائے ہی سوگئی۔ افتخار احمد اسے دیکھنے روم میں آئے تو وہ سوچکی تھی۔ وہ اس کے ماتھے پر پیار کرکے چلے گئے۔

''کب سیریس ہوگے تم؟'' احتشام احمد نے آج اسے آڑے ہاتھوں لیا اور وہ ان کے سامنے ایسے کھڑا تھا جیسے عدالت میں کھڑا ہو۔ راحیل بھائی کسی فائل کی ڈسکشن کے لیے بیٹھے تھے۔ مگر ابو ہذیل کی خبر گیری کررہے تھے۔

''ابو آپ لوگوں کو آخر میری شادی کی اتنی فکر کیوں ہے میں کہیں بھاگا جارہا ہوں۔'' وہ بہت چڑتے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

''تم جس طرح آفس کے کاموں سے بھاگ رہے ہو اس سے تو ہمیں یہی لگ رہا ہے تم کہیں بھاگے جارہے ہو۔''

''ابو اب مجھے جانا کہاں ہے اور رہا آفس آپ اور بھائی جان ہیں تو آفس اور بزنس سنبھالنے کو۔'' وہ اطمینان سے بولا وہ ویسے بھی آفس سے بچتا ہی تھا۔

''ساری زندگی آفس اور بزنس میں تو نہیں سنبھال سکتا تم بھی اپنی ذمے داریوں کو سمجھو۔''

''یار کیا آپ لوگ میرے پیچھے پڑگئے ہیں۔'' وہ بے

زاری سے بولا۔ راحیل بھائی نے اسے اشارے سے چپ کرایا۔

"بھائی جان یہ آفس بزنس نہیں ہوتا مجھ سے۔"

"پھر کیا تم الگ کچھ کرنا چاہتے ہو یا میری وجہ سے تم یہ سب نہیں کرنا چاہتے۔" راحیل بھائی نے اسے جذباتی طریقے سے ہینڈل کرنا چاہا شاید اسی طرح ہی وہ کچھ سیریس ہوکر دلچسپی لے۔

"ارے نہیں بھائی جان ایسی بات نہیں ہے۔"

"راحیل اس گدھے کو سمجھا دو اگر یہ اسی طرح نان سیریس رہا تو اس کا بوریا بستر سمیٹ کر گھر سے باہر کروں مجھے ایسی ناکارہ اولاد نہیں چاہیے۔" احتشام احمد آج درشت اور سنجیدہ تھے۔

"یہ تو میرے ساتھ زیادتی ہے۔" وہ منمنایا۔ انیسہ بھی وہیں آ گئیں۔

"اس سے بھی زیادہ زیادتی کرسکتا ہوں اگر سدھرنا ہے تو شرافت سے اپنا کام سنبھالو۔" وہ اپنا دوٹوک اور اٹل فیصلہ دے کے اٹھ گئے۔

"یار ہذیل یہ تم کیا کررہے ہو؟" راحیل نے اسے پکڑ کر دوبارہ صوفے پر بٹھایا۔

"مجھے آپ یہ بتایئے یہ کیا الگ الگ کی بات کرنے لگے تھے میں تو صرف شادی سے بچنے کے لیے ایسا کہہ رہا تھا ابو نے تو بوریا بستر سمیٹنے کو کہہ دیا۔" وہ حیران و پریشان ان سے سوال کرنے لگا۔

"آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے ہذیل! اگر تم کسی کو پسند کرتے ہو تو صاف صاف بتادو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ سنبھلا۔

"پھر جیسا ابو کہتے ہیں وہ کرو۔"

"اچھا۔" اسے بھی مانتے ہی بنی وہ تو آزاد پھرنا چاہتا تھا اتنی جلدی بزنس میں الجھنا نہیں چاہتا تھا مگر ابو نے کہا تھا شادی کے لیے زندگی کے اور امور میں سنجیدہ ہونا ضروری ہے۔

"کل سے آٹھ بجے آفس چلنا ہے۔" راحیل بھائی نے اس کے ہاتھ میں فائل تھمائی۔

"یہ کیا ہے۔" وہ حیرانگی سے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ نئے پروجیکٹ کی فائل ہے اس کو پڑھ لینا کل نو بجے میٹنگ ہے تاکہ تمہارے پاس بھی بولنے کو کچھ ہو۔" راحیل اس کی ہر طرح سے مدد کرتے تھے اور ابو کے عتاب سے بھی بچاتے تھے۔

"بھائی جان آج میں بہت تھکا ہوا ہوں حسن نے فرنیچر مارکیٹ میں اتنا گھمایا ہے ٹانگیں درد کرنے لگی ہیں۔" اس نے مضمحل اور تھکی تھکی صورت بنا کے تھکن زدہ ہونے کا تاثر دیا۔

"کوئی آر گومینٹس نہیں تم ابو کو جانتے ہو وہ تمہیں پھر آڑے ہاتھوں لے لیں گے۔" وہ اسے سمجھانے لگے۔

"چل ہذیل تجھے سنجیدہ ہونا ہی پڑے گا۔" وہ زیر لب خود سے ہمکلام ہوا۔ انیسہ اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچ رہی تھیں جیسے کچھ وہ الجھا الجھا ہوا ہو۔

"بھائی جان اگر صدف کی شادی کے بعد میں یہ سب جوائن کرلوں تو؟"

"تمہاری شادی پر تمہیں لمبی چھٹی دی جائے گی مگر اس شادی پر نہیں۔" احتشام احمد نے اس کی بات سن لی تو وہ اسے جواب دینے لگے۔ ہذیل جھینپا اور راحیل بھائی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ ذمے داریوں کو سمجھے تو ہی میں اس کے رشتے کی بات کرتا اچھا لگوں گا۔"

"کہاں رشتے کی بات کررہے ہیں؟" انیسہ چونک کے ان سے گویا ہوئیں۔

ہذیل اسی بات سے تو پریشان تھا ابو نے پتہ نہیں کہاں اس کا رشتہ کرنے کا سوچا ہے پوچھنے کی ہمت نہیں تھی اسی وجہ سے وہ آفس سے بھاگنے لگا تھا کہ وہ اس کی شادی کا خیال دل سے نکال دیں۔

"وقت آنے پر بتادیا جائے گا۔" انہوں نے بس اتنا ہی کہا نبیلہ بھابی نے آنکھوں کے اشارے سے

راحیل بھائی سے پوچھا وہ بھی شانے اچکا کے لاعلمی ظاہر کرنے لگے۔

''یار امی ابو کو سمجھایئے کچھ تو خیال کریں اتنا ظلم نہیں کریں۔'' وہ دہائی دینے لگا۔

''اگر اسی طرح تمہاری حرکتیں رہیں تو کچھ شک نہیں میں تمہارے پاؤں میں جلد بیڑیاں ڈال دوں۔''

''ابو پلیز کیا ہوگیا' ہر بات کا حل کیا شادی ہوا کرتا ہے کیا پتہ جو آپ نے میرے لیے رشتہ سوچا ہو وہ مجھے ہی پسند نہیں آئے۔'' وہ جھٹ گویا ہوا۔

''راحیل کی جب ہم نے شادی کی تھی تو اس سے بھی ہم نے اس کی پسند نہیں پوچھی تھی۔'' انہوں نے اس کے گھبرائے ہوئے چہرے کو نظر انداز کیا۔ راحیل اور نبیلہ پہلو بدل کے رہ گئے۔

''تمہیں ہمارے کہنے پر ہی شادی کرنی ہوگی۔''

''ابو آپ کس زمانے کی بات کررہے ہیں۔'' وہ تو گڑبڑایا سٹپٹایا اور تو اور اپنی زبان پر شہرین کا نام لاتے ہوئے ہی جھجک رہا تھا۔

''اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو اسے بھول جاؤ کیونکہ مجھے پتہ ہے امریکہ میں پھنسا کے آئے ہوگے۔''

''لاحول ولاقوۃ...... میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ جھینپا۔

''کوئی فضول بات نہیں کر اس فائل کو پڑھ لو کل صبح میٹنگ میں تمہیں آنا ہوگا۔'' وہ فیصلہ دے کے چلے گئے۔

ہذیل اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کے بیٹھ گیا انیسہ کے دماغ میں تو سوال مچل رہے تھے آخر وہ ہذیل کا رشتہ کہاں کرنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے بھی لڑکیاں دیکھنی چھوڑ دی تھیں' احتشام احمد نے سختی سے جو منع کیا ہوا تھا اب کسی لڑکی کی تصویر شہرین سے نہیں منگوائیں گی' شہرین کو بھی انہوں نے ہلکی سی ڈانٹ پلائی تھی وہ پھر اس دن کے بعد سے کوئی تصویر نہیں لائی تھی۔

◉......۞......◉

دن اتنی تیزی سے گزر رہے تھے شہرین کو بھی اندازہ نہیں تھا امی زبردستی اسے ساتھ لے جا کے اس کے کپڑے سلنے ٹیلر کو دے آئی تھیں وہ بھی اس کی تیاری میں کسی قسم کی کمی نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں مگر شہرین کو ان سب چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''امی کو پتہ نہیں کیا ہوگیا' کیوں وہ اتنا پریشان ہورہی ہیں' کپڑے اچھے پہننے سے کیا قسمت بھی اچھی ہوجائے گی۔ انہیں یہ کون سمجھائے۔ میری قسمت میں جو ہے وہ مجھے ملے گا اور ضروری ہے کہ میری بھی قسمت صدف کی طرح اچھی ہو اس کے سسرال والے کتنے دل او چاؤ سے اسے لے جارہے ہیں اسے کسی بات کی ٹینشن نہیں کیا زندگی میں خوب صورتی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ کردار' سیرت کی کوئی اہمیت نہیں' کیا ظاہر اچھا ہونا ضروری ہوتا ہے انسان کا دل اس کی اچھی سوچ وہ کوئی اہمیت نہیں' لوگوں نے اپنا شعار ظاہر کیوں بنالیا' کسی کے اچھے خیالوں کی کوئی قدر نہیں۔ زندگی میں صرف کیا خوب صورت کی حیثیت ہے' پیار اپنائیت کی کوئی قیمت نہیں۔ کیا موٹی بھدی لڑکیوں کو اچھے اور خوب صورت خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں وہ اچھے جیون ساتھی کی آرزو اور خواہش نہیں کرسکتی۔'' شہرین کی آنکھوں میں آنسو آگئے' ڈریسنگ ٹیبل کے مرر کے سامنے کب سے کھڑی تھی۔ اس نے کبھی اپنے پروردگار سے شکوہ نہیں کیا تھا اور شکوہ کرکے وہ کفر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اسے اللہ نے ہر نعمت سے نوازا تھا وہ پھر شکوہ کرتی کیوں؟ مگر اسے لوگوں کی سوچ پر افسوس ہوتا جو لوگوں کو صرف دکھ دینا جانتے تھے۔

ہذیل اسے کتنا دکھ دیتا تھا' اس کی ذات کو ہر وقت تنقید کا نشانہ بناتا تھا' اسے احساس کمتری میں مبتلا کرتا رہتا تھا۔ ان دو سالوں میں اسے جتنی شدت سے اسے احساس دلایا تھا ایسا زندگی کے گزشتہ سالوں میں بھی اسے کسی نے نہیں دلایا تھا۔ بچپن سے ہی وہ ہذیل کے اتنے قریب رہی تھی کہ بڑے ہونے تک اس کی اور ہذیل کی اسی طرح نوک جھونک ہوتی رہتی تھی مگر جب سے وہ امریکہ سے اپنی پڑھائی مکمل کرکے آیا تھا اس کا رکا ہوا دل پھر دھڑکنا شروع

ہوگیا تھا۔ وہ اس کی دھڑکنوں میں تو کب سے بسا ہوا تھا۔ مگر ہذیل کا رویہ اس کے ساتھ کبھی اچھا ہی نہیں رہا' وہ جب بھی اسے دیکھتا ہمیشہ کی طرح زچ کرکے رکھ دیتا تھا۔ وہ اگر اس کے لیے خود کو بدلے بھی لے تب بھی کوئی فائدہ نہیں وہ اسے پسند تو پھر بھی نہیں کرے گا۔ پھر وہ کیوں اس کے لیے خود کو بدلے کیا وہ اتنی بری ہے کہ اس کے موٹاپے کی وجہ سے اس کی ان خوبیوں کی کوئی اہمیت نہیں وہ دل کی سچی ہے اگر اس کے قسمت میں ہذیل ہوگا تو ملے گا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں خوش رہے گی اس نے ویسے بھی سوچ لیا تھا وہ کبھی شادی نہیں کرے گی۔

''شہزین...... شہزین۔'' مبینہ کی آواز پر وہ گھبرائی۔ جلدی سے واش روم میں گھس گئی اگر امی نے اس کا پریشان اور رویا ہوا چہرہ دیکھ لیا تو وہ فکر مند ہوجائیں گی اور وہ اس سے پوچھ کے رہیں گی آخر وجہ کیا ہے؟

''شہزین......'' انہوں نے دوبارہ آواز دی۔

''امی آرہی ہوں۔'' اس نے اندر سے ہی ہانک لگائی۔

''بیٹا تمہارے ابو بلا رہے ہیں۔''

''آتی ہوں۔'' وہ اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے جارہی تھی تاکہ آنکھوں کی جلن کم ہوجائے۔ اسے خود احساس نہیں ہوا رو رو کے اس کی تو آنکھیں بھی سوج گئی تھیں۔

''صبا بھی آئی ہوئی ہے تم سے کوئی کام ہے جلدی آجانا۔'' وہ شاید عجلت میں تھیں فوراً ہی چلی گئی تھیں۔ وہ تیزی سے باہر آئی۔ تولیہ سے اپنا چہرہ صاف کیا' گیلے بالوں کو برش سے سنوارا۔

''یہ صبا کو کیا کام پڑگیا؟'' اسے تشویش ہوئی۔

مگر اس وقت زیادہ ضروری یہ تھا کہ ابو بلا رہے تھے اور ابو کے سامنے تو اسے اپنا حلیہ درست کرکے جانا تھا ورنہ ان کی جانچتی اور پُرتشویش نگاہیں اسے سامنا کرنے نہیں دیں گی۔

''بیٹا جلدی سے کڑک سی چائے لے آؤ۔'' وہ بڑے فریش موڈ میں لگ رہے تھے۔

''جی اچھا۔'' شہزین ان کی حکم کی تعمیل کے لیے کچن میں چلی آئی۔

''شہزین باجی پلیز میرے ہاتھوں کی ویکس کردیں گی۔'' صبا اس کے پیچھے کچن میں ہی آگئی۔

''تم سامان لے کر ادھر ہی آجاؤ میں کردوں گی۔'' وہ کبھی کسی کے کام کو منع نہیں کرتی تھی چاہے اس کا موڈ کتنا ہی اپ سیٹ کیوں نہ ہو۔

آج تو دل بار بار بھر آرہا تھا' وہ اتنی حساس تھی تو نہیں یا ایسے حالات کبھی نہیں ہوئے تھے۔

⊙......⊙......⊙

صدف کی مہندی اور مایوں ایک ہی دن رکھی تھی' دلہا والے بھی اس کی بری لے کے آج ہی آرہے تھے شہزین کا ایک پاؤں کبھی نیچے تو کبھی اوپر ہوتا' چھوٹے ابو اور چھوٹی امی نے سب کو ہی جب تک شادی تھی ادھر ہی کھانے پینے کو کہا تھا شہزین نے کچن سنبھال لیا تھا' نبیلہ بھابی بھی اس کے ساتھ لگ جاتی تھیں۔ اوپری کاموں کے لیے ماسی رکھی ہوئی تھی تاکہ کام میں کچھ سہولت رہے۔

''آج تم وہ سی گرین نیٹ کا سوٹ پہننا۔''

''بھابی وہ بہت ہیوی ہے۔'' وہ پہننے سے ہچکچا رہی تھی۔

''پاگل لڑکی مہندی اور مایوں کے لحاظ سے بالکل ٹھیک ہے صبا کے کپڑے دیکھے ہیں کتنے بھرے بھرے ہیں۔''

''وہ تو بچی ہے اس پر چلیں گے۔'' شہزین نے جھٹ وضاحت دی۔

''تم بھی کوئی دادی اماں نہیں ہو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی آپ لوگ کیا باتوں میں لگی ہیں کھانا وغیرہ کب لگے گا۔'' عمیر کو بہت بھوک لگی تھی۔

''تمہیں کھانے کے علاوہ کچھ سوجھتا بھی ہے؟''

''ڈھائی من کی دھوبن تم بھی تو ہر وقت کھا کھا کے اتنی موٹی ہوگئی ہو۔'' ہذیل کو کتنے دنوں سے نظر نہیں آئی تھی وہ

بھی اس کے تعاقب میں ادھر ہی آ گیا تھا۔

دشمن جاں آج تو لیمن پلین ایمبرائیڈری کے کپڑوں میں اپنے سادے سراپے کے ساتھ کتنی دلکش اور حسین لگ رہی تھی ہذیل نے اسے اپنی آنکھوں میں جذب کیا۔

''بھابی ان سے کہیے میرے منہ تو بالکل بھی نہیں لگیں۔'' وہ ویسے ہی کتنے دنوں سے صرف اس کی وجہ سے ڈسٹرب تھی۔

''پلیز ہذیل اتنا تنگ نہیں کیا کرو۔''

''بھابی آپ بڑی اس کی حمایتی بن رہی ہیں اس پہاڑ کے لیے۔''

''نبیلہ نبیلہ......'' چھوٹی امی کی آواز آئی۔

''ہذیل تم تو باہر نکلو۔'' انہوں نے اسے کچن سے نکالا۔

عمیر پانی کی بوتل لے کے نکل گیا اور شہزین پشت پھیرے اپنے کام میں منہمک تھی۔ وہ اس کی پشت پر پڑے سلکی دراز بالوں کی چوٹی دیکھ رہا تھا' دل مجبور کر رہا تھا ان بالوں کی نرماہٹ وہ اپنے ہاتھوں سے محسوس کرے۔

''آپ کیا سر پر کھڑے ہیں جائیے۔'' وہ چیخی۔

''اتنی حسین نہیں ہو کہ تمہارے سر پر کھڑے ہو کر تمہارے حسن کے پیچ و خم میں الجھا رہوں۔'' اس نے اس کی سائیڈ سے سلاد کی پلیٹ سے گاجر اور کھیرا اٹھایا وہ تو ڈر کے پیچھے ہی ہوگئی دل کی دھڑکنوں میں تیزی آ گئی تھی' ماتھا بھی عرق آلود ہو گیا' نگاہ وہ اٹھا ہی نہیں سکی۔

''شہزین باجی آپ اب باہر آ جائیے ماسی لگا لے گی۔'' صبا بولتی ہوئی اندر آئی تو دونوں ہی چونکے۔

''آپ یہاں کھڑے ہیں تایا ابو پوچھ رہے تھے۔''

''ایک تو میرے باپ کو مجھ پر نگاہ رکھنے کا جانے کیا شوق ہے۔'' وہ گہری نگاہ شہزین پر ڈال کے نکل گیا۔

''آپ ایسی بت کیوں بنی ہیں۔''

''نن......نہیں تو۔'' وہ جھینپی۔

''میں صدف کا اور اپنا کھانا لے کے اس کے روم میں جا رہی ہوں۔'' وہ جلدی جلدی ٹرے میں اپنے لیے اور صدف کے لیے کھانا لے کے چلی گئی۔ اس کی ہمت نہیں تھی ہذیل کی دل جلانے والی باتیں برداشت کرنے کی اور اگر اس نے گھر کے باقی افراد کے سامنے کچھ بھی الٹا سیدھا بول دیا تو کتنی تضحیک محسوس ہو گی۔

''کیا پکایا ہے؟'' صدف ٹرے اپنے آگے رکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''بھابی نے بیف کا قورمہ پکایا ہے۔''

''واؤ۔'' صدف مایوں کے زرد جوڑے میں تھی جو تائی امی نے کہہ کر پہنوایا تھا۔ ورنہ وہ تو پہن ہی نہیں رہی تھی۔

''حسن بھائی کی سسرال سے بھی آئیں گے لوگ وہ آئیں گی تمہاری ہونے والی بھابی۔''

''امی نے تو کہا تھا لے آئیں مگر شاید ان کی امی لے کے نہیں آئیں گی۔'' صدف نے کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔

''ہیں کیسی؟'' شہزین کو تجسس بھی تھا ابھی تک اس نے نہیں دیکھا تھا گھر کے بڑے جا کے بات پکی کر آئے تھے اور شادی ایک سال بعد ہوئی تھی۔

''اچھی ہیں خوب صورت سی۔''

''ہوں۔'' شہزین نے سر ہلایا۔

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں تھیں مگر پھر شہزین کو اٹھنا پڑا امینہ نے اسے رات کے فنکشن کے لیے تیاری کرنے کو کہا تھا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا اگر زیادہ تیار ہو گئی تو ہذیل پھر اس کا تمسخر اڑائے گا کچھ دنوں سے وہ بالکل ہی سست ہو گئی تھی۔

◉......◉......◉

اس نے گرین نیٹ کا ہی سوٹ پہنا تھا۔ بہت پیاری لگ رہی تھی سلکی دراز بالوں کو کیچر میں مقید کر کے کھلا چھوڑا ہوا تھا میک اپ اس نے خود جان کے لائٹ سا کیا تھا صبا کو تو اس کا سوٹ بہت ہی پسند آیا اور گرین کلر اس کی سرخ وسپید رنگت پر بہت کھل رہا تھا۔ مہندی کا انتظام لان میں ہی کیا گیا تھا لان بھی خاصا وسیع تھا اس لیے ہر فنکشن آرام سے ہو جاتا تھا۔ روش بھی سجی ہوئی تھی اسٹیج پر صدف کو نبیلہ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبداللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُم مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

بھابی اور صبا لے آئی تھیں۔ سسرال سے صدف کی بری بھی بہت اچھی آئی تھی۔ شہزین کو اس پر رشک آ رہا تھا' سارے سسرالی کتنی خوشی سے اسے مٹھائی کھلا رہے تھے وہ سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

''اگر آج تم بھی تیلی ہوتی تو تمہارے بھی ہاتھ پیلے ہو جاتے کسی کا بھلا ہی ہو جاتا۔'' اچانک سے ہی ہذیل بوتل کے جن کی طرح نمودار ہوا تھا' وہ رسم دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اس کی آواز پر اچھل ہی گئی۔

''آ...... آپ......!''

''ہاں میں۔'' وہ اس کے خوب صورت سراپے کو بڑی پُرشوخ نگاہوں سے اپنی آنکھوں اور دل میں جذب کر رہا تھا۔ اس نے کہاں اسے ایسے روپ میں دیکھا تھا۔ آج یوں پری پیکر اس کے سامنے تھی تو وہ چاروں خانے چت ہی ہو گیا تھا۔

''صدف سے کہتی تمہارے لیے بھی دعا کرے کیونکہ جس کی شادی ہو رہی ہوتی ہے اگر وہ دوسری لڑکی کے لیے دعا کرے تو قبول ہو جاتی ہے۔'' وہ بڑے مدبرانہ لب ولہجے میں گویا ہوا۔

شہزین تو سلگ کے رہ گئی' اطراف میں اتنے لوگ تھے وہ کوئی بھی ایسی حرکت کرنا نہیں چاہتی تھی کہ لوگ متوجہ ہوں اور ان دونوں کو دیکھیں۔

''آپ کو شوق ہے تو آپ کروالیں دعا۔'' وہ تنک کے گویا ہوئی۔

''بڑی چالاک ہو ہر طرح سے تمہاری نظر مجھ پر ہی ہے۔''

''فضول بکواس مجھ سے تو کیا نہیں کریں اور کان کھول کر سن لیں کبھی ایسا وقت آئے گا بھی نہیں کہ آپ سے میری شادی ہو۔''

''فرض کرو آ جائے۔'' وہ مسکرا کے معنی خیزی سے بولا مگر نگاہ چہرے سے ہٹنا گوارہ نہیں تھیں۔

''میں مر جانا پسند کروں گی آپ جیسے انسان سے تو بالکل نہیں کروں گی جو سوائے بے عزتی کرنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔'' شہزین کا تو دل ہی بھر آیا مگر اس نے خود کو بڑی دقتوں سے روک کے رکھا۔

''سوچ لو بہت بڑی بات کہہ رہی ہو وقت کا کچھ نہیں پتہ۔'' اسے اس کا تپنا اور کلسنا بہت مزا دے رہا تھا۔

''مسٹر ہذیل احمد آپ جیسے حسن پرست لوگ کبھی ایسا کر ہی نہیں سکتے۔''

''اوہ یہ تو تم نے بہت بڑی خبر دی۔'' وہ تمسخر اڑانے لگا۔ وائٹ قمیص شلوار میں ملبوس خاصا ڈیسنٹ اور چارمنگ لگ رہا تھا وہ تو تمنا کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھی بلکہ وہ سوچتی تھی وہ حق ہی نہیں رکھتی۔

''ارے شہزین تم ادھر کیا کر رہی ہو آؤ اوپر اسٹیج پر۔'' چھوٹی امی نے اسے بلایا۔

ہذیل جلدی سے ادھر ادھر ہو گیا شہزین کا دل تو ویسے ہی خراب ہو گیا تھا مگر وہاں کے تقاضے نبھانے بھی ضروری تھے۔

''جانے میرے ہی پیچھے کیوں یہ شخص پڑ گیا ہے؟'' اس کا ذہن ودل الجھ کے رہ گیا تھا۔ اس کا وہاں دل ہی نہیں لگ رہا تھا' مبینہ کی نگاہ شہزین پر تھی جو کونے میں چیئر پر جا کے بیٹھ گئی تھی۔

''مبینہ یہ شہزین کہاں ہے؟'' انیسہ کو کافی دیر سے نظر نہیں آئی تو انہیں فکر ہوئی۔

''ادھر سامنے بیٹھی ہے۔'' انہوں نے روش کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھی سوچوں میں غلطاں شہزین کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ اتنی چپ کیوں بیٹھی ہے؟'' انہیں تشویش ہوئی مگر پھر جلد ہی اندازہ ہو گیا ضرور ہذیل سے ہی اس کی مڈبھیڑ ہوئی ہے کیونکہ وہ عمیر اور فواد اسد کے ساتھ ہنسی مذاق میں لگا ہوا تھا اور شہزین کی نگاہ بار بار ہذیل پر ہی اٹھ رہی تھی۔

''اسے ادھر بلاؤ۔'' انیسہ کو اس پر کچھ دنوں سے زیادہ ہی پیار آنے لگا تھا جب سے احتشام احمد نے یہ بتایا تھا' وہ ہذیل کے لیے شہزین کا رشتہ مانگنے والے ہیں۔ شاید انہوں نے افتخار احمد سے بات بھی کر لی تھی۔ مگر ابھی یہ

بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔

''آپ ہی بلا لیں۔'' مبینہ واقعی اس کے لیے پریشان اور فکر مند رہنے لگی تھیں۔

''مبینہ تم اتنی پریشان نہیں ہوا کرو شہرین ٹھیک ہوجائے گی۔'' انہوں نے مبینہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے اطمینان دلایا' ساتھ ہی احتشام احمد کے خیالات سے بھی آگاہ کردیا۔

''بھابی آپ نے تو میری ساری فکر ہی دور کردی......!'' مبینہ بہت خوش تھیں ان کی بیٹی کا بھی نصیب کھلنے والا تھا۔

''تم دعا کیا کرو......'' انیسہ نے مسکرا کے کہا۔

انیسہ نے زبردستی شہرین کو اپنے پاس بٹھایا وہ بہت خاموش خاموش سی لگ رہی تھی۔ شہرین کو نہیں پتہ تھا بڑوں میں اس کے اور ہذیل کے لیے فیصلہ ہوچکا تھا۔

⦿......⦿......⦿

صدف کی شادی کا دن آن پہنچا تھا' صبح سے لائٹ بھی گئی ہوئی تھی۔ گھر میں ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ جنریٹر بھی کام نہیں کررہا تھا۔

''امی جنریٹر کیوں نہیں چل رہا۔'' شہرین بہت الجھن کا شکار تھی' وہ فواد اور اسد کے کپڑوں کی نکال رہی تھی کہ لائٹ کا ایسے میں جانا اسے بہت برا لگا تھا۔ عموماً جنریٹر ہی چلتا تھا مگر وہ بھی کام نہیں کررہا تھا۔

''ارے بیٹا پیٹرول نہیں ہوگا' اسد سے کہو وہ ڈال دے گا۔'' مبینہ کچن سے نکل آئی تھیں۔

''ابو کہاں ہیں؟''

''وہ کسی کام سے نکلے ہیں بیٹا تم ان کے بھی کپڑے دیکھ لینا استری تو تم نے پہلے ہی کردیے تھے۔'' وہ بولیں۔

''اچھا......'' وہ جلدی جلدی سارے کام نمٹا رہی تھی۔ وقت کی پابندی بھی تو ضروری ہوگئی تھی۔

''ابھی بھی نہیں آئی لائٹ۔'' اس نے ٹائم دیکھا چھ بجنے والے تھے اسے تیار بھی ہونا تھا مگر اس نے سوچ لیا تھا آج کوئی کتنا بولے وہ بالکل میک اپ نہیں کرے گی۔

''بھابی نے بھی کتنا ڈارک کلر پسند کیا ہے۔'' پرپل کامدانی اسٹائلش ڈریس کا وہ تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہی تھی اور سوچ رہی تھی کوئی سادہ سا سوٹ پہن لے۔

''مگر ہذیل وہ پھر مجھے تنقید کا نشانہ بنائے گا؟'' وہ تیار ہونے کا ارادہ ملتوی کرکے بیٹھ گئی۔

سات بجے لائٹ آئی تو امی نے شور مچادیا تیاری کا۔ فواد اور اسد بھی تیار ہونے آگئے تھے۔ شہرین نیچے دیکھنے گئی تھی' صدف پارلر کے لیے پانچ بجے ہی چلی گئی تھی اس کی خالہ زاد کزنز اس کے ساتھ گئی تھیں۔ نبیلہ بھابی نے اپنے بالوں کا اسٹائل اس سے بنوایا اس لیے اسے خاصی دیر ہوگئی تھی۔

''جلدی کرو سارے ہی شادی ہال پہنچ گئے ہیں۔''

''امی شادی ہال نہیں' ہوٹل گئے ہیں۔'' اس نے مسکرا کے تصحیح کی۔

''جو بھی ہے جلدی کرو تمہارے ابو بھی تیار ہوگئے ہیں۔''

شہرین بہت بے دلی سے تیار ہورہی تھی۔ میچنگ کی ساری چیزیں تھیں' خوب صورت اسٹائلش سے کپڑوں میں بہت دلکش اور پیاری لگ رہی تھی۔ منیبہ نے بے اختیار اس کا ماتھا چوما' وہ پورا وقت جھجکتی رہی تھی' پوری کوشش کی تھی ہذیل کی نگاہ اس پر نہیں پڑے۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' نبیلہ بھابی نے اسے خوشدلی سے سراہا۔ وہ بھی پنک ساڑھی میں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

''بھابی کچھ زیادہ ہی لگ رہا ہے۔''

''ارے تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا دیکھو سامنے لڑکیوں کو کیسے تیار ہوئی ہیں۔'' انہوں نے صدف کی کزنز کی طرف اشارہ کیا۔ واقعی وہ سب خاصی اہتمام سے تیار ہوئی تھیں جبکہ شہرین نے تو پھر بھی خود کو ان کے مقابلے میں سادہ ہی رکھا تھا۔

صدف دلہن بن کے آ گئی تھی۔ دس بجے بارات بھی آ گئی۔ نکاح مووی تصویروں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ ڈنر شروع ہوا تو نبیلہ بھابی نے اپنے دونوں بچوں کو اس کے پاس لا کے بٹھا دیا تھا وہ ثمن کو اپنے ہاتھوں سے چاول کھلا رہی تھی تا کہ اس کے کپڑے خراب نہ ہوں۔

ہذیل کی نگاہیں کب سے اس پر تھیں وہ اتنی دلکش اور حسین لگ رہی تھی اس کی نگاہیں ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ پھر جب سے ابو نے بتایا تھا کہ وہ اس کی اور شہزین کی بات طے کرنے والے ہیں کتنا خوش ہوا تھا' بعض انجانے میں کی گئیں دعائیں ایسے مستجاب ہوں گی اس نے سوچا نہیں تھا۔

''اہم۔'' مسٹرڈ پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں نکھرا نکھرا آنکھوں میں شوخیاں اور معنی خیزی لیے شہزین کے بالکل سامنے والی چیئر پر بیٹھ گیا اور وہ اسے دیکھ کے نروس ہونے لگی دل کی دھڑکنوں نے زور زور سے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ یہ پری پیکر اس کی ہونے والی تھی جسے وہ اتنا تنگ کرتا ہے ابھی بھی وہ گھبرا رہی تھی۔

''چھپ چھپ کے کھا رہی ہو۔'' اس نے ثمن کی پلیٹ سے چاول چمچ میں لیے اور منہ میں رکھ لیے۔

''چاچو آپ نے میرے کھا لیے۔'' ثمن تو منہ بسورنے لگی۔ ہذیل گھبرا گیا کیونکہ ثمن کی کوئی بھی چیز لے لو وہ ایسے ہی بکھرنے لگتی تھی۔

''میں نے آپ کے نہیں آپ کی آنٹی کے کھائے ہیں۔'' اس نے شہزین کے خوب صورت سراپے کو دلچسپی سے دیکھا۔

''آج تو تم نے اپنے موٹاپے کو چھپانے کی کافی حد تک کوشش کر لی ہے۔''

''پلیز مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' پوری محفل ہی ڈنر میں مصروف تھی بھابی بھی پتہ نہیں کہاں چلی گئی تھیں وہ اطراف میں نگاہ دوڑانے لگی نجانے ہذیل کے دل میں کیا آیا وہ خاموشی سے مزید کچھ کہے اٹھ کر چلا گیا۔

صدف کی رخصتی کا عمل بھی شروع ہو گیا تھا سوا بارہ بجے وہ رخصت ہو گئی تھی۔ سارے گھر والے دو بجے گھر آئے تھے۔ دوسرے دن تو شہزین سے اٹھا ہی نہیں گیا تھا' تھکن سے برا حال تھا' صدف کا ولیمہ بھی ضروری تھا مگر وہ جانے سے منع کر رہی تھی۔ مگر اس کی نہ نہ کے آگے بھی اس کی نہیں چلی تھی ولیمہ پر بھی جانا ہی پڑا تھا۔ صدف کی ساری رسمیں وغیرہ شاندار ہی ہوئی تھیں پھر وہ ایک ہفتے بعد ہی ہنی مون پر چلی گئی تھی۔

زندگی اپنے معمول کے مطابق چل رہی تھی' صبح ہی امی نے اس سے کہا تھا بڑے ابو اور بڑی امی آئیں گے رات کے کھانے پر کچھ خاص اہتمام کر لے اس نے سوچا کہ نبیلہ بھابی سے مرغ مسلم کی ریسپی لے آئے کیونکہ اسد نے بھی فرمائش کی تھی۔

''بھابی...... بھابی۔'' وہ پنک لان کے پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے سادہ سے حلیے کے ساتھ انہیں پکارتی ہوئی اندر آئی تھی۔

خلاف معمول آج تو گھر میں بڑے ابو اور راحیل بھائی بھی نظر آ رہے تھے اس نے جھجک کے سب کو سلام کیا' راحیل بھائی اور نبیلہ بھابی مسکرا رہے تھے کیونکہ شہزین کے علم میں یہ نہیں تھا آج وہ لوگ کسی خاص مقصد کے لیے آ رہے تھے۔ ان سب کی تیاری دیکھ کر وہ چونکی...... مٹھائی کے ڈبے پھولوں اور گجروں کی ٹوکری ایک خوب صورت سے ڈبے میں کچھ پیک بھی لگ رہا تھا جو سب کچھ ڈائننگ ٹیبل پر رکھا تھا۔

''بھابی آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔'' وہ حیران بھی تھی کیونکہ تایا ابو اور تائی امی کو تو ان کی طرف آنا تھا یہ تو آج صبح ہی امی نے بتایا تھا۔

''ہاں میرے رشتے کی بات ہو رہی ہے کہیں۔'' ہذیل کی رگ ظرافت پھڑک رہی تھی وہ تو پزل ہی ہو گئی۔

''ارے تم جیسی موٹی لڑکی سے میں تو شادی کرنے سے رہا اور پھر اگر تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی نا اتنا سننے

کے بعد اپنی جان دے دیتی مگر تم اتنی ڈھیٹ ہو بار بار میرے سامنے آ کے کھڑی ہو جاتی ہو تا کہ میں تمہارے جال میں پھنس جاؤں۔"

"ہذیل کیا بکواس کر رہے ہو؟" انیسہ کچن میں چلی آئی تھیں۔ ہذیل تو سٹپٹا گیا نبیلہ بھابی نے اپنا سر ہی پکڑ لیا۔

"آپ حد سے زیادہ بے حس انسان ہیں آپ کو کسی کی عزت کا خیال نہیں۔" وہ تو باقاعدہ رونے لگی کیونکہ ہذیل نے تو آج حد ہی کر دی تھی۔ ہذیل بھی بوکھلا گیا اس نے مذاق میں کچھ زیادہ ہی بول دیا تھا' وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

"ارے آج تو خیال کر لیتے ہم جانے کے لیے بیٹھے ہیں۔"

"امی وہ میں تو......" وہ خود بھی پریشان ہو گیا پیچھے اس کے دوڑا بھی مگر وہ جا چکی تھی۔

⦿......⦿......⦿

ابھی انہیں آئے ہوئے چند منٹ ہوئے ہوں گے تائی امی نے شہزین کو بلوا لیا۔

"میں بلا کے لاتا ہوں۔" اسد اٹھا۔ چھوٹے ابو اور چھوٹی امی بھی آئی ہوئی تھیں سب ہی خوش تھے ہذیل اور شہزین کے رشتے سے۔

"امی......امی ابو......" اسد کی حواس باختہ آواز پر سب ہی گھبرا کے اٹھے۔

"امی پتہ نہیں آپی کو کیا ہو گیا ہے۔"

"ہائے میری بچی۔" مبینہ دل پر ہاتھ رکھ کے دوڑی' سب ہی اٹھے۔ شہزین اپنے روم میں کارپٹ پر اوندھی پڑی تھی اور اسے رک رک کے سانس آ رہی تھی۔

"شہزین میرے بچے۔" افتخار احمد کی تو دنیا ہی ڈول گئی تھی۔

تائی امی اور نبیلہ وحشت زدہ رہ گئی تھیں' چند ہی منٹوں میں اسے ہاسپٹل لے جایا گیا تھا۔ ادھر جب ہذیل نے سنا تو اس کے تو سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ اس نے کوئی کیمیکل پی لیا تھا جس کی وجہ سے اس کی وومیٹنگ اور درد نہیں رک رہا تھا وہ درد سے کراہ رہی تھی۔ افتخار احمد اور مبینہ کی تو لگتا تھا جان نکل رہی ہو فواد اور اسد کا بھی رو رو کے برا حال تھا۔ سارے ہی ہسپتال میں تھے۔ انیسہ نے تو ہذیل کی اتنی خبر لی تھی کہ وہ بھی شرمندگی سے زمین میں خود کو دھنستا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ راحیل بھائی اور نبیلہ بھابی کے سامنے ہی تو اس نے شہزین کو کچھ زیادہ ہی زچ کیا تھا اور اس کا جوابی ردعمل یہ ہوا تھا کہ اس کی جان پر بن آئی تھی' وہ تو احتشام احمد کو ابھی اصل بات کا علم نہیں تھا ورنہ وہ تو شاید اپنا ضبط ہی کھو دیتے۔ وہ آئی سی یو میں تھی۔ سارے ہی ڈاکٹر الرٹ تھے۔ کوئی بھی خاطر خواہ جواب نہیں دے رہا تھا۔ چھوٹی امی اس کی زندگی اور صحت یابی کی دعائیں کر رہی تھیں۔

"بھائی یہ کیا ہو گیا۔" وہ روہانسہ ہو رہا تھا۔

"ہذیل تمہیں امی اور میں کتنا منع کرتی رہی ہیں اتنا شہزین کو نہیں چڑاؤ وہ بہت الگ لڑکی ہے حد سے زیادہ حساس' دیکھا تم نے اس نے کیا' کیا اور ایسے وقت جب ہم سب تمہارا رشتہ پکا کرنے گئے تھے۔" نبیلہ بھابی بھی آبدیدہ تھیں دونوں بچوں کو صبا کے پاس چھوڑ کے آئی تھیں کیونکہ ان سے بھی رکا نہیں گیا تھا۔ ساتھ ہی ہسپتال آ گئی تھیں۔

"افتخار حوصلہ کرو ان شاء اللہ تعالیٰ شہزین بیٹی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"بھائی صاحب میری کل کائنات ہے میری صابر اور شاکر بچی ہے کبھی اس نے مجھ سے آج تک کوئی فرمائش نہیں کی۔" وہ رو رہے تھے۔

ہذیل ستون سے ٹیک لگائے ان کی جانب ہی دیکھ رہا تھا اس کا دماغ بھی دباؤ کی وجہ سے پھٹ رہا تھا۔ انیسہ تو اس سے بات ہی نہیں کر رہی تھیں۔ "کسی نے سچ ہی کہا ہے حد سے زیادہ مذاق کسی کی جان بھی لے سکتا ہے۔" ہذیل کو لگ رہا تھا جسم سے جان نکل رہی ہو وہ کیا بولے اور کیسے تسلی کے الفاظ بولے مبینہ کا رو رو کے برا حال تھا' شہزین کی نبضوں میں سوئیاں گھسی تھیں اور اس کی زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے کیونکہ اس نے کیمیکل وافر

مقدار میں پیا تھا۔

وہ پوری رات ہسپتال میں ہی رہا تھا فجر سے کچھ دیر پہلے ہی وہ مسجد چلا آیا تھا اور شہزین کے لیے دعائیں کرنے لگا اور خود اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگنے لگا اس نے کچھ زیادہ ہی اسے زچ کردیا تھا اس نے تنگ آ کے یہ قدم اٹھایا تھا۔ دو راتیں گزر گئی تھیں شہزین نے آنکھ کھول کے نہیں دیکھا تھا' صدف کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ دیکھنے چلی آئی تھی۔

"چچی جان ایسا کیا ہوا کہ شہزین نے ایسا کرلیا۔" وہ تو حیران تھی کیونکہ اس نے کبھی ایسا محسوس ہی نہیں کیا کہ شہزین خود سے بے زار ہے وہ تو سب سے ہنستی مسکراتی سب کے کام خوشی خوشی کرتی تھی۔

"پتہ نہیں' میری بچی کیا سوچتی رہتی تھی جو اس نے یہ کرلیا۔" وہ خود سوچ سوچ کے پریشان تھیں' ہاں انہیں اتنا اندازہ تھا وہ شادی کے نام سے چڑنے لگی تھی اور مبینہ کتنا خوش تھیں ہذیل کے لیے بھائی جان اور بھابی نے رشتہ دیا تھا وہ تو شہزین کا منہ میٹھا کروانے آئے تھے' شہزین کو انہوں نے جان کے نہیں بتایا تھا مگر اس کے منافی سب کچھ ہی الٹ ہوگیا۔

"آپ اتنا روئیے نہیں بلڈ پریشر بڑھ جائے گا آپ کا۔" صدف انہیں چپ کرا رہی تھی۔

سب ہی دعائیں کررہے تھے اور چار دن بعد شہزین مکمل ہوش میں آئی تھی اور پھر حیرانگی سے خود کو یہاں دیکھ کر فوراً سمجھ نہیں آیا مگر پھر جو اسے کسی فلم کی طرح یاد آیا تو وہ چیخنے لگی تھی' ڈاکٹرز بھی گھبرا گئے بڑی مشکل سے اسے نیند کا انجکشن دیا کیونکہ زیادہ اسٹریس اس کے لیے ٹھیک نہیں تھا۔

⊙......⊙......⊙

ایک ہفتہ وہ ہاسپٹل میں رہی تھی' مبینہ اور افتخار احمد کی جان میں جان آئی جب ڈاکٹرز نے خطرے سے باہر کہا۔ شہزین کو چپ لگ گئی تھی سب ہی اس سے ملنے آرہے تھے' ہنسی مذاق بھی کررہے تھے تاکہ اس کا دل بہل جائے۔ بڑے ابو اور بڑی امی نے تو اس کا صدقہ بھی دے دیا تھا۔ راحیل بھائی اور نبیلہ بھابی نے بھی مسکرا کے اس کی طبیعت پوچھی تھی۔ شہزین کو اندازہ ہوگیا تھا ہذیل جان کے اس کے سامنے نہیں آرہا ہے مگر اسے ہذیل کی صورت تک نہیں دیکھنی تھی۔

"ارے لڑکی یہ کیا کرنے چلی تھیں۔" نبیلہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

"جب کوئی حد سے زیادہ کسی کی زندگی تنگ کردے تو ایسا قدم اٹھ ہی جاتا ہے۔" لہجہ اس کا طنزیہ اور افسردہ تھا۔

"شہزین ہذیل صرف تمہیں چھیڑتا تھا ورنہ حقیقت میں وہ تمہیں شروع سے پسند کرتا رہا ہے۔"

"بھابی اب یہ کون سا مذاق کا طریقہ نکالا ہے انہوں نے۔" وہ لیٹی ہوئی ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"شہزین یہ سچ ہے۔"

"پلیز مجھے کوئی بات نہیں کرنی ان کے متعلق۔" اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ نبیلہ بھابی نے بھی اس کی کنڈیشن کا خیال کرکے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔

اسے ہسپتال میں تو کچھ یاد نہیں رہا تھا مگر گھر آتے ہی سارے منظر ایک ایک کرکے یاد آنے لگے تھے۔ ہذیل کی تضحیک' وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا اس نے سوچ لیا تھا وہ کبھی بھی بڑے ابو کی طرف نہیں جائے گی اور نہ ہی ہذیل کا سامنا کرے گی۔

ہر وقت خود کو مصروف رکھنے کا سوچتی تھی اتنی بڑی بیماری سے اٹھی تھی مگر کمزور وہ دن بہ دن ہوتی جارہی تھی۔ اکثر اسے بخار رہنے لگا تھا' افتخار احمد اس کے علاج پر کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ مبینہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی تھیں مگر وہ کھانے پینے کی چور ہوگئی تھی۔ ان بیس پچیس دنوں میں وہ کافی تیزی سے کمزور ہوئی' پہلے اس کا بھرا بھرا جسم تھا اب تو وہ کمزور لگنے لگی تھی چہرہ تک پتلا ہوگیا تھا ایسا نہیں تھا کہ وہ جان کے نہیں کھارہی تھی اس کا کھانے پینے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ افتخار احمد اور مبینہ

نے اسے ابھی تک رشتے کی بات نہیں بتائی تھی مگر احتشام احمد جلد سے جلد شادی کا کہہ رہے تھے کیونکہ شہزین کو ایسی سوچوں سے نکالنا ضروری تھا۔

''آپ خود اسے بتادیں میری ہمت نہیں ہے وہ شادی کے نام سے ہی چڑتی ہے۔'' مبینہ گویا ہوئیں۔

''ہاں میں خود ہی بات کروں گا کیونکہ شہزین کی شادی ہوجائے تو اچھا ہے ورنہ الٹی سیدھی سوچوں میں گھری رہے گی اچھا ہے ذمے داریوں میں پڑے گی تو الٹے سیدھے خیال نہیں آئیں گے۔'' افتخار احمد کو یہی مناسب لگا۔

''مجھے تو یہ سوچ سوچ کے پریشانی ہورہی ہے کہ اس نے کیمیکل کیوں پیا۔''

''ہوں یہ میں بھی سوچتا ہوں۔'' وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گئے تھے۔ انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا شہزین کو شادی کے لیے راضی کرکے رہیں گے۔ دوسرے دن وہ صبح اٹھے تو کچن میں شہزین موجود تھی۔

''آ خاہ میرا بیٹا آج تو کچن میں نظر آرہا ہے۔'' افتخار احمد خوش ہوئے وہ کسی کام میں تو مصروف ہوئی۔

''امی کتنے دنوں سے اکیلی کام کررہی ہیں آج سے میں نے سوچا میں خود کروں گی سارے کام۔''

''آپی پلیز دو آملیٹ۔'' اسد نے خوش ہوکے اپنی فرمائش کی۔

''لارہی ہوں فواد کو بھی اٹھا کے لاؤ بار بار ناشتہ نہیں ملے گا۔'' وہ کام میں مصروف تھی۔ افتخار احمد اور مبینہ نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تشکر بھرا سانس لیا۔

خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا گیا فواد اور اسد تو یونیورسٹی چلے گئے البتہ افتخار احمد آفس کے لیے کچھ دیر سے نکلتے تھے اس دوران وہ اخبار اور ٹی وی کی خبروں کو ضرور دیکھتے تھے۔

''شہزین بیٹا میرے پاس آکر بیٹھو۔'' انہوں نے بلایا وہ لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے ٹی وی بھی آن تھا۔

''ابھی آتی ہوں۔'' وہ ناشتے کے فوراً بعد ہی برتن دھو کے کچن صاف کرلیتی تھی۔ ہر کام کو جلدی اور وقت پر کرنے کی اسے عادت تھی۔

''جی بولیے۔'' کاسنی دوپٹہ شانوں پر برابر کرکے ان کے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھی کافی دبلی اور کمزور لگ رہی تھی افتخار احمد کو اس کی صحت کی بھی فکر تھی۔

''بیٹا ہم نے تمہارا ایک ماہ پہلے ہذیل سے رشتہ طے کردیا تھا۔''

''جج...... جی......!'' وہ تو بیٹھے سے اچھل گئی۔

یہ کب ہوا جو اسے خبر نہیں ہوئی۔ افتخار احمد نے اسے ساری بات بتائی جس دن وہ رشتہ طے کرنے آئے تھے اور وہ پھر ہسپتال پہنچ گئی تو سب درمیان میں ہی رہ گیا تھا۔

''آپ لوگ میری شادی کا خیال دل سے نکال دیں۔'' وہ یہ کہہ کر اندر چلی گئی کیونکہ دل جو بھر آیا تھا۔

⦿......⦿......⦿

وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی کسی طرح بھی راضی نہیں ہورہی تھی اور پھر یہ شہزین کی اعلیٰ ظرفی ہی تھی کہ اس نے اپنی اس حرکت کی وجہ کسی کو نہیں بتائی تھی بلکہ وہ تو ایسی بن گئی جیسے وہ اپنی زندگی سے بے زار تھی اور خودکشی کرنے چلی تھی۔

''یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے وہ نہیں مان رہی۔'' انیسہ ہذیل کو اٹھتے بیٹھتے سخت سست سناتی رہتی تھیں۔

''امی مجھے بھی شادی نہیں کرنی اور میں واپس امریکہ جارہا ہوں۔'' ہذیل خود اپنی زندگی سے اکتا گیا تھا اس کا یہاں دل نہیں لگ رہا تھا اور ضمیر کی عدالت میں وہ روز کھڑا ہوتا تھا اور اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ساری زندگی شہزین کے سامنے خود کو مجرم ہی سمجھتا رہے اگر وہ اسے اپنی محبت کا یقین بھی دلائے گا تو وہ کبھی یقین نہیں کرے گی جو شخص اس کا ہر لمحہ تمسخر اڑاتا رہا ہو وہ اس سے کسی اچھی بات کی توقع بھی نہیں رکھتی ہوگی۔

''فرار مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔'' وہ تیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

''پھر بولیے کیا کروں وہ کبھی بھی مجھ سے شادی نہیں

کرے گی اور اس کے علاوہ میں کسی سے نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ بھی اپنے اندر تناؤ اور حبس محسوس کررہا تھا۔

”ہذیل ان سب کے ذمے دار تم ہو۔ وہ شادی کے لیے راضی تمہاری وجہ سے نہیں ہو رہی۔“

اسی وقت احتشام احمد اندر آئے تھے انہوں نے بھی انیسہ کی آخری بات سن لی تھی چونک کے ان کے چتون تیکھے ہوگئے۔ ہذیل اور انیسہ دونوں ہی بوکھلا گئے وہ تو انیسہ کو کچن میں دیکھنے جارہے تھے ہذیل کے روم سے آواز آئی تو وہ ادھر ہی آ کے رک گئے۔

”کیا..... کیا ہے تم نے بولو کیوں انکار کررہی ہے وہ تم سے شادی کو۔“ احتشام احمد نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔ ہذیل لب بھینچ کے رہ گیا' اصل بات تو وہ جانتے ہی نہیں تھے انیسہ بھی گھبرا گئیں۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے بیا اسے چڑاتا رہتا تھا۔“

”آپ چپ رہیے۔ مجھے اندازہ ہوگیا ہے بات کچھ اور ہے کیونکہ یہ بھی یہاں سے جانے کی بات کررہا تھا' شادی سے انکار اسے بھی ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ہذیل کی نگاہ نیچی تھی وہ ان سے چھپا کے کرے گا بھی کیا۔

”بتاؤ مجھے نامعقول۔“ وہ دھاڑے۔

جواب میں پھر اس نے رک رک کے انہیں سب بتادیا۔ احتشام احمد کا زوردار ہاتھ اس کے بائیں رخسار پر پڑا تھا۔

”مجھے تم سے ایسی گری ہوئی حرکت کی بالکل توقع نہیں تھی ارے نالائق تو نے اس پھول سی بچی کو توڑ کے رکھ دیا ہے۔“ احتشام احمد تو سر ہاتھوں میں تھام کے بیٹھ گئے۔ انیسہ متوحش زدہ سی تاسف میں گھر گئیں۔

”ابو میں بہت شرمندہ ہوں میں روز سوچتا ہوں روز مرتا ہوں اسی وجہ سے میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں تا کہ شہزین کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے کیونکہ مجھے دیکھ کے اسے وہی ساری باتیں یاد آتی رہیں گی۔“

”یہ جو تم کرنے والے ہو یہاں سے بھاگنے کی حرکت یہ صاف واضح کرتی ہے کہ تم حالات سے بھاگ رہے ہو جبکہ یہ سارے حالات تمہارے پیدا کردہ ہیں اس پھول سی بچی کی ہنسی چھین لی اور خود کو مظلوم سمجھ کے فرار حاصل کررہے ہو۔“ اس وقت احتشام احمد کو اس پر اتنا غصہ آرہا تھا کہ وہ مٹھیاں بھینچ کے خود کو بہت مشکل سے قابو کررہے تھے۔

”پھر کیا کروں یہاں رہ کے۔“ وہ چیخا۔

”تم نے ہی اسے توڑا ہے اور تم ہی اسے جوڑو گے بھی کیونکہ تمہاری وجہ سے میرے بھائی کی بچی مرنے کے قریب پہنچ گئی تھی۔“

”ابو آپ ناممکن بات کررہے ہیں جانتے ہیں وہ شادی سے پہلے ہی انکاری ہے۔“ وہ بہت ملول اور دل گرفتہ ہورہا تھا کسی طرح بھی اسے سکون نہیں مل رہا تھا اس کے اندر ہلچل مچی ہوئی تھی۔

”تمہاری حرکتوں کی وجہ سے تمہاری ماں نے بھی مجھ سے چھپایا تم کیا' کیا اس کے ساتھ بکواس کرتے رہے ہو۔“

”اسے بھی کب اندازہ تھا ایسا ہوجائے گا۔“ انیسہ نے حمایت میں کہا کیونکہ ہذیل شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے لب کچل رہا تھا' وہ ماں تھیں اسے بے چین بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

”آپ چپ رہیے اس کی حمایت کررہی ہیں۔“ وہ تو دھاڑنے ہی لگے انیسہ جز بز ہوگئی۔

”میں خود بات کروں گا شہزین سے وہ اس طرح تو گھل گھل کے مرجائے گی۔“

”آپ چھوڑیے میں بات کرلوں گی۔“

”رہنے دیں آپ اپنے بیٹے کو سنبھالیے جو کارنامہ انجام دے کہ یہاں سے بھاگ رہا تھا۔“ وہ ہذیل پر غضب ناک نگاہ ڈال کے روم سے نکل گئے۔

”انہیں بھی پتہ چل گیا اور یہ بہت برا ہوا۔“ انیسہ کو نئی فکر ہوگئی۔

ہذیل کی سوچیں تو منجمد تھیں وہ کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا صرف ندامت اسے کوڑے لگائے جارہی تھی۔ کیسے

وہ شہزین کا ساری زندگی سامنا کرے گا۔ شادی کے بعد کی زندگی ہر لمحہ ہر پل وہ اس کے سامنے ہوگی پتہ نہیں کیسا برتاؤ کرے۔

◉......◉......◉

احتشام احمد اور انیسہ نے ہی شہزین سے بات کی تھی۔ احتشام احمد نے تو اس کے آگے بھیگے بھیگے لہجے میں ہاتھ ہی جوڑ دیے تھے۔

"بیٹا میں ساری زندگی تم سے آنکھ نہیں ملا سکوں گا۔"

"تایا ابو آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔" اس نے گھبرا کے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بیٹا تم نے سب کے سامنے ہماری عزت رکھی ہے اور اس نامعقول کی کوئی بات بھی کسی کو نہیں بتائی، میں تمہاری اعلیٰ ظرفی سے اور زمین میں گڑ گیا ہوں۔"

"پلیز تایا ابو آپ روئیے نہیں۔" شہزین کو ان سب کو یوں اپنے لیے پریشان دیکھ کے عجیب بے چینی ہوگئی تھی، امی ابو کی رات دن کی فکر وہی تھی جس نے بالکل ہی ہنسنا بولنا ترک کردیا تھا۔

"بیٹے انکار نہیں کرو۔"

"آپ لوگ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی چاہتے ہیں میں مان جاؤں۔" اس نے سر جھکا کے پہلی بات یہی کی جبکہ اس کا دل و دماغ بالکل بھی شادی کے لیے تیار نہیں تھا اور ہذیل اسے تو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی جس نے اس کی بے وقعتی کی تھی وہ تو اسے چپکے چپکے چاہ رہی تھی اور اس کی سزا اسے ایسے دیتا تھا وہ؟

"تم یہ نہیں سمجھو ہم اس واقعے کے بعد سے ایسا چاہ رہے ہیں، ہماری شروع سے خواہش تھی اور ہم اس دن بات پکی کرنے آئے تھے جب تمہاری طبیعت خراب ہوئی تھی۔" تائی امی نے اسے بتایا۔ کافی دیر سے وہ دونوں اس کے روم میں تھے اور اکیلے میں اس سے بات کرنے آئے تھے تاکہ وہ راضی ہوجائے۔

"تایا ابو آپ بڑے ہیں میں آپ کی بات رد نہیں کرنا چاہتی مگر میرا دل شادی کرنا کو نہیں مانتا۔"

"بیٹا آہستہ آہستہ تم سب بھول جاؤ گی تو سیٹ ہو جاؤ گی لیکن اتنا ضرور کہوں گا ہذیل کو اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کا ایک موقع ضرور دینا۔" لہجے میں ان کے التجا تھی انیسہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھا وہ بھی ہذیل کے لیے اتنا ہی پریشان اور فکرمند تھے جتنی کی وہ تھیں۔

"بیٹے کی بات آئی ہے تو طرف داری میں تو بولیں گے ہی۔" شہزین سوچ کے رہ گئی۔

"تم مجھے غلط نہیں سمجھنا کہ میں ہذیل کی سائیڈ لے رہا ہوں۔" وہ جیسے اس کی سوچ کو پڑھ گئے تھے۔

"تم اس سے جتنے بدلے لے سکتی ہو لینا کیونکہ وہ اسی قابل ہے۔" سر ہلا کے رہ گئی اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی رضامندی دے دی تھی وہ افتخار احمد نے تو اسے بے اختیار گلے لگا لیا تھا۔

"شادی ہمیں جلدی کرنی ہے۔"

"بھائی صاحب عید کے بعد رکھ لیتے ہیں اتنی تیاریاں ہونی ہیں۔" مبینہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"ہم عید سے پہلے چاہتے ہیں ہماری بیٹی ہمارے گھر آجائے اور تیاریوں کی کیا ضرورت ہے گھر کی بات ہے سب ہوجائے گا۔" احتشام احمد نے تسلی دی۔

شہزین اپنے روم میں بند تھی اس نے اپنے دل کے منافی فیصلہ دیا تھا یہ شخص اسے اس وقت مل رہا ہے جب اس نے خواہش ہی نہیں کی اور پھر وہ زبردستی اس رشتے کو کیسے نبھائے گی، کیونکہ اسے ناپسندیدہ ہستی بن کے رہنا گوارہ نہیں تھا۔ ہذیل کو خوب صورت اور اسمارٹ لڑکی چاہیے وہ تو نہیں ہے۔ جبکہ وہ ضرورت سے زیادہ ہی سلم اور اسمارٹ ہوگئی تھی اس جھٹکے نے نہ صرف اس کی شخصیت بدلی بلکہ اس کا ظاہر بھی بدل دیا تھا۔

"میں کیسے یقین کرلوں تم مجھے پسند کرتے تھے اگر پسند کرتے ہوتے تو یوں ہر ایک کے سامنے مجھے تنقید کا نشانہ نہیں بناتے۔ کیا پتہ بھابی میرا دل رکھنے کو کہہ رہی ہوں وہ شروع سے تمہیں چاہتا ہے۔ نہیں ہذیل احمد تم چاہتے ہی نہیں تھے اتنا کسی کو یوں ٹارچر تو نہیں کرتا کوئی۔"

وہ سوچے جارہی تھی۔

اگر سچویشن دوسری ہوتی تو شہزین اس رشتے پر خوش ہوتی جبکہ اب تو سارے احساس اور جذبے ہی مرگئے تھے اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ مگر پھر سے اس شخص کو سوچنا پڑ رہا تھا جو اس کی زندگی سے منسلک ہونے جارہا تھا۔

"آپی..... آپی....." فواد کی آواز پر اس کی سوچوں اور خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔

"تایا ابو بلارہے ہیں۔"

"آتی ہوں۔" وہ جلدی سے کھڑی ہوئی' اپنا حلیہ درست کیا رسٹ کلر کے برینڈڈ کپڑوں میں اس کی شہابی رنگت دمک رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں آئی تو دیکھا بھابی' راحیل بھائی اور ہذیل بھی تھا وہ جھجک کے رکی' ہذیل نے بس ایک نظر دیکھا اور پھر نظر جھکالی۔

"چلو منہ میٹھا کراؤ۔" بھابی نے اسے ہذیل کے برابر میں بٹھایا۔

باری باری سب ہی منہ میٹھا کرارہے تھے چھوٹے ابو اور چھوٹی امی بھی آگئی تھیں اس وقت' امی اور ابو کے چہروں پر جو طمانیت شہزین نے دیکھی تھی وہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

⊙......⊙......⊙

دن اتنی جلدی پر لگا کے اڑے کہ یہ پندرہ دن بھی تمام ہوگئے اسے مایوں بٹھا دیا گیا۔ شہزین کی تو دنیا ہی بدلنے جارہی تھی صدف بھی نیویارک روانہ ہونے والی تھی' اس کی شادی تک رک گئی تھی۔ تائی امی نے اس کی بری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ہر چیز اعلیٰ اور قیمتی تھی۔ مہندی کا فنکشن بھی ایک ہی دن رکھ لیا گیا تھا مگر شہزین نے ساتھ بیٹھنے سے منع کردیا تھا اس لیے پھر کسی نے زیادہ تردد نہیں کیا۔

شادی کا دن بھی آن پہنچا وہ سرخ اور سنہرے اسٹائلش لہنگے میں میک اپ جیولری میں اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ نکاح کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے جو رخصتی تک اس کے ساتھ رہے۔ ہذیل کے سجے سجائے بیڈ روم میں آگئی تھی۔ ہذیل کو اس نے مکمل نظر انداز کیا ہوا تھا۔

پھولوں اور کلیوں سے بیڈ سجا ہوا تھا۔ وال ٹو وال کارپٹ' کھڑکی' دروازوں پر دبیز پردے' دو خوب صورت سے کرسٹل کے فانوس کی مدھم مدھم روشنی بیڈ روم اور ماحول کو خواب ناک بنارہی تھی اسی لمحے ہذیل اندر آیا۔ شہزین نے نخوت اور ناگواریت سے اپنا چہرہ دوسری جانب کرلیا۔ ہذیل نے اس کی ناگواریت محسوس کرلی تھی۔ اس نے سوچا نہیں تھا ایسے حالات بھی ہوسکتے ہیں کیسے یہ دن اس نے سولی پر گزارے ہیں۔ یہ وہی جانتا تھا' وہ واش روم سے چینج کرکے ایزی سے قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔ پھولوں کی لڑیاں ہٹا کے وہ بیڈ پر آ گیا۔ شہزین اپنے اپسراؤں والے روپ میں اسے مدہوش کرتی ہوئی لگی۔ مگر جلد خود پر قابو پالیا۔

"یہ تمہارے لیے۔" اس نے خوب صورت سا باکس اس کے آگے بڑھایا جس میں دو موٹے موٹے خوب صورت سے طلائی کنگن جگمگارہے تھے۔

"یہ آپ اسی کو دیجیے گا جو خوب صورت اور اسمارٹ ہو مجھے نہیں چاہیے۔" اس نے بھی آج حساب برابر کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔

"مجھے معاف نہیں کرسکتیں۔" ہذیل کے لہجے میں محرومی حسرت اور اداسی تھی۔

"مجھے تو معاف آپ کردیں اور بخش بھی دیں جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے۔" اسے ایک ایک کرکے سارا منظر یاد آنے لگا۔

"شہزین میں صرف مذاق کرتا تھا۔" اس نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"مذاق ایسا ہوتا ہے کسی کی ذات کے ٹکڑے کردیں۔" وہ اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

شہزین پر آج تو خوب صورتی کا روپ زیادہ ہی نمایاں ہورہا تھا آج سے پہلے اس نے ایسے اہتمام سے تیار نہیں دیکھا تھا۔ صدف کی شادی پر بھی لائٹ سے میک اپ

میں تھی۔

''میں گر تو گیا ہوں سب کی نظروں میں' ابو امی سب ہی ناراض ہیں۔''

''یہ سب حالات آپ کے پیدا کردہ ہیں میرے نہیں۔'' اس نے منہ پھیر لیا۔

''شہزرین میں سچ کہہ رہا ہوں...... تمہیں میں شدتوں سے چاہتا آیا ہوں' مگر میں صرف تمہیں چڑاتا تھا۔''

''پلیز مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اور مجھے آپ کی کسی بات پر یقین بھی نہیں جب بات سر سے اونچی ہوگئی تو اپنی جھوٹی باتوں کا یقین دلا رہے ہیں۔'' وہ اپنا وزنی لہنگا سمیٹ کے اٹھی۔ ہذیل مزید آگے اپنی صفائی میں کیا کہتا وہ سننے کو تیار ہی نہیں تھی اس نے یہ سزا ساری زندگی ہی جھیلی تھی' اب باری اس کی تھی لمحہ لمحہ تضحیک وہ کرے گی۔

''کاش میں نے تمہیں پہلے ہی بتادیا ہوتا۔'' وہ سرد آہ بھر کے رہ گیا' ولیمہ بھی خاموشی سے گزر گیا۔ تائی امی کے میکے میں ان کی دعوتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا اور انہی دس دنوں میں شب برات بھی آگئی تھی۔

ہذیل نے کبھی اتنی عبادت نہیں کی ہوگی جو گزشتہ دنوں سے وہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے لگا تھا۔ شب برات پوری رات اس نے مسجد میں عبادت کرکے گزاری تھی۔ شہزرین نے ہی کیا گھر کے سب ہی لوگوں نے یہ حیران کن تبدیلی دیکھی تھی' آفس میں بھی وہ زیادہ ٹائم لگانے لگا تھا۔ احتشام احمد کو اب اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

''کتنی جلدی دن گزر جاتے ہیں صدف کی بھی شادی ہوگئی اور تمہاری بھی' کتنی فکر رہتی تھی مجھے۔'' مبینہ نے کہا شہزرین رات کو ان سے ملنے چلی آئی تھی۔ افتخار احمد اسے چند دنوں سے یاد کررہے تھے۔

''چلیے آپ کی فکر دور ہوئی۔'' وہ چائے سب کے لیے لے آئی تھی۔ کل شب برات گزری تھی تو اسے آنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

''کھانا کھا کے جانا۔''

''ابو کھانا تو دیر سے کھاتی ہوں' ہذیل آجاتے ہیں تو۔'' اس نے بتایا جبکہ وہ کون سا اس کا انتظار کرتی تھی بلکہ اس سے سرد مہری ہی برت رہی تھی۔ ہذیل آگے سے کچھ بولتا ہی نہیں تھا۔

''اچھی بات ہے شوہر کا خیال کرتی ہو اسی طرح ہی محبت بڑھتی ہے۔'' مبینہ خوش ہوئی تھیں۔

شہزرین جھینپ گئی۔ انہیں کیا بتاتی کہ وہ شوہر کو تو بالکل ہی اگنور کیے ہوئے ہے۔ وہ کافی دیر تک رکی رہی تھی پھر نو بجے وہ چلی گئی۔

⊙......⊙......⊙

''تائی امی آپ سے ایک بات کی اجازت لینی ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں ہاں بیٹا بولو۔'' انہوں نے اپنے قریب بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''وہ میں ڈرائنگ روم کی سیٹنگ چینج کرلوں۔'' شہزرین کا شروع سے تائی امی کے ڈرائنگ روم کی سیٹنگ چینج کرنے کا دل چاہتا تھا مگر اپنی اس خواہش کا اظہار بھی نہیں کیا نبیلہ بھابی کو بچے چین نہیں لینے دیتے تھے اسی لیے کئی سالوں سے ایک ہی سیٹنگ چل رہی تھی۔

''ارے بیٹا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے' تمہارا گھر ہے جیسے دل چاہے کرو۔'' انہیں بہت خوشی ہوئی شادی کے بعد ان چند دنوں میں پہلی دفعہ اس نے خود سے کسی کام میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

''بیٹا سیٹنگ اکیلے نہیں کرنا۔''

''تائی امی میں کرلوں گی' اچھا ہے نا رمضان آنے سے پہلے ہم لوگ سب کچھ سیٹ کرلیتے ہیں پھر عید پر نہیں کرنا پڑے گا۔'' وہ بڑے مدبرانہ انداز میں پُرجوش لہجے میں بولی۔

''مگر بیٹا تم اکیلے نہیں کرسکتی' کل اتوار ہے' ہذیل اور راحیل گھر میں ہوں گے بڑے بڑے صوفے ہیں تم کیسے کروگی کل کرنا۔'' انہوں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' اسے بھی سمجھ آ گئی۔

''امی میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' وہ آفس سے آ کر مضمحل لگ رہا تھا تھکن چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ شہزین نے پہلو بدلا اور کھڑی ہوگئی وہ راہ میں حائل تھا دونوں کا شانہ مس ہوا وہ بیڈ پر لیٹا۔

''کچھ آرام بھی کیا کرو۔'' انہیں اس کی فکر ہوئی۔

''شہزین بیٹا اگر کوئی ٹیبلٹ ہو تو اسے دے دو مگر پہلے کچھ کھانے کو دو۔'' تائی امی ہذیل کا سر دبانے لگی تھیں جبکہ وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا' انہوں نے پہلی دفعہ خود سے کوئی کام وہ بھی ہذیل کے لیے کہا تھا ورنہ کوئی اسے کچھ نہیں کہتا تھا یہ بھی تایا ابو کا حکم تھا۔

''جی اچھا۔'' وہ اپنا دھانی آنچل شانوں پر برابر کر کے چلی گئی۔ ہذیل نے آنکھ کھول کے اسے جاتے دیکھا دھانی کلر میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

''اپنے کمرے میں جا کے آرام کرلو۔''

''کیوں یہاں لیٹا ہوا برا لگ رہا ہوں۔'' وہ اطمینان سے لیٹا رہا۔

''ٹھیک ہے لیٹو۔'' وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔ کچھ دیر میں شہزین اس کے لیے دودھ کا مگ اور چند سلائس لے آئی ٹیبلٹ بھی ساتھ تھی۔

''تھینکس۔'' اسے خوشی ہوئی شہزین اس کے لیے لے کے آئی تھی۔ شہزین مٹھیاں بھینچتی ہوئی چلی گئی۔

''ایسے کب تک چلے گا...... تم دونوں کے بیچ یہ دوریاں رہیں گی۔''

''امی آپ اتنا نہیں سوچا کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ انہیں ایسے ہی تسلیاں دیتا' جبکہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ شہزین اسے کب معاف کرے گی۔

''تم نے اسے یقین نہیں دلایا کہ تم اسے شروع سے پسند کرتے تھے۔'' اندر آتی شہزین کے قدم رکے۔

''میں اسے کئی بار یقین دلا چکا ہوں امی' وہ کیسے یقین کرے گی میں اسے کیسے کیسے الفاظ بول کے زچ کرتا تھا وہ کب یقین کرے گی۔'' ہذیل کے لہجے میں مایوسی تھی وہ روز جیتا تھا روز مرتا تھا' اس نے اب چپ سادھ لی تھی سب کچھ قسمت پر چھوڑ کر۔

''اب وہ تمہاری بیوی بن گئی ہے کچھ تو یقین کرے۔''

''مجھے میرے کیے کی سزا مل رہی ہے۔'' اتنا نادم اور شرمندہ تھا شہزین کو حیرانگی ہوئی۔

''تم اگر اس طرح ٹالتے نہیں تو جلد ہی تمہاری شادی میں شہزین سے کر دیتی مجھے شروع سے اچھی لگتی تھی سب کا خیال کرنے والی اور محبت کرنے والی' تم اس کی محبت دیکھو اتنا کچھ ہوا مگر اس نے زبان سے نہیں بتایا کہ تم نے اس کے ساتھ کیا' کیا۔'' تائی امی کی آواز بھرا گئی تھی۔

شہزین' نبیلہ بھابی کی زبان سے بھی یہ سب سن چکی تھی۔ ہذیل اسے شروع سے پسند کرتا تھا وہ یقین ہی نہیں کرتی تھی مگر آج تائی امی نے جو کہا اور اس نے سنا وہ جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھیں۔ مگر اس کا دل کیوں ہذیل کو معاف نہیں کر رہا تھا۔ شاید اسے اپنی محبت کا یوں ٹوٹنا برداشت نہیں ہوا تھا یا پھر ہذیل کا اگنور کرنا اسے معاف نہیں کر رہا تھا۔ بیڈ روم میں آ کے وہ لب کچلتی ہوئی بیڈ پر بیک کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔

''مگر یہ ہذیل مجھے تو موٹی موٹی جانے کیا کیا کہتے تھے وہ سب ایسے تو کوئی نہیں کہہ سکتا۔'' اس کا دل گونا گو کی کیفیت میں تھا۔ کھٹ کی آواز پر وہ سنبھلی ہذیل اندر آ گیا تھا۔ شہزین اٹھی۔

''میں کھانا نہیں کھاؤں گا اس لیے مجھے اٹھانا نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر چینج کرنے چلا گیا۔

شہزین روم سے نکل گئی۔ وہ ہذیل کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کب تک بھاگو گی مجھے یقین ہے ایک دن تم خود مجھے جان جاؤ گی۔'' واش روم سے باہر آیا تو وہ روم میں نہیں تھی تب وہ خود کلامی کر کے رہ گیا۔

شب برات کے پندرہ دن ایسے گزرے کے رمضان بھی شروع ہوگئے اور اس دفعہ بھی گرمی پچھلے سال کی طرح

زیادہ تھی۔ رمضان کا پہلا عشرہ بہت ہی گرم تھا۔ افطار کے بعد تو صرف پانی اور شربت ہی چلتا تھا' کھانا سب ہی کم کھاتے تھے۔ شہزین کو افتخار احمد اور مبینہ نے کچھ دن کے لیے رہنے کے لیے بلا لیا تھا' اسی دوران احتشام احمد کی پوری فیملی کو افطار پر بھی بلا لیا گیا ایک رونق سی لگ گئی تھی۔

''تم ایسا کرو اپنی عید کی شاپنگ بھی کرلو کیونکہ تمہاری پہلی عید ہے عیدی بھی دینی ہے۔''

''امی شادی پر آپ لوگوں نے اتنے کپڑے دیئے ہیں اور شادی کو کون سا مہینہ گزرا ہے سب کچھ نیا ہے ضرورت ہی کیا ہے شاپنگ کی۔'' شہزین نے دلائل دے کے انہیں روکنا چاہا۔

''ہر دفعہ تمہاری نہیں چلے گی جو کہا ہے وہ کرو' اسد گھر پر ہے اس کے ساتھ ہی چلتے ہیں گرمی ہے رکشہ ٹیکسی کے چکر سے بچ جائیں گے۔'' وہ ڈائننگ ٹیبل سے سارے برتن اٹھانے کے بعد صاف کرنے لگی تھیں۔

''آپ چھوڑیے میں صاف کردوں گی۔''

''تم ایسا کرو ہذیل کو چائے کا پوچھ لو۔'' ہذیل سب کے جانے کے بعد خود رک گیا تھا۔

''امی افطار کھانا اتنا کچھ تو کھایا ہے چائے کی تو گنجائش بھی نہیں ہوگی۔'' وہ خود ہی جواب دینے لگی۔

''چھوٹی چچی چائے ملے گی۔'' ہذیل کی عقب سے آواز آئی وہ تو اچھل ہی پڑی اور ساتھ ہی جھینپ بھی گئی۔

''بیٹا میں اس سے یہی کہہ رہی تھی۔'' وہ مسکرانے لگیں۔ شہزین نے وائٹ قمیص شلوار میں ملبوس اونچے لمبے ہذیل کو اچٹتی نگاہوں سے دیکھا وہ اس سے نارمل انداز میں ہی بات کرتا تھا البتہ اس کا مزاج خاصا بدل گیا تھا۔ زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔

''لے کے آتی ہوں۔'' وہ اپنے یلو لان کے پرنٹڈ کپڑوں کا دوپٹہ سمیت کے شانوں پر ڈالتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

ہذیل نے مسکرا کے اسے دیکھا مبینہ ڈائننگ ٹیبل صاف کر کے اندر کسی کام سے چلی گئی تھیں۔ افتخار احمد سے کوئی ملنے آیا ہوا تھا' وہ ڈرائنگ روم میں تھے۔

''تم نے کھانا پینا کیوں کم کردیا ہے۔'' وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں آ گیا۔ وہ کئی دن سے نوٹ کررہا تھا وہ کھاتی ہی نہیں تھی۔

''بقول آپ کے میں اناج کی دشمن ہوں۔'' اس نے طنز کیا۔

''شہزین تم مجھے کب تک لفظوں کی مار مارو گی میں تمہیں صرف تنگ کرتا تھا ایسا کچھ نہیں تھا۔'' وہ روہانسہ ہوا۔

''آپ کی باتوں پر میرا یقین کرنے کا دل ہی نہیں چاہتا' آپ نے مجھے توڑ کے رکھ دیا۔'' چائے کا کپ اسے تھمایا۔

''میں تیار ہو رہی ہوں چلنے کے لیے۔'' وہ نکل گئی۔ مبینہ نے دیکھا وہ ایک دم ہی جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

''ارے کل چلی جانا شاپنگ کر کے۔''

''امی یہ شاپنگ وغیرہ چھوڑیے میرے پاس سب کچھ ہے۔'' ہذیل چائے کے سپ لے رہا تھا اس کے چہرے کا رنگ یکلخت ہی بدلا تھا۔

''چھوٹی چچی کہہ رہی ہیں تو رک جاؤ۔''

''مجھے آپ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔'' تڑخ کے جواب دیا وہ جز بز ہوگیا۔

''شہزین کیا بدتمیزی ہے' تم ہذیل سے کس لہجے میں بات کررہی ہو۔'' مبینہ کو ذرا اچھا نہیں لگا۔

''یہ تو مجھ سے روز ہی ایسے بات کرتی ہیں۔'' ہذیل کو موقع مل گیا شکایت کا وہ فوراً شروع ہوگیا۔ شہزین کی خونخوار نگاہیں اس پر تھیں۔

''شوہر ہے یہ تمہارا کچھ عزت احترام کا بھی رشتہ ہوتا ہے۔'' وہ شہزین کو سرزنش کرنے لگیں اور شہزین سلگ کے رہ گئی لب بھینچ لیے' مبینہ نے اسے اچھی خاصی نصیحتیں کی تھیں وہ چپ چاپ سنتی رہی تھی اتنے میں افتخار صاحب بھی آ گئے اس نے سب سے ہی

اجازت لی۔ فواد اور اسد کا منہ بن گیا تھا وہ اچانک سے جانے کے لیے جو تیار ہوگئی تھی۔

"منہ نہیں لٹکاؤ۔ میں پھر آجاؤں گی اور کون سا دور ہوں' اوپر کے پورشن میں ہی تو ہوں' جب دل کیا کرے آجایا کرو۔" اس نے فواد کے سر پر چپت لگائی۔ ہذیل کو اندازہ تھا وہ گھر جاکے اس سے ضرور لڑے گی۔ وہ آگے آگے چل کے اس سے پہلے اوپر پہنچ گئی تھی۔

"ارے تم تو کل آنے والی تھیں۔" نبیلہ بھابی نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یہ وہیں رکا ہوا تھا' زبردستی ساتھ لایا ہوگا۔" راحیل نے معنی خیزی سے ہذیل کی سمت اشارہ کیا۔

"ہاں بہت اچھے ہیں نا میرے اور ان کے تعلقات میں زبردستی لاؤں گا۔" وہ چڑا ہوا تو ویسے ہی رہتا تھا' راحیل بھائی کے چھیڑنے پر اسے غصہ آگیا۔ شہزین تو جھینپ ہی گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چل دی تھی۔

ثمن اور طلحہ تایا ابو کے پاس بیٹھے تھے تایا ابو نے بھی اس کی بات سنی تھی وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔

◉......◉......◉

رمضان کا دوسرا عشرہ شروع ہوگیا تھا۔ شہزین نے گھر کی ساری ہی سیٹنگ چینج کردی تھی۔ اب اس کا دل چاہا اپنے بیڈ روم کی بھی سیٹنگ چینج کرے آج ویسے بھی اتوار تھا سب ہی گھر میں تھے۔ ہذیل سحری کرکے نماز پڑھنے کے بعد جو سویا ابھی تک نہیں اٹھا تھا وہ دسیوں چکر لگا چکی تھی تاکہ وہ اٹھ جائے تو بیڈ روم بھی سیٹ کرلے گی۔

"سنیے گیارہ بج رہے ہیں۔" وہ اس کے سر پر کھڑی بول رہی تھی۔ ہذیل نے بمشکل آنکھوں کو کھول کے اسے دیکھا۔

"چھٹی کے دن تو سونے دیا کرو۔" وہ بے زاری سے گویا ہوا اور کروٹ بدل کے لیٹ گیا۔

"مجھے کمرے کی صفائی کرنی ہے۔"

"کمرے کی صفائی ارے آج سنڈے ہے اور ماسی کی چھٹی ہوتی ہے۔"

"مجھے کمرے کی سیٹنگ چینج کرنی ہے۔"

"ایک تو تمہیں سوائے گھر کے کاموں کے کچھ نہیں آتا' کبھی ڈرائنگ روم بدل دو کبھی کچن بدل دو' کبھی کھانے پکا لوارے تمہیں اور کوئی یاد نہیں رہتا۔" وہ تو پھٹ ہی پڑا۔ شہزین نے وحشت زدہ ہوکے کچھ سہم کے اسے دیکھا۔ "آخر تم یہ گھر کے کام کرکے ظاہر کیا کرنا چاہتی ہو۔" وہ بھنایا۔

"آپ مجھ پر اتنا غصہ کیوں ہورہے ہیں۔" وہ بھی اس کے دوبدو ہوئی۔

"غصہ مجھے اس لیے آتا ہے تم مجھ پر توجہ کیوں نہیں دیتی؟" اس نے شہزین کا ہاتھ پکڑ کے اپنے قریب کیا تو وہ حواس باختہ سی ہوگئی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"تمہارا شوہر ہوں حق رکھتا ہوں۔ کوئی نہیں روک سکتا مجھے۔" ہذیل کی آنکھوں میں کچھ اور ہی رنگ نظر آرہے تھے۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"سب کے لیے توجہ ہے سب سے خوش ہو آخر میرے ساتھ اتنی سرد مہری کیوں؟" وہ بہت دکھی اور افسردہ ہورہا تھا۔

"ان سب کے ذمے دار آپ خود ہیں۔" اس نے نگاہ چرائی۔ جبکہ وہ ساری حقیقت جان گئی تھی وہ اسے کتنا چاہتا تھا اور چاہتا ہے اس کی نفرت اور سرد مہری اسے برداشت نہیں ہورہی تھی۔

"زبردستی کیوں آپ اس رشتے کو نبھا رہے ہیں۔"

"یہ فضول بکواس کیوں کررہی ہو۔" وہ تنکا۔

"پلیز اس وقت آپ اٹھئے مجھے ڈھیروں کام کرنے ہیں' وقت ایسے گزر جاتا ہے افطاری کا وقت آجاتا ہے۔" اس نے بات کا رخ بدلا۔

"شہزین تم مجھے معاف نہیں کرسکتی...... ذرا رحم نہیں آتا۔"

"آپ کو اس وقت مجھ پر ترس نہیں آتا تھا جب میری توہین سب کی سامنے کرتے تھے۔"

''صاف کہو بدلے لے رہی ہو۔'' وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ گویا ہوا۔

''جی نہیں میں ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرتی مجھے بھی دوسروں کی عزت کا خیال ہے۔'' وہ کھڑی ہونے لگی۔ ہذیل نے ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھالیا۔

''میرا اور آپ کا روزہ ہے۔'' اس نے تنقیدی انداز میں اس کے ہاتھوں کو گھورا اس نے چھوڑ دیا۔

''ساری باتوں کے بارے میں پتہ ہے' شوہر کے حقوق بھی یاد رکھ لیتیں۔'' اس نے طنز کیا۔

''حقوق کے لیے آپ نے گنجائش ہی نہیں رکھی۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔

''تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں میری آنکھوں میں جھانک کے دیکھو صرف تمہارے لیے چاہت کے دیپ روشن ہیں۔'' اس کے لہجے میں جذب اور گہری لگاوٹ اور اپنائیت تھی۔

''مجھے پتہ ہے آپ تایا ابو کی وجہ سے اس شادی کو نبھا رہے ہیں۔''

''میں اتنا بڑا پاگل نہیں ہوں جو اپنی زندگی کا فیصلہ اتنی آرام سے اور آسانی سے کرتا تم مجھے پسند تھیں اسی لیے میں نے شادی کے لیے رضامندی دی تھی۔''

''اور کتنا جھوٹ بولیں گے لڑکیوں کی تصویریں لاتی تھی ان میں بھی کیا کیا فالٹ نکال کے منع کرتے تھے میں آپ کو جانتی ہوں اچھی طرح' خوب صورتی آپ کو اٹریکٹ کرتی ہے۔'' وہ اس سے دور ہو کے کھڑی ہوگئی جبکہ دل صرف ہذیل کے لیے ہی ہمک رہا تھا۔

''میں ان لڑکیوں میں جان کے فالٹ نکالتا تھا کیونکہ میں تمہیں چاہتا تھا۔'' اس نے شہرین کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے اس کی بے یقین آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

''ابو نے تو مجھے کہہ دیا تھا میں تمہاری شادی شہرین سے کروں گا۔''

''آپ نے فرماں برداری کا ثبوت دیا اور ایک موٹی اور بھدی لڑکی کو قبول کرلیا۔''

''ایسا بالکل نہیں ہے میں نے سچے دل سے تمہیں قبول کیا ہے۔'' وہ روہانسا ہوا۔

''تمہیں جب ہی یقین آئے گا جب میں بھی تمہیں مر کے دکھاؤں گا۔''

''اوہنہ......'' وہ اس پر طنزیہ نگاہ ڈال کے رہ گئی۔

''ہذیل احمد تم نے مجھے اتنا تنگ کیا کیسے تم پر یقین کروں کیسے معاف کروں؟''

◉......◉......◉

صدف امید سے تھی اس کا انگلینڈ جانا بھی ملتوی ہو گیا تھا' اس کے شوہر نے سارے انتظامات کرلیے تھے۔ ڈلیوری کے بعد اس کی روانگی تھی۔ شہرین نے سنا تو اس میں ہلچل ہی مچ گئی کیونکہ تائی امی کو ہذیل کے بچے کا بہت ارمان ہو رہا تھا اور یہ شہرین کے لیے فکرمندی کی بات تھی۔ شادی کے بعد اس کی پہلی عید تھی۔ تائی امی نے اس کی تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ عید کی شاپنگ اس نے بھابی کے ساتھ مل کرلی تھی۔ اس کے میکے سے بھی عیدی آ گئی تھی۔ امی اور ابو نے اس کے چار سوٹ اور ہذیل کے بھی چار سوٹ بھیجے تھے اور دیگر چیزیں بھی بھیجی تھیں۔

''نبیلہ میں نیچے جا رہی ہوں' شعیب کی طرف صدف آئی ہوئی ہے مل آتی ہوں۔'' تائی امی نے کہا۔ شہرین افطاری بنانے میں مصروف تھی۔

''میں اور شہرین افطار کے بعد رات میں مل آئیں گے کیوں شہرین۔'' نبیلہ بھابی نے اس سے پوچھا۔

'جی بالکل ٹھیک ہے۔'' اس نے مسکرا کے سر ہلایا۔

''تم خوش خبری کب دے رہی ہو۔'' نبیلہ بھابی نے اس سے بھی سرگوشی میں پوچھا۔ تائی امی چلی گئی تھیں' اس لیے وہ شہرین کو چھیڑنے لگی۔

''میرے اختیار میں تھوڑی ہے۔'' بیسن کو گھول کے اس نے سائیڈ کاؤنٹر پر رکھا۔

ہذیل کے اٹھتے قدم رک گئے' اس کے کان میں آواز آ گئی تھی۔

"لگتا ہے تم نے ہذیل کو معاف نہیں کیا؟"

"بھابی ہم اس بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کرسکتے۔" وہ واقعی بیزار ہوگئی تھی اور چاہتی تھی اس کے اور ہذیل کے معاملے کو ڈسکس نہ کیا جائے تو بہتر ہے وہ خود ہی اسے نمٹا لے گی۔ کیونکہ دل تھوڑا تھوڑا ہذیل کا قائل ہوتا جارہا تھا اس کی ساری توجہ اور لگاوٹ اسے ہذیل کے متعلق سوچنے پر مجبور کرنے لگی تھیں۔

"ہاں کرسکتے ہیں یہ بتاؤ تمہیں بچے کتنے پسند ہیں اور ہذیل کو۔" اسی وقت ہذیل چلا آیا دونوں ہی سنبھل گئیں جبکہ شہزین کے رخسار دہک اٹھے۔

"امی کہاں گئی ہیں۔" ہذیل نے پوچھا۔

"صدف سے ملنے گئی ہیں۔" بھابی نے بتایا۔

"ماما...... ماما بھائی تنگ کررہا ہے۔" سمن کی آوازوں پر نبیلہ بھابی چونکیں۔

"ان دونوں کی لڑائیوں سے تو میں عاجز آ گئی ہوں اور ان کے ابا پاس بیٹھے ہیں مجال ہے جو بچوں کو دیکھ لیں۔" وہ آلو اور چھری چھوڑ کے تیزی سے کچن سے نکل گئیں۔

"ہاں تو کتنے بچے پسند ہیں۔" ہذیل نے مزہ لینے کو اس سے پوچھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے ناگواری سے اسے تیز لہجے میں کہا۔

"پوچھنے میں ہرج کیا ہے۔" وہ ہنسا۔

"آپ کی یہ خواہش ہی رہ جائے گی۔" وہ اڑی ہوئی تھی۔ ہذیل سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"یاد رکھنا کہیں تمہیں پچھتانا نہ پڑ جائے۔"

"جی......!" وہ کچھ بھی نہیں۔

"یہی کہ تم ساری زندگی ایسے ہی گزاروگی' میں ایسے نہیں گزار سکتا۔ تمہیں میری شکل بری لگتی ہے چلا جاؤں گا یہاں سے۔" وہ سنجیدہ ہوگیا۔ شہزین کا دل کانپا ہاتھ لرزے ایسا تو وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ چلا جائے۔

"آپ کی برداشت کا صرف اتنا ہی اسٹیمنا ہے۔"

"کیوں تم میری برداشت آزمانا چاہتی ہو۔" اس نے پیچھے سے آ کر کہا۔

"جائیں یہاں سے مجھے کام کرنے دیں۔"

"صاف کہو کہ دفع ہوجاؤ۔" ہذیل نے ذرا خفگی سے کہا۔

"ایسا میں کچھ نہیں کہہ رہی۔" وہ اس پر نگاہ ڈال کے رہ گئی۔

"ایک آدمی تم سے معافی مانگ رہا ہے تمہیں اپنی محبت کا یقین دلا رہا ہے پھر بھی تمہیں یقین نہیں آتا۔" شہزین کو ہذیل کا لہجہ ٹوٹا ہوا لگا جانے کیوں وہ اس کی کسی بات کا یقین نہیں کرنا چاہتی شاید اسے ایسا لگتا ہے حالات کے پیش نظر وہ اسے زبردستی قبول کرکے اس کے ساتھ کو زبردستی کا یقین دینا چاہتا ہے۔

"جائیے آپ مجھے کام کرنے ہیں افطار کا وقت ہونے والا ہے۔" ہذیل نے بھی پھر مزید کوئی بات نہیں کی مگر اس نے لمحوں میں ایک پلاننگ کرلی تھی۔ شہزین کو یقین دلانے کا' اسے یقین تھا وہ ضرور پھر اس کی جانب چلی آئے گی۔ شہزین نے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔

"ہذیل مجھے آپ کی آنکھوں اور لہجے کی سچائی نظر آتی ہے مگر مجھے ایسا لگتا ہے آپ پر یہ رشتہ زبردستی مسلط کردیا ہے شاید اسی وجہ سے آپ مجھ سے لگاوٹ کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔" وہ پورا وقت سوچتی رہی تھی۔ تائی امی افطار سے کچھ دیر قبل آ گئی تھیں' اس نے اور بھابی نے مل کر افطاری ڈائننگ ٹیبل پر لگائی۔ ہذیل کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ راحیل بھائی نے کال کی تو اس نے یہی کہا آ رہا ہوں۔ تایا ابو نے بھی بار بار پوچھ کے فکرمندی ظاہر کی تھی۔

⊙......⊙......⊙
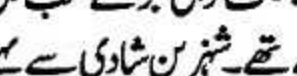
عید میں چند دن ہی باقی تھے۔ اس نے اور بھابی نے مل کے سموسے بسکٹ دہی بڑے سب ہی پہلے سے بنا کے فریز کرلیے تھے۔ شہزین شادی سے پہلے بھی عید پر سارا ریفریشمنٹ گھر میں ہی بناتی تھی اس نے یہاں بھی

یہی سب کیا تھا' بھابی ایسا کچھ نہیں بناتی تھیں زیادہ تر بازار سے ہی ریفریشمنٹ منگواتی تھیں۔

"یہ ہذیل کہاں ہے؟" احتشام احمد نے پوچھا۔

"پتہ نہیں' دوپہر میں تو تھا۔" انیسہ نے بتایا۔

"ارے شہزین بیٹا ہذیل کا کچھ پتہ ہے۔"

"تایا ابو پتہ نہیں کہاں گئے ہیں افطاری پر بھی نہیں آئے۔"

"اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں۔" وہ لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہے تھے طلحہ اور ثمن بھی وہیں کھیل رہے تھے۔

"پوچھو تو صاحب زادے ہیں کہاں' ذرا خیر خبر رکھا کرو۔ صاحبزادے امریکہ میں پانچ سال گزار کے آئے ہیں۔" انہیں جانے کیوں ہذیل کی سرگرمیاں مشکوک ہی لگتی تھیں جبکہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ہذیل آفس کے بعد سارا وقت گھر پر ہی گزارتا یا پھر بھی حسن کے پاس چلا جاتا تھا اور کوئی اس کی ایکٹویٹیز نہیں تھی۔

"آپ کیا فضول بات کررہے ہیں وہ ایسا نہیں ہے؟" تائی امی کو شہزین کے سامنے ان کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ شہزین کو بھی اس کی فکر ہوگئی' کل سے وہ کچھ چپ بھی تھا اچانک سے وہ اتنی دیر کے لیے کبھی جاتا نہیں تھا۔ کال کر کے کسی کو بھی بتادیتا کتنی دیر میں آئے گا۔

وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بے کل اور بے چین سی کمرے میں بیٹھی تھی نواد اور اسد سے بھی پوچھ لیا تھا ہذیل کا انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی تھی۔ ایک دم سے ہی اس کا سیل بول اٹھا۔ شہزین نے ڈریسنگ ٹیبل سے سیل اٹھایا حسن کالنگ لکھا آرہا تھا۔

"ہیلو۔"

"شہزین بات سنو ہذیل کا زبردست ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور اس کے بچنے کے کوئی چانس نہیں۔"

"نہیں......" اس نے فلک شگاف چیخ ماری اور ساتھ ہی رونے لگی۔ اتنے میں سب ہی اس کے روم میں آگئے اس نے رو رو کے بتایا۔

راحیل بھائی نے حسن کو کال کی اس کا سیل بزی جارہا تھا۔ سب ہی پریشان ہوگئے۔ شہزین تو بے ہوش ہوگئی۔ تائی امی اپنا دل پکڑ کے بیٹھ گئی تھیں۔ تینوں پورشن میں ہلچل مچ گئی تھی۔ عید میں چار دن تھے کیسے سب خوشی عید کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے اچانک سے یہ کیا ہوگیا۔ تایا ابو' راحیل بھائی سب ہی ہذیل کی تلاش میں نکل گئے' حسن سے بھی کانٹیکٹ نہیں ہورہا تھا۔ شہزین تو بے سدھ پڑی تھی۔ مبینہ بیٹی کی حالت دیکھ کے روئے جارہی تھیں۔ رات کے ایک بجے تک راحیل بھائی تھک ہار کے گھر آگئے سارے ہسپتال دیکھ لیے تھے کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ حسن بھی کال نہیں اٹھا رہا تھا۔ افتخار احمد نے بھی کئی بار کال کی تھی۔

اتنے میں مین گیٹ سے گاڑی اندر آتی دکھائی دی۔ راحیل بھائی نے ٹیرس سے دیکھ لیا تھا' دوسرا حیرانگی کا جھٹکا انہیں لگا تھا۔ ہذیل صحیح سلامت ڈرائیونگ سیٹ سے اترا تھا اور حسن بھی تھا۔ وہ تیزی سے وہاں سے ہٹے ان کا دماغ چکرا گیا تھا۔

"آگئے ہیں صاحبزادے۔" راحیل بھائی نے بتایا۔

"میرا بچہ۔" تائی امی تو عجیب بہکی بہکی ہوگئی تھیں۔

"امی ریلیکس۔" راحیل نے انہیں پکڑ کے واپس بیڈ پر بٹھایا۔

ہذیل اور حسن دونوں سب کے سامنے تھے۔ دونوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔

"یہ کیا طریقہ ہے مذاق کا۔" شعیب احمد نے حسن کی خبر لینی شروع کردی' اسی نے تو کال کر کے کہا تھا۔

"وہ ابو اس نے کہا تھا۔" وہ تو گھبرا گیا۔

ہذیل شرمندگی سے لب بھینچے ہوئے تھا اس نے تو صرف شہزین کو تنگ کرنے کے لیے یہ سب کیا تھا اسے کیا خبر تھی پورے خاندان میں ہلچل مچ جائے گی۔ احتشام احمد نے اسے اس وقت تو کچھ نہیں کہا وہ اپنے روم میں چلے گئے۔

"بیٹا ایسا مذاق کرتے ہیں کوئی۔" افتخار احمد نے افسردگی سے کہا۔ شہزین ابھی تک بے ہوش تھی۔

"سوری۔"

کسی نے اس سے یہ نہیں پوچھا اس نے ایسا کیوں کیا؟ مگر ہذیل کو تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ دوبارہ اس کی وجہ سے شہرین کی ایسی حالت ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر کو گھر بلایا گیا تھا۔ سب کے جانے کے بعد احتشام احمد نے اسے اتنا سنایا کہ وہ منہ کہاں چھپائے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے خبر نہیں تھی شہرین اتنی نازک ہوگی وہ پوری رات اس کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ نبیلہ بھابی اٹھ کے چلی گئی تھیں۔ انہیں سحری بھی تیار کرنی تھی۔

"ہذیل یہ کیا کردیا۔" وہ خود کو لعن طعن کر رہا تھا۔ چھوٹے چچا بڑے چچا سب ہی کے سامنے اسے شرمندگی ہوئی۔

صبح جاکے شہرین نے مکمل ہوش میں آکے آنکھ کھولی تھی۔ اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ اسے سب کچھ یاد آ گیا وہ چیخ مار کے اٹھی۔

"ہذیل کہاں ہیں؟"

"یہاں ہوں بولو طبیعت کیسی ہے۔" وہ واش روم سے نکل رہا تھا اسے اٹھتے دیکھا تو دوڑ کے آیا۔

"آپ ٹھیک ہیں مگر وہ تو......" شہرین کا لیمن کلر کا پرنٹڈ لان کا سوٹ ملگجا ہو رہا تھا اس کے سلکی دراز بال بکھرے ہوئے تھے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم یوں بے ہوش کیوں ہوجاتی ہو آخر تم ایسی کیوں ہو۔" وہ بہت جھنجلایا ہوا تھا۔ ابو امی راحیل بھائی کی سب کی اس نے رات سے اب تک ڈانٹ ہی سنی تھی۔

"میں نے صرف تمہیں منانے کے لیے یہ کیا شاید میرے مرنے کے قریب ہونے سے تم مجھے معاف کردو میرے قریب آجاؤ...... مگر سب الٹا ہوگیا۔ شہرین میں نے صرف تمہارے لیے کیا شاید کسی طرح تم میری سچائی پر یقین کرلو۔ کاش کاش میں مرجاتا تم سب کو سکون آجاتا' روز روز کے مرنے سے ایک دفعہ کا مرجانا بہتر ہے۔" وہ اتنا بکھرا ہوا تھا شہرین وحشت زدہ سی اسے دیکھے جارہی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" اس نے تڑپ کے دل میں کہا' اسے اور کیا چاہیے تھا ہذیل زندہ سلامت اس کے سامنے تھا۔ ہذیل کو اندازہ نہیں تھا وہ تو دن بدن اس کے قریب ہوتی جارہی تھی۔ کل جب حسن نے کال کی تو سننے کے بعد تو اسے ایسا لگا وہ بھی مرگئی ہو۔

"میں تنگ آ گیا ہوں' ایسی زندگی سے ادھر تم نے مجھے سرد مہری کی مار مار کے رکھا ہوا ہے اور ابو مجھے ہر وقت لعن طعن کرتے ہیں ایک بندے نے اتنی معافیاں مانگ لی ہیں اب تو بس کرو۔" وہ پھٹ پڑا۔

شہرین کو اس کی حالت پر ترس آرہا تھا وہ خود سے شرمندہ ہوگئی۔ ہذیل کو اس نے اگنور کیا تھا۔ صرف بے یقینی کی وجہ سے جبکہ ہذیل سے جب سے شادی ہوئی تھی اس نے شہرین کا مکمل خیال رکھا تھا اور سب سے بڑی بات یہی تھی وہ ساری توجہ اس پر دیتا پھر بھی اسے ایسا کیوں لگتا تھا وہ زبردستی یہ رشتہ نبھا رہا ہے۔

"تمہارے ساتھ مذاق کیا کرلیا میری زندگی سب نے ہی مذاق بنادی ہے جیسے میں انسان نہیں۔" اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"سوری۔" شہرین بیڈ سے اٹھ کے اس کے پاس آکے بیٹھ گئی۔

"چلی جاؤ یہاں سے مجھے نہیں ضرورت کسی کی' نہ تمہاری' تم نے دل کھول کے مجھ سے بدلہ لے لیا ہے اب سکون سے بیٹھ جاؤ۔" وہ تو مشتعل ہی ہوگیا' اس کی آنکھوں میں لال لال ڈورے نظر آرہے تھے' آنسوؤں نے بھی اس کے اداس دل کی غمازی کردی تھی۔

"آپ میری بات تو سنیے۔"

"مجھے نہیں سننی تمہاری کوئی بات' تم پر پورا یقین تھا' تم حساس دل رکھتی ہو' ضرور مجھ پر یقین کروگی مگر تم تو کیا میرے گھر والے بھی مجھ سے منہ موڑ گئے اتنا بڑا گناہ کردیا تھا اور اب اگر میں نے اپنی بیوی کو منانے کے لیے یہ جھوٹ بول دیا تو ایسا کیا غلط کیا؟"

”غلط کیا ہے آپ نے ایسا گندہ مذاق کیا ہے‘ تائی امی آپ کی ماں ہیں وہ بیٹے کے متعلق ایسی خبر سن کے زندہ رہ سکتی ہیں اور میرا سوچا تھا آپ نے میں برداشت کر پاؤں گی؟“ شہرین بھی تیز لہجے میں بولتی ہوئی رونے لگی۔

”ہر چیز اور مذاق حد میں اچھا لگتا ہے مذاق سے لوگوں کی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔“

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے زندگی تباہ ہو تو گئی ہے اس کی اس ڈیڑھ ماہ میں اسے شادی کے بعد کوئی خوشی نہیں ملی۔

”اس وقت یہاں سے چلی جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ وہ اٹھ کے تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گیا۔ وہ ذہنی طور پر خاصا پریشان تھا وہ آگے مزید اپنے دفاع میں نہیں بولنا چاہتا تھا۔

شہرین نے ایک افسردہ اور حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی جو اندر سے اتنا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ متوحش زدہ تھی ہذیل نے اسے منانے کے لیے ایسا مذاق کیا۔ اندر سے کوئی بول رہا تھا وہ تمہیں شدتوں سے چاہتا ہے تمہیں کسی طرح بھی راضی کرنا چاہتا ہے اور اس حد تک بھی چلا گیا۔ وہ خاصی افسردہ اور مایوس ہو گئی تھی۔ ہذیل کو معاف کر کے وہ پہل کرنا چاہ رہی تھی مگر وہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا‘ ستائیسویں شب آئی تو پوری رات ہذیل نے مسجد میں عبادت کر کے گزاری باقی کے دو دن بھی اس نے مسجد میں گزارے‘ سحری میں ہی گھر آتا تھا‘ شہرین پوری رات نہیں سو پاتی تھی کروٹیں بدلتے اور انتظار کرتے کرتے سحری ہو جاتی تھی۔ اس نے تایا ابو اور تائی امی سے اتنا کہا تھا کہ وہ ہذیل کو معاف کر دیں۔

”بیٹا یہ تم کہہ رہی ہو؟“

”تایا ابو وہ آپ کے بیٹے ہیں اور تائی امی آپ ماں ہیں انہیں اس طرح اگنور نہیں کریں۔“ شہرین کا لہجہ دھیما اور اداس تھا۔ تایا ابو اور تائی امی حیرانگی سے دیکھ رہے تھے شہرین اس کی حمایت کر رہی تھی۔

”جیتی رہو بیٹا۔“ تایا ابو نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا تھا۔ شہرین کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی اس کی وجہ سے یہ دونوں بھی اداس تھے۔

آج 29 واں روزہ تھا سب کو ہی یقین تھا چاند نظر آ جائے گا۔ وہ ثمن کے ننھے ننھے ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی۔

”بیٹا ہاتھ سیدھے رکھنا۔“ نبیلہ بھابی بھی وہیں لاؤنج میں آ گئی تھیں۔

شہرین کا ذہن الجھا ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ہذیل کو کیسے منائے کیونکہ ان تین چار دنوں میں وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا تھا۔ تایا ابو اور تائی امی نے اس سے کہا بھی شہرین کو اپنی مرضی کی شاپنگ کروا دے اس نے سہولت سے منع کر دیا‘ وہ سمجھ گئی تھی وہ اس سے بالکل کنارہ اختیار کر گیا ہے۔

”شہرین ایسا کرنا تم بھی آج ہی مہندی لگوا لینا۔“

”صبا سے لگواؤں گی وہ کہہ بھی رہی تھی۔“ اس نے تائید میں سر ہلایا۔

”شہرین کیا بات ہے ہذیل کیا تم سے بات چیت نہیں کر رہا۔“ نبیلہ بھابی نے نوٹ کیا تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

”جی بہت زیادہ ناراض ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”ناراض تو تمہیں ہونا چاہیے۔“ انہوں نے استفسار کیا۔

”میری اتنی لمبی ناراضگی کی وجہ سے ہی ناراض ہیں۔“ اس نے رک رک کے کہا۔

”بھئی ختم کرو یہ ناراضگی وغیرہ ہذیل تھوڑا شرارتی اور شوخ مزاج کا تھا اس لیے تمہیں تنگ کر لیتا تھا۔“ وہ فکر مند ہو گئی تھیں ہذیل کی خاموشی سے۔ ”ارے اسے مناؤ بس کرو۔“

جواب میں شہرین نے سر ہلایا اس کو سمجھ ہی تو نہیں آ رہا تھا ایسا کیا کرے کہ وہ مان جائے۔

”بھابی مجھے سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں‘ میری بات وہ سننے

کو تیار نہیں۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"ارے بیوی ہو مناؤ اسے کسی طرح بھی' کل ان شاء اللہ تعالیٰ عید ہوگی اور تم دونوں کی شادی کے بعد یہ پہلی عید ہے۔ اس لیے اس عید کو اسپیشل بناؤ۔" بھابی نے معنی خیزی سے مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا۔

"اگر نہیں مانے تو......"

"ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ مسکرا رہی تھیں۔

"مبارک ہو بھئی چاند نظر آگیا۔" راحیل بھائی کی آواز آئی۔

"کیا واقعی۔" بھابی گویا ہوئیں۔

"ہاں بھئی یہ ہذیل کہاں ہے۔"

"افطار کے بعد جو گئے ہیں آئے ہی نہیں۔" شہزین نے بتایا۔

تایا ابو اور تائی امی نے بھی آ کے چاند کی مبارک باد دی۔ شہزین نے بیڈ روم میں آ کے پہلے بیڈ روم کو سیٹ کیا اس دفعہ وہ اپنی عید یادگار بنانا چاہتی تھی اس کے میکے سے بھی اس کے کپڑے اور دیگر سامان آیا تھا' اپنی مرضی سے اس نے ہذیل کا قمیص شلوار پریس کیا' اپنا بھی سوٹ پریس کر کے ہینگر کر دیا تھا۔ اس عید پر اس کا من چاہا جیون ساتھی اس کے ساتھ ہو اور وہ اپنے جیون ساتھی کی ساری شکایتیں دور کر دے۔ کام سے فارغ ہو کے صبا سے مہندی لگوا آئی تھی۔ گیارہ بجے وہ آئی تو دیکھا ہذیل بے خبر سو رہا تھا۔ نائٹ بلب کی ملگجی روشنی میں وہ آہستگی سے چلتی ہوئی آئی تھی۔ مہندی سوکھ گئی تھی۔

ہذیل کی مسحور کن مہندی کی مہک سے آنکھ کھلی تھی۔ اپنے پہلو میں اسے دراز دیکھا وہ دو دن سے کتنی بدلی بدلی نظر آ رہی تھی اس کے سارے کام دوڑ دوڑ کے کر رہی تھی۔ وہ جان گیا تھا وہ بھی ناراضگی اور گریز سب ختم کرنا چاہتی ہے مگر وہ جان بوجھ کے اکڑ دکھا رہا تھا۔

عید کی صبح بڑی انوکھی اور سہانی تھی۔ اس نے ہذیل کو دیکھا وہ اس کی جانب دیکھے بغیر اپنی تیاری میں لگا رہا۔ عید

کی نماز سب ہی خاندان کے مرد حضرات ساتھ پڑھنے جاتے تھے۔ تیار ہو کے اس نے ابو اور امی کو سلام کیا' راحیل بھائی سے بھی عید ملا تھا۔ جلدی جلدی اس نے ناشتہ لگایا تھا وہ خاموشی سے کر کے سب کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھا۔

''تم بھی تیار ہو جاؤ جا کے۔'' تائی امی نے اسے کچن میں برتن دھوتے دیکھا' مہمانوں کے ریفریشمنٹ کے لوازمات اس نے ٹرالی میں سیٹ کر دیئے تھے۔

وہ جلدی جلدی ہاتھ لے کے نکلی تھی تاکہ ہذیل کے آنے سے پہلے ہی تیار ہو جائے۔ تائی امی نے بڑا خوب صورت اسٹائلش ریڈ کلر کا سوٹ بنوایا تھا۔ میچنگ جیولری اور میک اپ میں خاصی دلکش لگ رہی تھی۔ حنائی ہاتھوں میں چوڑیاں خاصی سج رہی تھیں۔ اس کا ارادہ سب سے پہلے امی اور ابو سے عید ملنے جانے کا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی خود کو حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان تین ماہ کے عرصے میں وہ اسمارٹ اور سلم ہوگئی تھی۔ وہ سیل پر بات کرتا ہوا اندر آیا تو شہزین جھینپ کے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اسکائی بلیو قمیص شلوار میں روٹھا روٹھا ہذیل گریس فل اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

''اچھا سب سے پہلے تمہاری طرف ہی آئیں گے۔'' ہذیل جب تک بات کرتا رہا وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''فواد کی کال تھی۔ چھوٹے چچا اور چچی نے تمہیں بلایا ہے۔'' ہذیل نے اچٹتی نگاہ ڈالی وہ اپسرا ہی تو لگ رہی تھی۔ اتنی خوب صورت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ یہ حیران کن عمل تھا۔

''کیوں مجھے ہی بلایا ہے آپ کو نہیں بلایا۔'' وہ سست روی سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آ گئی۔ ہذیل اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا کیونکہ اس وقت شہزین کا ایسا دلفریب روپ اس کے ارادوں اور سوچوں کو متزلزل کر رہا تھا۔

''ہاں بلایا ہے مگر میں بہت تھکا ہوا ہوں اس وقت نہیں جاؤں گا آرام کرنے کا موڈ ہے۔'' وہ اپنے سلیقے سے سجے بیڈ روم پر ستائشی نگاہ ڈالتا ہوا بیڈ پر لیٹ گیا وہ شہزین کی سلیقہ مندی کا تو ویسے ہی قائل تھا۔

''آرام تو آ کے بھی کر سکتے ہیں۔'' اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''تمہیں جانا ہے تو چلی جاؤ میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔'' وہ اسے مکمل نخرے اور ناراضگی دکھا رہا تھا۔

''کیا بات ہے آپ کے مزاج ہی نہیں مل رہے ہیں تین دن ہو گئے ہیں مجھے اگنور کیے جا رہے ہیں۔'' شہزین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ پھٹ پڑی۔

ہذیل حیرت وانبساط میں مبتلا ہو کے چونکا' اس کی سماعت اور بصارت جیسے یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

''غلطیاں خود کیے جا رہے ہیں مجھے مذاق بنایا پھر یہ چار دن پہلے اپنے ایکسیڈنٹ کا مذاق حد ہوتی ہے کیا سمجھا ہوا ہے مجھے آپ کو میں معاف کر کے گلے لگا لوں۔'' وہ اتنی تیزی سے بول رہی تھی اسے خود خبر نہیں تھی روانی میں کیا کہہ رہی ہے۔

ہذیل کا انتظار ختم ہو گیا تھا وہ کتنے استحقاق سے دوبدو اس سے لڑ رہی تھی۔

''پہلے مجھے موٹی بھدی پتہ نہیں کیا کیا کہہ کر رلاتے رہتے تھے اور اب بھی رلا کے رکھا ہوا ہے۔'' اس کی خوب صورت پُرفسوں آنکھوں میں نمی آ گئی۔ ہذیل کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگی مگر اس نے چھپالی۔

''ٹھیک ہے اگر آپ کو اسی طرح میرے ساتھ کرنا ہے تو کیجیے میں بھی کہیں نہیں جا رہی۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل پر کلائی سے چوڑیاں اتار اتار کے پھینکنے لگی۔

''ارے یہ کیا کر رہی ہو۔'' وہ سرعت سے اس تک پہنچا اس کا ایسا پیارا خوب صورت چہرہ ذرا سی دیر میں ہی رونے جیسا ہو گیا تھا۔

''آپ کو میری کوئی پروا نہیں' جایئے آپ آرام کریں۔'' اپنے کومل نازک سے ہاتھ ہذیل کے ہاتھوں

سے چھڑائیے۔

''کون آرام کرے گا جب اتنا حسن سامنے ہوگا۔''
اس کی ٹون بدلی تھی شہزرین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''تم اتنی آندھی طوفان ہو ہر کام میں جلدی کرتی ہو۔ مجھے ناراض بھی نہیں ہونے دیا۔''

''آپ کا ناراض ہونا بنتا ہی نہیں...... مجھے آپ سے ناراض رہنا چاہیے تھا دیکھیں میں نے پھر بھی ناراضگی ختم کی۔'' وہ ہذیل کے وارفتگی سے دیکھنے سے گھبرانے لگی تھی۔

''میں اچھا نہیں ہوں تم واقعی بہت اچھی ہو صاف گو اور سچی ہو میں تمہیں تنگ کرتا رہا یار سوری۔'' وہ شرمندگی سے پھر بولا۔

''مجھے یہ بتائیے میں اتنی موٹی تو نہیں تھی۔''

''مگر اب ضرورت سے زیادہ سلم ہوگئی ہو۔'' وہ پھر اسے کانشس کرنے لگا۔

''کیا ابھی بھی آپ کو اعتراض ہے۔'' اس کا منہ بن گیا۔

''یار سوری میں مذاق کررہا تھا اور میں نے آج اس یادگار عید کے دن توبہ کی جو کبھی مذاق کروں کیونکہ مذاق سے جو نقصان میرے ہوئے ہیں یہ میں ہی جانتا ہوں۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ شہزرین کے ہاتھوں کو وہ استحقاق سے تھامے ہوئے تھا۔ ''میں تم سے بچپن سے ہی محبت کرتا تھا مگر مجھے یہ نہیں پتہ تھا اگر کبھی ایسا موقع آیا تو تمہیں یقین کیسے دلاؤں گا۔''

''مجھے آپ کی آنکھوں اور لہجے کی سچائی نظر آ گئی تھی۔ مگر مجھے بھی آپ پر غصہ تھا۔''

''اور مجھے تم پر اس لیے غصہ تھا ہر دن نئی لڑکی کی تصویر لے کے آجاتی تھی بے وقوف لڑکی میں ان میں خامی جان کے نکالتا تھا کیونکہ میں تمہیں چاہتا تھا۔'' اس نے شہزرین کے سر سے اپنا سر ٹکرایا۔

''اظہار کیوں نہیں کیا؟'' شرمائے شرمائے لہجے میں کہا۔

''بس تنگ کرنے میں مزہ آنے لگا تھا' مگر تم نے سچ میں خود کو اذیت دے کے میری تو جان ہی نکال دی تھی۔''

''بس میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔'' وہ منمنائی۔

''اب ساری زندگی تمہارے دل کو جوڑے رکھوں گا کبھی نہیں توڑوں گا کیونکہ مجھے سچی سادہ پیار کرنے والی بیوی مل گئی ہے۔'' وہ مسکرایا شہزرین جھینپ گئی۔

''ویسے محترمہ آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں اور مہندی کی خوشبو آہ......'' وہ اس کے ہاتھوں کو سونگھنے لگا۔ شہزرین نے اس کے ترنگ میں آتے ہی اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''یہ ہاتھ میں نے ساری زندگی کے لیے تھاما ہے۔'' وہ ہنسا۔

''مجھے نہیں پتہ تھا اس دفعہ یہ عید ہم دونوں کو ملا دے گی۔'' وہ جذب سے بول رہا تھا۔

''نکالیے میری عیدی۔'' اس نے ہذیل کے آگے اپنا حنائی ہاتھ پھیلایا۔

''ابھی تو تم اپنے میکے چلو آکے تفصیل سے عیدی دوں گا۔'' لہجہ معنی خیز اور شرارتی ہوا۔ ہذیل اور شہزرین ہلکے پھلکے ہوگئے تھے۔ دونوں کی بدگمانی دور ہوگئی تھی۔

''عید مبارک۔'' ہذیل نے اس کے کان میں سرگوشی کی اور باہوں کا حصار تنگ کردیا وہ شرمائی لجائی خود میں سمٹ گئی تھی۔

سجنا سنگ ساون

سویرا فلک

دل بہت ہی ڈرتا ہے بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرتا ہے بارشوں کے موسم میں
سانس جلنے لگتی ہے خواب کی حرارت سے
وقت کم گزرتا ہے بارشوں کے موسم میں
آسمان سے دھرتی پر ابرو بار کی صورت
اک سکون اترتا ہے بارشوں کے موسم میں
مبتلائے ہجر کو جب تیری یاد آتی ہے
سرد آہیں بھرتا ہے بارشوں کے موسم میں
چار سو مہک پھیلے رنگ رنگ پھولوں کی
ہر شجر نکھرتا ہے بارشوں کے موسم میں
تم ابھی تک اکیلے ہو کوئی مجھ سے اب اصغر
یہ سوال کرتا ہے بارشوں کے موسم میں

وہ جانے کب سے گلاس وال کے پار دکھائی دینے والے پل پل بدلتے منظر کو دیکھنے میں مگن تھی۔ جہاں چند لمحے قبل سرسبز پودے مست ہواؤں کی اٹھکیلیوں سے جھوم رہے تھے اور روشن صبح کو سرمئی آنچل نے یوں ڈھک لیا تھا کہ گہری پڑتی شام کا سماں بندھ گیا تھا۔ پھر یک لخت ہی گھنگھور گھٹائیں یوں برسیں کہ چہار سو جل تھل ہو گیا۔ سرسبز بیلوں سے سرخ، آتشی اور کاسنی رنگوں کی نرم و نازک پتیاں پھولوں سے جدا ہو کر سبزے پر یوں جا بجا پھیلیں گویا رنگ برنگا غالیچہ بچھا ہو۔ وہ بہت غور سے بارش کی ان بوندوں کو دیکھ رہی تھی جو پتوں پر لحظہ بھر رکتیں اور پھر ان کا ساتھ چھوڑ جاتیں باہر کی طرح اس کے اندر بھی موسلا دھار بارش برس رہی تھی۔ جس کے زور و شور کے باعث سناٹے کے سوا کچھ نہیں سجھائی دیتا۔ اس لیے جب فروا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے ہلایا تو وہ بری طرح چونک گئی۔

"توبہ ہے فروا تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا؟"

"انعمتا پھوپو میں کب سے آپ کو آوازیں دے رہی ہوں۔ چلیں نا، دیکھیں باہر کتنا زبردست موسم ہو رہا ہے۔" اس کی نو سالہ بھتیجی فروا نے اس کا ہاتھ تھام کر باقاعدہ اسے گھسیٹنا چاہا تو وہ بری طرح جھنجلا گئی۔

"ضدمت کرو فروا۔ تمہیں پتہ ہے کہ مجھے بارش پسند نہیں۔ اب جاؤ یہاں سے ڈونٹ ڈسٹرب می۔" اس کے سخت لہجے پر فروا بری طرح ہرٹ ہوئی اور بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی تو سامنے سے آتی اپنی ماں عریشہ سے ٹکرا گئی۔

"مما پھوپو گندی ہیں۔ میں ان سے کبھی بات نہیں کروں گی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کر کے ماں سے لپٹ گئی تو اس نے اس کے نم رخسار ہتھیلیوں سے صاف کیے اور ہونٹ کاٹتی انعمتا کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"دوسروں کا مان رکھنا سیکھو انعمتا۔ یہ پیار محبت اور چاہت بھرے رشتے نصیب والوں کو ہی ملتے ہیں۔"

"ہاں سارا قصور میرا ہی ہے۔ میں ہی بری ہوں۔" وہ ہمیشہ کی طرح اصل بات کو جانے سمجھے بغیر پیر پٹختی اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تو عریشہ اس کی پشت تکتی رہ گئی۔

❀......❀......❀......❀
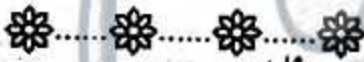
"تم بہت بڑی غلطی کر رہی ہو انعمتا۔ حسام جیسے شوہر قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ تمہیں زندگی کی ہر آسائش فراہم کر رکھی ہے اس نے۔ کتنا ویل مینرڈ بندہ ہے اور تم ہو کہ اس کی کوئی قدر ہی نہیں کرتی۔ بار بار روٹھ کر میکے آ بیٹھنے والی بیویوں سے ان کے مرد اکتا جاتے ہیں۔ یہ تو حسام ہی ہے جو اب تک صبر کرتا آیا مگر آخر کب تک بھئی...... وہ بھی انسان ہے۔ تمہاری شادی کو چھ ماہ بھی نہیں گزرے اور تم نے اس کا جینا حرام کیا ہوا ہے۔ اوپر سے آئے دن یہاں آ کر بیٹھ جاتی ہو۔" عریشہ بھابی نے سو دفعہ سمجھائی ہوئی بات اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی مگر ہمیشہ کی

طرح ان کی کوشش بے سود ہی رہی۔

"آپ مجھے طعنے دے رہی ہیں بھابی۔ شاید آپ بھول رہی ہیں کہ یہ گھر میری ماں کا ہے۔ اب ہر کوئی آپ کی طرح تو خوش نصیب نہیں ہوتا کہ سسرال کے نام پر محض ایک نند اور بوڑھی ساس۔ اس پر بھی آپ سے نند کا میکے آنا برداشت نہیں۔" وہ بدلحاظی کی انتہا پر آ گئی مگر بھابی نے نہایت صبر و تحمل سے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی سعی کی۔ ویسے بھی انہیں اپنی یہ اکلوتی نند بہت عزیز تھی کیونکہ وہ خود بہن کے رشتے کو ترسی ہوئی تھیں اور جب وہ اس گھر میں بیاہ کر آئیں تو انعمتا ساتویں کلاس میں تھی۔ اس لیے خود اپنی بیٹی فروا کے ہونے کے بعد بھی انہیں یہی محسوس ہوتا رہا کہ ان کی ایک کے بجائے دو بیٹیاں ہیں اور پھر اپنوں کو کھائی میں گرتا کون دیکھ سکتا ہے۔ اس لیے انعمتا کی سرد مہری کے باوجود اس سے ہر ممکن مروت ہی برتتی تھیں اور اب بھی یہی کر رہی تھیں۔

"انعمتا میری جان تم سو بار آؤ، جم جم آؤ۔ یہ بات تو تم خود بھی بخوبی جانتی ہے کہ میں نے تمہیں کبھی نند نہیں سمجھا۔ ہمیشہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی طرح چاہا ہے اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ تمہارا گھر بسا رہے۔ اگر قصوروار حسام ہوتا تو میں ہرگز اس کی طرف داری نہیں کرتی اور اگر تم پھر بھی مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو تو امی کو دیکھو وہ کتنی فکر مند ہیں تمہارے لیے۔ وہ بھی یہی چاہتی ہیں کہ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔"

"آپ بہت ماہر کھلاڑی ہیں۔ آپ نے میری ماں کو میرے ہی خلاف کر دیا ہے۔ وہ مجھ سے...... اپنی بیٹی سے ایسی بدظن ہو گئی ہیں یوں منہ پھیرے پڑی ہیں گویا میں نے خدانخواستہ کسی کا قتل کر دیا ہو۔ جب کہ وہی مجھے سمجھاتی تھیں کہ شوہر تمہارا تو سب کچھ تمہارا اور آج جب میں اپنے شوہر کے ساتھ اپنا گھر الگ بسانا چاہتی ہوں تاکہ وہاں اپنی مرضی سے رہ سکوں تو وہ بھی میری حمایت کے بجائے میری مخالفت پر اتر آئی ہیں۔ سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ لڑکیاں شادی کے بعد پرائی ہو جاتی ہیں۔" وہ چھکوں پھکوں رونے لگی تو بھابی کو اس کی بدگمانی پر سخت تاسف ہوا۔

"انعمتا کیا ہو گیا ہے تمہیں تم ایسی تو نہ تھیں۔ یوں پیارے رشتوں کو بے مول و بے وقعت مت کرو میری جان۔ نہیں تو سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں بچے گا تمہارے پاس۔"

"ہاں میں بے وقوف تھی پہلے مگر اب میں بھی شادی شدہ ہوں۔ سب چالیں سمجھتی ہوں اور میں نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ آپ سب مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔ اپنا حق ہی تو طلب کیا ہے۔ علیحدہ گھر ہر عورت کا خواب ہوتا ہے۔ تنگ آ گئی تھی میں روز روز کی بے جا روک ٹوک سے۔ حسام کی امی مجھے اپنے اشاروں پر چلانا چاہتی تھیں۔ ہر وقت بات بے بات مشورے دینا روکنا ٹوکنا میں نے ساڑھی ڈھنگ سے نہیں باندھی کمر نظر آ رہی ہے۔ گھر سے باہر نکلتے وقت چادر نہیں لی کمرے میں فلاں چیز فلاں جگہ

ہونی چاہئے اور تو اور حسام کو یہ پسند ہے وہ پسند نہیں...... ان کا بس چلتا تو مجھے میری مرضی سے سانس بھی نہ لینے دیتیں۔" وہ پھر دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔

"انعمتا یہ تو بہت عام اور معمولی سی باتیں ہیں۔ امی بھی شروع میں مجھے ایسے ہی کہتی تھیں دیکھو ایک بہو بطور نیا فرد دوسرے گھر میں جاتی ہے تو فطری طور پر ساس یہ چاہتی ہیں کہ بہو جواب ان کے گھر کا ایک فرد ہے اس گھر کے رنگ ڈھنگ سیکھے کیونکہ ہر گھر کا ماحول دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ ورنہ حسام کی امی تو ہر وقت تمہاری تعریفیں ہی کرتی ہیں۔ مجھے تو کہیں سے بھی وہ روایتی ساس نہیں لگتیں اور تمہاری تو نندیں بھی کس قدر خلوص اور محبت کرنے والی ہیں۔" بھابی نے اسے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"اونہہ...... رہنے دیں۔ ہاتھی کے دانت کھانے اور دکھانے کے اور۔ آپ کا ابھی واسطہ نہیں پڑا ان لوگوں سے۔ مجھ سے پوچھیں۔ میں نے برتا ہے انہیں۔ میں جانتی ہوں ان کی اصلیت۔ وہ بڑی نند رفعت ہر ہفتے بچوں کو لیے چلی آتی ہیں کہ بچے ماموں کو یاد کررہے تھے کیونکہ ماموں بچوں کی آمد کا سنتے ہی کیک، سموسے مٹھائیاں اور جوسز اٹھائے چلے آتے ہیں تو اماں صاحبہ فرماتی ہیں بہو رفعت آرہی ہے تو بریانی، چکن کڑاہی اور کسٹرڈ ضرور بنالینا اور آرڈر دے کر چلتی بنتی ہیں کہ جیسے بہو تو خانساماں ہے بھلے سے چولہے کے آگے پھنکتی رہے۔ حسام کو میں نے لاکھ بار سمجھایا کہ دیکھیں جب گھر میں کھانا پک رہا ہے تو یہ سب الم غلم لانے کی بھلا کیا تک ہے مگر وہ تو بہنوں کے پیار میں اندھے ہوئے ہیں۔ ارے میں تو بچوں کی خاطر لایا ہوں۔ کبھی جو میری ہاں میں ہاں ملادیں اور چھوٹی بہن دو بچوں کی اماں ہو کر بھی ننھی بنی رہتی ہیں۔ حسام میری سالگرہ آرہی ہے اس دفعہ تو گولڈ کا لاکٹ ہی لوں گی اور حسام صاحب فوراً وعدہ کرلیتے ہیں نہ بیوی سے صلح نہ مشورہ۔" وہ جی بھر کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اور بھابی چاہ کر بھی اسے جتانہ پائیں کہ کیا تمہاری آمد پر ہم تمہارے کھانے کا اہتمام نہیں کرتے اور ہر موقع پر گفٹس نہیں دیتے۔ مگر وہ خوب جانتی تھیں کہ اس کا آئینہ دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں وہ الٹا ان پر ہی چڑھ دوڑے گی۔ اس لیے فقط اتنا کہا۔

"انعمتا یہ ناز برداریاں، یہ پیار ہی تو میکے کا مان ہوتا ہے جو یوں لڑکیاں تڑپ تڑپ کر ہلکان ہوئے جاتی ہیں میکے آنے کو۔"

"بس دیکھا آپ ان ہی کی طرف داری کریں۔ کیونکہ مجھے غلط ثابت کرنے کا ٹھیکا جو لے رکھا ہے آپ نے۔ جانے کس سے شرط لگا کر بیٹھی ہیں۔ مگر میں ہار نہیں مانوں گی۔ دیکھیے گا میں جیت جاؤں گی کیونکہ میں صحیح ہوں۔ سمجھیں آپ۔" وہ تیز لہجے میں کہتی ہوئی تن فن کرتی کمرے سے نکل گئی اور بھابی گہرا سانس لے کر اس کی پشت تکتی رہ گئیں۔

❀......❀......❀......❀

اس دن کے بعد سے بھابی اور امی نے اس سے اس موضوع پر بات کرنا قطعاً چھوڑ دیا۔ وہ خود بھی ان سے کترانے لگی تھی۔ ان دنوں کچھ اس کی اپنی طبیعت بھی گری گری رہتی تھی۔ اس لیے وہ اکثر اپنے کمرے میں ہی رہتی۔ پھر ایک دن جب وہ کچن میں فریج کے پاس چکرا کر گر پڑی تو بھابی کے اصرار پر وہ اس کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کرانے گئی تو ڈاکٹر نے ماں بننے کی خوش خبری سنا کر سب کے ستے ہوئے چہروں پر خوشی کے رنگ بکھر دیے اور پھر اس کی توقع کے عین مطابق حسام مٹھائی لے کر دوڑا چلا آیا۔ وہ اس بار اپنی فتح کا جشن منانے کے لیے مکمل طور پر تیار تھی کیونکہ جنگ کو جیتنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو مکمل ہتھیاروں سے لیس کر رکھا تھا۔

"مرد کو عورت اس روپ میں سب سے زیادہ بھاتی ہے۔" عزیز از جان دوست سارہ کے جملے نے اس کو نئی تقویت بخشی تھی اور پھر چائے ناشتے کے بعد وہ اور حسام لان میں چلے آئے۔ گرین سوٹ میں ہلکے میک اپ نازک جیولری اور کھلے بالوں کے ساتھ بلاشبہ وہ حسام کے دل میں اترتی جارہی تھی۔ حسام کی لو دیتی آنکھیں، انعمتا کو

اس کے دل میں پھر سے ابھرتی محبت کا احوال صاف سنا رہی تھیں۔ اس لیے انعمتا نے موقع کو غنیمت جان کر ایک بار پھر حسام کو اپنی قربت کی کشش کا لالچ دے کر فریب کے جال میں پھنسانا چاہا۔

''حسام دیکھیں ہمارا خواب بالآخر پورا ہونے جارہا ہے۔ میں نے آپ کی خواہش پوری کردی اب لائیں میرا گفٹ۔'' اس نے ایک ادا سے کو اپنے تراشیدہ بالوں کی لٹوں کو سفید مخروطی انگلیوں سے سنوارتے ہوئے کہا تو حسام کا دل چاہا کہ وہ اس دشمن جاں کی ان سیاہ بادلوں جیسی گھنیری زلفوں میں منہ چھپالے اس نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی مہہ پارہ کا مومی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

''جان حسام۔ میں تو خود پورے کا پورا تمہارا ہوں۔ سچ پوچھو تو اب تمہاری جدائی سہی نہیں جارہی۔ تم جو مانگوگی ملے گا۔ تم بس حکم کرو اور گھر چلو تا کہ ہم جی بھر کر جشن منائیں۔''

''میں ضرور گھر چلوں گی مگر اپنے گھر۔ جو صرف میرا اور آپ کا ہو۔ جو میرے خوابوں کا عکس ہو۔ جس میں صرف میری حکمرانی ہو۔ آپ زبان دے چکے ہیں اب مکریے گا نہیں۔'' اس نے پھر دلربا اداؤں سے پلکیں جھپکا کر اپنا جادو چلانا چاہا مگر اب حسام ہوش میں آ گیا۔ وہ اس دوغلی شخصیت کی مالکہ کے سحر سے آزاد ہوگیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں کل ہی ایجنٹ سے بات کرتا ہوں۔ تین چار دن میں تمہیں چابی مل جائے گی۔ تمہارے گھر کی جہاں تم رہوگی۔ میں نہیں کیونکہ میں اپنی ماں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ کوئی بھی تابعدار اولاد اس طرح اپنے ماں باپ کو بے آسرا نہیں چھوڑ سکتی اور اگر تمہیں یا تم جیسی عورتوں کو لگتا ہے کہ مجازی خدا کو تمہارے لیے سب کو چھوڑ دینا چاہیے تو تمہیں بھی اپنے حقیقی خدا کو چھوڑ دینا چاہیے۔'' اتنا کہہ کر اس نے ایک نگاہ غلط بھی انعمتا پر نہ ڈال کر اسے اس کی حیثیت اور مقام سے اچھی طرح آشنا کرا دیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ وہ اسے بااختیار

آنٹی جبین

پیارے پاکستان کے پیارے لوگوں کو پیار بھرا سلام۔

میرا نام آنٹی جبین ہے۔ 3feb1994 کو شہر میانوالی کے ایک گاؤں موسیٰ خیل میں پیدا ہوئی۔ گریجویشن کیا ہے اور ماسٹرز کے ارادے ہیں۔ کھانے میں بریانی پسند ہے۔ باقی سبزیوں کے علاوہ سب کھالیتی ہوں۔ لباس میں ساڑھی پسند ہے۔ خامیاں وسیع اور خوبیاں محدود ہیں۔

بہت جذباتی ہوں۔ غصہ بہت جلد آتا ہی اور بہت دیر سے جاتا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ بہت حساس ہوں۔ کسی کی پریشانی یا دکھ برداشت نہیں ہوتا۔ جو کام کرتی ہوں بہت لگن سے کرتی ہوں۔

خواہشات لامحدود ہیں۔ لیکن بڑی خواہش عمرہ اور حج کی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ مقدس مقام سب کو دیکھنا نصیب فرمائے آمین اب اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ

کر کے بھی بے اختیار کر گیا تھا۔ اسے لگا کہ وہ بیچ منجدھار میں پھنس کر رہ گئی ہو۔

❀......❀......❀......❀

ایک حیران بلبل پام کے بلند درخت پر بیٹھا ہے\
اور سوچتا ہے\
کہ سمندر کہاں سے شروع ہوتا ہے\
یہ ہوا کہاں سے چلتی ہے\
یہ سورج کی سرخ گیند کہاں اوجھل ہوجاتی ہے\
وہ اپنے بچھڑے ساتھی کو یاد کرتا ہے\
اس کا خیال ہے کہ جس طرح\
سمندر میں گم ہوجانے والی لہریں\
پھر پلٹ کر کنارے پر آتی ہیں\
جس طرح دن میں گم ہوجانے والی ہوا\
رات پچھلے پہر پھر چلنے لگتی ہے\
جس طرح گم شدہ سورج\
دوبارہ آسمان پر نمودار ہوجاتا ہے

اسی طرح

اس کا ساتھی جو پچھلے موسم میں بچھڑ گیا تھا

ایک دن واپس آجائے گا۔

''تو تم اب بھی مجھے چاہتے ہو۔ مجھے یاد کرتے ہو۔ اپنی بصارت پر یقین کرنے کا دل نہیں چاہ رہا ہے مگر سرخ گلابوں سے سجا یہ برتھ ڈے کارڈ اور اس میں لکھی گئی نظم مجھے میری سوچ کو جھٹلا رہی ہے۔ کیا میں واقعی غلطی پر ہوں؟'' اور جب وہ اندر باہر کی بڑھتی کشمکش کے باعث پھر سسک پڑی تو بھابی نے کسی بچے کی طرح اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

''انعمتا میاں بیوی کا رشتہ نازک ڈور سے بندھا ہوتا ہے لچک نہ رہے تو تناؤ کا زور نہ سہہ کر دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے اور محبت کے درمیان تو ویسے بھی انا پرستی اور ضد کی گنجائش نہیں نکلتی۔ تمہاری بے جا ضد بھی کہیں تمہیں تہی داماں نہ کردے۔ کم از کم آنے والے کا ہی خیال کرلو۔'' بھابی نے اس کی ممتا کو جوش دلایا تو اس کے اشک مزید روانی سے بہنے لگے۔

''چندا! ہم تمہارے دشمن نہیں۔ تمہارے بھلے کے لیے ہی تمہیں سمجھا رہے ہیں کہ سمجھوتہ کرنا سیکھو ایک عورت کو اپنا گھر خود ہی بنانا ہوتا ہے۔ اپنے آشیانے کی محافظ و نگراں ایک عورت خود ہی ہوتی ہے اور گھر دیواروں سے نہیں لوگوں' مکینوں سے بنتا ہے' ان کے درمیان پنپنے والی محبتوں سے بے ریا اور پُرخلوص چاہتوں سے بنتا ہے۔''

''میں بھی حسام سے بہت محبت کرتی ہوں بھابی اور پھر بھلا کون عورت اپنی خوشی سے اپنا گھر توڑنا چاہتی ہے۔'' وہ اب سنبھل رہی تھی یا شاید اپنا دفاع کررہی تھی۔

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ محبت میں انا پرستی نہیں ہوتی اور نوے فی صد عورتیں رضا اور خوشی سے نہیں بلکہ اپنی نادانی' بیوقوفی اور اپنی ضد سے گھر توڑتی ہیں' اپنے آپ کو توڑتی ہیں' اپنے پیاروں کے دلوں کو توڑتی ہیں اور پھر سب کچھ کھو دیتی ہیں ہمیشہ کے لیے اور پھر عمر بھر کا پچھتاوا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ اس لیے سمجھوتہ کرنا' درگزر کرنا' قربانی دینا' جھکنا اور سب سے بڑھ کر غلطی ماننا سیکھو انعمتا کیونکہ غلطی کو غلطی نہ ماننا بذات خود ایک غلطی ہے۔'' بھابی لمحے بھر کو رکیں پھر اسے سوچ میں گم دیکھ کر ایک بار پھر تنبیہ کی۔

''مت سوچو اتنا کہ بہت دیر ہوجائے اور اب بس ایک آخری بات کہوں گی تم سے۔ یاد رکھنا ڈیئر...... جب جبیں جھک جائے تو زندگی سہل ہوجاتی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ بال اس کے کورٹ میں ڈال کر چلی گئیں اور وہ دکھتی ہوئی کنپٹیوں کو مسلتی سجدے میں گر کر اپنی عافیت کی دعا مانگنے لگی۔ اور دل سے مانگی دعا کب رائیگاں جاتی ہے اس نے بھی بڑے جذب سے اپنے رب کو پکارا تھا اور پھر اسے پتا بھی نہیں چلا کہ اس نے لمحوں میں صدیوں کا سفر طے کر ڈالا تھا۔ سب کچھ کہہ ڈالا اور نہ کوئی سوال نہ کوئی جواب۔ بس سکون ہی سکون اور قرار۔ اس نے رہنمائی مانگی اور رب نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔

''مجھ سے مانگو میں دوں گا کہ وہ کب وعدے سے پھرنے والا ہے۔''

❀......❀......❀......❀
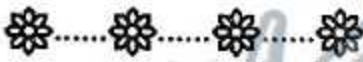
اس دن ماسی کے دیر سے آنے پر بھابی نے اس کی شکل دیکھتے ہی اسے لتاڑا۔

''کیوں صغراں کہاں رہ گئی تھیں۔ کتنا کام پڑا ہے اور دن چڑھ رہا ہے۔''

''ہائے بی بی۔ کیا بتاؤں اندھیر ہے اندھیر۔ قیامت کی نشانیاں ہیں ساری۔ جو منظر دیکھ کر آرہی ہوں کلیجہ پھٹے جارہا ہے۔ بس وہ پچھلی گلی میں اچانک فوتگی ہوگئی جو رش پڑا تو اچانک کام بڑھ گیا۔ ابھی بھی بڑی مشکل سے نکلی ہوں کہ شام تک چکر لگا کر کام نمٹادوں گی۔'' وہ گال پیٹ پیٹ کر بولے جارہی تھی تو فوتگی کا سن کر بھابی کے ساتھ انعمتا کا دل بھی برا ہونے لگا جو وہیں کچن میں کھڑی کباب تل رہی تھی۔

''صغراں ایک تو تمہاری بری عادت یہ ہے کہ آدھی بات کرکے چھوڑ دیتی ہو۔ اللہ خیر کرے کیا ہوا بتاؤ تو

سہی۔ ہم بھی پرسہ دینے چلے جائیں گے۔" بھابی نے ماسی کو ٹوکا۔

"ارے بی بی وہ جو پچھلی گلی میں سرخ اینٹوں والا مکان ہے نا......جس کا میاں باہر دبئی میں ہوتا ہے۔" ماسی نے تفصیل بتانا شروع کی۔

"ہاں ہاں وہ مسز آفاق ان کا بیٹا تو فروا کے اسکول میں پڑھتا ہے۔" بھابی نے چونکتے ہوئے کہا۔

"جی وہ ہی کل رات ڈاکہ پڑ گیا ان کے گھر۔ اب ڈاکو تو ساری معلومات کر کے آتے ہیں کہ گھر میں کوئی مرد تو ہے نہیں۔ بس وہ اور دو چھوٹے بچے بیٹا تو بارہ سال کا ہے کچھ سمجھدار۔ ڈاکوؤں کے چپ کرانے پر چپ ہو گیا۔ مگر وہ پانچ سالہ رمشا تو ناسمجھ بچی ہے۔ ڈر کر رونے لگی تو کم بختوں نے ایسا کس کر باندھا کہ سانس ہی رک گیا معصوم کا۔ بس رولا پڑا ہوا ہے پورے گھر میں۔" ماسی نے برتنوں پر صابن لگاتے ہوئے کہا تو بھابی بھی دل پکڑ کر رہ گئیں اور اسی اثناء میں انعمتا کو لگا جیسے اس کا دل بند ہو رہا ہے۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں بھابی کو پکارا۔

"بھا...... بھابی پانی پلیز...... میرا سانس رک رہا ہے۔"

"اوہ......تم بھی نا انعمتا سنتی نہیں ہو۔ ایسی حالت میں چولہے کے پاس کھڑا رہنے سے ایسے ہی دل گھبراتا ہے۔ تم آؤ کمرے میں آرام کرو۔ صغراں فریج سے جوس نکال کر گلاس میں ڈال کر کمرے میں لاؤ۔" بھابی نے اسے سہارا دیا اور کمرے کی طرف لے آئیں۔ اسے لٹا کر اے سی آن کیا اتنے میں صغراں جوس لے آئی۔ بھابی نے اسے جوس پلا کر لٹا دیا۔ "تم آرام کرو۔ میں ذرا اس سے کام کروالوں نہیں تو ڈنڈی مار جائے گی۔" بھابی کمرے سے چلی گئیں تو اس نے آنکھیں موند لیں۔ جوس نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو تو نارمل کر دیا تھا مگر اس کی سوچ کا نیا در کھل گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور چھت کو تکنے لگی۔ چند ثانیے یوں ہی بیتے کہ اچانک فروا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"پھوپو...... پھوپو اٹھیں دیکھیں کتنا زبردست موسم ہو رہا ہے۔" فروا نے یک دم کھڑکی کے پردے ہٹا دیے۔ آج بہت دنوں بعد حبس کا زور ٹوٹا تھا۔ انعمتا نے کھڑکی کے پٹ کھولے تو تازہ ہوا کے جھونکوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پھر اچانک تیز پھوار شروع ہو گئی۔ فروا تو خوشی سے جھوم اٹھی۔ ابر رحمت ٹوٹ کر برسنے کو تھا۔ آج پہلی بار انعمتا کو بارش بری نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ٹھنڈی ٹھنڈی بوندوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا اور پھر خود ہی اپنی حرکت پر ہنس دی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا جہاں سے اللہ کی رحمت برس رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جل تھل ہونے لگیں۔ چہرہ پھوار سے بھیگنے لگا تو فروا نے بدلی ہوئی انعمتا کو غور سے دیکھا پھر جوش بھری آواز میں بولی۔

"چلیں نا پھوپو چھت پر چلتے ہیں۔ مزہ آئے گا۔" انعمتا نے مسکرا کر اس کے گلابی نرم رخسار چھوئے۔

"ہاں تم چلو میں ایک ضروری کام کر کے پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" فروا کمرے سے باہر گئی تو اس نے موبائل میں ٹیکسٹ ٹائپ کر کے حسام کو سینڈ کیا اور خود چھت کی طرف چلی گئی کیونکہ وہ اس بارش کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ حسام اس میسج کو پڑھ کر ضرور مسکرائے گا کیونکہ سچی محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ جذبے صادق ہوں تو کبھی بے مول نہیں رہتے۔

"اتنے اچھے موسم میں
روٹھنا نہیں اچھا
ہار جیت کی باتیں کل پر اٹھا رکھیں
آؤ آج
دوستی کر لیں۔"

قسط نمبر 10

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

حیا آفندی اپنی عزت نفس مجروح کیے جانے پر فراز شاہ کو اپنا استعفیٰ دے دیتی ہے اور آئندہ کے لیے معذرت کر لیتی ہے۔ فراز شاہ سونیا کی اس حرکت پر بے حد شرمندگی محسوس کرتا ہے، سمیر شاہ کے لیے بھی یہ اطلاع نہایت افسوس ناک ہوتی ہے۔ سونیا فراز سے معذرت کرتی ہے لیکن فراز اسے اس معاملے میں بالکل غلط قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف ساحرہ اور سونیا کی ماں ان دونوں کے رشتے کے حوالے سے بات چیت کرتے ہیں فراز شاہ کئی مرتبہ سونیا کو اصل حقیقت بتانا چاہتا ہے کہ وہ اس میں انٹرسٹڈ نہیں لیکن ہر مرتبہ کوئی رکاوٹ حائل ہوجاتی ہے اور سونیا دوستی کے ان جذبات کو محبت سے استوار کرتی ہے جبکہ اس کے یہ جذبات یک طرفہ ہوتے ہیں۔ سر شرجیل زرتاشہ کو اپنی غیر مہذب حرکتوں سے زچ کیے رکھتے ہیں اور اپنا نمبر بلیک لسٹ کیے جانے پر وہ اس سے خائف نظر آتے ہیں دوسری طرف زرتاشہ کو ان کے رویے سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ اسے فیل ہی نہ کر دیں۔ لالہ رخ کے والد کی طبیعت ہر گزرتے دن کے ساتھ بگڑتی جاتی ہے ایسے میں فراز شاہ زرمینہ سے لالہ رخ کا نمبر لے کر اس کے والد کی تمام رپورٹس حاصل کرنے میں کامیاب رہتا ہے اور شہر کے مشہور ڈاکٹر سے ان کی رائے طلب کرتا ہے لیکن ڈاکٹر زرپورٹ دیکھ کر کچھ پُرامید نظر نہیں آتے اور یہی بات لالہ رخ جان کر متوحش ہوجاتی ہے۔ والد کی طبیعت کی خرابی کا وہ زرتاشہ کو نہیں بتاتی تاکہ وہ اطمینان سے اپنے پیپر زدے سکے لیکن لالہ رخ زرمینہ سے بات کر کے والد کی بگڑتی طبیعت کے بارے میں بتاتی ہے اور اپنی بہن کو ان باتوں سے بے خبر رکھنے کی تاکید کرتی ہے لیکن زرتاشہ اپنی دوست کی مشکوک حرکتوں پر چونک جاتی ہے۔ ماریہ اپنی ذات میں مقید ہو کر تنہائی کا شکار ہوجاتی ہے جیسکا اور جیکولین اپنے طور اس کے رویے کی وجہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ کسی کو بھی اپنے دکھ درد میں شامل نہیں کرتی جیسکا کو لگتا ہے کہ شاید وہ ولیم سے منگنی کرنا نہیں چاہتی لیکن وہ ولیم سے منگنی کی رضامندی دے دیتی ہے اور خود شکستہ رہ جاتی ہے ولیم اس تعلق پر بے حد خوش ہوتا ہے لیکن ماریہ کا رویہ انتہا کی سرد مہری لیے ہوتا ہے ایسے میں ابرام اپنی بہن کی پریشانی اور اس کا ساتھ نہ دینے پر دہری اذیت کا شکار ہوجاتا ہے۔ باسل حیات نیلم فرمان کے دام محبت سے بچ نکلتا ہے اور یہ شکست نیلم فرمان کو اذیت کا شکار کر دیتی ہے جب ہی وہ ایک نئے روپ اور نئے ارادوں کے ساتھ اسے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

زرمینہ کو اس پل زرتاشہ کی کھوجتی کاٹ دار نگاہیں اپنے آر پار محسوس ہو رہی تھیں جس میں بے اعتباری شکوک وشبہات و بدگمانی کے رنگ بے حد واضح تھے۔ زرمینہ بے حد مشکل میں گرفتار تھی اس کا سیل فون اب خاموش ہوچکا تھا جب کہ زرتاشہ بھی بولتی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"یا اللہ اب میں کیا کروں تاشو کو یقیناً مجھ پر شک کیا بلکہ یقین ہوگیا ہے کہ میں اس سے کچھ چھپا رہی ہوں اُف اب

کیا کروں؟" وہ بے حد پریشانی کے عالم میں دل ہی دل میں خود سے بولی۔

"اب تم کیا مجھے گھورنے لگی ہو ارے بابا جاؤ نا بریانی لے کر آؤ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔" زرمینہ اپنے لہجے کو حتی المقدور بے پروا و بے نیاز بناتے ہوئے بولی تو زرتاشہ کو اس پر بے تحاشہ طیش آ گیا وہ اپنا بایاں ہاتھ اپنی کمر پر جماتے ہوئے بے حد ترشی سے بولی۔

"زری...... تم مجھ سے کیا چھپا رہی ہو؟"

"میں...... میں کیا چھپا رہی ہوں تم سے۔" زرمینہ زرتاشہ کی بات پر حیران ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے الٹا اس سے سوال کرنے لگی۔

"زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے زری، تم جانتی ہو اچھی طرح کہ میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں۔" اس لمحے زرتاشہ کے لہجے میں بے زاری ہی بے زاری تھی۔ زرمینہ یک دم مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے گویا ہوئی۔

"اس وقت تو تم بالکل شکی اور وہمی بیوی کی طرح بی ہیو کر رہی ہو، کم آن تاشو...... اچھا تم یہاں رکو میں بریانی لے کر آتی ہوں۔" زرمینہ اپنی جگہ سے آگے بڑھتے ہوئے جونہی زرتاشہ کے پہلو سے نکلی زرتاشہ کی زبان سے ادا ہونے والے لفظوں نے گویا اس کے جسم میں گردش کرتے خون کی رفتار کو یک لخت کئی گنا تیز کر دیا۔ دل کی دھڑکنیں بھی آن واحد میں منتشر سی ہو گئیں اس نے بے حد چونک کر زرتاشہ کو دیکھا جو پُرسکون انداز میں اپنے دونوں بازوؤں کو فولڈ کیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا...... کیا کہا تم نے؟" زرمینہ اس بار کافی اٹک کر بولی۔

"میں نے کہا تم مجھے اپنا سیل فون دو۔" زرتاشہ نے بڑے اطمینان بھرے لہجے میں اپنی سابقہ بات دہرائی تو زرمینہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر ایک بار پھر خود کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے براماں کر بولی۔

"تاشو کیا ہو گیا ہے تمہیں یار تم مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں کر رہی، بھلا میں تم سے کیا چھپاؤں گی اور کیوں چھپاؤں گی، کیا یہ ہے ہماری دوستی کہ تم مجھ پر اتنا سا بھی اعتبار نہیں کرتیں۔" مگر زرتاشہ پر اس کے جملوں کا اثر نہیں ہوا اس نے زرمینہ کی جانب بڑھ کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"پلیز اپنا سیل فون......" زرمینہ نے اس وقت خود کو بے بس محسوس کر کے بے حد خاموشی سے زرتاشہ کی گلابی ہتھیلی کو دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر ہار ماننے والے انداز میں اپنا سیل فون اس کی ہتھیلی کی جانب بڑھایا۔

❀......❀......❀

کامیش شاہ کی ٹریننگ بخیر و عافیت مکمل ہو چکی تھی وہ واپس آ گیا تھا۔ سمیر شاہ، ساحرہ اور فراز کامیش کی اس کامیابی پر بہت خوش تھے۔ سمیر شاہ کو آج اپنے بیٹے پر بہت فخر محسوس ہو رہا تھا وہ بے حد مسرور اور سرشار تھے۔ فراز کی طرح کامیش بھی ان کا بہت ہونہار اور لائق بیٹا ثابت ہوا تھا۔ ڈنر ٹیبل پر سمیر شاہ اپنی زندگی بھر کی کمائی اپنے دونوں بیٹوں پر گاہے بگاہے بے حد پُرشفیق نگاہ ڈال رہے تھے۔

"کامیش مائی سن...... آج تمہاری مما نے خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے یہ چکن جلفریزی پکایا ہے۔" ساحرہ بے حد چہک کر کامیش کو مخاطب کر کے گویا ہوئی تھی کامیش نے مسکرا کر اپنی ماں کو دیکھ کر پیار سے کہا۔

"وائے ناٹ مما، میں ضرور ٹرائی کروں گا۔" کھانا بے حد خوش گوار ماحول میں کھایا جا رہا تھا وہ سب بڑے مگن ہو کر ادھر اُدھر کی خوش گپیوں میں مصروف تھے جب ہی اچانک ساحرہ نے جو پژمردہ سنایا اسے سن کر سمیر شاہ اور فراز شاہ بے ساختہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''سمیر..... تم دیکھنا میری بھتیجی سونیا میری پرفیکٹ بہو ثابت ہوگی۔'' ساحرہ کا ڈنر مکمل ہو چکا تھا لہٰذا وہ پورے انہماک سے ان تینوں پر نگاہ ڈال کر اپنی بات پوری کر رہی تھی جب کہ سمیر اور فراز دونوں یک دم بے حد خاموش ہو گئے تھے البتہ کامیش اپنی پلیٹ پر بے نیازی سے جھکا ہوا تھا۔

''اور دیکھو سمیر...... مجھے اس بات کا آج سے پہلے دھیان ہی نہیں گیا۔'' ساحرہ سمیر کو دیکھتے ہوئے بولی تو سمیر شاہ جیسے حال کی دنیا میں لوٹے۔

''ہوں.....'' وہ محض ہنکارا بھر کر رہ گئے جب ہی فراز شاہ نے بھی خود کو سنبھالا تھا اور حد درجے بے پروا سرسری سا انداز اپناتے ہوئے گویا ہوا۔

''اوہ کم آن مما...... ابھی آپ پلیز ہماری شادی وادی کا بالکل مت سوچیے گا ابھی تو ہم بچے ہیں تھوڑا بڑے تو ہو جائیں پھر دیکھ لیں گے۔'' آخر میں اس کا لہجہ شوخی و شرارت لیے ہوئے تھا۔ ساحرہ قہقہہ لگا کر زور سے ہنس دی۔

''ارے بابا میں یہ تھوڑی کہہ رہی ہوں کہ کل ہی قاضی صاحب کو بلا کر تم دونوں بھائیوں کا نکاح پڑھوا دوں گی۔'' فراز اندر ہی اندر بے حد متفکر و متوحش سا ہو گیا تھا مگر چہرے پر بے نیازی و بے پروائی کے رنگوں کو سجائے ساحرہ کے مقابل بیٹھا تھا اس نے امداد طلب نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھا تو سمیر شاہ ہلکے سے گلا کھنکھارتے ہوئے سہولت سے گویا ہوئے۔

''سونیا واقعی بہت اچھی بچی ہے اس میں تو کوئی شک نہیں ہے مگر کامیش اور فراز ان دونوں نے تو ابھی ابھی اپنی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھا ہے ذرا ان کے قدم جمنے دو پھر ان کی شادیوں کا بھی سوچ لیں گے۔''

''فی الحال تو آپ اپنے اس پروگرام کو ڈیلے کر دیجیے۔'' اس تمام وقت میں کامیش شاہ نے پہلی بار اپنی رائے کا اظہار کیا' ساحرہ نے باری باری اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھا پھر بے پروا انداز میں کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''اوکے گائز' جیسا تم لوگوں کو ٹھیک لگے لیکن سونیا کا میری بہو بننا کنفرم ہے میں نے سیارا سے بھی یہ کہہ دیا ہے۔'' ساحرہ کا اتنا بڑا فیصلہ بالا ہی بالا طے کرنے پر سمیر کے اندر ناگواری و طیش کی ایک تیز لہر ابھری تھی وہ ماں جس نے کبھی بھی اپنے بچوں کی پرورش میں دلچسپی نہیں لی تھی انہیں کبھی اپنا وقت نہیں دیا تھا کبھی اپنی ذات سے ان کے لیے راحت و آرام کا باعث نہیں بنی تھی یہاں تک کہ انہیں دنیا میں لانے کے بھی حق میں نہیں تھی آج کتنے استحقاق اور زعم سے وہ اپنے بیٹوں کے مستقبل کا فیصلہ ان کے سروں پر تھوپ رہی تھی مگر سمیر شاہ نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مصالحت کا رویہ اپنایا تھا ورنہ تو اس پل ان کا دل چاہا کہ ساحرہ کو خوب کھری کھری سنا کر انہیں حقیقت کا آئینہ دکھا دیں کامیش کے سیل فون پر کال آنے پر وہ ایکسکیوز کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ جب کہ ساحرہ نے بھی اپنے بیڈروم کی راہ لی تھی۔ ڈائننگ ہال میں اس وقت سمیر اور فراز ہی بیٹھے رہ گئے تھے دونوں اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں غلطاں تھے۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد سمیر شاہ نے ہنکارا بھرا تو فراز شاہ بھی اپنے دھیان سے چونک کر باپ کو دیکھنے لگا جو اس پل کافی ڈسٹرب سے نظر آئے۔ فراز شاہ یک دم ان کے لیے متفکر ہو گیا وہ اپنے باپ سے بے حد محبت کرتا تھا۔

''اٹس اوکے ڈیڈ' آپ پلیز پریشان مت ہوں مما ہمارے اوپر اپنی مرضی نہیں چلا سکتیں۔'' سمیر شاہ نے بغور فراز کو دیکھا پھر دھیمے انداز میں مسکرا کر گویا ہوئے۔

''میں ساحرہ کے متعلق نہیں سوچ رہا بیٹا بلکہ یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارا سونیا کو انکار کرنے پر وہ کیا ری ایکٹ کرے گی۔'' جواباً فراز شاہ بھی بے اختیار مسکرایا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔

''سونیا ایک ہفتے کے لیے اپنے خالہ زاد کی شادی میں لاہور گئی ہوئی ہے وہ جیسے ہی آئے گی میں اس سے بات کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے فراز' دیکھو پھر آگے کیا ہوتا ہے۔'' سمیر شاہ سنجیدگی سے گویا ہوئے تو فراز نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

❁.........❁.........❁
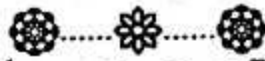
''او عقل کی اندھی' میں تنگ آ گیا ہوں تجھے سمجھا سمجھا کر ارے اگر اتنا سر میں پتھر کے ساتھ بھی پھوڑتا نا جتنا تیرے ساتھ مغز ماری کی ہے تو یقیناً اس پتھر میں سے پانی نکلنے لگتا مگر تجھے کچھ سمجھانا' مانو اونٹ کو رکشے میں سوار کرنے کے برابر ہے۔'' مومن جان انتہائی کلستے ہوئے اپنا دایاں پاؤں زور سے زمین پر پٹختے ہوئے بولا تو اماں نے اسے کافی خائف نظروں سے دیکھا مومن جان مہرو کا ہاتھ گلاب بخش کے بیٹے کے ہاتھ میں دینے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا مگر اماں کسی طور راضی نہیں ہو رہی تھیں۔ انہیں گلاب بخش اور اس کا نشئی بیٹا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ صد شکر تھا کہ اس وقت مہرو گھر پر نہیں تھی وگرنہ یہ صورت حال اسے خاصی متوحش کر دیتی مومن جان اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے اس بار قدرے نرمی سے بولا۔

''دیکھو مہرو کی ماں' میں کوئی مہرو کا دشمن تھوڑی ہوں جیسے تُو اس کی ماں ہے ویسے ہی میں اس کا باپ ہوں بھلا میں اس کا برا کیوں سوچوں گا۔ گلاب بخش کا بیٹا واقعی صحت یاب ہو گیا ہے شہر کے مہنگے ہسپتال میں اس کا علاج ہوا ہے اب وہ بالکل بھلا چنگا ہو گیا ہے۔ ارے یقین مان ہماری بیٹی گلاب بخش کے گھر جا کر عیش کرے گی عیش' سچ۔'' جب ڈانٹ ڈپٹ اور غصے سے بات بنتی دکھائی نہیں دی تو مومن جان نے پیار و نرمی سے چمکارنے والی پالیسی کو اپنایا۔ اماں نے اسے بہت عجیب نظروں سے دیکھا وہ اپنے شوہر کی رگ رگ سے واقف تھیں' اپنا کام نکلوانے اور اپنی بات منوانے کے لیے وہ ہر رخ اپنا سکتا تھا مگر اس بار اماں کو سمجھداری اور عقل مندی سے کام لینا تھا کیوں کہ اس دفعہ مہرو کے مستقبل اس کی زندگی کا سوال تھا سو وہ اپنے شوہر کے غصے اور سختی سے سہم کر اس کی بات نہیں مان سکتی تھیں۔

''ارے جھلی تُو اس بات کا یقین کیوں نہیں کر لیتی کہ گلاب بخش کا بیٹا اب بالکل بھلا چنگا ہو گیا ہے۔ اسے رشتوں کی کوئی کمی نہیں' ایک چھوڑ ہزاروں لڑکیاں مل سکتی ہیں اسے۔'' مومن جان مبالغہ آرائی کی حد کراس کرتے ہوئے بولا تو اماں نے اسے بے حد طنزیہ نگاہوں سے دیکھا البتہ لہجہ بالکل نارمل رکھا۔

''تو مہرو کے ہی پیچھے کیوں پڑ گیا ہے گلاب بخش ان ہزاروں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو بہو کیوں نہیں بنا لیتا۔'' اماں کی بات پر مومن جان اندر سے بری طرح جھلسا تھا مگر اس نے خود پر قابو رکھا اور بڑی مشکلوں سے اپنی آواز میں نرمی لاتے ہوئے گویا ہوا۔

''ہاں...... ہاں اس کے بیٹے کو لڑکیوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے وہ تو بس میری دوستی یاری کا خیال کر رہا ہے میرا بوجھ بانٹنا چاہتا ہے آخر کو میرا سچا دوست جو ہے۔''

''اونہہ تم نے بھلا کب مہرو کو اپنی ذمہ داری سمجھا ہے۔'' اماں ابا کی بات پر دل ہی دل میں استہزائیہ انداز میں بولیں پھر سر جھٹک کر اپنے مجازی خدا کو دیکھتے ہوئے مصلحتاً گویا ہوئیں۔

''میں سوچ کر بتاؤں گی۔'' مومن جان یہ سن کر بے حد خوش ہو گیا کم از کم مہرو کی ماں سوچنے پر تو آمادہ ہوئی تھی اس نے اطمینان آمیز ایک گہری سانس کھینچی پھر بڑے سہولت سے بولا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں میں تجھے سوچنے سے منع تھوڑی کر رہا ہوں' بس یہ بات دھیان میں ضرور رکھنا کہ میں مہرو کا بھلا ہی چاہتا ہوں۔'' مومن جان کی بات پر اماں محض خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔
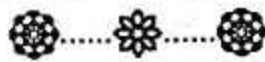
لالہ رخ اور امی ابا کو ہسپتال سے گھر لے آئی تھیں' ان کی طبیعت قدرے بہتر تھی مگر اطمینان بخش ہرگز نہیں تھی۔ وہ دونوں ان کی طبیعت کے حوالے سے بے حد متفکر اور پریشان تھیں اس وقت ابا دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند سو رہے تھے جب کہ ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کریں لالہ رخ' فراز شاہ کے جواب کی منتظر تھی جس نے کچھ وقت اس سے مانگا تھا ابا کی تمام کیس ہسٹری اس نے فراز کو ای میل کر دی تھیں جس پر فراز نے اس سے کہا تھا کہ وہ ڈاکٹرز سے ڈسکس کر کے اسے جلد کراچی آنے کی بابت بتائے گا جبکہ امی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں بھلا کس طرح سے ابا کو کراچی لے کر جائیں گی۔

''یا اللہ ہمیں کوئی راستہ سجھا ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم کیا کریں۔ اے میرے پالنے والے میرے رب...... ہماری مدد کر مصیبت کی اس گھڑی میں صرف تُو ہی ہمارا کارساز ہے۔ ہمارا رکھوالا ہے' ہماری رہنمائی فرما آمین۔'' امی بے اختیار ہاتھ پھیلا کر آسمان کی جانب چہرہ کر کے دعائیہ انداز میں فریاد کرنے لگیں جب کہ لالہ رخ کی خوب صورت آنکھوں میں بے ساختہ ڈھیروں آنسو امڈ آئے اس نے بھی بے حد خاموش نگاہوں سے آسمان کی جانب دیکھا اور چپکے چپکے اپنے اللہ سے وہ بھی دل ہی دل میں فریاد کرنے لگی ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر مہر وادھ کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔ دونوں کو آہستگی سے سلام کر کے وہ لالہ رخ کے پاس ہی بیٹھ گئی اس وقت امی اور لالہ رخ کے چہروں پر چھائی بے حد سنجیدگی اور اضمحلال کے رنگوں کو دیکھ کر وہ قصداً خاموش سی بیٹھی رہی' صحن میں اس سمے تین نفوس تھے مگر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہاں کوئی بھی موجود نہیں' بے حد خاموشی اور سکوت چہار سو پھیلا ہوا تھا تینوں اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں گم تھے جب ہی کچھ دیر بعد امی نے بے حد وحشت محسوس کر کے اپنی آواز سے خاموشی کے پردے کو چاک کیا۔

''یہ تم دونوں سہیلیاں آج اتنی چپ چپ کیوں ہو بھئی؟'' ان کی آواز پر دونوں چونکی' لالہ رخ نے اپنی ماں کے چہرے پر چھائی وحشت و خوف کی پرچھائیوں کو ناچتے دیکھا تو تیزی سے خود کو کمپوز کیا اور پھر بڑے ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا کر بولی۔

''امی آج تو واقعی بہت بڑی انہونی ہوگئی مطلب کہ آج مہرینہ مومن صاحبہ اتنی دیر سے خاموش بیٹھی ہیں واہ بھئی واہ یہ تو کمال ہوگیا۔''

''اونہہ...... لالہ کچھ تو خدا کا خوف کرو میں بھلا کہاں اتنا بولتی ہوں۔'' مہرو اپنے مخصوص انداز میں بولی تو لالہ رخ بے اختیار ہنسی تھی جس پر مہرو نے اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کمر پر لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ رکھ کر استفسار کیا۔

''اس ہنسی کا کیا مطلب؟'' امی نے دونوں کو مخصوص انداز میں نوک جھونک کرتے دیکھا تو مسکرا کر ایک گہری سانس کھینچی۔

''مطلب یہ کہ محترمہ کہ آپ کی زبان کے آگے کوئی اسپیڈ بریکر یا پھر فل اسٹاپ آنے کی جسارت نہیں کرسکتا تیز گام سے کہیں زیادہ رفتار سے تمہاری زبان چلتی ہے۔'' لالہ اس کے رعب میں آئے بغیر اسے تپاتے ہوئے بولی تو حیرت و استعجاب کے مارے اس کی بڑی بڑی آنکھیں پوری طرح سے کھل گئیں۔

''لالہ...... کچھ تو خوفِ خدا کرو' مجھ جیسی کم گو لڑکی پر اتنا بڑا الزام لگاتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم و حیا نہیں آئی۔''

''ہوں تھوڑی سی آئی تھی مگر پھر تمہیں بیٹھا دیکھ کر چلی گئی۔'' لالہ رخ بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولی تو امی مطمئن سی ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''میں ذرا چائے لے آؤں۔'' وہ لالہ رخ کو اداس اور خاموش دیکھ کر بے حد مضمحل تھیں لالہ رخ بہت مضبوط اعصاب

کی مالک اور باہمت لڑکی تھی ان کی اس بیٹی نے کم عمری میں ہی ان کے ساتھ زندگی کے نشیب و فراز دیکھے تھے اور بڑی ہمت وحوصلے سے ان کا سامنا کیا تھا مساعد حالات اور کٹھن وقت میں بھی لالہ رخ نے بڑی مضبوطی سے خود کو سنبھالے رکھا تھا مگر اس بار وہ دیکھ رہی تھیں کہ لالہ رخ چپکے چپکے بکھر رہی اور اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی اور اپنی اس جان سے عزیز بیٹی کو وہ یوں ٹوٹتا بکھرتا ہرگز نہیں دیکھ سکتی تھیں انہیں یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ باپ کی بیماری نے اس پر بے حد گہرے اثرات مرتب کیے ہیں ان کی تیزی سے گرتی صحت کو لے کر وہ بے حد متوحش اور پریشان ہے مگر ان کے سامنے وہ اپنی پریشانی کو ظاہر نہیں کر رہی ہے تاکہ وہ ہراساں نہ ہو جائیں مہرو کے ساتھ نارمل انداز میں بات کرتے دیکھا تو اطمینان کی ایک گہری لہر ان کے رگ وپے میں سماتی چلی گئی تھی۔

''لالہ اب آگے کیا کرو گی، تم ابا کو کراچی کب اور کیسے لے کر جاؤ گی۔'' امی کے وہاں سے چلے جانے کے بعد مہرو فوراً اپنے اصل موضوع پر آئی، وہ ان کے سامنے یہ بات کہنے سے گریزاں تھی سو امی کے اٹھتے ہی اس نے بڑی بے چینی سے استفسار کیا۔ لالہ رخ نے ایک نگاہ مہرو کو دیکھا پھر بے حد سنجیدگی سے بولی۔

''مہرو میں فراز صاحب کی کال کا انتظار کر رہی ہوں بس جیسے ہی ان کا فون آتا ہے میں فوراً تیاری پکڑوں گی۔''

''مگر لالہ......''

''اگر مگر کچھ نہیں مہرو، میں کچھ بھی نہیں جانتی، نہ جاننا چاہتی ہوں بس مجھے ہر حالت میں اپنے ابا کی زندگی مقصود ہے۔'' لالہ رخ مہرو کی بات کو درمیان میں ہی قطع کر کے انتہائی قطعیت بھرے انداز میں اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی تو مہرو بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

رات کا مہیب اندھیرا چہار سو آسمان پر چھایا ہوا تھا چاند کی آخری تاریخوں کا چاند اس پل بے حد اداس اور خاموش تھا جب کہ آسمان پر بکھرے ستارے بھی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے دکھائی دیئے زرینہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی باہر کی جانب نگاہیں دوڑائیں پھر بے اختیار نظروں کا زاویہ تبدیل کر کے اپنے بیڈ سے کچھ دور زرتاشہ کے بیڈ کو دیکھا جہاں وہ بڑی بے فکری سے گہری نیند سو رہی تھی۔

''یا اللہ اب میں کیا کروں تاشو کو بتاؤں یا نہ بتاؤں پیپر بھی تو کینسل ہو گیا نجانے نئی ڈیٹ کا اعلان کب ہو۔'' زرینہ بے حد کنفیوژ ہو کر خود سے بولی پھر بے ساختہ اسے آج دوپہر کا منظر پوری جزئیات سمیت یاد آ گیا جب زرتاشہ بے حد بگڑے تیوروں سمیت اس سے اس کا سیل فون مانگ رہی تھی۔ زرینہ اسے اپنا فون دینے ہی والی تھی کہ اچانک کچھ لڑکوں کی بے حد خوف ناک سی آوازیں ابھری تھیں۔

''بھاگو بھاگو...... جلدی سے یہاں سے نکلو وہ سب لڑکے یہیں آ رہے ہیں۔'' زرینہ اور زرتاشہ اس قدر بے ہنگم آوازوں اور منتشر ہوتے مجمع کو دیکھ کر بے حد ہراساں ہو گئیں تھیں۔

''یہ...... یہ سب کیا ہو رہا ہے زری؟'' زرتاشہ نے لڑکے لڑکیوں کو بدحواس ہو کر بھاگتے ہوئے دیکھا تو بے تحاشا گھبرا کر بولی۔ پریشان تو زرینہ بھی ہو گئی تھی ابھی وہ دونوں صورت حال سمجھنے کی کوشش کر ہی رہی تھیں کہ یک دم فضاء میں فائرنگ کی آواز سن کر وہ بری طرح ڈر گئیں۔

''تاشو جلدی چلو یہاں سے......'' زرینہ زرتاشہ کی کلائی پکڑ کر تقریباً اسے کھینچتے ہوئے بولی جو خوف کے مارے اپنی جگہ منجمد ہو گئی تھی پھر وہ دونوں وہاں سے بھاگیں اور جب اپنے ڈیپارٹمنٹ میں پہنچیں تو وہاں سے معلوم ہوا کہ دو گروپوں میں تصادم ہو گیا ہے دونوں نے بے اختیار شکر کیا کہ وہ وہاں سے صحیح سلامت نکل آئی تھیں بعد میں پتا چلا کہ کل

اور پرسوں کے پرچے ملتوی ہوگئے ہیں یونیورسٹی تین دن کے لیے بند کردی گئی تھی یہ خبر سن کر زرینہ ازحد پریشان ہوگئی تھی وہ تو سوچ رہی تھی کہ زرتاشہ آخری پرچہ دیتے ہی مری کے لیے نکل جائے گی اور اپنے ابا سے مل لے گی مگر یہاں تو کہانی ہی دوسری ہوگئی تھی زرتاشہ بھی بہت افسوس کررہی تھی۔

''ہائے اللہ زری...... میں کتنا ایکسائیٹڈ ہورہی تھی کہ پرچہ دیتے ہی مری کے لیے نکل جاؤں گی۔'' زرینہ محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے یک دم موبائل فون کے وائبریٹ ہونے پر زرینہ حال کی دنیا میں لوٹی تھی اس وقت اس کے موبائل پر فراز شاہ کی کال آرہی تھی۔ زرینہ نے دزدیدہ نگاہوں سے زرتاشہ کی جانب دیکھا وہ ہنوز گہری نیند میں تھی پھر اس نے بہت سہولت سے موبائل فون اپنی مٹھی میں دبایا اور بڑے محتاط انداز میں بستر سے اٹھی اور بے حد خاموشی سے دبے قدموں باہر آ گئی۔

❁......❁......❁

مری میں آج بہت دنوں بعد چمکیلی سفید دھوپ نکلی تھی مطلع بالکل صاف تھا لالہ رخ اب بھی یہی بات سوچ رہی تھی جو تقریباً سارے دن کے ہر لمحہ ہر ساعت میں سوچتی رہتی تھی کہ ابا کو کیسے کراچی لے کر جائے اور ان کا بہترین سے ہسپتال میں بہت قابل اور ماہر ڈاکٹر سے ان کا علاج کروائے سوچتے سوچتے اس کا ذہن جب زرتاشہ کی جانب ہوا تو بے اختیار بے چین و مضطرب سی ہو کر وہ اپنے بستر سے ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی پھر انتہائی پریشان ہو کر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے اپنی پیشانی کو مسلا آج اس نے کئی دفعہ زرینہ کو فون کیا تھا مگر اس سے بات نہیں ہوسکی تھی ایسا پہلے بھی ہوا تھا مگر بعد میں زرینہ نے کال بیک کرلیا تھا مگر آج ایسا کچھ نہیں ہوا تھا جب کہ زرتاشہ سے بھی وہ بات نہیں کرسکی تھی اچانک ہی ڈھیروں اضطراب و بے قراری کے بادل اس کے وجود پر چھاتے چلے گئے۔

''یا اللہ...... تُو خیر کرنا۔'' بے ساختہ لالہ رخ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر وہ جونہی اپنے سیل فون کے پاس آئی تو اسی دم وہ زور و شور سے بج اٹھا لالہ رخ نے بڑی بے تابی سے اسے اٹھایا تو موبائل اسکرین پر زرینہ کا جگمگاتا نام دیکھ کر اس کے

اندر تیزی سے اطمینان پھیلتا چلا گیا اس نے فوراً سے بیشتر یس کا بٹن آن کیا اور سرعت سے کہا۔
"زرینہ تم نے مجھے آج کال کیوں نہیں کی اور تم نے میرا فون بھی نہیں اٹینڈ کیا سب ٹھیک تو ہے نا۔" زرینہ نے بڑی بے صبری سے لالہ رخ کی بات کو سنا جیسے ہی وہ خاموش ہوئی زرینہ جلدی سے گویا ہوئی۔
"لالہ آپی ایک بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔" لالہ کا دل یک دم دھک سے رہ گیا۔
"کیوں......کیا ہو گیا زری‘ سب خیریت تو ہے نا زرتاشہ تو ٹھیک ہے؟"
"آپی زرتاشہ بالکل ٹھیک ہے دراصل اسے مجھ پر شک ہو گیا ہے کہ میں اس سے چھپ چھپ کر کسی سے بات کررہی ہوں۔" پھر اس نے تمام کتھا اسے سناڈالی جسے سن کر لالہ رخ حقیقی معنوں میں پریشان ہوگئی۔
"یہ تو بہت برا ہوا زری اب تم لوگوں کا کب پرچہ ہوگا' میں تو سمجھ رہی تھی کہ تاشو پرسوں ٹرین میں سوار ہو جائے گی۔"
"ہاں آپی واقعی بہت برا ہوا ابھی تو کچھ نہیں معلوم کہ ہمارا پیپر کب ہوگا ویسے انتظامیہ نے قانون کی مدد لے کر حالات پر قابو پالیا ہے مگر جامعہ تین دن کے لیے بند کردی گئی ہے۔" زرینہ مایوس کن لہجے میں بولی تو لالہ رخ اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔
"یا اللہ اب میں کیا کروں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں ایک طرف ابا کی طبیعت خراب سے خراب تر ہورہی ہے اور دوسری جانب تاشو کے امتحان ختم ہی نہیں ہو پارہے۔" لالہ رخ بڑبڑاتے ہوئے انداز میں بولی تو زرینہ اس کی پوزیشن کو سمجھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوئی۔
"آپی آپ اتنا پریشان تو نہ ہوں نا ابھی میری فراز بھائی سے بھی بات ہوئی ہے‘ ویسے میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے۔"
"کیا......؟" اس وقت لالہ رخ کے لہجے میں بے تابی ہی بے تابی تھی‘ وہ بے حد عجلت میں گویا ہوئی۔
"آپی میں یہ سوچ رہی تھی کہ طے شدہ پروگرام کے تحت زرتاشہ مری چلی جائے اور رہا لاسٹ پیپر کا سوال تو وہ اسے ڈراپ کردے اور پھر اگلے سال وہ یہ پیپر دے دے۔"
"مگر زری وہ اپنا پیپر ڈراپ کر کے کیوں یہاں آئے گی اور اگر فرض کرو کہ ہم نے اسے ابا کی بیماری کی بابت بتایا تو تم نہیں جانتی زری‘ وہ بے حد متوحش ہو جائے گی اور پھر اکیلی آئے گی کیسے؟ پہلے تو وہ امی سے بے حد ضد کر کے عتیق کے ہمراہ آنے کے لیے یوں بھی کمربستہ ہوگئی تھی کہ اسے ابا کی بابت معلوم نہیں تھا کہ اب اگر اسے پتا چلا تو وہ یقیناً اپنے اوسان خطا کر بیٹھے گی اور میرے خیال میں عتیق کا بھی پیپر ملتوی ہو گیا ہوگا اس نے بھی پروگرام کینسل کردیا ہوگا تو بھلا وہ اکیلی یہاں کیسے آئے گی اور میں اس پوزیشن میں ہرگز نہیں ہوں کہ ابا اور امی کو چھوڑ کر میں اسے لینے آسکوں۔" لالہ رخ کی بات سن کر زرینہ کے سامنے بھی ڈھیر سارے سوالیہ نشان آ کر اس کا منہ چڑانے لگے۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپی‘ واقعی یہ باتیں تو میں نے سوچی ہی نہیں تھیں۔" وہ مایوسی سے بولی معاً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس نے تیزی سے استفہامیہ انداز میں کہا۔
"آپی آپ کی فراز بھائی سے بات ہوئی تھی؟"
"ہاں انہوں نے مجھے ایک دو دن انتظار کرنے کا کہا ہے دیکھو کب وہ مجھے کراچی آنے کا کہتے ہیں۔" لالہ رخ ایک گہری سانس کھینچ کر بولی۔ لالہ رخ کی بات سن کر زرینہ چند ثانیے خاموش رہی پھر اچانک اس کے ذہن میں اسپارک ہوا اور وہ مارے جوش کے اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔
"لالہ آپی میرے دماغ میں ایک زبردست آئیڈیا آیا ہے وہ یہ کہ میں فراز بھائی سے کہتی ہوں کہ وہ تاشو کو مری لے جائیں‘ یہ کیسا رہے گا؟"

''تم بھی حد کرتی ہو زری، وہ بھلا اتنے بڑے بزنس مین جیسا کہ تم نے بتایا ہے وہ کیوں اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے تاشو کو یہاں چھوڑنے آئیں گے اور تم تو مجھے یہ بتا رہی تھیں کہ تاشو فراز صاحب سے کبھی ریزرو ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ کسی ایرے غیرے کے ساتھ یوں سفر ہرگز نہیں کرے گی، عتیق کی بات تو اور ہے وہ بچپن سے ہمارے ساتھ کا ہے بالکل ہمارے بھائیوں جیسا ہے۔'' لالہ رخ نے زرمینہ کی یہ تجویز بھی مسترد کردی۔

''تو آپی بس پھر اس کا واحد حل یہ ہے۔'' زرمینہ فیصلہ کن انداز میں حتمی لہجے میں بولی۔ ''میں بھی تاشو کے ساتھ مری آرہی ہوں۔''

''کیا......؟'' لالہ رخ بے اختیار چونکی۔ ''کیا مطلب زری؟ بھلا تم تاشو کے ساتھ مری کیسے آسکتی ہو، تمہارا ابھی ایک پیپر باقی ہے اور پھر تمہارے گھر والے......وہ تمہیں کیا اجازت دے دیں گے۔''

''شاید نہیں آپی، میرے گھر والے مجھے اجازت نہ دیں، اسی لیے فی الحال میں انہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' زرمینہ کی بات سن کر لالہ رخ حیران و پریشان ہونے کے ساتھ اس کے بے حد خلوص اور پیار سے از حد متاثر ہوگئی، واقعی وہ ایک بہترین دوست اور مخلص لڑکی تھی۔

''زری......مجھے پہلے بھی اندازہ تھا کہ یقیناً تم بہت اچھی لڑکی ہو مگر اتنی مخلص اور محبت کرنے والی تمہاری فطرت ہے یہ بات مجھے آج معلوم ہوئی مگر میری جان اس طرح بناء گھر والوں کو بتائے اتنی دور یہاں آنا ٹھیک نہیں ہے اور پھر تمہارا پیپر بھی......''

''لالہ آپی پیپرز کو آپ گولی ماریں جیسے تاشو اگلے سال سیکنڈ ائیر کے سمسٹرز کے ساتھ پیپر دے گی ویسے ہی میں بھی دے دوں گی آپی ایسی مجبوری اگر میرے ساتھ ہوتی تو میں بھی پیپر ڈراپ کردیتی ناں تو پھر میں تاشو کی خاطر ایسا کیوں نہیں کرسکتی۔'' زرمینہ کی باتیں سن کر بے اختیار لالہ رخ کی پلکیں بھیگ گئیں آواز میں نمی در آئی۔

''میں تمہارے خلوص اور محبت کی قدر کرتی ہوں زری مگر......''

''اف او آپی......کوئی اگر مگر نہیں میں بس فراز بھائی سے کہوں گی کہ وہ میرا اور تاشو کا ائر ٹکٹ کروادیں پھر ہم اسلام آباد سے مری کے لیے وین لے لیں گے اور آپ بالکل فکر مت کیجیے گا آپی میں نے اپنی خالہ کے ساتھ دو تین بار اس طرح سفر کیا ہے، ان شاء اللہ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' زرمینہ لالہ رخ کی بات کو درمیان میں ہی کاٹ کر تیزی سے بولتی چلی گئی تو لالہ رخ اس کے سامنے بالآخر مجبور ہوگئی وہ اس کی تجویز مانتے ہوئے بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے زری......مگر تاشو کو ابا کی بیماری کی بابت کیسے بتاؤ گی۔'' یہ خیال لالہ رخ کو متوحش کیے جارہا تھا کہ تاشو ابا کی بیماری کا جان کر کیسے ری ایکٹ کرے گی۔

''یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں آپی میں اسے بہت ہلکے پھلکے انداز میں بتاؤں گی بلکہ نہیں آپی آپ تاشو سے کہیے گا کہ ابا اسے بہت یاد کررہے ہیں پھر وہ اس بات کا تذکرہ مجھ سے کرے گی تو میں اسے یہ تجویز دوں گی کہ کیوں نہ ہم دونوں ہوائی جہاز کے ذریعے ان سے دو دن میں مل کر واپس آجائیں۔'' لالہ رخ زرمینہ کی بات پر بے حد خوش ہوگئی۔

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا زری۔'' لالہ رخ سہولت سے بولی پھر تھوڑی بہت بات کر کے لالہ رخ نے فون بند کیا تو اس نے اپنے اندر طمانیت محسوس ہوئی۔

❁......❁......❁

باسل اس پل اپنے بیڈروم میں بیٹھا ڈی وی ڈی پر کوئی انگلش موی دیکھ رہا تھا جب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی یس کی آواز پر ملازم نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''صاحب نیچے کوئی رطابہ میڈم آئی ہیں وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ سے کوئی ضروری کام ہے صرف دو منٹ کے لیے ان سے ملاقات کرلیجیے۔''

''واٹ رطابہ......'' ملازم کی بات پر باسل کو سخت اچنبھا ہوا رطابہ کی یہاں آمد وہ بھی اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ باسل حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ آج سے پہلے وہ صرف ایک بار اس کی برتھ ڈے پر آئی تھی جن دنوں وہ اس کی گرل فرینڈ کی پوسٹ پر تھی۔

''یہ رطابہ یہاں کیا کرنے آئی ہے؟'' باسل نے کافی الجھ کر خود سے سوال کیا پھر ایک دم اس نے سیل فون کو صوفے سے اٹھا کر اسے چیک کیا' رطابہ کی کوئی مسڈ کال یا میسج اس میں نہیں تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ اس نے مجھ سے رابطہ بھی نہیں کیا وہ ڈائریکٹ یہاں آدھمکی۔'' باسل نے اپنے سیل فون کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے کہا پھر سر جھٹک کر ملازم کو دیکھا جو اس کے حکم کا منتظر تھا۔

''تم ایسا کرو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں تھوڑی دیر میں نیچے آتا ہوں۔'' باسل اپنے مخصوص انداز میں بولا تو ملازم ''جی صاحب'' کہہ کر وہاں سے چل دیا جب کہ باسل نے ٹی وی آف کیا اور فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب چل دیا تھا۔

❁......❁......❁

لالہ رخ کے والد صاحب کی تمام رپورٹس کی بابت ڈاکٹر صلاح الدین نے فراز شاہ کو تفصیلاً بتایا کہ ان کا مرض اپنی آخری حدود میں داخل ہوچکا تھا لہٰذا اب ان کا بچنا بے حد مشکل تھا اور ایسی حالت میں انہیں سفر سے بھی ڈاکٹر اصلاح الدین نے منع کردیا تھا گویا اب کچھ بھی کرنا بے کار تھا۔ فراز شاہ نے بے حد مناسب لفظوں میں لالہ رخ کو جب حقیقت سے روشناس کرایا تو نجانے کتنی ہی دیر لالہ رخ ساکت وصامت سی اپنے دانتوں سے نچلے ہونٹ کو کاٹے گئی' آنکھوں کے کٹورے لبالب پانیوں سے بھر گئے۔ فراز شاہ لالہ رخ کے جذبات واحساسات کو بخوبی سمجھ رہا تھا ایک بیٹی کے دل پر اپنے باپ کی بابت ایسی خبر سن کر کیا بیت رہی ہوگی وہ اچھی طرح محسوس کررہا تھا کافی دیر بعد فراز شاہ بے حد ملائمت بھرے لہجے میں بولا۔

''ایم سوری مس لالہ رخ...... میں سمجھ سکتا ہوں کہ اس پل آپ کی کیا کیفیت ہوگی مگر آپ کو بہت ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہے نہ صرف خود کو بلکہ اپنی مدر اور چھوٹی سسٹر کو بھی سنبھالنا ہے۔'' جواباً لالہ رخ کی ایک تسکی اس کی سماعت سے ٹکرائی' فراز بے اختیار چپ کا چپ رہ گیا مزید کچھ بول نہیں سکا۔

''آ...... آپ کا بہت بہت شکریہ فراز صاحب آپ نے ہماری بہت مدد کی' میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔'' لالہ رخ نے اپنی بھیگی آواز پر بمشکل کنٹرول کرکے کہا تو فراز دھیرے سے مسکرایا' پھر اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''آپ یقین کیجیے مس لالہ رخ میں نے کچھ بھی نہیں کیا آپ لوگوں کے لیے۔'' لالہ رخ نے اس دوران خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا ایک بالکل اجنبی اور غیر شخص کے سامنے آنسو بہانا اسے قطعاً اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''فراز صاحب بس ایک اور زحمت آپ کو دینی تھی۔'' لالہ رخ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی تو فراز نے فوراً سے بیشتر کہا۔

''جی کہیے۔'' پھر لالہ رخ نے زرمینہ اور زرتاشہ کو مری بھیجنے اور ٹکٹس کا انتظام کرنے کی درخواست کی تو فراز شاہ نے بڑے تمکنت بھرے لہجے میں کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

”مس لالہ رخ آپ بالکل فکر مت کیجیے میں آج ہی ان دونوں کی اسلام آباد کی ٹکٹس کروانے کی کوشش کرتا ہوں۔“
لالہ رخ نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔

❁.......❁.......❁
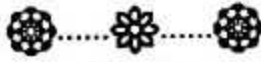
اسے اس دم بے حد گھٹن کا احساس ہوا تھا وہ اس وقت اپارٹمنٹ میں بالکل اکیلی تھی۔ مام اور ابرام دونوں ہی گھر پر موجود نہیں تھے وہ بڑی دیر سے اِدھر اُدھر کے کاموں میں خود کو مصروف رکھ کر اپنا ذہن اور دل بہلا رہی تھی مگر کب تک وہ اپنے اندر کی وحشت کو نظر انداز کرتی بالآخر اپنے آپ سے وہ ہار گئی اس وقت وہ کسی بھٹکی ہوئی روح کی مانند ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ وحشت و اضطراب نے اس پر بھرپور انداز میں حملہ کیا تھا۔
”میں کیا کروں پلیز کوئی مدد کرو مجھے گھٹن ہو رہی ہے، بہت زیادہ گھٹن ہو رہی ہے مم...... میرا سانس رک رہا ہے...... میرا دم گھٹ رہا ہے......“ ماریہ اس لمحے اپنے حواس مکمل طور پر کھو چکی تھی وہ خود سے باآواز بلند بڑبڑاتے ہوئے پورے اپارٹمنٹ میں دیوانوں کی مانند چکرا رہی تھی۔
”کوئی میری مدد کرو مجھے اس گھٹن سے باہر نکالو...... میں مر جاؤں گی...... میں مر جاؤں گی......“ ماریہ انتہائی وحشت زدہ ہو کر کاؤچ میں گرتے ہوئے چیخنے والے انداز میں بولی اس وقت وہ بالکل ہوش و حواس سے بے گانہ لگ رہی تھی۔
”مام ڈیڈ کوئی ہے میری مدد کرنے کے لیے...... مجھے یہاں سے باہر نکالو پلیز مجھے یہاں سے لے چلو میں مر جاؤں گی...... میں زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔“ اب وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کے بالوں کو نوچ کر بلک بلک کر رو رہی تھی اس وقت اس کی حالت بے پناہ قابلِ رحم تھی اسی دم دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی مگر ماریہ زار و قطار رونے میں مصروف تھی اسے کوئی آواز ہی سنائی نہیں دی جب کہ اپنی جون میں گھر واپس آتا ابرام ماریہ کی اس قدر دگرگوں حالت دیکھ کر بت کی مانند بے حس و حرکت کھڑا کا کھڑا رہ گیا پھر جیسے اس کا سکتہ چھن سے ٹوٹا وہ تیزی سے اس کی جانب لپکا۔
”ماریہ...... کیا ہوا ماریہ کیا ہوا مائی ہنی......؟“ ابرام نے اس کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر تقریباً اسے جھنجھوڑ ڈالا مگر ماریہ کی کیفیت ہنوز ویسی ہی رہی وہ مسلسل روتے ہوئے مدد کے لیے پکار رہی تھی اور ابرام اس کا دل ماریہ کو اس حالت میں دیکھ کر جیسے کٹ کر رہ گیا۔
”ماریہ میری بہن، میں ہوں تمہارے ساتھ، تمہارا بھائی تمہارے سامنے ہے میری جان، پلیز کول ڈاؤن سب ٹھیک ہے۔“ ابرام اسے زبردستی اپنے سینے میں بھینچتے ہوئے بولا مگر ماریہ تو جیسے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔
”اوہ گاڈ...... اب میں کیا کروں؟“ ابرام اس کی کیفیت سے از حد پریشان و حواس باختہ ہو رہا تھا اس نے بڑی مضبوطی سے ماریہ کے وجود کو خود سے لپٹا رکھا تھا وہ بار بار اسے اپنے ہونے کا یقین دلا رہا تھا مگر ماریہ کے کانوں میں تو جیسے آواز ہی نہیں جا رہی تھی یک دم ماریہ یوں خاموش ہوئی جیسے کسی نے اس کے لبوں پہ زور سے ہاتھ رکھ کر اس کی آوازوں کا گلا گھونٹ دیا ہوا۔ ابرام نے بے حد متوحش ہو کر اسے خود سے الگ کیا تو وہ کٹی ہوئی ٹہنی کی مانند دوسری جانب لڑھک گئی۔
”اوہ مائی گاڈ ماریہ تمہیں کیا ہو گیا؟“ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھی۔ ابرام نے انتہائی بدحواسی سے اس کے ہاتھ کو تھام کر نبض کو ٹٹولا جو اس پل بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ابرام متوحش ہو کر بے حد سرعت سے ایمبولینس کو کال کرنے کی غرض سے فون سیٹ کی جانب بڑھا۔

❁.......❁.......❁
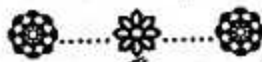
باسل ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو رطابہ دائیں دیوار پر لگی قد آور پینٹنگ کے سامنے کھڑی تھی آہٹ ہونے پر وہ تیزی سے باسل کی جانب مڑی۔

"اوہ باسل...... کیسے ہو تم؟" رطابہ اسے دیکھ کر بڑی خوش مزاجی سے گویا ہوئی جب کہ باسل نے کوئی جواب دیے بناء کافی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"مجھے بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟" رطابہ اسے خاموش خود پر نگاہیں مرکوز پا کر قدرے شرمندگی سے بولی تو باسل نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"جب تم آ ہی گئی ہو تو بیٹھ بھی جاؤ۔" باسل کے جواب پر بے ساختہ رطابہ نے اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر دھیرے سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں میرا اس طرح اپنے گھر آنا برا لگا اور یقیناً تم کو یوں بناء تمہیں انفارم کیے میرے اس طرح چلے آنے سے حیرت بھی ہو رہی ہوگی۔" رطابہ کی بات پر باسل نے اسے بغور دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ہوں یو آر رائٹ...... تمہارے اس طرح چلے آنے سے میں کچھ سرپرائز تو ہوا ہوں۔" رطابہ نے باسل کو دیکھ کر ایک گہری سانس کھینچی پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

"باسل دراصل میرا تعلق فیصل آباد کے قریب کی ایک تحصیل سے ہے' میرے والدین کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے مجھے کراچی آنے کا بے حد اشتیاق تھا' چھٹیوں میں' میں اکثر یہاں اپنے ابو کے چچازاد بھائی جو یہاں کافی ویل سیٹ ہیں ان کے گھر پر آیا کرتی تھی۔ سلیم انکل بہت خدا ترس انسان تھے انہوں نے میری ضد اور خواہش پر میرے ابو سے یہاں کراچی میں رہنے کی بات کی اور پھر انہوں نے ہی مجھے یہاں یونیورسٹی میں داخلہ دلوایا پھر تو مانو میرے تو جیسے پر لگ گئے میں نے تو آسمانوں پر اڑنا شروع کر دیا۔" باسل بغور رطابہ کی بات سن رہا تھا جو اس وقت جیسے اپنے ماضی میں کھوئی ہوئی تھی۔ "پھر اچانک میرے پر اس وقت ٹوٹے جب سلیم انکل کے بیٹے نے انہیں اور ان کی وائف کو اپنے پاس امریکہ بلوا لیا انہوں نے اپنا گھر کاروبار سب سیل کر دیا اور مجھے اپنے دوست کے گھر میں بنے ایک چھوٹے سے پورشن میں سیٹ کر دیا جنہوں نے اس طرح اور بھی کئی پورشنز کرائے پر دے رکھے تھے۔ اب وہ میری پڑھائی کی فیس اور تھوڑا بہت جیب خرچ وہاں سے بھیجتے ہیں۔" آخر میں وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی پھر باسل کی جانب دیکھتے ہوئے ندامت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"اس شہر میں رہ کر میں اپنا اصل بھول گئی باسل' میں تو اپنی اقدار اپنی نسوانیت کو ایک طرف رکھ کر یہاں کی رنگینیوں میں گم ہو گئی تتلی کے رنگوں سے بھی زیادہ کچے رنگوں میں رنگ کر میں نے شرم و حیا کے پکے رنگوں کو دھو کر ان سے جان چھڑالی بس اب صرف میری زندگی کا حاصل تھا دولت عیش اور عشرت اور اسی کے لیے میں امیر لڑکوں سے دوستیاں کرنے لگی پھر ایک دن میری ملاقات نیلم فرمان سے ہوئی۔" نیلم کا نام سنتے ہی باسل کے کان کھڑے ہوئے اس نے بے حد چونک کر رطابہ کو دیکھا اور پھر اسے اس کے یہاں آنے کا سبب بخوبی معلوم ہو گیا یقیناً وہ نیلم کا راز فاش کرنے یہاں آئی تھی۔ باسل نے اسے انتہائی استہزائیہ انداز میں دیکھا اور پھر بے حد طنزیہ لہجے میں گویا ہوا۔

"اوہ تو تم یہاں اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے آئی ہو یا پھر مجھ سے ہمدردی حاصل کرنے کی متمنی ہو۔" رطابہ نے باسل کو دیکھ کر بڑی دل گرفتگی سے مسکرا کر کہا۔

"میں جانتی ہوں باسل کہ تمہیں میری باتوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہوگا اور شاید تمہیں میری باتوں پر یقین بھی نہ آئے مگر باسل اب جو بات میں تم سے کہنے جا رہی ہوں وہ بالکل سچ ہے پلیز میری بات کا یقین کر لینا۔" آخر میں وہ لجاجت سے بولی تو باسل نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔

"رطابہ بہتر یہ ہے کہ اصل بات کہو جو کہنے تم یہاں آئی ہو۔"

''باسل میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ......'' وہ تھوڑا رکی اس پل اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے وہ کافی ڈسٹرب لگی۔

''باسل وہ نیلم فرمان تمہیں اپنے بہت خطرناک جال میں پھنسانے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔'' اپنے تئیں رطابہ نے ایک دھماکہ کیا تھا مگر باسل کو ہنوز اطمینان وسکون سے بیٹھا دیکھ کر اسے خاصا اچنبھا ہوا جب کہ باسل اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے محظوظ کن انداز میں بولا۔

''میں جانتا ہوں رطابہ......'' اور پھر باسل نے اسے بتادیا کہ اس نے نیلم اور اسے پارک ٹاور میں دیکھا اور تمام معاملہ سمجھ گیا اور وہ جان بوجھ کر نیلم کے سامنے ایکٹنگ کرتا رہا۔

''مگر باسل، تم نہیں جانتے نیلم اور اس کا گینگ بہت خطرناک ہے وہ امیر لڑکوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان کی قابل اعتراض حرکتوں کو نیٹ پر اپ لوڈ کردیتے ہیں۔ نیلم بھی تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہی کرنے والی ہے پہلے وہ تھوڑا تمہارے قریب آئے گی اور پھر کیمرا ٹرک سے اسے قابل اعتراض بنا کر تمہیں نیٹ پر اپ لوڈ کرنے کی دھمکی دے گی تا کہ وہ تم سے ایک بڑی رقم بٹور سکے اور......اس کام میں اس کے ہمراہ دولڑکے بھی ہیں یہ تینوں نہ صرف دبئی میں بھی اس طرح کے کاموں میں ملوث رہے ہیں بلکہ پاکستان میں بھی انہوں نے کچھ لڑکوں کو نشانہ بنایا ہے۔'' باسل جو بہت شدومد سے نیلم فرمان کا اصل پلان جاننا چاہتا تھا وہ پلان اسے رطابہ کی زبانی معلوم ہوگیا تھا۔ واقعی نیلم ایک خطرناک لڑکی تھی اگر وہ بھی اس کے جال میں پھنس جاتا تو اس کے لیے کافی مشکلات کھڑی ہوسکتی تھیں۔ باسل کو کسی گہری سوچ میں غلطاں دیکھ کر رطابہ نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر اس کو متوجہ کرنے کی غرض سے گلا کھنکارا تو باسل یک دم اپنے دھیان سے چونکا پھر اپنی جگہ سے پہلو بدل کر رطابہ سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

''تم بھی یقیناً اس کے گینگ میں شامل تھیں رطابہ، پھر نیلم سے اس غداری کی وجہ کیا؟'' رطابہ باسل کے لفظوں پر ندامت وشرمندگی کی گہرائیوں میں گرگئی۔ بے اختیار وہ اپنا چہرہ جھکا گئی پھر دھیرے سے بولی۔

''میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی باسل یہ حقیقت ہے کہ نیلم کے اس پلان میں میں بھی شامل تھی اور تمہاری نشان دہی بھی میں نے ہی کی تھی جب کہ تمہیں بلیک میل کرکے ملنے والی رقم سے مجھے بھی حصہ ملنے والا تھا مگر پھر......'' وہ قدرے رکی پھر تیزی سے بولی۔

''مگر نیلم تو کچھ اور ہی سوچ کر بیٹھی تھی کل رات سوتے ہوئے اچانک میری آنکھ کھل گئی باسل، نیلم جو مجھے سوتا سمجھ کر اپنے پارٹنر راشد سے محو گفتگو تھی وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی کہ کام مکمل ہونے کے بعد وہ مجھے ان دونوں......'' اتنا بول کر رطابہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے اور اگلے ہی پل وہ بے تحاشا رو دی۔

''باسل پلیز مجھے معاف کردو اور میری جان نیلم اور ان کے ساتھیوں سے چھڑا دو نیلم بہت خطرناک لڑکی ہے باسل وہ......وہ مجھے چھوڑے گی نہیں۔ میری آبرو میری زندگی خطرے میں ہے پلیز باسل...... مجھے بچالو میں بھٹک گئی تھی شیطان کے بہکاوے میں آگئی تھی۔'' وہ باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے زاروقطار رو رہی تھی باسل کی بیگانگی واجنبیت یک دم غائب ہوگئی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ کر اس کے بندھے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''رطابہ تم بالکل ریلیکس ہوجاؤ، تمہیں کچھ نہیں ہوگا نیلم اور اس کے ساتھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے پلیز رطابہ، خود کو سنبھالو اور یہ رونا بند کرو۔'' رطابہ کو باسل کے رویے سے بے حد ڈھارس ہوئی پھر اسے مزید تسلی وتشفی دینے کے بعد رطابہ سے بولا۔

''تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔''

''وہ کیا باسل؟ میں تمہارا ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' رطابہ اسے دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولی تو باسل اسے سرگوشی میں بتانے لگا جسے رطابہ بغور سننے لگی۔

❁.......❁.......❁
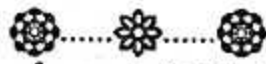
''اوہ گاڈ فراز میں تو لاہور جا کر پھنس ہی گئی تھی آنٹی تو مجھے آنے ہی نہیں دے رہی تھیں روز کوئی نہ کوئی فنکشن کوئی نہ کوئی پارٹیز...... اُف میں بہت تھک گئی' مگر دیکھو کراچی آتے ہی فوراً تم سے ملنے چلی آئی۔'' آخر میں وہ بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے فراز کی طرف قدرے جھکتے ہوئے شوخی سے بولی تو فراز بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس پل وہ فراز شاہ کے گھر کے لان میں بیٹھی تھی جہاں لان کی تمام لائٹس آن تھیں۔ شام مکمل طور پر رخصت ہو چکی تھی جبکہ اندھیرے نے اپنے سیاہ پَروں سے پورے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔ ساحرہ نے اسے ڈنر پر روک لیا تھا اب وہ فراز کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

''ویسے لاہور جا کر تم کچھ موٹی ہو گئی ہو' لگتا ہے وہاں کا دانہ پانی تمہیں کافی راس آ گیا۔'' فراز اسے چھیڑنے کی غرض سے مسکراتے ہوئے بولا تو ایک دم سونیا کے بے فکرے چہرے پر پریشانی و گھبراہٹ کے رنگ سرعت سے پھیلتے چلے گئے۔ فراز کی شرارت کو نا سمجھتے ہوئے وہ بہت بوکھلا کر بولی۔

''رئیلی فراز...... ! کیا واقعی میں موٹی ہو رہی ہوں او مائی گاڈ...... ! یہ یقیناً وہاں روز روز کے ڈنر کا نتیجہ ہے' اُف کتنی محنت کی تھی میں نے اور وہاں جا کر سب پر پانی پھر گیا۔'' وہ خود کو دیکھتے ہوئے مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی جبکہ فراز اب قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔ فراز کا قہقہہ سن کر اس نے کچھ حیران ہو کر سر اٹھایا' جو اس وقت بے تحاشا ہنستا ہوا اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ سونیا سب کچھ بھول بھال کر بس اسے ایک ٹک دیکھے چلی گئی۔ کچھ دیر ہنسنے کے بعد اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

''سونیا میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' فراز شاہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو سونیا یک دم چونکتے ہوئے جھینپ کر بولی۔

''ویری فنی فراز تم بہت برے ہو اب میں تم سے بات نہیں کرتی۔'' وہ باقاعدہ منہ پھلا کر چہرہ دوسری جانب موڑ گئی اس سے پہلے فراز کچھ بولتا کہ اسی دم چوکیدار نے مین گیٹ پوری طرح سے کھولا اور کامیش کی بلیک سوک اندر داخل ہوئی' سونیا نے بھی چونک کر اس جانب دیکھا پھر قدرے خوش ہو کر گویا ہوئی۔

''اوہ کامیش...... میری تو بہت ٹائم سے اس سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔''

''ہوں تو آج ملاقات کر لینا پچھلے دنوں وہ کافی بزی بھی رہا ہے۔'' فراز کامیش کو گاڑی سے اتر کر اپنی جانب آتا دیکھ کر نارمل انداز میں بولا۔

''ہیلو ایوری ون۔'' کامیش سونیا اور فراز کو دیکھ کر خوش دلی سے مخاطب ہوا۔

''اوہ کامیش یہ تم ہو' مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تم تو کافی ہینڈسم اور اسمارٹ ہو گئے ہو۔'' بلیک جینز پر بلیک ہی ہاف سلیوز کی ٹی شرٹ میں فوجی کٹ بالوں کے اسٹائل میں اپنے لمبے قد و قامت کے ساتھ کامیش شاہ اس پل بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ سونیا اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے چہک کر بولی تو کامیش شاہ بڑے دلنشین انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

''مائی پلیژر میڈم۔'' وہ دونوں محو گفتگو ہوئے تو فراز شاہ ان دونوں سے ایکسکیوز کر کے لان کے دوسرے کونے میں آ کر اپنے سیل فون پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

❁.......❁.......❁

زرتاشہ لالہ رخ سے بات کرنے کے بعد ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی نجانے کیا کچھ سوچے جا رہی تھی۔ ماتھے پر

تفکرات کی لکیریں اور چہرے پر گہری سنجیدگی لیے وہ چپ چاپ بیٹھی تھی، زرینہ نے اسے کئی بار کن اکھیوں سے دیکھا تھا اس نے قصداً اس پل اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ چاہتی تھی کہ زرتاشہ خود ہی فیصلہ کرے کافی وقت گزرنے کے بعد زرتاشہ اپنے دھیان سے چونکی، پھر اس نے زرینہ کو جو الماری میں منہ ڈالے کھٹر پٹر میں مصروف تھی مخاطب کر کے گویا ہوئی۔

"زری...... لالہ بتا رہی تھی کہ ابا مجھے بہت یاد کر رہے ہیں۔" زرینہ اس کی آواز پر تھوڑا گردن موڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوئی اور سرسری لہجے میں بولی۔

"ہوں ظاہری بات ہے تاشو تمہیں یہاں آئے اتنے سارے دن جو ہو گئے ہیں یاد تو وہ یقیناً تمہیں کر رہے ہوں گے۔" تاشو اب اچھی خاصی مضطرب سی دل گرفتگی سے بولی۔

"زری...... مجھے بھی ابا بے حد یاد آ رہے ہیں، نجانے میرا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے عجیب طرح کے وسواس و خدشات بار بار ذہن میں آ رہے ہیں۔" اسی اثناء میں زرینہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تاشو...... تم اچھا بھلا آج پیپر دیتے ہی روانہ ہونے والی تھی وہ تو برا ہوا جو یونیورسٹی میں جھگڑا ہو گیا مہوش بتا رہی تھی کہ مخالف تنظیم کا جو لڑکا زخمی ہوا تھا اس کی ڈیتھ ہو گئی ہے اسی وجہ سے یونیورسٹی کے حالات کافی کشیدہ ہو گئے ہیں۔"

"ہوں واقعی یہ تو بہت بڑی مشکل ہو گئی ہے۔" تاشو نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ زری کو دیکھ کر بولی۔

"زری میں سوچ رہی ہوں کہ ابا سے جا کر مل آؤں، نجانے میرا دل کیوں ڈوبا جا رہا ہے زری جب تک میں ابا سے مل کر نہیں آؤں گی مجھے چین نہیں آئے گا تم پلیز کچھ کرو مجھے بس فوراً اپنے گھر جانا ہے۔" آخر میں زرتاشہ نے بڑی لجاجت سے زرینہ کا ہاتھ تھاما تھا جب کہ زرینہ نے سوچنے کی اداکاری کرنے کے بعد زرتاشہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں ایک صورت ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا زری...... پلیز جلدی بتاؤ۔" زرتاشہ کے لہجے میں بے قراری ہی بے قراری تھی۔

"وہ یہ کہ ہم دونوں بائی ائیر اسلام آباد چلتے ہیں پھر وہاں سے مری کے لیے وین پکڑ لیں گے۔"

"ارے واہ یہ تو فنٹاسٹک آئیڈیا ہے مگر زری...... کیا تم بھی میرے ساتھ جاؤ گی؟ اپنے گھر والوں سے اجازت تو لے لو۔"

"وہ میرا کام ہے تم اس کی فکر مت کرو میں ذرا ٹکٹ کا انتظام کرتی ہوں تم بس اپنی تیاری رکھو۔" زرینہ کی بات سن کر زرتاشہ بے تحاشا خوش ہو گئی تھی۔

❀......❀......❀
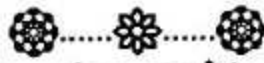
ماریہ اس وقت ہسپتال میں تھی اسے اب تک ہوش نہیں آیا تھا ڈاکٹروں نے اسے سکون آور انجکشن لگا دیے تھے۔ ابرام اور جیسکا نے ایک پل کے لیے بھی ماریہ کو اکیلا نہیں چھوڑا تھا جیکولین بھی تمام وقت یہیں تھی مگر ڈاکٹرز کے اطمینان دلانے پر ابرام اور جیسکا نے اسے گھر بھیج دیا تھا جبکہ ولیم اور اس کی فیملی آؤٹ آف ٹاؤن تھی اور قدرت کی طرف سے شاید یہ اچھا ہی ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے ماریہ کو بے حد اسٹریس اور ڈپریشن کا شکار بتایا تھا۔

"ابرام سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ماریہ کو کس بات کا اتنا ڈپریشن اور اسٹریس ہے وہ تو بہت خوش اور مطمئن رہتی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی دل سے نہیں لگاتی تھی یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہے جو اس نے صرف اپنی ذات کی حد تک محدود رکھی ہوئی ہے وہ کسی سے شیئر بھی نہیں کر رہی یہاں تک کہ اس نے تمہیں بھی کچھ نہیں بتایا۔" جیسکا ہسپتال کی عمارت میں

ویٹنگ روم کی بنچ پر بیٹھی ابرام کو مخاطب کر کے بولی جب کہ جواباً ابرام بالکل خاموش بیٹھا رہا اس کے پاس جیسکا کے ہر سوال کا جواب موجود تھا مگر وہ اسے کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا تھا جیکولین بھی ماریہ کو اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ کافی برہم بھی ہوئی تھی اسے ماریہ سے اس قدر بچگانہ طرز عمل کی امید ہرگز نہیں تھی۔ ابرام کے ذہن کی اسکرین پر جیکولین سے کچھ دیر قبل ہونے والی گفتگو چلنے لگی تھی۔

"مجھے ماریہ سے اس قدر بچگانہ پن کی توقع بالکل نہیں تھی ابرام یہ اسٹوپڈ لڑکی ایک لڑکے کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر لگانے چلی ہے ایسی عمر میں لڑکیوں کے ساتھ ایسا بھی عموماً ہو جاتا ہے مگر ماریہ نے تو اس بات کو دل سے لگا لیا۔" جیکولین بولتی چلی گئی جب کہ ابرام ہونقوں کی طرح منہ کھولے بس دیکھتا رہ گیا۔

"اونہہ نجانے کون لڑکا ہے جس کے خاطر یہ لڑکی اس حد تک چلی گئی ہے اس نے تو پلٹ کر اسے دیکھا بھی نہیں۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟" یک دم جیکولین نے اس پر سوال داغا تو ابرام جیسے ہڑبڑا کر رہ گیا۔

"نہ..... نہیں یام میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" جیکولین ماریہ کی اس حالت کی وجہ اس لڑکے کی بے وفائی سے جوڑ رہی تھی جو خود ہی اس کے دماغ نے سوچ لی تھی۔ ولیم کے ساتھ منگنی سے انکار اور پھر اس کے بدلاؤ کی وجہ وہ کسی لڑکے سے منسوب کر رہی تھی۔

"دیکھو ابرام میرے خیال میں وہ لڑکا شاید ماریہ کی زندگی میں واپس نہیں آنا چاہتا ورنہ میں نے تو اس سے کہہ دیا تھا کہ مجھے وہ اس لڑکے سے ملوا سکتی ہے مگر وہی نہیں بھاگ گیا اور ماریہ نے اس کا روگ لگا لیا' مجھے ماریہ سے اس قدر حماقت کی امید نہیں تھی۔" جیکولین اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھتے ہوئے کافی برہمی سے بولی جب کہ ابرام محض خاموش ہی بیٹھا رہا۔ جیکولین جس لڑکے کا تذکرہ کر رہی تھی اس کا وجود تو سرے سے تھا ہی نہیں۔

"جب اسے ہوش آئے تو ابرام تم اسے سمجھانا یہ طریقہ بالکل غلط ہے خود کو کسی کے لیے یوں نقصان میں ڈالنا کہاں کی عقل مندی ہے۔" وہ سابقہ انداز میں بولی تو ابرام نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"اوکے مام آپ بالکل فکر مت کیجیے میں ماریہ کو سمجھاؤں گا آئی ہوپ وہ جلد ہی اس کنڈیشن سے باہر آ جائے گی۔"

"تھینکس گاڈ ولیم یہاں موجود نہیں ہے ورنہ وہ ماریہ کی اس کنڈیشن کو دیکھ کر یقیناً پزل ہوتا۔" جیسکا کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو ابرام جیسے حال میں لوٹا پھر خاموشی سے اٹھ کر جیسکا سے کچھ کہے بنا وہ وہاں سے چلا گیا جیسکا اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے مضمحل سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

❀......❀......❀
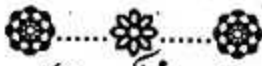
صبح کا پُرنور اجالا چہار سو پھیل گیا تھا' فضا میں گہری خنکی اور پُر کیف ٹھنڈی ہوا بے حد دلفریب معلوم ہو رہی تھی۔ پرندوں نے اپنے گھونسلوں سے نکل کر تلاش رزق کے لیے اڑان بھر لی تھی' ان کی چہچہاہٹ اس وقت کسی ردھم کی طرح شور مچا رہی تھی۔ آج سورج نے اپنی چھب نہیں دکھائی تھی' وہ بادلوں کی اوٹ میں خود کو چھپائے بیٹھا تھا لالہ رخ نماز فجر سے فارغ ہو کر صحن میں آئی تو دلکش موسم ہونے کے باوجود لالہ رخ کو آج آسمان کافی اداس اور افسردہ سا محسوس ہوا۔ ماحول میں عجیب سی یاسیت جھلکتی نظر آئی امی اس وقت حسب معمول کچن میں ناشتے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ لالہ رخ نے کچھ خائف ہو کر اپنے اردگرد نگاہ کی اس پل اس کے دل میں نجانے کہاں سے منوں بوجھ آن گرا تھا۔ روح میں کثافت اور اضطراب سا اُمڈ آیا تھا وہ بوجھل قدموں سے کچن میں آئی تو امی نے ایک نگاہ دیکھا۔ لالہ رخ موڑھا کھسکا کر وہیں ان کے پاس جا ٹکی وہ چپ چاپ غیر مرئی نقطے پر نگاہ مرکوز کیے نجانے کتنی دیر بیٹھی رہی جبکہ امی کا ہے بگاہے اس پر نگاہ ڈالتی رہیں۔ براؤن رنگ کے سادے سے شلوار سوٹ میں کالی چادر لیے وہ انہیں بہت ڈسٹرب لگ رہی تھی جب ناشتا تیار

کر کے انہوں نے اس کے سامنے رکھا تب وہ اپنے دھیان سے چونکی۔

"کیا بات ہے بیٹا اتنی چپ چپ اور اداس کیوں ہو؟" امی نے حلاوت آمیز لہجے میں استفسار کیا تو بے ساختہ لالہ رخ نے چہرہ اٹھا کر ان کی جانب دیکھا پھر کافی تھکے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"نہیں امی! اداس تو نہیں ہوں بس ایسے ہی خاموش رہنے کا دل چاہ رہا ہے۔" اس نے امی سے اس بات کو مکمل طور پر پوشیدہ رکھا تھا کہ کراچی کے ڈاکٹرز نے ابا کو لاعلاج قرار دے دیا ہے جب فراز نے اسے یہ سب بتایا تھا تو وہ مہرینہ کے گلے لگ کر اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی کہ مہرینہ اور بٹو کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

"مہرو میرے ابا جانے والے ہیں وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے جائیں گے مہرو پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا مہرو، کچھ نہیں ہو سکتا۔" وہ بے تحاشا بلک بلک کر مہرو سے بس یہی کہہ جا رہی تھی جبکہ مہرو کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"حوصلہ کرو لالہ...... صبر کرو شاید اللہ کی یہی رضا تھی خود کو سنبھالو میری جان ابھی تو تمہیں مامی اور تاشو کو بھی سنبھالنا ہے ہمت کرو لالہ۔"

"نہیں رہا میرے اندر حوصلہ میری ہمت ٹوٹ رہی ہے مہرو میں اپنے ابا کو اس طرح جاتا نہیں دیکھ سکتی۔" لالہ رخ مہرو کے سینے سے چپک کر نکلتے ہوئے بولی اس وقت وہ بے حد بکھری ہوئی لگ رہی تھی۔ مہرو نے انتہائی لاچاری سے اپنی عزیز از جان، بہن اور سہیلی کو دیکھا اگر اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اس کی آنکھوں کے سارے آنسو ہمیشہ کے لیے پونچھ لیتی۔ مگر آہ انسان کتنا بے بس اور بے کس ہوتا ہے نہ ہی کسی کو زندگی دے سکتا ہے نہ ہی کسی کو موت سے بچا سکتا ہے پھر بھی نجانے کس بات پر غرور کرتا ہے اپنی گردن میں سریا لگا کر خدا کی مخلوق کو کیڑا مکوڑا سمجھتا ہے۔

"باجی اتنا مت آنسو بہاؤ ایسے رو رو کر تو آپ اپنے آپ کو بیمار کر ڈالو گی پھر ابا کی خدمت اور ان کی دیکھ بھال کون کرے گا جی۔" بٹو کی بات ٹھک کر کے اس کے دل پر لگی تھی اس وقت وہ تینوں اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھے۔ لالہ رخ یک دم خاموش ہو گئی تھی جبکہ مہرو نے بٹو کو بے حد تشکر آمیز نظروں سے دیکھا تھا۔

"لالہ یہ اپنی تاشو عتیق کے ساتھ ہی آئے گی نا۔" امی کی آواز اس کے پہلو سے ابھری تو لالہ رخ نے کافی چونک کر انہیں دیکھا اس نے امی کو یہ تو بتا دیا تھا کہ زرتاشہ کا آخری پرچہ ملتوی ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کچھ دن بعد آئے گی مگر انہیں مصلحتاً اس بات سے لاعلم رکھا تھا کہ وہ کل بائی ایئر آ رہی ہے۔

"جی...... جی امی۔" وہ خوامخواہ میں گڑبڑا سی گئی۔ "میں ذرا ابا کو دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ ناشتا یونہی چھوڑ کر ایک دم تیزی سے اٹھی۔

"بیٹا ابھی آدھا گھنٹے پہلے تک تو تم ان کے پاس ہی بیٹھی تھیں وہ سو رہے ہیں تم اطمینان سے ناشتا کر لو۔" امی نے اسے پیار بھرے لہجے میں مخاطب کر کے کہا مگر لالہ رخ وہاں سے پلٹتی ہوئی بولی۔

"میں بس ایک نظر ابا کو دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ کچن سے نکل کر ابا کے کمرے میں دبے پاؤں داخل ہوئی تھی تاکہ اس کے قدموں کی آہٹ سے کہیں ابا کی نیند نہ خراب ہو جائے۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے کچھ غیر معمولی سا احساس ہوا اس نے بے اختیار گردن ادھر ادھر گھما کر پورے کمرے میں نگاہیں دوڑائیں، عجیب سی وحشت اسے بے ہنگم سے قہقہے لگاتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار بری طرح سہم گئی پھر انتہائی سرعت سے ابا کے بستر کی جانب دیکھا اور دوسرے ہی پل بے حد تیز قدموں سے ان کے سرہانے تک آئی ابا اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھوں کو فولڈ کر کے سینے پر رکھے بالکل سیدھا آنکھیں بند کیے لیٹے تھے جبکہ ہونٹوں پر پھیلی الوہی مسکراہٹ اس قدر خوب صورت تھی کہ لالہ رخ یک ٹک انہیں

دیکھتی چلی گئی پھر بے حد خاموشی سے دو آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر ابا کے کشادہ ماتھے پر جا گرے تھے۔ ابا نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں وہ واقعی بے حد پُرسکون نیند سو رہے تھے اب قدموں کی دھمک یا کوئی بھی آواز ان کی نیند کو خراب نہیں کرسکتی تھی۔ لالہ رخ یونہی بُت بنی انہیں دیکھتی چلی گئی پھر دھیرے سے ان کے بندھے ہاتھوں کو بے حد عقیدت سے بوسہ دیا اور ان کے وجود پر پڑی چادر جو سینے سے تھوڑا نیچے تھی اسے کھینچ کر ان کا منہ ڈھانپ دیا باہر شاید مہرینا آئی ہوئی تھی امی کے ساتھ باتوں کی آواز اسے یک دم سنائی دی وہ یونہی یک ٹک ابا کی میت کو دیکھتے دیکھتے الٹے قدموں چلتی دروازے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اسی دم امی اور مہرو دروازے پر نمودار ہوئیں۔

''کیا اٹھ گئے تمہارے ابا؟'' امی اپنی جون میں یونہی بولتی ہوئیں اندر کمرے میں آئیں جب کہ مہرو لالہ رخ کی کیفیت دیکھ کر بری طرح چونکی مگر پھر اگلے ہی پل مامی کی دلدوز چیخوں نے اسے بے حد متوش کر ڈالا ماموں کا زندگی سے عاری وجود اس کی نگاہوں کے حصار میں آچکا تھا۔ مہرو نے ہونقوں کی طرح لالہ رخ کو دیکھا جو بے حد عجیب سے انداز میں امی کو ابا کے سرہانے روتا بلکتا دیکھ رہی تھی، مہرو نے انتہائی سرعت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر برآمد ہونے والی چیخوں کو روکا تھا۔

❁.......❁.......❁

نیلم فرمان بے حد خوش تھی آج باسل نے خود ہی اس سے فائیو اسٹار ہوٹل میں ملنے کا اصرار کیا تھا اور پلان کے تحت نیلم اسے کسی بھی طرح ہوٹل کے روم میں لے جانے والی تھی تاکہ وہ اسے اپنی اداؤں میں پھنسا کر اسے اپنے قریب لا سکے جبکہ اسے وہاں کسی محفوظ جگہ پر بالکل زیرو سائز کا ایک کیمرا بھی سیٹ کرنا تھا تاکہ وہ کیمرا باسل حیات کی نگاہوں میں نہ آسکے اور یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرلیں اس وقت وہ ڈنر ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نیلم فرمان ڈیپ ریڈ رنگ کا بے حد شوخ سا سوٹ زیب تن کیے ہوئے تھی جس پر سفید دھاگوں سے کڑھائی کی گئی تھی سوٹ کی ہی مناسبت سے اس نے ڈارک ریڈ لپ اسٹک لگا رکھی تھی۔

''باسل مجھے یہاں کچھ گھٹن سی محسوس ہورہی ہے میرا دل نجانے کیوں گھبرا رہا ہے۔'' نیلم نے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا تو باسل حیات یک دم پریشان سا ہوگیا۔

''ٹیک اٹ ایزی گہری گہری سانسیں لو۔'' نیلم اس کے کہنے پر گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر اور زیادہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''باسل شاید مجھے یہاں لوگوں میں گھٹن ہورہی ہے تم پلیز مجھے دوسری جگہ پر لے چلو جہاں یہ لوگ نہ ہوں صرف تم اور میں ہوں۔'' باسل نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر سرعت سے بولا۔

''اوکے آؤ میرے ساتھ ہم یہاں کے روم میں چلتے ہیں۔'' مچھلی کانٹا نگل گئی تھی نیلم نے دل ہی دل میں بے حد خوشی محسوس کرتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے میں وہاں پر کچھ ریسٹ بھی کرلوں گی سر بھی اچانک چکرانے لگا ہے۔'' پھر وہ دونوں وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے باسل خاور حیات خود اعتمادی سے استقبالیہ کی جانب جا رہا تھا جبکہ نیلم فرمان فاتحانہ انداز میں اس کے سنگ چلتی آگے کی پلاننگ کے تانے بانے بُن رہی تھی۔

❁.......❁.......❁
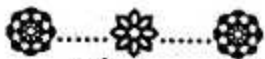
ماریہ کو مکمل طور پر ہوش آچکا تھا ڈاکٹرز نے اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے سائیکاٹرسٹ کو ریفر کیا تاکہ اسے ڈپریشن اور مینٹلی اسٹریس سے باہر لایا جاسکے اور اس کے اندر کی گھٹن کو ختم کیا جاسکے کیوں کہ اگر ایسا اٹیک اسے دوبارہ ہوتا تو پھر خطرہ

لاحق ہوسکتا تھا۔ سائیکاٹرسٹ نے اس سے کافی سارے سوالات کیے تھے گوکہ اس پل اس کی ذہنی کیفیت کافی اپ سیٹ تھی مگر پھر بھی اس نے ان کے سوالوں کے جواب کافی ہوش مندی اور احتیاط سے دیئے تھے وہ ہرگز نہیں چاہتی کہ یہ سائیکاٹرسٹ اس کی ذات کی تہہ میں اتر کر اس کا راز جان لے اور پھر اس کی ماں جیکولین کو بتادے اگر جیکولین کو حقیقت معلوم ہوجاتی تو وہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بناء اس کی شادی ولیم سے کردیتی اور ایسا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی اسے ایک ایسے ہمدرد مددگار کی ضرورت تھی جو اس کی پوزیشن کو سمجھتے ہوئے اس کا ساتھ دے اور کشمکش سے اسے چھٹکارا دلائے مگر کوئی بھی ہاتھ کوئی بھی شانہ اسے اب تک میسر نہیں آسکا تھا جس کا ہاتھ تھام کر وہ اپنا کتھارسس کرلیتی جس کے شانے پر سر رکھ کر وہ آنسوؤں کے ذریعے اپنے اندر کی وحشت اور گھٹن کو نکال باہر کرتی جو اندر ہی اندر اسے مارے دے رہی تھی اس نے حالات کو دیکھتے ہوئے فی الحال خود کو اس کے حوالے کردیا تھا مگر اس نے ہار ہرگز نہیں مانی تھی وہ یہ بات بھی بخوبی جانتی تھی کہ اس کا بھائی ابرام جو حقیقت میں اس پر جان نچھاور کرتا ہے تھا وہ چاہ کر بھی اس کی کوئی بھی مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی جیکولین کو اس کے عزائم کی بابت آگاہ کرے گا اپنے دل کی بات کہہ کر اس نے اپنے دل کا بوجھ اپنے بھائی کے ساتھ بانٹ لیا تھا مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اپنا بار اس نے ابرام کے اعصاب پر لاد دیا ہے جس نے اسے دن و رات پریشان کر رکھا ہے پچھلے کچھ ماہ سے اس پر عجب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ بے حس ہوکر اپنے خول میں بند ہوگئی تھی اسے اپنے جان سے عزیز بھائی کی پریشانی بھی متاثر نہیں کررہی تھی اسے جیسے کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔

وہ آہستہ آہستہ ڈپریشن جیسی سنگین بیماری کے شکنجے میں جکڑتی چلی جارہی تھی اس کے اعصاب بری طرح سے جواب دے گئے تھے۔ سائیکاٹرسٹ کے چلے جانے کے بعد ابرام اور جیسکا مسکراتے ہوئے دروازے سے داخل ہوئے تھے۔

”اب کیسا محسوس کررہی ہو تم۔“ جیسکا فریش پھولوں کا گلدستہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے شستہ انگریزی میں بولی تو ماریہ بھی اسے دیکھ کر زبردستی مسکراتے ہوئے محض فائن کہہ کر رہ گئی ابرام خاموشی سے اس کے مقابل آکر بیٹھ گیا تھا۔ ماریہ یونہی بے زاری سے لیٹی رہی۔

”اُف ماریہ ہم تو تمہاری کنڈیشن دیکھ کر کافی ڈر گئے تھے، خیر چھوڑو ان باتوں کو تھینک گاڈ کے اب تم ٹھیک ہو۔“ جیسکا اس سے اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر اس کا ذہن آہستہ آہستہ غنودگی میں جارہا تھا شاید دواؤں کے اثرات تھے وہ تھوڑی ہی دیر میں اردگرد سے بے گانہ ہوکر گہری نیند میں چلی گئی تھی۔ جیسکا نے اسے سوتا ہوا بغور دیکھا پھر ابرام کو دیکھ کر گویا ہوئی۔

”ماریہ دواؤں کے زیر اثر سوگئی ہے ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ ابھی فی الحال ماریہ کو نیند کی سخت ضرورت ہے شاید وہ کافی راتوں سے ڈھنگ سے سو نہیں سکی۔“

”ہاں شاید یہ بہت دنوں سے سکون سے سوئی نہیں۔“ ابرام ماریہ پر نگاہیں جماتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے بولا پیچ رنگ کی جینز پر وائٹ شرٹ پہنے وہ کافی الجھا الجھا لگ رہا تھا۔ جیسکا نے اسے ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے گویا ہوئی۔

”اوہ گاڈ ہماری ماریہ جلد از جلد ٹھیک ہوجائے نجانے وہ کس بات کو لے کر اتنا ٹینس ہے کہ وہ میجر ڈپریشن میں چلی گئی۔ کیا حالت ہوگئی ہے ماریہ کی کتنی کمزور اور بیمار سی لگ رہی ہے میری فرینڈ۔“ ابرام ماریہ کے چہرے کو مسلسل تکے جارہا تھا اس کے صحت مند سرخی مائل سیب جیسے گال اس پل بالکل پچک گئے تھے۔ گلابی ہونٹ نیلاہٹ لیے اسے بہت لاغر ظاہر کررہے تھے۔

”ابرام میرے خیال میں جیکولین آنٹی کو ماریہ کی ولیم کے ساتھ منگنی نہیں کرنی چاہیے تھی وہ ولیم کو پسند نہیں کرتی۔

محبت، نفرت اور شک کی آمیزش سے مزین ایک ناقابل فراموش کہانی
بنتے بگڑتے رشتوں سے آراستہ ایک معاشرتی و رومانی دلکش تحریر
حسد کی آگ میں دوسروں کی زندگی جھلسا دینے والوں کا دردناک انجام
ڈھل گیا ہجر کا چاند
حجاب کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ فرمائیں
انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ نفرت بو کر محبت کے پھول نہیں پا سکتا
نفرت کے آنگن میں محبت کے پھولوں کو کھلنے سے کون روک سکتا ہے
گمراہی سے ہدایت تک کا سفر، بنتے بگڑتے رشتوں کی اچھوتی داستان
امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی محبت کی حسین کہانی
پریشانی سے بچنے کے لئے اپنی کاپی آج ہی بک کرائیں۔ رابطہ 03008264242

ماریہ کے ساتھ آنٹی نے شاید زبردستی کی ہے اور یہ انہوں نے ٹھیک نہیں کیا۔" جیسکا اپنی سہیلی کی محبت میں بولتی چلی گئی اسے حقیقت میں اس لمحے ماریہ کی دگرگوں حالت بے حد اپ سیٹ کررہی تھی۔

"ابرام میں واقعی حیران ہوں اس بات پر کہ تم نے اپنی عزیز از جان بہن کی فیلنگز کو کیوں نہیں سمجھا اس کا ساتھ کیوں نہیں دیا کیوں اس کے لیے جیکولین آنٹی سے فائٹ نہیں کی کیوں ابرام کیوں؟" جیسکا اسے دیکھ کر چیخ کر بولی تو ابرام نے بے حد خاموش نگاہوں سے جیسکا کو دیکھا۔

❀.......❀.......❀
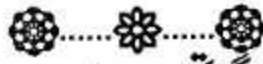
زرمینہ مہوش کو اپنے جانے کا بتا کر روم میں آ گئی تھی زرتاشہ اور زرمینہ دونوں کل علی الصبح کی فلائٹ سے اسلام آباد جارہی تھیں فراز شاہ نے ان دونوں کی ٹکٹس بک کرادی تھیں اور فیکس کے ذریعے زرمینہ نے انہیں وصول بھی کرلیا تھا زرتاشہ بے حد ایکسائیڈ تھی اس نے اپنے تئیں زرمینہ کو منع کردیا تھا کہ وہ لالہ رخ کو کچھ نہ بتائے وہ ان سب کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔

"پتا ہے زری میں وہاں پہنچتے ہی اپنے ابا کے سینے سے لگ جاؤں گی انہیں ڈھیر سارا پیار کروں گی میں جب چھوٹی تھی ناتواں کے گلے کا زبردستی ہار بن جاتی تھی پھر ان کی پیشانی پر پیار کرکے اپنے دونوں گالوں کو آگے بڑھاتی تھی تو وہ ہنس کر انہیں چوما کرتے تھے میں وہاں جا کر ان کے ساتھ ایسا ہی کروں گی۔ کتنے دن میں ان سے دور رہی ہوں زری۔" زرتاشہ اپنے سفری بیگ میں سامان رکھتے ہوئے مسلسل بولے جارہی تھی اس وقت اس کی خوشی اس کا جوش دیدنی تھا زرمینہ نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

"اللہ کرے تاشو تمہارے ابا کا سایہ ہمیشہ یونہی تمہارے سر پر سایہ فگن رہے آمین۔" زرمینہ دل ہی دل میں خود سے بولی زرتاشہ اب کچھ کہتے کہتے واش روم میں چلی گئی تھی کہ اسی دم اس کا سیل فون بج اٹھا زرمینہ نے ہاتھ میں پکڑا موبائل اپنی نگاہوں کے سامنے کیا تو لالہ رخ کا جگمگاتا نام دیکھ کر سرعت سے یس کا بٹن دبایا۔

"جی آپی ہم بس......!"

"کیا......!" زرمینہ کو ایسے لگا جیسے اس کے پیروں تلے زمین کھسک گئی ہو اور اس کا وجود ہوا میں معلق ہوگیا ہو۔

"آپی ہم آج ہی آرہے ہیں۔ پلیز تدفین پر ہمارا ویٹ کیجیے گا ورنہ تاشو کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوجائے گی۔" بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی پھر اس نے تیزی سے لائن کاٹی اور ایک نگاہ واش روم کے بند دروازے پر ڈال کر اٹلتے قدموں کمرے سے باہر نکل کر سرعت سے فراز کا نمبر ملانے لگی زرمینہ فراز شاہ کو اطلاع دیتے ہوئے خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی فراز کو بھی بے حد افسوس ہوا تھا۔

"ریلیکس گڑیا اس طرح نہیں روتے چلو شاباش رونا بند کرو تمہیں زرتاشہ کو بھی تو سنبھالنا ہے۔"

"فراز بھائی آپ پلیز ہماری آج کی سیٹس کرادیجیے یہ آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا بس تاشو کو اس کے ابا کا آخری بار چہرہ دیکھنا نصیب ہوجائے میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں فراز بھائی ہمیں وہاں تک لے چلیے۔" زرمینہ لجاجت بھرے لہجے میں تڑپ کر بولی تو فراز کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا وہ دل سے زرمینہ اور زرتاشہ کو اپنی چھوٹی بہن سمجھنے لگا تھا۔

"اوکے اوکے میں آج ہی سب ارینج کرتا ہوں تم پلیز رونا بند کرو اور ہاں زرتاشہ کے سامنے تو بالکل بھی مت رونا۔" آخر میں وہ مان بھرے لہجے میں ڈپٹتے ہوئے بولا تو زرمینہ نے سر اثبات میں ہلا کر اپنے آنسوؤں کو دوسرے ہاتھ سے بڑی بے دردی سے رگڑا۔

"ٹھیک ہے فراز بھائی میں اب نہیں روؤں گی بس پلیز آپ ہمیں آج ہی مری لے چلیے۔" پھر زرمینہ نے فون بند

کر دیا جبکہ فراز نے تیزی سے اپنے کمرے کی دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا جو اس وقت صبح دس بجے کا اعلان کر رہی تھی اس نے بے حد عجلت میں اپنے ٹریول ایجنٹ کو فون ملایا۔

❁......❁......❁
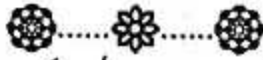
نیلم فرمان اور اس کے گینگ کے دونوں لڑکے اس وقت پولیس کی حراست میں تھے باسل عدیل اور احمر کے سامنے خاموش بیٹھا تھا احمر اور عدیل بھی دونوں اپنی اپنی جگہ کل رات رونما ہونے والے واقعہ کے زیر اثر چپ بیٹھے تھے باسل کو کل رات کا تمام تر واقعہ پوری جزئیات سمیت یاد آ گیا تھا وہ طے شدہ پروگرام کے تحت خود ہی نیلم کو موقع فراہم کر کے فریش ہونے واش روم میں چلا گیا تھا جبکہ نیلم نے بڑی آسانی سے بیڈ کے بالکل سامنے ایک خوب صورت سے ریک میں رکھے ڈیکوریشن پیسز اور فلاور پاٹ کے درمیان چھپا کر چھوٹا سا کیمرا سیٹ کر کے اسے آن کر دیا تھا جب باسل واش روم سے باہر آیا تو نیلم فرمان صوفے پر بڑے ریلیکس انداز میں ایل سی ڈی پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھی تھی اسے باہر آتا دیکھ کر وہ بڑی دلکشی سے مسکرائی تھی، جس دن رطابہ اس کے گھر آئی تھی اسی دن باسل اسے اپنے ہمراہ عدیل کے انکل جو ڈی ایس پی تھے ان کے پاس لے گیا تھا رطابہ نے ڈی ایس پی آصف اقبال کے سامنے تمام کہانی سنا دی تھی تمام باتیں سن کر انہوں نے رطابہ اور باسل سے کہا کہ انہیں نیلم کے خلاف کسی ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے پھر ان تینوں نے مل کر یہ ڈرامہ بنایا تھا عین وقت پر جب نیلم باسل پر اپنا جال پھینکتی وہاں پولیس کے اہلکاروں سادہ لباس میں پہنچ جائیں گے کیونکہ اگر وردی میں جاتے تو خوامخواہ وہاں افراتفری مچتی اور پھر ہوٹل کی ریپوٹیشن بھی خراب ہوتی جس کا اس معاملے میں کوئی لینا دینا نہیں تھا اور پھر وہاں ہوا بھی یہی نیلم نے الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں اور باسل کو اپنی طرف راغب کیا جبکہ پولیس نے بالکل ٹھیک وقت پر ان کے دروازے کو بجایا۔

''اف یہ اس وقت کون بدتمیز آ گیا۔'' نیلم دل ہی دل میں بے پناہ تلملائی' کامیابی چند قدم پر تھی مگر کسی کی بے وقت آمد نے اسے بے حد بے مزہ کر دیا تھا جب ان لوگوں نے اپنی شناخت کروائی تو نیلم بری طرح بدحواس ہوئی اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش بھی کی مگر پولیس کے اہلکار نے اسے بے بس کر دیا تھا اور پھر وہیں نیلم سے اس کے دو اور ساتھیوں کی بابت دریافت کیا تھا کیونکہ ان سب کو سو فیصد یقین تھا کہ وہ بھی یہیں ہوٹل میں ہیں یقیناً نیلم کو غیر مردوں کے ہمراہ باہر نکلتے دیکھ کر وہ فوراً سے پیشتر سمجھ جاتے کہ نیلم پولیس کے ہتھے لگ گئی ہے لہٰذا وہ وہاں سے فوراً فوچکر ہو جاتے ان دو لڑکوں کی لوکیشن رطابہ کو بھی نہیں پتا تھی ورنہ پولیس پہلے انہیں دھرتی اور پھر نیلم کو جا کر پکڑتی بہر کیف لیڈی کانسٹیبل کے دو چار تھپڑ کھا کر اس نے بڑی شرافت سے ان دونوں کو اپنے سیل فون سے یہ کہہ کر وہاں سے چلتا کر دیا کہ ''تم دونوں ٹھکانے پر پہنچو میں بس کچھ دیر میں وہاں آ جاؤں گی۔'' پھر بڑی آسانی سے انہوں نے ان دونوں بلیک میلرز کو ان کے مخصوص ٹھکانے جو ایک خستہ حال فلیٹ تھا وہاں سے پکڑ لیا اور ان کے علاوہ کافی ساری ویڈیوز بھی قبضے میں لے لی تھیں جن کے ذریعے وہ نجانے کتنوں کو بلیک میل کر کے پیسہ بٹور چکے تھے یوں یہ قصہ تمام ہوا تھا۔

''باسل یہ تو فیکٹ ہے کہ اگر رطابہ تمہاری مدد نہ کرتی تو تم یقیناً ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔'' عدیل کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی' اس نے چونک کر عدیل کو دیکھا پھر ایک گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔

''ویسے عدیل اگر رطابہ اس دن نیلم کی باتیں نہ سن لیتی تو یقیناً خود بھی ڈوبتی، شکر ہے کہ بروقت اس کی آنکھیں کھل گئیں۔'' احمر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا تو باسل نے بغور عدیل کی جانب دیکھا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تمہاری سکس سینس بالکل ٹھیک کام کر رہی تھی عدیل نیلم کا پلان واقعی کافی ڈینجرس تھا کچھ بھی ہے مگر میں رطابہ کا تھینک فل ہوں اس کا ضمیر صحیح وقت پر جاگ گیا۔''

"یو آر رائٹ باسل واقعی رطابہ نیلم کا پلان جان کر خاموشی سے روپوش بھی ہو سکتی تھی۔" عدیل نے بھی باسل کی تائید کی تھی پھر معاً ذہن میں ایک خیال آیا تو اس نے باسل سے استفسار کیا۔

"تم بتا رہے تھے کہ وہ واپس اپنے گھر جانا چاہتی ہے۔" اس پل وہ اپنے کیمپس کے گراؤنڈ میں درخت کے نیچے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے رطابہ نے جس دن اسے نیلم فرمان کے پلان کے بارے میں بتایا تھا باسل نے اسی وقت عدیل سے اس کے انکل کی ڈیٹیلز معلوم کیں عدیل نے پوچھا بھی کہ اسے کام کیا ہے مگر فی الوقت وہ ٹال گیا اور پلان سے صرف چند گھنٹے پہلے اس نے عدیل اور احمر کو تمام حقیقت سے روشناس کیا اور رطابہ کی بابت بھی بتایا تھا وہ بے حد شاکڈ تھے نیلم ان کی سوچ سے بھی زیادہ خطرناک اور گھٹیا لڑکی نکلی تھی۔

"باسل میرے یار ذرا دھیان سے کام کرنا مجھے تو بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔" عدیل حقیقت میں کافی گھبرایا ہوا تھا۔

"ڈونٹ وری یار کچھ نہیں ہوگا بس نیلم اور اس کے ساتھی اپنے کیفر کردار تک پہنچیں گے۔" وہ تنفر بھرے لہجے میں بولا تھا اور اللہ کا شکر تھا کہ ان کا پلان بے حد کامیاب رہا تھا کوئی بھی بدمزگی نہیں ہوئی تھی۔

"او کے گائز اب اس چیپٹر کو یہیں کلوز کرتے ہیں۔" باسل سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو ان لڑکیوں سے چڑ سی ہو گئی ہے، اونہہ چیٹنگ کرنے میں لڑکوں سے چار ہاتھ آگے ہوتی ہیں فریبی ڈرامے باز اور چال باز۔" عدیل زہر خند لہجے میں بولا تو احمر نے بھی سر ہلا کر تائیدی انداز میں کہا۔

"عورت کے ڈنک سے تو اللہ بچائے اس کا کاٹا تو پانی بھی نہ مانگے۔"

"دوستوں یہ عورت ذات بڑی عجیب شے ہوتی ہے جب یہ اپنی نسوانیت اور عزت کو لپیٹ کر اس سے دست بردار ہوتی ہے نا تو مانو کہ اس سے زیادہ خطرناک چیز اور کوئی نہیں۔" باسل نے بڑی گہری بات کی عدیل اور احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو باسل اللہ بچائے ایسی عورتوں سے واقعی بڑی عجیب شے ہے یہ عورت ایک طرف ماں، بہن، بیٹی جیسا عظیم اور انمول روپ اور دوسری طرف اونہہ۔" آخر میں عدیل نے نفرت سے اپنے ہونٹوں کو بھینچا تو باسل نے اسے محض دیکھا۔

"کیسی ستی ساوتری بن کر باسل کے سامنے آئی تھی مشرقی لبادے میں لپٹی چھوئی موئی بنی۔" وہ مزید بولا۔

"مجھے تو اس گیٹ اپ سے بھی اب کراہیت آنے لگی ہے یہ ساری لڑکیاں ہوتی ہی ایک جیسی ہیں خاص طور پر خود کو نیک اور پارسا ظاہر کرنے والیاں آئی جسٹ ہیٹ اٹ۔" احمر کی بات پر باسل نے بے حد نفرت سے کہا۔

❁ ❁ ❁
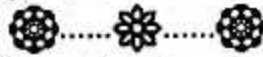
زرتاشہ بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی اس حرماں نصیب کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے زندہ سلامت ہنستے مسکراتے باپ سے نہیں بلکہ ان کی بے جان خاموش نعش سے ملنے جا رہی ہے جو اب منوں مٹی تلے ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہونے والا ہے زرینہ نے اسے صرف یہ بتایا تھا کہ فراز بھائی کو اچانک آج کی سیٹیں مل گئی ہیں جبکہ اپنی خوشی میں بے حال زرتاشہ نے زرینہ سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ جب کل صبح کی سیٹیں کنفرم تھیں تو اچانک آج دوپہر کی کیوں کرالی گئیں حالانکہ زرینہ نے اس بات کا بہانہ سوچ لیا تھا کہ وہ زرتاشہ کو اس بات پر قائل کرے گی کہ ہو سکتا ہے کہ یونیورسٹی کسی بھی وقت کھل جائے لہٰذا ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے فراز شاہ کا اتفاق سے مری میں کوئی کام تھا لہٰذا وہ ان کے ساتھ مری جا رہا تھا زرینہ نے زرتاشہ کو یہی بتایا تھا زرتاشہ تھوڑا چونکی ضرور مگر پھر اپنے گھر جانے اور ابا سے ملنے کی خوشی میں وہ اس بات کو بھی بھرپور انداز میں نظر انداز کر گئی جب جہاز نے ٹیک آف کیا تو زرتاشہ کا جوش و انبساط دیکھنے سے تعلق

رکھتا تھا وہ بالکل معصوم بچوں کی طرح چہک رہی تھی۔
"ہائے اللہ زری جہاز میں کتنا مزہ آرہا ہے نا ابا کو بتاؤں گی کہ میں کتنے مزے سے جہاز میں آئی ہوں پتا ہے میں ابا سے ہمیشہ جہاز میں بیٹھنے کی فرمائش کیا کرتی تھی اور ابا ہر بار ہنس کر ٹال جایا کرتے تھے اب میں انہیں جا کر بتاؤں گی تو وہ کتنا خوش ہوں گے نا۔" زرتاشہ جہاز کی کھڑکی سے باہر اڑتے بادلوں کو دیکھ کر کہہ رہی تھی جبکہ زرمینہ کا ضبط جیسے چھلک جانے کو تھا کوئی زرمینہ سے تو پوچھتا کہ اس پل وہ ضبط اور برداشت کے کن لمحوں سے گزر رہی ہے اپنی پیاری سی سہیلی کی یہ کیفیت دیکھنا اور پھر اس پر گزرے سانحے کو اس سے چھپانا وہ سخت ذہنی اذیت کا شکار تھی زرتاشہ کے اوپر کچھ گھنٹے بعد غم و صدمے کا پہاڑ ٹوٹنے والا تھا بھلا کیسے وہ یہ سب کچھ برداشت کر پائے گی اپنی معصوم سی سہیلی کا غم اسے بے تحاشا رلا رہا تھا جو حقیقت سے ہر بات سے یکسر انجان تھی فراز شاہ پچھلی جانب کی سیٹوں میں براجمان تھا ورنہ اسے سامنے پا کر زرمینہ یقیناً ضبط کے سارے پل توڑ دیتی اس وقت اکیلے زرتاشہ کے ہمراہ بیٹھ کر وہ خود پر بے حد کنٹرول کر رہی تھی کچھ ہی دیر میں ہوائی جہاز اسلام آباد کی زمین پر بخیر و عافیت لینڈ کر گیا تھا فراز نے بڑی عجلت میں ایئرپورٹ کے اندر کے معاملات نمٹائے اور ریڈیو کیپ وہیں سے ہائیر کر کے اسی میں بائی روڈ مری جانے کا فیصلہ کیا۔ فراز شاہ ڈرائیور کے برابر کی سیٹ پر براجمان تھا جبکہ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔
"زری یہ فراز بھائی کو کچھ زیادہ ہی جلدی نہیں ہے۔" زرتاشہ کی فراز سے زیادہ بات چیت نہیں تھی اس کی عجلت و تیزی دیکھ کر وہ زری کے کان میں گھس کر سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔
"ہوں...... ہاں شاید انہیں اپنے کام کے حوالے سے جلدی ہو۔"
"ہاں جلدی تو مجھے بھی ہے اپنے ابا سے ملنے کی۔" زرتاشہ مگن سی ہو کر بولی تو اس پل زرمینہ کا دل چاہا کہ وہ اپنا ہاتھ سختی سے زرتاشہ کے منہ پر رکھ دے۔
"یا اللہ اس معصوم سی لڑکی کو اتنا بڑا غم سہنے کی ہمت عطا کرنا بے شک تو ہی صبر و استقامت عطا کرتا ہے۔ گرتے ہوؤں کو سنبھالتا ہے ان کی دادرسی کرتا ہے بلاشبہ تو ہی ہمارا سہارا ہے ہمیں سنبھالنے والا ہماری مدد کرنے والا۔" فراز شاہ دل ہی دل میں خود سے بولتا چلا گیا کہ اسی دم اس کا سیل فون گنگنا اٹھا۔

❁......❁......❁

سائیکاٹرسٹ اپنی نشست جمائے بیٹھا تھا اور اس وقت ماریہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس بڈھے کھوسٹ کا سر توڑ ڈالے جو مختلف حیلے بہانوں اور اپنی پیشہ ورانہ تکنیکی مہارت سے اس کے اندر کا کھوج لگا رہا تھا۔
"کچھ بھی ہو جائے میں تجھے تو ہرگز نہیں بتاؤں گی میرا نام بھی ماریہ ایڈم ہے اتنی آسانی سے اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لاؤں گی۔ اوہ گاڈ کب اس شخص سے میری جان چھوٹے گی۔" وہ اندر ہی اندر خود سے بولے جا رہی تھی۔
"ڈاکٹر میں گھر جانا چاہتی ہوں پلیز آپ مجھے گھر جانے کے لیے ریفر کر دیجیے میں اب اپنے آپ کو کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔" ماریہ اپنے اندر کی گھٹن اور بے زاری کو چھپاتے ہوئے چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی تو ڈاکٹر نے اسے چند ثانیے کے لیے بغور دیکھا پھر قدرے سوچ کر بولا۔
"او کے جیسے تمہاری مرضی میں تمہارے ڈاکٹر سے بات کر لیتا ہوں۔" اس وقت وہ دونوں محو گفتگو تھے ماریہ ڈاکٹر پر شمردہ سن کر کھل اٹھی۔
"رئیلی ڈاکٹر تھینک یو...... تھینک یو سو مچ۔"
"مائی پلیژر لٹل پرنس۔" وہ مسکرا کر بولے پھر وہاں سے چلے گئے ماریہ نے ایک طمانیت آمیز سانس بھری

تھوڑی ہی دیر میں جیسکا دروازہ ہلکا سا ناک کرکے اندر آئی' ماریہ آج اسے کافی بہتر حالت میں لگ رہی تھی وہ ماریہ کو کچھ پریشان سی لگی۔

''ماریہ ولیم اور اس کی فیملی کل یہاں آ رہے ہیں۔'' وہ اس کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی تو ماریہ نے بےزاری سے کہا۔

''اوہ کم آن جیسکا ولیم ہی آ رہا ہے نا کوئی ایلین تو نہیں جو تم اتنا گھبرا رہی ہو۔'' جواباً جیسکا نے اسے کافی غور سے دیکھا۔

''اب مجھے ایسے کیوں گھور رہی ہو۔'' یک دم جیسکا ماریہ کے انداز پر زور سے ہنس دی۔

''میری جان تم اس وقت اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ دل چاہ رہا ہے کہ بس تمہیں ہی دیکھتی رہوں۔'' وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی تو ماریہ نے منہ بنا کر کہا۔

''ویری فنی۔'' جبکہ جیسکا پہلے سے بھی زیادہ زور سے ہنسی تو ماریہ بھی بےساختہ کھل کر مسکرادی۔

❁......❁......❁

لالہ رخ کا محلہ اس وقت غم والم میں ڈوبا ہوا تھا سب ہی کو ابا کی وفات کا بہت دکھ تھا اس وقت ان کا چھوٹا سا گھر عزیز رشتے داروں اور محلے داروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر کوئی مرحوم کی اچھائیاں یاد کرکے ان کی تعریفیں کر رہا تھا مہرو کی ماں نے اپنی بھاوج کو سنبھال رکھا تھا حالانکہ ان کا غم بھی شدید تھا باپ جیسا بھائی آج انہیں یتیم کر گیا تھا۔ مہرو کی اپنی حالت بےحد ابتر تھی جبکہ لالہ رخ نے خود کو بےحد دقتوں سے سنبھالا ہوا تھا وہ ایک بار بھی کھل کر نہیں روئی تھی ابا کی میت اپنے آخری سفر پر جانے کے لیے بالکل تیار تھی سب کو صرف زرتاشہ کے آنے کا انتظار تھا زرینہ نے ایئرپورٹ سے نکلتے ہی چھپکے سے لالہ رخ کو اپنے اسلام آباد پہنچنے کی اطلاع میسج کرکے دے دی تھی جبکہ مہرو کا دل ہر تھوڑی دیر بعد سوکھے پتے کی طرح کانپ جاتا زرتاشہ کا خیال اور پھر اس کا ردعمل سوچ کر وہ اندر ہی بےحد خائف اور متوحش ہو رہی تھی۔

''بٹو مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے زرتاشہ ماموں کی بےحد لاڈلی تھی اور دیکھو اس بدقسمت کو آخری وقت میں ماموں کا ساتھ بھی نصیب نہیں ہوا۔ بٹو تاشو پر تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔'' بولتے بولتے مہرو زار و قطار رونے لگی تو بٹو کی بھی آنکھوں میں سے آنسو جاری ہوگئے۔

''باجی آپ تو حوصلہ کرو اس طرح روؤں گی تو باجی لالہ کو کون سنبھالے گا۔'' بٹو کی بات سن کر مہرو اپنے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''اللہ پاک سب ٹھیک رہے ہم سب کو صبر جمیل عطا فرما' آمین۔''

❁......❁......❁
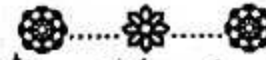
اسکرین پر سونیا کا نام دیکھ کر فراز کے اندر الجھن اور کوفت کی ایک لہر اٹھی تھی۔ اس نے چند ثانیے شور مچاتے سیل فون کو دیکھا پھر یس کا بٹن دبا کر اپنے کانوں سے لگایا۔

''واٹس رانگ ود یو فراز آج تم نے مجھے لنچ پر بلایا تھا نا میں کب سے ریسٹورنٹ میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں تمہارا سیل فون بھی آف جا رہا تھا وہ تو ہمارا کلاس فیلو راحیل مجھے مل گیا تو میرا کچھ ٹائم پاس ہوگیا۔'' سونیا خان نان اسٹاپ بولتی چلی گئی جبکہ فراز بےاختیار اپنے ماتھے پر ہاتھ دھرے اس کی کتھا سنتا رہا آج اسی نے سونیا کو لنچ پر انوائٹ کیا تھا تاکہ وہ اس سے آج کلیئر کٹ بات کرلے گا مگر اچانک اس ایمرجنسی کے نتیجے میں وہ لنچ کینسل کرنا اور سونیا کو انفارم کرنا بالکل بھول گیا تھا۔

''فراز تم سن بھی رہے ہو نا...... کہاں ہو کب تک پہنچ رہے ہو۔'' دوسری جانب گہری خاموشی محسوس کرکے سونیا تیزی

مریم اعجاز

السلام علیکم میرا نام مریم اعجاز ہے میرا تعلق ملتان سے ہے۔ مجھے آنچل و حجاب ڈائجسٹ بہت پسند ہیں۔ میں آنچل کی بہت پرانی قاری ہوں لیکن مجھے حجاب پڑھتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن جب سے پڑھنا شروع کیا ہے اس کی کہانیاں معیاری اور دلچسپ لگتی ہیں۔ امید ہے حجاب اپنی کہانیوں کو مزید بہتر سے بہتر بنائے گا۔ آنچل و حجاب میں لکھنے والی تمام لکھاری بہت اچھی ہیں۔ سب کو میری طرف سے اچھا لکھنے پر بہت مبارک باد۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ

سے بولی۔

''آں...... ہاں میں سن رہا ہوں سونیا۔'' وہ بری طرح ہڑبڑایا جبکہ پیچھے بیٹھیں زرتاشہ اور زرینہ کے کان لاشعوری طور پر فراز کی جانب لگ گئے۔

''تم فوراً پہنچو میں دو کولڈ ڈرنکس آل ریڈی پی چکی ہوں بھوک کے مارے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں میں نے آرڈر بھی دے دیا ہے۔ بس تم فوراً آجاؤ۔'' وہ اپنی جون میں بولے جارہی تھی جبکہ فراز بے حد پریشان ہوا۔

''اوہ گاڈ اب میں سونیا کو کس طرح ڈیل کروں گا یہ......'' وہ بڑی بے بسی سے خود سے دل میں بولا پھر گلا کھنکار کر خود کو بولنے پر آمادہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''ایکچوئیلی سونیا آئی ایم ایکسٹریملی ویری ویری سوری دراصل میں......'' بولتے بولتے یک دم اسے خیال آیا کہ پیچھے زرتاشہ بیٹھی ہے۔ جس کو زرینہ نے یہ کہا تھا کہ اسے مری میں کوئی ضروری کام ہے لہٰذا وہ ان کے ہمراہ مری جارہا ہے اگر وہ اصل بات سونیا کو بتاتا کہ اسے نہایت ایمرجنسی میں مری یا اسلام آباد آنا پڑا ہے تو یقیناً وہ فراز کے متعلق شک میں مبتلا ہوجاتی وہ ذرا رک کر پھر سہولت سے گویا ہوا۔

''میں کچھ بزی ہوگیا تھا اور تمہیں انفارم کرنا میرے ذہن سے بالکل نکل گیا پلیز تم لنچ کرلو ہم پھر......'' دوسری جانب سے لائن کاٹ دی گئی تھی فراز بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا وہ اس وقت تصور میں سونیا کا اشتعال میں لپٹا سرخ چہرہ دیکھ رہا تھا زرتاشہ اور زرینہ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب خاموشی سے دیکھا۔

❀......❀......❀

شام کے اجالے نے دوپہر کی کڑکتی چمکتی دھوپ کی چبھن کو ماند کردیا تھا اور یہ سب ان چلتی ہواؤں کی بدولت تھا کراچی کی ہوائیں اس شہر کے باسیوں کے لیے بہت بڑی نعمت تھیں جو گرمی کی شدت اور حدت کو کافی کم کردیتی تھیں وہ ہلکا سا دروازہ ناک کر کے اندر چلی آئی اسپلٹ کی ٹھنڈک نے کمرے کو یخ بستہ کر رکھا تھا وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی تو باسل کو گہری نیند میں محو پایا حورین نے تشویش زدہ انداز میں باسل کی پیشانی پر ہاتھ رکھا مگر اگلے ہی پل اس نے اطمینان آمیز سانس بھری باسل کی پیشانی بالکل نارمل تھی اس کا مطلب تھا کہ اس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے دراصل باسل اس وقت سونے کا عادی نہیں تھا اسے یوں بے وقت کمرے میں موجود پا کر حورین کو کچھ پریشانی ہوئی تھی وگرنہ اگر وہ گھر پر ہوتا تو شام کی چائے ان دونوں کے ساتھ ہی پیتا تھا یا پھر جم تو کبھی کلب چلا جاتا' ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ باسل کو جگائے یا پھر اسے سوتا رہنے دے کہ اسی دم باسل نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور حورعین کو اپنے سامنے ایستادہ دیکھ کر وہ کچھ دیر یونہی خالی الذہن لیٹا رہا پھر ذہن پوری طرح سے جاگا تو وہ اپنی ماں کو دیکھ کر یک دم مسکرایا۔

''مام آپ یہاں ایسے کیوں کھڑی ہیں۔'' وہ نیند میں ڈوبی آواز میں بولا تو حورین دھیرے سے ہنسیں۔

''سوچ رہی تھی کہ تمہیں جگاؤں یا پھر سونے دوں۔'' اسی اثنا میں وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''بس ذرا آنکھ لگ گئی تھی آپ مجھے جگا دیتیں۔''
''ہوں تم خود ہی جاگ گئے۔''
''آپ کی خوش بو سے میری آنکھ دیکھیں کیسے فٹ سے کھل گئی۔''
''اچھا زیادہ باتیں مت بناؤ فریش ہو کر نیچے آجاؤ چائے بالکل تیار ہے۔'' حورین اس کی بات پر ہنس کر بولتے ہوئے اس کی سلکی بال بگاڑ کر وہاں سے چلی گئی تو باسل نے اپنا سیل فون سائلنٹ پر سے ہٹانے کی غرض سے جونہی سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر اسے آن کیا رطابہ کا میسج چھم سے آنکھوں کے سامنے آگیا اس نے یس کا بٹن دبایا۔
''باسل میں کل صبح اپنے شہر اور گھر واپس جا رہی ہوں تم سے تھینکس بھی کہنا تھا اور سوری بھی سوری اس لیے کہ میں نے نیلم کے ساتھ مل کر تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور تھینکس اس وجہ سے کہ تم نے میری جان نیلم اور اس کے گینگ سے چھڑائی اپنا خیال رکھنا۔''
چند ثانیے باسل یونہی خاموش کھڑا رہا پھر سر جھٹک کر فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب چل دیا۔

❁......❁......❁
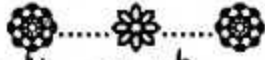
ساحرہ اپنے ویل فرنیشڈ ٹھنڈے کمرے میں بڑے طمطراق سے بیٹھی مختلف فائلوں کا جائزہ لے رہی تھی اس پل اس کے صبیح چہرے پر طمانیت و مسرت کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں کیونکہ تھوڑی دیر پہلے ہی ایک غیر ملکی ڈیلیکیشن نے ان کی این جی او کو ایک خطیر رقم ڈونیٹ کرنے کی حامی بھری تھی ان لوگوں نے اس این جی او کا ساحرہ کے ہمراہ جا کر وزٹ بھی کیا تھا یہاں موجود بے سہارا لڑکیوں اور لاچار معمر خواتین سے سوالات بھی کیے تھے جن کو ساحرہ اور اس کی ٹیم نے پہلے ہی تیار کر دیا تھا کہ انہیں کس سوال کا کیا جواب دینا ہے لہٰذا اب وہ مطمئن ہو کر یہاں سے رخصت ہو گئے تھے اپنے کام میں وہ ہنوز مصروف عمل تھی جب ہی چپڑاسی نے اسے کسی سارا خاتون کے آنے کا عندیہ دیا۔
''سارا اور یہاں وہ بھی اچانک۔'' ساحرہ کافی حیران ہو کر خود سے باآواز بلند بولی پھر حکم کے منتظر چپڑاسی کو فوراً ہدایت دیتے ہوئے گویا ہوئی۔
''انہیں فوراً اندر بھیجو جری اپ۔'' چپڑاسی باہر نکل گیا تھوڑی ہی دیر میں شیشے کا بھاری دروازہ دھکیل کر سارا بیگم اندر داخل ہوئی تھیں جن کے قدم رکھتے ہی پورے کمرے میں پرفیوم کی بے حد دلفریب مہک پھیل گئی تھی۔
''ارے سارا آئی ایم سو ہیپی ٹو سی یو پلیز آؤ نا۔'' ساحرہ یک دم اپنی کرسی سے اٹھ کر بے حد خوش گوار لہجے میں بولی تو سارا بیگم تمکنت سے مسکراتے ہوئے ساحرہ کے قریب آئیں دونوں خواتین نے بڑی نزاکت سے گال سے گال ملایا اور پھر اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئیں۔
''اور سناؤ سب ٹھیک ہے نا اور سونیا کیسی ہیں۔''
''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے اور اپنی اپنی لائف میں بزی بھی ہیں۔'' ساحرہ کے استفسار پر سارا بیگم نے مسکراتے ہوئے انہیں جواب دیا پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد سارا بیگم اپنے اصل مدعے کی جانب آگئیں۔
''باجی آپ کو تو پتا ہی ہوگا کہ سونیا ابھی لاہور سے میری بھانجی کی شادی اٹینڈ کر کے لوٹی ہے ماشاء اللہ سے بے حد اچھے اور سلجھے ہوئے گھرانے میں اس کی شادی ہوئی ہے۔'' گرے رنگ کی قیمتی ساڑھی کا پلو اپنے کندھے پر سیٹ کرتے ہوئے سارا بیگم بہت سہولت سے گویا ہوئیں۔
''یہ تو بہت اچھی بات ہے تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔'' ساحرہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

پارس شاہ

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف اور قارئین کیسے ہیں آپ لوگ؟ امید ہے خیریت سے ہوں گے۔ میں پارس شاہ ہوں میرا تعلق ضلع چکوال سے ہے۔ میرا اسٹار حمل ہے۔ ہم پانچ بہنیں ہیں۔ میرا نمبر دوسرا ہے۔ بڑی بہن مہوش ہے جو ایف اے کر چکی ہے اس کے بعد میں ہوں فروا' ماہ نور اور ایمان ہیں۔ آنچل سے میرا رشتہ 2011 سے ہے۔ مجھے بہار کا موسم پسند ہے۔ گلابی اور سفید رنگ پسند ہے۔ پھل سارے ہی پسند ہیں۔ بریانی اور قلفہ' شامی کباب' سیخ کباب اور برگر بہت زیادہ پسند ہیں۔ رائٹرز میں عشنا کوثر سردار' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف' اقراء احمد اور نمرہ بہت پسند ہیں۔ کپڑوں میں فراک اور چوڑی دار پجامہ بہت پسند ہے۔ چوڑیاں پسند ہیں۔ مہندی لگوانا بھی بہت پسند ہے۔ کوکنگ کا شوق ہے اور کرتی بھی ہوں۔ ناولز میں "یہ چاہتیں یہ شدتیں' بھیگی پلکوں پر زرد موسم کے دکھ' پتھروں کی پلکوں پر اور کچھ خواب' ٹوٹا ہوا تارا' جھیل کنارے' کنکر' جنت کے پتے اور محبت دل پر دستک بہت زیادہ پسند ہیں۔ بارش میں بھیگنا پسند ہے۔ شاعری پسند ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ

"آپ نے راحت گروپ آف انڈسٹری کا نام تو سنا ہی ہوگا ان کا بزنس بڑی تیزی سے پورے پاکستان میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔" سارا بیگم کی بات پر ساحرہ نے ہلکا سا اپنے دماغ پر زور دیا تو یک دم اسے یاد آ گیا۔

"اچھا اچھا وہ راحت بلڈرز' ہاں بھئی وہ تو آج کل نمبر ون جا رہا ہے لوگوں کا اعتماد انہوں نے بہت جلد حاصل کر لیا ہے۔"

"بس انہی کے بیٹے سے میری بھانجی کی شادی ہوئی ہے۔" سارا بیگم کچھ فخریہ لہجے میں بولیں پھر تھوڑی ہی دیر بعد دوبارہ گویا ہوئیں۔

"دراصل مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔" ساحرہ نے انہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں کہو کیا بات ہے۔"

"دراصل راحت گروپ میرا مطلب ہے میری بھانجی کی ساس نے سونیا کو اپنے دوسرے بیٹے کے لیے پسند کیا ہے۔"

"اوہ اچھا......!" سارا بیگم کا پژمردہ جان کر ساحرہ بے ساختہ بولی پھر یک دم چپ سی ہوگئی راحت گروپ کوئی معمولی نام نہیں تھا ان کا بزنس دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور بے حد کامیابی سے چل رہا تھا۔

"تو تم سونیا کا رشتہ وہاں طے کرنا چاہ رہی ہو۔" ساحرہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ارے نہیں آپ میری بات کو غلط سمجھ رہی ہیں' میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا نا کہ سونیا پر آپ کا حق سب سے پہلا ہے میں تو بس آپ سے مزید کنفرم کرنے آئی تھی تاکہ میں ان لوگوں کو منع کر دوں۔" سارا بیگم تھوڑا سا سٹپٹا کر جلدی بولیں تو یک دم ساحرہ کے اندر ڈھیروں طمانیت اور خوشی سرائیت کر گئی۔

"رئیلی......او سارا تھینک یو...... تھینک یو سوچ تم نے میرا مان نہیں توڑا اور نہ مجھے تو لگا......" وہ قصداً خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ گئی تو سارا بیگم نے مسکراتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کا مان توڑوں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر میں آج ہی سمیر اور اپنے بیٹوں سے فائنل کرتی ہوں اور فوراً تمہیں انفارم کرتی ہوں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" سارا بیگم انکساری سے بولیں پھر انٹر کام کے ذریعے ساحرہ نے ٹھنڈا لانے کو کہا اور پھر دونوں خواتین خوش گپیوں میں مصروف ہوگئیں۔

❀......❀......❀
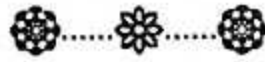
ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کا دماغ سلگ رہا تھا مارے غصے اور اشتعال کے اس کا برا حال ہو رہا تھا فراز کا اتنا غیر ذمہ دارانہ انداز اسے بے حد طیش میں مبتلا کر رہا تھا وہ کئی دن سے یونہی مصروف تھا جب بھی اس نے اسے لاہور سے کال کی وہ کسی نہ کسی کام میں بزی تھا اور اب خود اس نے اسے لنچ پر بلایا اور خود ہی غائب ہوگیا تھا' سونیا اعظم خان کو اس سے اپنی ذات کی بے حد توہین محسوس ہو رہی تھی اسے رہ رہ کر فراز شاہ پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا۔

"سمجھتا کیا ہے یہ فراز خود کو اسے لگتا ہے کہ اس کے پیچھے مری جا رہی ہوں اس کے قدموں تلے بچھی چلی جا رہی ہوں میں سونیا خان ہوں سونیا خان ایک عالم کو اپنا دیوانہ بنا سکتی ہوں فراز یہ تم نے میرے ساتھ بالکل ٹھیک نہیں کیا اب میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اونہہ۔" انگارے چباتے ہوئے سونیا خود سے بولے جا رہی تھی فراز کے اس رویے نے اسے بے حد ہرٹ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بے پناہ مشتعل بھی کیا تھا وہ ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے گھر پہنچی اور انتہائی بگڑے تیوروں سمیت اپنے کمرے کی جانب جا رہی تھی جب ہی لاؤنج میں بیٹھیں سارا بیگم کی خوشی سے لبریز کھنکھناتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو بے اختیار اس کے قدم ٹھٹکے۔

"سونیا ایک بہت زبردست گڈ نیوز ہے تمہاری آنٹی آج ہی اپنی فیملی سے بات کر کے فراز کا پرپوزل تمہارے لیے لانے والی ہیں۔" اس بات پر سونیا نے بے حد سپاٹ نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ "میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں سونیا میں آج ساحرہ کے آفس گئی تھی اسی نے مجھ سے کہا کہ وہ جلد تمہارا پرپوزل لے کر آئے گی۔" سونیا یونہی کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر بنا کچھ کہے تیزی سے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ "یہ سونیا کو کیا ہوگیا؟" سارا بیگم نے بے حد الجھ کر خود سے سوال کیا۔

❀......❀......❀
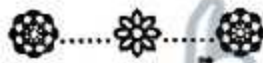
گاڑی اب مری کی حدود میں داخل ہونے ہی والی تھی زرتاشہ کا جوش و اشتیاق اس لمحے عروج پر تھا۔

"ہائے اللہ زری یہ سرپرائز جو لالہ امی اور ابا کو دینے والی ہوں یہ میری زندگی کا یادگار سرپرائز ہوگا اف لالہ تو حیران رہ جائے گی امی شاید مجھ پر خفا ہوں گی اور ابا...... تم دیکھنا زری ابا تو مجھے میری بٹیا کہہ کر سینے سے لگالیں گے اف اب تو مجھ سے ایک منٹ کا بھی صبر نہیں ہو رہا۔" زرتاشہ بچوں کی طرح چہکتے ہوئے بول رہی تھی جبکہ زرینہ گم صم سے انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی معاً زرتاشہ کو کچھ یاد آیا تو اس نے زرینہ کے بازو پر ٹھوکا مار کر دھیرے سے استفسار کیا۔

"زری یہ فراز بھائی کو کہاں اترنا ہے میرا گھر تو آنے والا ہے۔" فراز جو خود ایک نامعلوم سی تھکن کے زیر اثر بیٹھا تھا اس کی سرگوشی سن کر بنا مڑے ہی سہولت سے بولا۔

"گڑیا میں آپ دونوں کو بحفاظت گھر پہنچا کر ہی اپنے ٹھکانے پر جاؤں گا۔" زرتاشہ فراز کی بات سن کر خفیف سی ہوگئی پھر کچھ سوچ کر گویا ہوگئی۔

"فراز بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ہمیشہ ہماری مدد کی اور اس دفعہ تو ہم پر آپ نے احسان کیا ہے میں زندگی بھر اسے یاد رکھوں گی آپ نے کتنی آسانی سے مجھے ابا سے ملوانے کا انتظام کروا دیا تھینک یو...... تھینک یو سو مچ۔" زرتاشہ بے حد ممنونیت بھرے لہجے میں بولی تو فراز نے تھوڑا سا رخ موڑ کر خلوص سے کہا۔

"بھائی بہنوں پر احسان نہیں کرتے گڑیا بس اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔" فراز کے اس انداز پر زرتاشہ کی آنکھوں میں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم ُالحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اچانک ہی نمی اتر آئی مگر اگلے ہی پل وہ اسے پی گئی۔

''فراز بھائی آپ میرے ابا سے ضرور ملیے گا یقیناً وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے اور ہاں میری امی کے ہاتھ کا کھانا بھی کھائیے گا وہ بہت مزے دار کھانا پکاتی ہیں اور لالہ کی چائے کا تو جواب ہی نہیں ہے۔'' زرتاشہ اپنی جون میں بولی جارہی تھی جبکہ زرمینہ کو اب اپنا ضبط ٹوٹتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

''تاشو دو منٹ کے لیے تم چپ نہیں رہ سکتی میرے سر میں درد ہوگیا ہے تمہاری یہ باتیں سن سن کر۔'' زرمینہ کی بے تحاشہ اکتاہٹ اور بے زاری کو زرتاشہ نے کچھ چونک کر دیکھا پھر جلدی سے ندامت بھرے لہجے میں بولی۔

''او سوری میری پیاری سہیلی اصل میں گھر جانے کی ایکسائٹمنٹ میں تھوڑا کھسک گئی ہوں پلیز ناراض مت ہو۔''

اب وہ اس کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈال چکی تھی تو زرمینہ کو اس پر ڈھیروں پیار آگیا۔

''میں بالکل ناراض نہیں ہوں تاشو بس تھوڑا سر میں درد ہورہا ہے تو......'' وہ اتنا کہہ کر خود ہی خاموش ہوگئی راستے میں سے فراز نے چکن برگر اور جوسز پارسل کروالیے تھے زرمینہ اور فراز نے تو پھر بھی کھالیا تھا مگر زرتاشہ کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا زرمینہ نے بے حد زبردستی کی تو بس تین چار لقمے اس نے کھائے تھے کیونکہ بقول اس کے کہ گھر جاکر وہ آرام سے پیٹ بھر کر کھانا کھائے گی جوش وانبساط نے اس کی تو جیسے بھوک پیاس ہی اڑادی تھی۔

زرتاشہ نے اپنے گھر سے کچھ فرلانگ دور گاڑی روکنے کو کہا تھا کیونکہ آگے پتلی پتلی روڈ اور تنگ سی گلی تھی جس میں گاڑی نہیں جاسکتی تھی زرتاشہ بے حد خوش ہوکر ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اتری وہ تو گویا ہرنی کی مانند قلانچیں بھر رہی تھی۔

''زری، فراز بھائی وہ وہاں ہے ہمارا پیارا سا گھر۔'' زرتاشہ نے اپنی شہادت کی انگلی سے بالائی حصے کی جانب اشارہ کیا فراز اور زرمینہ نے بے حد خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''آئیے نا آپ لوگ میرے ساتھ۔'' زرتاشہ زرمینہ کا ہاتھ کھینچ کر تیزی سے آگے بڑھی تو فراز نے تھکن زدہ سانس فضا کے حوالے کی اور پھر بھاری قدم اٹھاتا ان کے پیچھے ہولیا زرتاشہ زرمینہ کو لیے تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی کہ معاً وہ ایک جھٹکا کھا کر بے حد حیران ہوکر رکی گھر کے باہر بیٹھے ڈھیروں لوگوں کو دیکھ کر بے تحاشا متعجب ہوئی پھر اچانک کوئی خیال اس کے ذہن میں سرسرایا تو بے حد متوحش ہوکر اس نے زرمینہ کا بازو سختی سے پکڑ کر خوف سے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''زری یہ...... یہ اتنے لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔'' جواباً زرمینہ کی آنکھیں آبشار کی طرح برسنے لگی تھیں اس نے سرعت سے اپنے منہ پر اپنی ہتھیلی رکھ کر امڈنے والی سسکیوں کو روکنے کی ناکام کوشش کی تھی جبکہ ساکت وجود کے ساتھ زرتاشہ زرمینہ کو بے تحاشا روتا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

یہ وطن تمہارا ہے

نظیر فاطمہ

"دادی...... آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں کہ پاکستان میں ہم نوجوانوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ لاء اینڈ آڈر کی صورتِ حال ہے تو وہ یہاں خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے۔ مہنگائی، بے روزگاری اور دہشت گردی۔ زیادہ یہ ملک ہم نوجوانوں کو کیا دے سکتا ہے؟ اس ملک کی کوئی ایک بات بھی اچھی ہے تو بتائیے تو پھر میں پاکستان چھوڑ کر کیوں نہ جاؤں؟" عبدالجلیل نے دادی کو دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"مت بھولو، تم دنیا میں جہاں کہیں بھی جاؤ گے، پاکستانی ہی کہلاؤ گے۔ دنیا میں یہ ملک ہی تمہاری پہچان ہے۔" دادی نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

"کیا کروں؟ مجبوری ہے، پاکستان میں پیدا جو ہوگیا تو پاکستانی ہی کہلاؤں گا۔" عبدالجلیل جیسے ناک تک بھرا ہوا تھا۔

"عبدالجلیل...... پاکستان کو بُرا مت کہو۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے ہم نے بہت قربانیاں دی ہیں۔ یہ آزاد وطن ہم نے اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولادوں کو قربان کرکے حاصل کیا ہے۔ مگر تم کیا جانو؟ آزادی کی قدر و قیمت تو وہی سمجھ سکتے ہیں جن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہوں، جنہوں نے آزادی کے چراغ روشن کرنے کے لیے اپنا خون دیا ہو۔ کاش...... تم سمجھ سکتے کہ یہ آزاد ملک ہمارے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔" دادی نے اس کو سمجھانے کی کوشش جاری رکھی۔

"تو آپ کی اتنی قربانیوں کے باوجود اب یہاں کون سی دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہم لوگوں نے اپنے سروں پر آزادی کا تاج سجا کر پیروں میں بیڑیاں پہن رکھی ہیں۔ ہر سال آزادی کا دن آجاتا ہے مگر آزادی نہیں پھر کیا فائدہ ایسی نام کی آزادی کا؟" عبدالجلیل کی باتوں سے دادی کو اندازہ ہورہا تھا کہ اس کے اندر کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔

"تم باہر جانا چاہتے ہو، ضرور جاؤ مگر پاکستان کو بُرا مت کہو۔" اب کے دادی نے اُسے تنبیہ کی۔

عبدالجلیل رابعہ خاتون کا پوتا تھا جو ان کے سب سے چھوٹے بیٹے عبدالکریم کی اولاد تھا۔ پچھلے دو سالوں سے انجینئرنگ کی ڈگری ہاتھ میں لیے گھوم رہا تھا مگر اچھی ملازمت ملتی ہی نہیں تھی اور جو ملتی تھی اس میں تنخواہ اور مراعات اتنی نہیں تھیں جتنی ہونی چاہیے تھیں۔ کچھ عرصے سے عبدالجلیل برین ڈرین پالیسی (برین ڈرین، ذہین ترین، پڑھی لکھی اور مہارت یافتہ افرادی قوت کی امیگریشن کی ایک پالیسی ہے) کے تحت باہر جانے کی تگ ودو میں تھا اور اب اس کے باہر جانے کے انتظامات مکمل ہوگئے تو عبدالجلیل اپنا مستقبل بنانے کے لیے باہر جانا چاہتا تھا مگر اس کے ماں باپ چاہتے تھے کہ وہ پاکستان میں رہ کر محنت کرے اور اپنا مستقبل بنانے کے ساتھ ساتھ ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرے۔ سب سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر عبدالجلیل کی ہاں ناں میں نہ بدلی۔ تنگ آکر دونوں میاں بیوی نے رابعہ خاتون سے رابطہ کیا کہ وہ اسے سمجھائیں۔ رابعہ خاتون اپنے سب سے بڑے بیٹے کے ہاں مستقل طور پر رہائش پذیر تھیں، مگر وہ اپنے تینوں بیٹوں، بہوؤں اور ان کے بچوں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ وقتاً فوقتاً ان کے پاس رہنے جاتی تھیں اور ان کے مسئلے مسائل حل کرنے میں ان کی ہر ممکن کوشش کرتی تھیں۔ عبدالجلیل ان سے بہت اٹیچ تھا اور ان کی بہت مانتا تھا مگر اس معاملے میں وہ ان کے ساتھ بحث پر اتر آیا تھا۔

"عبدالکریم بیٹا...... اسے جانے دو۔ وطن سے دور ہوگا تو شاید وطن کی قدر آجائے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے بھی جو جب تک خود تجربہ نہ کرلیں انھیں سمجھ نہیں آتی تو اسے تجربہ کرلینے دو۔ یوں زبردستی روکو گے تو نقصان ہوگا۔" رابعہ خاتون نے اپنے بیٹے اور بہو کو صلاح دی۔ عبدالجلیل کی باتیں اور خیالات سن کر رابعہ خاتون کے دل کو بہت ٹھیس پہنچی تھی ساتھ ان کا دل بہت بھرا ہوا تھا۔

"ہم لوگوں نے آزادی کی خاطر کیا کچھ نہیں سہا اور آج کی نسل کو اس آزادی، اس پاکستان کی کوئی قدر ہی نہیں۔ پاکستان کے

حصول کے لیے بہت جدوجہد اور محنت کی گئی تھی۔ یہ آزادی ہمیں انگریزوں نے طشتری میں سجا کردی تھی اور نہ ہی ہندوؤں نے اس کی کوئی حمایت کی تھی۔ یہ قائداعظم کی قیادت میں ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑی محنت، ہمت، حوصلے اور آزمائش کے بعد حاصل کی تھی۔ داستانِ آزادی کے ہر لفظ سے خون ٹپکتا ہے مگر ہمارے بچے نہ جانے کیوں اتنے بے حس ہوگئے ہیں۔" رابعہ خاتون سوچے جارہی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان کے کانوں میں مختلف آوازیں گونجنے لگیں۔

☆☆☆

"جلدی چلو، تم سب لوگ دیر مت کرو، شام ہونے سے پہلے ہمیں تم لوگوں کو کسی محفوظ مقام تک پہنچانا ہے۔" لدھیانہ سے مسلمانوں کا یہ قافلہ کئی دن کی بے کسی اور بے نوائی کے بعد پاکستان کے لیے روانہ ہوا تھا۔ قافلہ پیدل تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے چند غیر مسلم گورکھا فوجی تعینات تھے۔ اس قافلے پر کسی بھی وقت ہندو اور سکھ بلوائی حملہ کرسکتے تھے۔ اس خدشے کے پیش نظر گورکھا فوجی یہ چاہتے تھے کہ قافلہ کسی محفوظ جگہ پر رات گزار کر صبح دوبارہ روانہ ہوجائے۔ قافلے میں بزرگ بھی تھے، بچوں مائیں بھی، جوان لڑکیاں اور لڑکے بھی۔ اسی قافلے میں دس سالہ رابعہ، ان کی والدہ، چچا اور ایک چچازاد بھی شامل تھے۔

"جلدی چلو...... جلدی چلو...... تم لوگ سنتے کیوں نہیں؟" گورکھا فوجی ہر تھوڑی دیر بعد قافلے والوں پر چلا رہے تھے۔ باقی لوگ تو بھرپور طاقت لگا کر تیز تیز چل رہے تھے مگر قافلے میں دو بیمار بوڑھے بھی تھے جو باوجود کوشش کے قافلے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ یہ بوڑھے ہونے کے ساتھ بھوک پیاس سے نڈھال تھے اپنے پورے خاندانوں کو اپنے سامنے کٹتے دیکھ کر بے حال تھے۔ قافلے کے دو جوانوں نے ان کو اپنی پیٹھوں پر لاد لیا مگر ایسا کرنے سے ان کی اپنی رفتار کم ہوگئی۔ گورکھا فوجی اس صورتِ حال سے اتنے تنگ آگئے کہ انھوں نے آناً فاناً دونوں بوڑھوں کو گولی ماردی جو پھر قافلے سے کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ جب تک قافلے والوں کو ساری صورتِ حال سمجھ آئی، بہت دیر ہوچکی تھی۔ سب لوگ اتنے خوف و ہراس میں گھرے ہوئے تھے کہ کوئی ان بوڑھوں کی اس کسمپرسی کی موت پر رو بھی نہ سکا۔

"تم لوگ اس بچے کو چپ کرواؤ، ورنہ ہم اسے بھی گولی مار دیں گے۔ اس کے رونے کی آواز سن کر بلوائی اِدھر آگئے تو تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔" گورکھا فوجیوں نے ڈپٹ کر کہا۔ خالہ رسولاں کا تین سالہ بیٹا بہت بیمار تھا اور زور زور سے رو رہا تھا۔ بچہ چپ کروانے پر بھی چپ نہ ہو رہا تھا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ تنگ آکر خالہ رسولاں نے بچے کے منہ پر ہاتھ رکھ کر زور سے اس کا منہ بند کردیا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ خاموش ہو کر سوگیا۔ سب نے سکون کا سانس لیا۔ حیرت انگیز طور پر اس کے بعد بچہ ایک دفعہ بھی نہ رویا۔ صبح قافلہ روانہ ہونے لگا تو پتہ چلا کہ خالہ رسولاں کا بیٹا سویا نہیں تھا وہ تو دم گھٹنے سے مرگیا تھا۔ بچے کو وہیں تھوڑی سی زمین کھود کر دفن کرکے قافلہ آگے بڑھا۔ خالہ رسولاں کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔ شوہر بھرا پُرا سسرال سب کو قربان کر آئی تھی، لے دے کے دو بچے ہی ساتھ تھے جن میں

سے ایک ہمیشہ کے لیے انھیں چھوڑ کر اپنے باقی خاندان کے ساتھ جاملا تھا۔

بلوائیوں سے بچتے بچاتے کسی طرح یہ قافلہ ایک ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ یہاں سے اس قافلے کو ریل گاڑی میں سوار ہونا تھا جو انھیں سیدھا پاکستان لے جاتی۔ منزل قریب تھی مگر راستہ بہت کٹھن تھا۔ سب کے دل لرز رہے تھے۔ ریل گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہمارے قافلے کو بھی اسی گاڑی کے ایک ڈبے میں گھسا دیا گیا۔ گاڑی چل دی۔ سب نے شکر ادا کیا کہ اب خطرہ ٹل گیا۔ مگر ابھی آزمائش باقی تھی۔ گاڑی امرتسر اسٹیشن پر رکی تو انسانی خون سے ہولی کھیلنے والوں نے ریل گاڑی پر حملہ کر دیا۔ ہر طرف چیخ و پکار مچ گئی۔ وہ لاشوں پر لاشیں گرانے لگے۔

"ہم لوگ ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ مرنا ہی ہے تو کیوں نہ مقابلہ کر کے مریں، بزدلی کا مظاہرہ کیوں کریں؟" چچا ظاہر خان کے بیٹے کبیر نے اپنے ڈبے میں سہمے اور روتے ہوئے لوگوں کو پکار کر کہا۔ ابھی وہ بلوائی پچھلے ڈبوں کی لوٹ مار میں مصروف تھے۔ ہمارا ڈبہ شروع کے ڈبوں میں سے تھا۔

"ہم نہتے ہیں، ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" ایک بزرگ نے کہا۔

"نہتے ہیں مگر تعداد میں ان سے زیادہ ہیں۔" کبیر کا حوصلہ بہت بلند تھا۔ اس نے ڈبے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ ریلوے اسٹیشن پر ایک طرف لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ وہ گاڑی سے اترا اور بھاگ کر سات آٹھ موٹی لکڑیاں اٹھا لایا۔ اس نے یہ لکڑیاں ڈبے میں موجود چند مضبوط کاٹھی کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں تھما دیں اور ایک لکڑی خود پکڑ لی۔ جونہی بلوائیوں نے ان کے ڈبے میں گھسنے کی کوشش کی یہ ڈنڈا بردار نوجوان ان پر ٹوٹ پڑے۔ بلوائیوں کو اس حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ مار کھا کر باہر گر پڑے۔ ان کو گرتے دیکھ کر اگلے ڈبوں کے مرد بھی نیچے اتر آئے اور لکڑیاں اٹھا کر بلوائیوں کو مارنا شروع کر دیا۔ کچھ وہیں ڈھیر ہو گئے کچھ بھاگ گئے۔ اتنے میں ریل گاڑی دوبارہ چل پڑی۔ یہ پنجاب بھارت کا آخری اسٹیشن تھا اس کے بعد اگلا اسٹیشن پاکستان میں تھا۔ ریل گاڑی پاکستان کی حدود میں داخل ہوئی تو لوگ روتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ اس ریل گاڑی کو والٹن اسٹیشن لاہور جا کر روکا گیا۔ جب یہ ریل گاڑی اسٹیشن پر رکی تو لوگ روتے، دھاڑیں مارتے گاڑیوں سے اترے اور زمین پر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ وہ سب بھارت میں اپنے بھرے پُرے گھروں کے دروازے کھلے چھوڑ کر خالی ہاتھ پاکستان پہنچے تھے۔ انھیں اپنے پیاروں کے بچھڑ جانے، اپنے مال و دولت کے چھن جانے کا غم تھا لیکن آزادی پالینے کی خوشی میں وہ یہ سب نقصانات ہنس کر سہہ گئے تھے۔

لٹے پٹے قافلے، ڈھیروں خون میں لت پت لاشیں لیے اس نئی مملکت میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ سب ایک ایسے جذبے سے سرشار تھے جو انھیں سارے دکھوں اور غموں کو برداشت کرنے کی قوت عطا کر رہا تھا۔ آزادی کی اس شمع پر لاکھوں پروانوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا تب کہیں جا کر آزادی کی یہ شمع روشن ہو پائی تھی۔

......☆☆☆......

ہزاروں پھول سے چہرے جھلس کے راکھ ہوئے
بھری بہار میں اس طرح اپنا باغ جلا
ملا نہیں وطنِ پاک ہم کو تحفے میں
جو لاکھوں دیپ بجھے ہیں تو یہ چراغ جلا

"اور آج کی نسل کہتی ہے کہ پاکستان میں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔" رابعہ خاتون برسوں کا سفر طے کر آئی تھیں۔ انھوں نے اپنے آنچل سے آنسو پونچھے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے کہ اللہ پاکستان کی نئی نسلوں کو پاکستان سے محبت کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

......☆☆☆......

عبدالجلیل کو گئے سال ہو گئے تھے۔ اگست کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ عجیب حبس زدہ گرمی پڑ رہی تھی۔ رابعہ خاتون اپنے بیٹے عبدالکریم کے ہاں رہنے آئی ہوئی تھیں۔ رات کے کھانے کے بعد سب ٹی وی دیکھ رہے تھے جب اطلاعی گھنٹی بجی۔

"السلام علیکم!" لاؤنج میں عبدالجلیل کی آواز گونجی اور سب حیرت سے اچھل پڑے۔ عبدالجلیل کا چھوٹا بھائی عارف گیٹ

بند کرکے وہیں آگیا۔ عبدالجلیل سب سے گلے ملا اور آخر میں دادی کے گلے لگ کر آنکھیں موندھے کافی دیر ان کی خوشبو محسوس کرتا رہا۔ دادی کی آنکھیں نم ہورہی تھیں۔

......☆☆☆......

"عبدالجلیل...... تم کتنے دنوں کے لیے آئے ہو؟" صبح ناشتے سے فارغ ہوکر عبدالکریم نے بیٹے سے پوچھا۔ چھٹی کا دن تھا سو سب فرصت سے لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔

"ہمیشہ کے لیے۔" عبدالجلیل اُٹھ کر دادی کے برابر آبیٹھا اور ان کے کندھوں پر بازو پھیلادیے۔

"واقعی......!" سب نے یک زبان ہوکر پوچھا کہ جس طرح لڑ کر وہ یہاں سے گیا تھا، ان سب کا خیال تھا کہ وہ اب کبھی لوٹ کر پاکستان نہیں آئے گا۔

"دادی...... آپ نے سچ کہا تھا کہ میں دنیا میں جہاں بھی چلا جاؤں، میری پہچان پاکستان ہی رہے گا۔" عبدالجلیل نے دادی کے ہاتھ تھامے۔ "دادی...... پردیس میں رہ کر مجھے اپنے وطن کی قدر ہوئی۔ یہاں ہم شہزادوں کی طرح رہتے ہیں مگر پھر بھی ناخوش رہتے ہیں اور پردیس میں ہم لوگ فقیروں سے بھی بدتر ہوجاتے ہیں۔ وہاں شدید محنت کے باوجود ہم درجہ دوئم کے شہری ہی رہتے ہیں۔ میں انجینئر ہوں، میرے حالات قدرے بہتر تھے مگر پھر بھی یہاں سے بہت سخت تھے۔ وہاں کام کرنے والے پاکستانی مزدوروں کے حالات تو اور بھی دگرگوں ہیں۔ وہ لوگ حالات سے مجبور ہوکر وہاں کام کررہے ہیں مگران میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ وہ پاکستان واپس چلا جائے۔ وہاں پڑھے لکھے پاکستانیوں کو مزدوری کرتے، ٹیکسیاں چلاتے اور ہوٹلوں میں کام کرتے دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر اتنی محنت ہم اپنے ملک میں رہ کر کریں تو ہمارا ملک کہاں سے کہاں جا پہنچے۔ مگر یہاں تو ہم تھوڑا پڑھ لکھ جائیں تو "صاحب" سے نیچے کی کوئی نوکری ہماری ناک پر نہیں چڑھتی۔" عبدالجلیل رُکا۔

"عبدالجلیل بیٹا...... پاکستان کو اپنے نوجوانوں کی بہت ضرورت ہے۔ بیرونی طاقتوں کی تو یہ کوشش ہے کہ پاکستان کے حالات اس قدر خراب کردیے جائیں کہ یہاں کے ذہین ترین، پڑھے لکھے اور مہارت یافتہ لوگ پاکستان سے نکل کر برین ڈرین جیسی پالیسیوں کے تحت ان کے پاس جانے میں ہی عافیت سمجھیں اور پھر وہ ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ تم لوگ ہی ہو جو پاکستان کو سنوار اور بنا سکتے ہو، دنیا میں اس کا مقام بلند کرسکتے ہو۔ یہی بات میں تمھیں سمجھا رہی تھی کہ تم لوگوں کے لیے پوری دنیا میں پاکستان سے بہتر جگہ کوئی نہیں ہے۔" دادی نے محبت سے کہا۔

"جی دادی...... بالکل ٹھیک کہا آپ نے کہ پاکستانیوں کی زندگی پاکستان سے بہتر کسی ملک میں نہیں ہے اور ان شاء اللہ ہم سب مل کر اسے بہترین بنائیں گے۔ یہ دھرتی ہماری ماں ہے، اسی سے ہماری پہچان ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ پاکستان کے خراب حالات سے فرار حاصل کرنے کی بجائے ہمیں جواں مردی اور ہمت سے ان کا مقابلہ کرنا ہوگا اور ان حالات کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ اب ہمیں اپنی اجتماعی سوچ کو بدل کر پاکستان کے مستقبل کو سنہرا اور روشن بنانا ہے۔ پاکستان کو خوش حال اور ترقی یافتہ بنانے میں، ہم سب کو اپنا کردار ادا کرنا ہے۔" عبدالجلیل نے پختہ عزم سے کہا۔

"بیٹا...... پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ قائداعظم نے اس کی بنیاد اتنی مضبوط رکھی ہے کہ کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر اب تم نوجوانوں کو چاہیے کہ تم ان مضبوط بنیادوں پر ایک مضبوط اور اونچی عمارت بھی اُٹھاؤ۔ ہم اپنا حصہ ڈال چکے اب تم لوگوں کی باری ہے۔ اب کسی کا انتظار مت کرو اب جو کرنا ہے تم بچوں کو ہی کرنا ہے اُٹھ جاؤ، ڈٹ جاؤ اور اپنا آپ منوالو پاکستان میں موجود ہر گندگی کو دھوڈالو کہ اب یہ تم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔"

دادی کی بات سن کر عبدالجلیل نے عزم مصمم سے سر ہلایا۔ دادی نے مطمئن ہوکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کہ جب کسی ملک کے نوجوان نسل جاگ اُٹھے تو پھر اس ملک کو ترقی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

یہ وطن تمھارا ہے، تم ہو پاسباں اس کے
یہ چمن تمھارا ہے، تم ہو نغمہ خواں اس کے

ہم نے تو تجھے چاہا

شبانہ شوکت

"پھوپو جلدی سے ماموں کے لیے ایک کپ چائے بنادیں اسٹرانگ سی۔" عنایہ دوڑتی ہوئی آئی اور پیغام دے کر بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ سلوئی نے غصے سے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ زور سے سنک پر رکھی۔ ایک تو پہلے ہی یونیورسٹی میں دیر ہوگئی تھی۔ آتے ہی برتنوں کا ڈھیر دھونا پڑ گیا۔ اوپر سے اس کی فرمائش۔ اس نے ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔ جب تک چائے تیار ہوئی وہ برتن دھو کر فارغ ہو چکی تھی۔

"عنایہ...... عنایہ۔" اس نے لاؤنج کی طرف منہ کر کے زور سے آوازیں دیں مگر وہ صاحبہ ندارد۔ اس نے کپ چھوٹی سی ٹرے میں رکھا اور لاؤنج میں آئی' جہاں وہ شاذل کو میتھ سمجھا رہا تھا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر تقریباً پٹخی اور خونخوار نظروں سے عنایہ کو دیکھا جو لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی۔ "کتنی آوازیں دیں' کہاں تھیں تم؟"

"میں واش روم میں تھی پھوپو۔" وہ سہم گئی۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتی پاؤں پٹختی واپس پلٹ گئی۔

اریش جو انکھیوں سے اس کا غصے سے تپا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا' اپنے لبوں پر مچلتی مسکراہٹ چھپانے کے لیے چائے کے کپ پر جھک گیا۔ اس نے جان بوجھ کر عنایہ کو واش روم بھیجا تھا کہ ہاتھ گندے ہو رہے ہیں دھو کر آؤ' کیونکہ یہی ایک طریقہ تھا سلوئی کو یہاں تک لانے اور دیکھنے کا' ورنہ تو اس کی موجودگی میں وہ اس طرف بھٹکتی بھی نہیں تھی۔

"اریش...... انہیں ذرا جلدی پڑھا لو تو مجھے ذرا مارکیٹ لے چلو کچھ سامان لینا ہے۔" اریشہ چلی آئی۔

"شاباش آپی آپ میرے لیے ہی سارے کام بچا کر رکھا کریں۔" اس کا ایک دم موڈ خراب ہو گیا۔ ورنہ بڑے خوش گوار موڈ میں سلوئی کے ہاتھ کی بنی چائے پی رہا تھا۔

"ہائے ایسا بھی کیا کام کہہ دیا میں نے جو تم اتنے بیزار ہو رہے ہو۔"

"یہ جو آپ کا' ذرا مارکیٹ چلو اور کچھ سامان لینا ہے نا' مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ کتنے گھنٹوں پر پھیلے گا۔"

"نہیں...... نہیں کوئی اتنا زیادہ کام نہیں ہے۔"

"تو عادل بھائی کے ساتھ چلی جائیے۔"

"انہیں فرصت ہوتی تو میں تمہاری منتیں کیوں کرتی۔" اریشہ کو بھی غصہ آنے لگا۔

"ہاں انہیں تو فرصت نہیں اور میں فارغ ہوں۔ پہلے آپ مجھے صحیح بتائیں کتنی دیر کا ارادہ ہے تاکہ میں اپنا ذہن بنا کر چلوں۔" اب بڑی بہن کو صاف انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ بس اب جلدی چائے پیو تو چلیں۔ سلوئی...... سلوئی......"

"جی بھابی۔" وہ سخت بیزار نظر آ رہی تھی۔

"میں سامان لینے جا رہی ہوں۔ پیچھے بچوں کو دیکھ لینا اور عادل آئیں تو انہیں چائے بنا دینا اور آٹا بھی گوندھ لینا۔"

"جی۔" وہ ضبط سے بس یہی کہہ سکی۔ وہ اس وقت اتنی تھکی ہوئی تھی کہ دل چاہ رہا تھا بس لیٹ جائے' تھوڑی دیر کے لیے ہر پریشانی ہر سوچ کو جھٹک کر صرف آرام کرے لیکن یہ اب ممکن نہیں تھا تینوں بچے اسے آرام کا کوئی موقع نہیں دینے والے تھے۔ پڑھائی سے فارغ ہو کر تو وہ ہر ٹینشن سے آزاد ہو جاتے تھے۔ ہر قسم کے کھیل کود اور تفریح کے لیے۔

☆......☾......☆

وہ بارہ سال کی تھی جب عادل کی شادی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ ایک سال کے بعد عنایہ پیدا ہوئی' وہ اسے اٹھائے اٹھائے پھرتی' پھر تین سال بعد شاذل پیدا ہوا تو

گھر کی خوشیوں میں مزید اضافہ ہوگیا لیکن انہی خوشیوں بھرے دنوں میں امی کا اچانک بلڈ پریشر ہائی ہونے سے برین ہیمبرج ہوا اور دو دن ہاسپٹلائز رہنے کے بعد وہ انتقال کرگئیں۔ ان کے دو سال بعد ابو بھی چل بسے پورے گھر پر صحیح معنوں میں بھابی کا راج ہوگیا اور ان کا رویہ تو امی کے انتقال کے بعد ہی بدلنے لگا تھا' جب وہ اسے ہر بات میں ٹوکنے لگیں۔ انہیں اعتراض ہونے لگا کہ وہ پڑھائی کے بہانے گھر کے کاموں سے جان چھڑائے رکھتی ہے اور وہ چھوٹے بچوں کے ساتھ سارا دن لگی رہتی ہیں۔ وہ جہاں تک ممکن ہوتا ان کے ساتھ کام کرواتی مگر ان کی تیوری کے بل جاتے ہی نہ تھے۔ ان کا چھوٹا بھائی اریش فارمیسی میں ماسٹرز کر کے جاب ڈھونڈنے لگا تو انہوں نے بچوں کی ٹیوشن کی ذمے داری اس پر ڈال دی۔ اب جبکہ وہ برسر روزگار تھا' تب بھی اسے ان کے بچوں یعنی اپنے بھانجے اور بھانجی کو پڑھانا پڑ رہا تھا۔ بقول اریشہ کے وہ اور کسی سے پڑھنے پر راضی ہی نہیں ہوتے۔ سلویٰ بلاوجہ اس کے سامنے بھی نہیں جاتی تھی' وہ بھی کبھی اس سے براہ راست بات نہیں کرتا تھا۔ بس ایک دل تھا اسے دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی آرزو میں ہمکتا مگر وہ اپنے دل کو بھی کنٹرول کرنا جانتا تھا اور نظروں کو بھی۔ سو کبھی کوئی ناخوش گوار بات نہیں ہوئی۔

☆......☾......☆

اس نے پچھلے سمسٹر کی فیس نہیں دی تھی اور اگلا سمسٹر شروع ہوگیا تھا۔

''بھابی آپ نے بھائی سے بات کی تھی میری فیس کی۔''

''ہاں کہہ دیا تھا کہہ رہے تھے ابھی صبر کرو کچھ انتظام کرتے ہیں' کوئی تھوڑے سے پیسے ہوں تو بات بھی ہے اکٹھے اسی ہزار روپے۔'' بھابی کے لہجے کی تلخی نے اسے مایوس تو کیا ہی تھا ساتھ میں شرمندہ بھی کردیا تھا۔ وہ بے دلی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اریش نے اس کے قدموں کی خستگی دیکھی اور اریشہ کو دیکھا جو تنفر سے سر جھٹک کر چائے پینے لگی تھی۔

''آپی۔''

''ہوں۔'' وہ متوجہ ہوئی۔

''آپ نے مجھ سے بیس ہزار روپے لیے تھے' وہ اگر ہیں تو دے دیں' مجھے ضرورت ہے۔''

''ہاں...... ایسا کرو پرسوں لے لینا۔ میری کمیٹی کھلے گی تو میں دے دوں گی۔''

''پکی بات ہے پرسوں۔'' اس نے یقین دہانی چاہی۔

''ہاں ہاں' بھئی پکی بات ہے' پرسوں لے لینا۔''

☆......☾......☆

''سلویٰ تمہیں کوئی لڑکا بلا رہا ہے؟'' وہ یونیورسٹی گیٹ سے باہر آرہی تھی کہ اس کی کلاس فیلو نے پاس آ کر بتایا۔

''لڑکا......! کون لڑکا؟'' وہ حیران ہوتی ہوئی باہر آئی تو بالکل سامنے بائیک پر موجود اریش کو دیکھ کر اس کی پیشانی

پر بل پڑ گئے۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں اور مجھ سے کیا کام ہے؟"

"یہ عادل بھائی نے آپ کے سمسٹرز کی فیس بھیجی ہے۔" اس نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"انہوں نے مجھے خود کیوں نہیں دی؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے انہوں نے کہا کہ یہ آپ کو دے آؤں اور میں لے آیا۔" اس نے لفافہ لے کر پرس میں رکھ لیا۔ اسے عادل بھائی کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

☆......☪......☆

"تمہاری گھڑی کہاں ہے اریش؟" اریشہ کو اس کی خالی کلائی کچھ عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

"خراب ہوگئی ہے۔ بننے کے لیے دی ہے۔"

"اس کے تو بننے کے بھی تین، چار ہزار لے لیں گے۔"

"ساٹھ ہزار کی گھڑی پہننی ہے تو اس کی مرمت کے پیسے بھی تو ہونے چاہئیں نا۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ وریشا آپی کے شوہر میجر حامد نے اسے یہ گھڑی گفٹ کی تھی اور وہ ہر وقت پہنے رکھتا تھا، تبھی اس کی غیر موجودگی فوراً اریشہ کو محسوس بھی ہوگئی۔ عادل بھی مسکرا رہے تھے۔ اسی پل سلوی چائے لے آئی تھی۔ عادل بھائی کی وجہ سے وہ بھی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ چائے پی کر عادل کمرے میں آئے تو سلوی بھی پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

"بھائی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"ہوں، کہو۔"

"وہ سمسٹر کی فیس......"

"ہاں وہ میں تمہیں کل دے دوں گا' ہوگیا ہے انتظام۔"

"جی......؟" وہ ہکا بکا رہ گئی۔ "آپ نے تو......"

"ہاں میں نے کہا تھا نا کچھ دن میں انتظام کرلوں گا۔"

"مگر مجھے تو اریش نے یہ کہہ کر پیسے دیئے کہ آپ نے بھجوائے ہیں اور میں نے فیس جمع بھی کروادی۔" عادل تو اگلی بات ہی بھول گئے، کتنی دیر وہ اسے دیکھتے رہے۔

"اریش نے کہاں دیئے تھے پیسے؟"

"یونیورسٹی کے باہر آکر اور کہا کہ آپ نے بھجوائے ہیں۔" وہ تو ان کے ردعمل پر خود اتنی حیران تھی کہ بیٹھنا بھی بھول گئی تھی۔ ان کے چہرے پر اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ کچھ کہنے نہ کہنے کی کشمکش پھر انہوں نے گہرا سانس لے کر خود کو پُرسکون کیا اور ہلکا سا مسکرائے۔

"ہاں میں نے اسے کہا تھا کہ وہ کہیں سے ارینج کر کے دے دے، میں دو تین دن میں لوٹا دوں گا۔"

"تو انہوں نے آپ کو بتایا نہیں تھا؟" وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔

"بھول گیا ہوگا' لیکن اچھا ہوا تم نے مجھے بتادیا۔" وہ چلی گئی مگر عادل بجائے آرام کرنے کے سوچوں میں گم ہوگئے۔

"اریش رکنا یار۔ بات کرنی ہے تم سے۔" وہ جانے لگا تو عادل نے پکارا۔ اریشہ بچوں کو لے کر آئسکریم پارلر تک گئی تھی۔ سلوی اپنے کمرے میں تھی۔

"جی عادل بھائی۔" وہ ان کے پاس آگیا' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئے۔

"سلوی کی فیس کے پیسے کہاں سے آئے تمہارے پاس؟" اریش کو تو جیسے کرنٹ نے چھوا۔

"جی......؟"

"سلوی کو تم نے دیئے ہیں نا پیسے ان کا پوچھ رہا ہوں۔" وہ اتنی سادگی سے بولے جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو' مگر اریش جانتا تھا یہ معمولی بات نہیں۔ وہ سانس روکے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے گھڑی بھی تم نے بیچ دی ہے حالانکہ اس سب کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی' میں نے انتظام کرلیا تھا۔ بہرحال کل میں پیسے بینک سے نکلوا کر تمہیں دوں گا تم اپنی گھڑی واپس لے آنا۔ تحفہ بیچنے کے لیے نہیں ہوتا۔" اریش میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ ان کی طرف دیکھ

بھی پاتا‘ وہ ٹیبل کی سطح پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

’’بائی داوے تمہیں سلوئی نے بتایا تھا کہ سمسٹر فیس ابھی تک نہیں جمع ہوئی۔‘‘

’’نہیں وہ تو مجھ سے بات تک نہیں کرتیں۔‘‘ وہ ایک دم بول پڑا۔

’’پھر تمہیں کیسے پتا چلا؟‘‘ وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

’’وہ آپی سے کہہ رہی تھی تو میں نے سن لیا۔‘‘ دھیمی آواز میں کہتے ہوئے اس کی نظریں جھک گئی۔

’’اریشہ نے تو مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔‘‘ انہوں نے خود کلامی کی۔ اریش کا اس بار سر بھی جھک گیا تھا۔

’’او کے یار‘ پھر کل ملتے ہیں۔‘‘ وہ اٹھے تو وہ بھی اٹھ گیا۔

’’عادل بھائی۔‘‘ اس نے جھجک کر پکارا۔ ’’آئی ایم سوری اگر آپ کو برا لگا ہو تو۔‘‘ وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر ہلکے سے مسکرا کر اس کا شانہ تھپتھپایا۔

’’اٹس او کے۔‘‘ اور لاؤنج کی کھڑکی کے اس پار کھڑی سلوئی سن رہ گئی تھی۔

☆......☾......☆

’’میرا بریسلیٹ کہاں گیا؟ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا‘ مل ہی نہیں رہا۔‘‘ اریشہ ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی۔

’’کہیں رکھ کر بھول گئی ہو گی۔ اچھی طرح دیکھو مل جائے گا۔‘‘ عادل نے تسلی دی۔

’’جب میں نے رکھا ہی یہیں تھا تو مل کیوں نہیں رہا۔ انیسہ آنٹی کے گھر سے آ کر میں نے یہاں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا‘ اب نہیں ہے۔‘‘ اس کی پریشانی اب غصے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ عادل کے جانے کے بعد وہ باہر آئی اور سب سے ہی باری باری پوچھا کہ کسی نے اس کا بریسلیٹ تو نہیں دیکھا۔ اریشہ کو سلوئی پہ شک تھا کہ اس نے نہ اٹھایا ہو اسے ہی پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔

’’سلوئی......‘‘ اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر اسے پکارا۔

’’جی بھابی۔‘‘ وہ آ گئی‘ حالانکہ ابھی ابھی وہ یہ وضاحت دے کر کہ بریسلیٹ اس نے نہیں دیکھا‘ اپنے کمرے میں گئی تھی۔

’’دیکھو سلوئی مجھے سچ بتا دو کہ تم نے میرا بریسلیٹ لیا ہے‘ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی‘ پلیز مجھے واپس کر دو۔‘‘

’’بھابی......!‘‘ مارے صدمے کے اس کی آواز ہی گھٹ گئی۔ بے یقینی سے آنکھیں پھیل گئی۔ بھابی اس پر الزام لگا رہی تھیں۔ وہ بھی اتنے یقین کے ساتھ۔

’’کیا بھابی ہاں...... تم سمجھتی کیا ہو؟ میرا بریسلیٹ بیچ کر تم اپنے سمسٹر کی فیس دو گی اور مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلے گا۔ میں سب سمجھ گئی ہوں‘ اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم مجھے میرا بریسلیٹ واپس کر دو ورنہ میں کوئی لحاظ نہیں کروں گی۔‘‘

’’آپ کو شرم آنی چاہیے مجھ پر ایسا الزام لگاتے ہوئے۔‘‘

’’تمہیں شرم آئی تھی میرا بریسلیٹ چراتے ہوئے؟‘‘

’’آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں‘ گھر میں اور اتنے افراد ہیں‘ آپ صرف مجھے ہی کیوں بلیم کیے جا رہی ہیں۔‘‘

’’اس لیے کہ تمہارے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہے۔ جو میرا بریسلیٹ اٹھائے۔‘‘

’’بریسلیٹ...... بریسلیٹ دماغ خراب کر دیا آپ نے‘ ایک چیز جب دیکھی ہی نہیں تو اسے لاؤں کہاں سے۔‘‘ وہ چیخ اٹھی۔

’’ایک تو چوری کرتی ہو اس پر سے چیختی بھی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ اس طرح چیخنے چلانے سے تم بے گناہ ثابت ہو جاؤ گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں تمہیں......‘‘

’’آپی پلیز۔‘‘ اریش جو لاؤنج میں ہی موجود کب سے یہ لڑائی دیکھ رہا تھا‘ مجبوراً بیچ میں آ گیا۔

’’ہٹو تم‘ مجھے بات کرنے دو۔‘‘

’’کیوں ہٹیں‘ یہ ان سے بھی تو پوچھیں نا بریسلیٹ کے بارے میں‘ ہر وقت یہیں پائے جاتے ہیں تو یہ بھی تو

آپ کا بریسلیٹ چرا سکتے ہیں۔ ان کو بھی تو پیسوں کی ضرورت ہوسکتی ہے۔"

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی اگر مزید بکواس کروگی تو‘ اس کی بہن کا گھر ہے سو دفعہ آئے گا۔ تم ہوتی کون ہو اعتراض کرنے والی اور ہمارے ہاں کسی کو چوری کرنے کی عادت نہیں ہے۔"

"ماموں‘ ماموں یہ فون مجھے دیں‘ میں گیم کھیلوں گا۔" چار سالہ باذل دوڑتا ہوا آیا اور اریش کے ہاتھ میں موجود سیل فون تیزی سے کھینچا تو وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا اور بیٹری الگ تو فون الگ‘ اریش جو سلویٰ کے خود پر لگائے گئے الزام پر گم صم کھڑا تھا‘ فون کھینچنے پر چونکا اور یوں گر کر اس کے پارٹس بکھرتے دیکھ کر تیزی سے نیچے جھکا تو اس کی شرٹ کی فرنٹ پاکٹ سے کوئی چیز پھسل کر نیچے چھن کی آواز سے گری تھی۔ اریشہ اور سلویٰ نے چونک کر دیکھا اور اریشہ تو بدک کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی جبکہ سلویٰ زور سے ہنس پڑی۔ ہذیانی سی ہنسی۔

"آپ لوگوں کو تو چوری کی عادت ہی نہیں ہے‘ آپ لوگ تو یونہی چیزیں رکھ لیتے ہیں۔ آپ کے بھائی صاحب کو دراصل الٹی سیدھی نیکیاں کرنے کی عادت ہے پھر ان کا خرچہ پورا کرنے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ مارنے پڑتے ہیں‘ کیا کریں بیچارے۔" ہیرے جڑا سونے کا بریسلیٹ جگر جگر چمک رہا تھا‘ اریشہ بے یقینی سے کبھی بریسلیٹ کو اور کبھی اریش کو دیکھ رہی تھی جو جھکا کا جھکا رہ گیا تھا۔ دم بخود ساکت‘ منجمد۔

"اب کیوں چپ ہوگئیں بھابی اب بھی کچھ بولیں نا‘ ایسے بھائی کی شان میں کچھ تو قصیدہ گوئی کریں جو بہن کا بریسلیٹ چرا کر اپنی کوئی ضرورت پوری کرنے لگا تھا۔" اس کی آواز میں زہر اُمڈ آیا۔ اریش ایک دم پورے قد سے کھڑا ہوا اور پھر سلویٰ کی طرف مڑا‘ اس کے چہرے اور آنکھوں تک میں سرخی اُمڈ آئی تھی۔

"یہاں سے کیا کیا چرا کر میں نے اپنی ضرورتیں پوری کی ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم؟ میں نے تو ابھی آپ کی جیب سے وہ بریسلیٹ نکلا دیکھا ہے‘ جس کی دہائی......"

"نکلا دیکھا ہے نا‘ جیب میں ڈالا بھی میں نے ہے‘ اس کی کیا شہادت ہے آپ کے پاس؟" وہ پہلی بار یوں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے براہ راست مخاطب ہوا تھا۔ اندر سے وہ خوف زدہ تو ہوئی مگر ڈٹ کر کھڑی رہی۔

"آپ کی ہمشیرہ تو مجھ پر یقین کے ساتھ الزام لگا رہی تھیں اور آپ کی جیب سے وہ بریسلیٹ نکلتا دیکھ کر بھی وہ خاموش ہیں۔"

"تمہارا تو منہ مجھے توڑنا ہی پڑے گا۔" اریشہ حواسوں میں آتے ہی پھنکاری۔

"پہلے اپنے بھائی کے ہاتھ توڑیں جسے بہن کا زیور اٹھاتے شرم نہیں آئی۔"

"آپ بہت غلط کر رہی ہیں۔" اریش کی آواز بھینچی بھینچی تھی‘ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

"تم نے کب لیا یہ؟" اریشہ نے چوری تو دور کی بات اٹھایا تک کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا اپنے بھائی کے لیے‘ سلویٰ نے انتہائی ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مجھے کچھ پتا نہیں آپی‘ مجھے تو جیب میں اس کی موجودگی کا علم بھی نہیں۔"

"یہ تو میں نے ماموں کی پاکٹ میں ڈالا تھا۔" باذل نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔

"باذل یہ آپ نے اٹھایا تھا؟" اریشہ تو چیخ ہی پڑی۔

"یس مام......" وہ کھلکھلایا۔ اریش نے بہت جتاتی ہوئی نظر سلویٰ پر ڈالی۔ وہ تنفر سے اونہہ کہتی پاؤں پٹختی وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☾......☆

دن گزرتے گئے‘ اس واقعے پر بھی گرد بیٹھنے لگی‘ جون کا مہینہ شروع ہوگیا‘ بچوں کو چھٹیاں مل گئیں تو اریش نے آنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہوا۔ اریشہ عادل اور سلویٰ باقاعدگی سے روزے رکھ رہے تھے۔ اریشہ اور سلویٰ کے تعلقات بھی بہتر ہوگئے تھے۔ کچھ رمضان کا

تقدس اور کچھ اریشہ کے اندر بھی یہ شرمندگی تھی کہ اس نے اتنا بڑا الزام بغیر صداقت کے لگایا اور سلویٰ نے عادل سے شکایت تک نہیں کی۔ دونوں مل جل کر افطاری بناتیں اور سب روزہ کھولتے' سحری بھی دونوں مل کر تیار کرتیں اور قرآن پاک اور نماز مل کر ہی پڑھتیں تھیں۔ اس دن اریشہ صبح امی کی طرف آئی کیونکہ افطاری سے پہلے اسے گھر جانا تھا۔ اریش کی ترقی ہوئی تھی اور تنخواہ بھی بڑھی تھی تو وہ مبارک باد دینے آئی تھی۔

''میں اور امی اب تمہارے لیے لڑکی منتخب کرنا چاہ رہے ہیں' تمہیں کوئی پسند ہے تو بتادو ورنہ ہم خود ہی دیکھ لیں گی۔''

''لڑکی تو سامنے ہی ہے اور مجھے پسند بھی ہے۔''

''ہیں کون کس کی بات کررہے ہو؟'' وہ اچھلی۔

''آپ کی نند سلویٰ۔'' اس نے بہت آرام سے دھما کہ کیا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ وہی ملی ہے تمہیں' کیسے بڑھ بڑھ کر الزام لگا رہی تھی تم پر' اس سے شادی کرو گے کیوں اپنی عزت خراب کرنے کے پیچھے پڑے ہو۔''

''سوچ لیں آپ ہی کا فائدہ ہے۔ عادل بھائی پر ہمیشہ کے لیے دھاک بیٹھ جائے گی آپ کی۔'' اس نے نئی راہ سجھائی۔ تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کسی نئی لڑکی کو لانے سے بہتر نہیں کہ دیکھی بھالی لے آئیں جس کی خوبیاں' خامیاں سب پتا ہوں اور الزام کی کیا بات ہے' وہ تو آپ نے بھی اس پر لگایا تھا تو کچھ ردعمل تو اس نے بھی دکھانا تھا نا۔''

''وہ مانے گی' تمہیں تو دیکھتے ہی منہ بنالیتی ہے۔''

''اچھی بات ہے' نیک لڑکیوں کو غیر مردوں سے مل کر مسکرانا بھی نہیں چاہیے۔'' اس کے اطمینان سے کہنے پر اریشہ کو ہنسی آگئی۔

''بدتمیز! اپنی مرضی ہے تو کیسے کیسے دلائل دے رہا ہے اس کے حق میں۔'' اس کے کندھے پر پیار سے چپت لگائی۔

☆......☾......☆

عید کی خوب صورت صبح عادل بھائی شاذل کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے جاچکے تھے اور اریشہ' عنایہ اور سلویٰ تیار ہوکر لاؤنج میں آگئیں' جہاں ٹی وی پر رنگا رنگ پروگرام چل رہے تھے۔ باذل ابھی سویا ہوا تھا۔ سلویٰ عنایہ کے بالوں میں چھوٹے چھوٹے کلپ لگا رہی تھی اور اریشہ ٹیبل پر مختلف لوازمات رکھ رہی تھی تاکہ عادل کے آنے کے بعد عید کا پُرتکلف ناشتہ مل جل کر کیا جاسکے کہ کال بیل ہوئی۔ عنایہ بھاگتی ہوئی گئی اور اس نے دروازہ کھولا اور خوشی سے چیخ پڑی۔

''ماما...... نانو' ماموں اور خالہ آئے ہیں۔'' عنایہ حیرت بھری خوشی سے دروازے پر کھڑے کھڑے ہی چیخی تھی۔ اریشہ مارے حیرت کے وہیں جم گئی تھی۔ ایک تو اتنی صبح ان لوگوں کی آمد اوپر سے وریشہ کا ساتھ جو شادی کے بعد سے کبھی عید اپنے میکے میں کرنے نہیں آئی تھی۔ ہمیشہ اپنی سسرال میں عید کرتی تھی اور ایسی خفیہ آمد کہ اریشہ کو کچھ خبر ہی نہیں ہوپائی۔ وہ خود ہی ہنستی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔ امی کے پیچھے اریش تھا۔ سلویٰ نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو اور عید کی بھی ڈھیر ساری مبارک باد۔'' اریش کی امی رئیسہ آنٹی نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ وریشہ بھی مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

''عید مبارک سلویٰ کیسی ہو؟'' سلویٰ اس کے گلے لگی تو اس نے بھی اس کے گال چومے۔ ''عادل ابھی تک نہیں آئے؟''

''یہ آگیا میں' خواتین وحضرات السلام علیکم اور عید مبارک۔'' سب سے مل کر بیٹھے تو اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''بھئی یہ سالی صاحبہ کی آمد کیسے ہوئی؟ وہ بھی بروز عید۔''

''یہ ایک سرپرائز ہے' اور بڑے خاص سلسلے میں یہ سرپرائز ارینج کیا گیا ہے' وہ ہم کچھ دیر میں بتائیں گے۔''

وہ اریش کی طرف دیکھ کر شرارت سے کھنکاری تھی' وہ مسکرا کر باذل سے ملنے لگا جو ابھی ابھی اٹھ کر آیا تھا۔ اریش نے اسے گود میں اٹھالیا۔

"صاعد بھائی اور بچے؟"

"وہ اپنے دوست کی طرف گئے ہیں' ان دونوں کو بھی ساتھ لے کر آجائیں گے تھوڑی دیر میں۔"

سلویٰ اور اریشہ کچن میں چلی گئیں' مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے۔ صاعد اور وریشہ کے دونوں بیٹے بھی آگئے تھے۔ بہت زبردست ماحول ہوگیا تھا۔ ایک بھاری بھرکم ریفریشمنٹ کے بعد وہ سب جانے کے لیے اٹھ گئے۔

"رکتے نا لنچ پر' کتنا مزہ آرہا تھا۔" اریشہ نے احتجاج کیا۔

"ہم تمہیں انوائٹ کرنے آئے تھے۔ آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا تم سب۔ یہ تو مجھے عادل سے کچھ ضروری بات کرنی تھی تو وریشہ اور صاعد کو ساتھ لائی۔" رئیسہ بیگم مسکرائیں اور سلویٰ کو سب سے پہلے عیدی دی۔ وریشہ نے ایک شاپر اسے پکڑایا۔

"یہ تمہارا گفٹ۔" وہ اتنی حیران تھی کہ آگے سے رسمی سا احتجاج بھی نہ کر پائی۔

"اریش تم کچھ نہیں دوگے؟" اریشہ شرارت سے کھلکھلائی۔ وہ جو موقع کا فائدہ اٹھا کر بنی ٹھنی سلویٰ کو ایک ٹک دیکھ رہا تھا' چونک کر مسکراہٹ دباتا دروازے کی طرف مڑ گیا۔ سلویٰ نے الجھ کر ان سب کو دیکھا' جن کے رویے عجیب وغریب تھے۔ جو اریشہ کے بجائے اس پر پیار لٹائے جارہے تھے۔ عادل بھائی بھی مسکرا رہے تھے۔

"کیا ہوگیا ہے سب کو؟" وہ چکرا گئی تھی۔

☆......☾......☆

شام کو سلویٰ کی دوستیں آگئیں تو اس نے اریشہ سے اس کی امی کی طرف جانے سے معذرت کرلی۔

"ہاں...... ہاں تم انجوائے کرو۔" وہ خوش دلی سے کہتی چلی گئی۔ رات کو وہاں سے واپسی پر عادل بھائی اس کے پاس آئے تھے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے اچانک کہا۔

"میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ اریشہ کی امی نے اریش کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔ میں نے انہیں سوچ کر اور تم سے پوچھ کر جواب دینے کا کہا ہے' اریش کیونکہ میرا سالا بھی ہے تو میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں صرف تمہاری مرضی کا فیصلہ کروں گا' تم اچھی طرح سوچ لو' میں نے انہیں پرسوں تک جواب دینے کا کہا ہے۔ تم پرسوں تک مجھے بتا دینا۔ جو بھی تمہارا فیصلہ ہو......" وہ مسکرائے۔

ان سب کی والہانہ محبت' معنی خیز باتیں' اب سمجھ میں آرہی تھیں' تو یہ وجہ تھی' اس نے گہری سانس لی' عادل بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"اب میں چلوں۔"

"بھائی' آپ کو فیصلے کا اختیار دیا جائے تو آپ کا کیا فیصلہ ہوگا؟" اس نے جھجک کر انہیں مخاطب کیا۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ وہ چونکہ میرا سالا ہے' تو میں اس کی تعریف بھی نہیں کرسکتا ورنہ وہ اپنے گھر میں دونوں بہنوں سے بھی زیادہ بہترین عادت کا مالک ہے۔ بہت ہی اچھا انسان۔" ابھی وہ اس کی تعریف نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ سلویٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو آپ کو جو اتنا اچھا لگے اس کے متعلق میں کیوں سوچوں' مجھے آپ پر اللہ کے بعد بھروسہ ہے کہ آپ میرے لیے بہترین فیصلہ ہی کریں گے۔" عادل نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

☆......☾......☆

دوسرے دن عادل نے اپنے دوستوں کی دعوت کی تھی' اس میں کام اتنا بڑھ گیا کہ لامحالہ اریش کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔ اریشہ اور سلویٰ بہت زیادہ مصروف تھیں' اریشہ کو تو عادل کے دوستوں کی بیویوں کو کمپنی بھی دینی پڑ رہی تھی' تو سلویٰ ہی کچن کے باقی معاملات سے نبٹ رہی تھی۔ وہ کباب فرائی کررہی تھی کہ اریش کولڈ ڈرنکس اور آئس کریم سے لدا پھندا اندر آیا۔

''یہ سب کہاں رکھوں۔'' وہ ایسے اس سے مخاطب ہوا جیسے دونوں میں جانے کتنی بے تکلفی ہو۔ وہ اپنی حیرت چھپاتی مڑی۔

''آئس کریم تو باہر فریزر میں رکھ دیں' کولڈ ڈرنکس بھی دیکھوں اگر فریج میں آجائیں تو......'' وہ اس کے پاس چلی آئی جو فریزر میں آئس کریم کے ڈبے تہہ در تہہ رکھ رہا تھا۔

''یہ بھی یہیں رکھ دیں' فریج میں تو اور جگہ نہیں ہے۔'' وہ اسے بوتلیں پکڑاتی گئی اور وہ باری باری انہیں رکھتا گیا۔ باہر سے آتی اریشہ یہ منظر دیکھ کر مسکرا دی۔

''میرا خیال ہے تم اریش کی مدد سے ٹیبل بھی سیٹ کرلو' میں اندر جاتی ہوں۔'' سلویٰ خجل سی ہوگئی' اریشہ پلٹ گئی۔ سو اسے واقعی اریش کی مدد سے ٹیبل تک برتن پہنچانے پڑے تھے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ برتن پکڑاتے اس کے ہاتھ اریش کے ہاتھوں سے ٹکرائے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے برتن چھوٹے نہیں اور وہ گھنا میسنا جو کبھی اس سے مخاطب تک نہیں ہوا تھا۔ یوں اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو جاتا کہ وہ پلٹتی اور اس سے ٹکرا جاتی مگر وہ بھی اس کی قربت محسوس کرتے ہی یوں آگے ہو جاتی کہ وہ سمجھ نہ پائے یہ اور بات کہ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا' تبھی تو ہونٹوں پر مستقل شریر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور جب مہمان جانے لگے تو بھائی اور بھابی انہیں رخصت کرنے گیٹ پر گئے تو وہ اس کے پاس آیا۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے' بہت ضروری۔''

''جی؟'' وہ تجاہل سے بولی' حالانکہ سمجھ تو گئی تھی۔

''آپ اس ناچیز سے شادی کرنا پسند فرمائیں گی؟'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکا۔

''نہیں...... میں انسان سے شادی کروں گی۔'' اس کے اطمینان سے کہنے پر وہ سیدھا ہوگیا۔

''آپ کو میں انسان نہیں لگتا؟''

''بالکل لگتے ہیں' مگر آپ نے خود کہا ناچیز۔'' وہ مسکرائی۔

''آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟'' اس نے برتن سنک میں جمع کرنے شروع کردیئے۔

''ایک چیز ہوتی ہے محبت' وہ مجھ کم بخت کو بھی ہوگئی ہے اور آج سے نہیں عرصہ بارہ سال سے......'' اس کے بیچارگی سے کہنے پر سلویٰ کو ہنسی آگئی' وہ تھوڑا اور پھیلا۔

''کیا آپ بھی مجھ سے محبت کریں گی۔''

''میں اس سے کیونکر محبت نہیں کروں گی جو میری فیس کے لیے اپنی گھڑی بیچ دے' حالانکہ وہ خود ساٹھ ہزار کی Rolax خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔'' اس کے شریر لہجے میں دیا گیا جواب اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ اچھل پڑا۔

''کیا واقعی؟''

''بالکل واقعی۔''

''تھینک یو سوئیٹ ہارٹ۔'' وہ ایک دم اس کے اتنا قریب آیا کہ مارے گھبراہٹ کے اس کے ہاتھ سے برتن گر پڑے۔ وہ خود بھی گھبرا کر پیچھے ہوا...... اریشہ تیزی سے کچن میں آئی۔

''کیا ہوا سلویٰ؟''

''کچھ نہیں آپی' انہوں نے شاید چھپکلی دیکھ لی تھی۔'' اس کے بہانہ بنانے پر سلویٰ بے اختیار ہنسی۔ اریش کو لگا کہ ہر طرف پھول ہی پھول کھل گئے ہوں۔

یہ عید اس کی زندگی میں آنے والی سب عیدوں سے زیادہ حسین تھی اور آنے والی عیدیں یقیناً حسین تر ہونی والی تھیں۔

ریحانہ آفتاب

''شاہ ریز، تھینکس فار ایوری تھنگ۔'' ہسپتال کے مین گیٹ تک آتے رضی نے اس سے مصافحہ کرتے ایک بار پھر اس کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔ شاہ ریز مصنوعی خفگی سے گھورنے لگا۔

''اس فارمیلیٹی کی قطعاً ضرورت نہیں، انکل کی حالت خطرے سے باہر ہے یہ باعث سکون ہے۔''

''ہاں یار ورنہ ہارٹ اٹیک نے تو ہمارے قدموں سے زمین کھینچ لی تھی۔ شکر الحمدللہ کہ بابا کو اللہ نے نئی زندگی دی۔'' رضی متشکر تھا۔

''میری ضرورت کہیں بھی محسوس ہو تو بلا جھجک کال کر لینا۔ میں یہیں ہوں۔'' رضی نے گرم جوشی سے گلے لگتے ہوئے کہا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں، میری غیر موجودگی میں تم نے جس طرح مما کی کال پہ بابا کو بروقت ہسپتال پہنچایا یہ قابل تحسین ہے۔''

''پھر غیروں والی بات، ہم دوست کے ساتھ ہمسائے بھی ہیں۔ بہت حقوق ہیں ایک دوسرے پہ۔'' رضی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''اوکے میں چلتا ہوں۔'' شاہ ریز نے اپنی کار کی طرف متلاشی نظروں سے دیکھتے واک کی ہے رضی ہسپتال کے اندر چلا آیا۔

❁ ❁ ❁

''اللہ کی بندی بس کردے، مرجائے گی اتنی مرچیں کھا کھا کے۔'' نسوانی چیخ نے کار کا دروازہ کھولتے شاہ ریز کو بائیں جانب دیکھنے پر مجبور کردیا۔ گول گپے کے ٹھیلے کے پاس دو لڑکیاں کھڑی تھیں، ایک لڑکی دنیا جہاں کو فراموش کیے مزے لے لے کر گول گپے کھارہی تھی۔ دوسری متفکر نظروں سے اس کے لال ٹماٹر جیسے گال گلابی ناک اور آنکھوں سے بہتے پانی کو دیکھ کر اسے باز رہنے کی ہدایت کررہی تھی۔ لڑکی نے املی کے پانی میں ڈبو کر گول گپا منہ میں رکھا۔

''تجھے پتا ہے یونیورسٹی آنے کی کیا وجہ ہے؟ ایک تو اسٹڈی، دوسرے یہ گول گپے، جس دن نہ کھاؤں رات بھر چین کی نیند نہیں آتی۔ خواب میں بھی گول گپے نظر آتے ہیں۔'' گول گپا منہ میں ہونے کی وجہ سے اس کی آواز عجیب سی نکلی تھی۔ شاہ ریز مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' نظر گھما کر اس نے سامنے روڈ پہ یونیورسٹی کو دیکھا کچھ ایسا ضرور تھا اس لڑکی میں جو اس کے قدم تھم گئے تھے، جس رغبت سے وہ گول گپے کھارہی تھی وہ واقعی دلچسپ منظر تھا۔

''تم کھاتی رہو میں گھر جارہی ہوں۔'' لڑکی ناراض ہونے لگی، تسلسل ٹوٹا تو اس کے سیل فون پہ کوئی کال آئی۔ چند سیکنڈ بات کرکے اس نے فون گول گپے والے کے ٹھیلے کی چھت پہ رکھ دیا' ہاتھ جو بزی تھے۔

''کیا اعلیٰ مقام ڈھونڈا ہے محترمہ نے۔'' وہ کار سے ٹیک لگائے سوچ رہا تھا۔

''او بھائی یہ پورے گول گپے اس کے گھر پارسل کردیا کرو تاکہ مجھے یہاں گھنٹوں کھڑا نہ ہونا پڑے۔'' اب کے لڑکی کی تیوریوں کا رخ گول گپے والے کی طرف تھا وہ جو ڈھٹائی سے مسکرادیا۔

''بس میں چل رہی ہوں۔'' لڑکی نے یکے بعد دیگرے دو گول گپے منہ میں ٹھونسے، بیگ کندھے پر ڈالا اور کتابیں اٹھا کر فوراً سہیلی کے پیچھے بھاگی۔ شاہ ریز نے گہری نظروں سے لڑکی کی حرکات کا جائزہ لیا تھا۔ وہ اپنا سیل فون گول گپے والے کے پاس بھول گئی تھی، شاہ

ریز نے انہیں آواز دینا چاہی مگر وہ دونوں روڈ کراس کر چکی تھیں۔

ٹھیلے پہ رش ہو چکا تھا شاہ ریز کے قدم ٹھیلے کی طرف بڑھے۔ ٹھیلے کے قریب سے گزرتے غیر محسوس طریقے سے اس نے سیل فون اٹھالیا۔ کار ڈرائیو کرتے وہ اپنی اس حرکت پہ خود کو لعن طعن کر رہا تھا۔

"اتنی چیپ حرکت کبھی کالج یونیورسٹی لائف میں نہیں کی اور اب ایک غیر معمولی لڑکی کی ایک جھلک نے شاہ ریز کو اتنا بدحواس کر دیا۔" زیرلب مسکراتے اس نے آفس کے سامنے گاڑی روکی۔ کار پارک کر کے آفس میں داخل ہوا۔

"شکریہ سر، آپ ٹائم پہ آ گئے' میٹنگ کے لیے ہمارے کلائنٹس آ چکے ہیں۔" پی اے اسے کاریڈور میں ہی مل گیا' وہ سیدھا کانفرنس ہال پہنچا۔ میٹنگ سے فارغ ہو کر وہ اپنے روم میں آ گیا۔ چیئر پہ کوٹ لٹکایا' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور چیئر پر بیٹھ گیا اور پھر سیل فون کو چیک کرنا شروع کر دیا۔ مائے البم میں اس حسینہ کی دلفریب سیلفی تھیں' کہیں ہنستی مسکراتی' کہیں منہ چڑاتی' کہیں غصے سے گھورتی...... مہندی لگے ہاتھوں سے چہرہ چھپاتی۔

"اُف محترمہ! بہت فلمی ہیں۔" مسکراتے ہوئے اس نے کونٹیکٹ کھولا تھا' مائے ہوم' مائے ڈیڈ کے نمبر کے ساتھ اس کے والد کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی۔ شاہ ریز کی پیشانی پر تحیر سے لکیریں پڑنے لگیں' اگلے ہی پل اس نے مائے ڈیڈ کے نمبر پہ کال کر دی تھی۔

"زندگی...... بولو بیٹا؟" دوسری طرف سے عزیز صاحب بیٹی کا نمبر دیکھ کر حسب عادت بول پڑے۔

"السلام علیکم!" مردانہ آواز پر عزیز صاحب نے تفکر سے کان سے لگا فون دیکھا ایک لمحے میں ان کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"وعلیکم السلام! کون......؟" عزیز صاحب کا لہجہ متفکر ہوا۔

"سر میں شاہ ریز ہوں۔" شاہ ریز نے ایک باپ کے متفکر لہجے کو محسوس کر کے فوراً تعارف کرایا۔

"میری بیٹی کا سیل فون آپ کے پاس کہاں سے آ گیا' زندگی کہاں ہے؟"

"ریلیکس سر...... میں وہی آپ کو گوش گزار کر رہا ہوں' آپ کی بیٹی اپنا سیل فون بھول گئی ہیں' میں نے انہیں یہ حرکت کرتے دیکھا تھا اب تک تو وہ گھر بھی پہنچ گئی ہوں گی۔ میں یہ سیل فون آپ تک پہنچانا چاہ رہا تھا۔" ٹھہرے لہجے اور سلجھے انداز نے عزیز صاحب کے اعصاب کو قدرے پُرسکون کیا۔

"تھینکس گاڈ...... اس ایک لمحے میں' جانے میں نے کیا کچھ سوچ لیا تھا۔"

"آپ نے یقیناً مجھے اغوا برائے تاوان کے گروہ کا ممبر سمجھا ہوگا۔" شاہ ریز بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' عزیز صاحب ہنسنے لگے۔

"یہ تو ہے مگر کیا کیا جائے کہ آج کل حالات ہی اس قسم کے ہیں۔ بچوں کی فکر رہتی ہے اور جب بیٹی کا معاملہ ہو اور وہ بھی اکلوتی تو جان پہ بن جاتی ہے۔" عزیز صاحب نے اپنائیت سے کہا۔

"سر میں یہ سیل فون لوٹانا چاہتا تھا۔"

"تم اپنا ایڈریس بتا دو میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں۔"

"سر میں آپ کے گھر آ کر خود یہ سیل فون دینا چاہتا ہوں' اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو......" شاہ ریز کے شائستہ لہجے پہ عزیز صاحب ایک لمحے کو چپ ہو گئے۔

"او کے ضرور پھر شام کی چائے ساتھ پیتے ہیں۔ میں تمہیں ایڈریس ٹیکسٹ کر دیتا ہوں۔" عزیز صاحب خوش دلی سے بولے۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے سر' میں آ جاؤں گا۔"

"تم حیران کر رہے ہو' خیر ملتے ہیں شام کو۔" عزیز صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او کے سر...... اللہ حافظ۔" شاہ ریز نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"زندگی......" زیرلب نام دہراتے لب دانتوں تلے

دبائے اس کی مسکراہٹ میں پراسراریت تھی۔

❀......❀......❀

مال سے چند ایک چیزوں کی شاپنگ کرکے اب وہ گھر جارہی تھیں۔ کار میں بیٹھی زندگی کو اچانک اپنے سیل فون کی یاد آ گئی۔

''سنیعہ یار میرا سیل فون کہاں ہے؟'' ساتھ بیٹھی سنیعہ بھی چونکی۔

''پرس میں چیک کرو۔'' زندگی نے نفی میں سر ہلایا۔

''میرے ہاتھ میں تھا۔''

''یونیورسٹی، مال...... ٹھیلے والا...... کچھ یاد کرو کہاں کھویا ہے؟''

''نہیں یاد آ رہا' جانے کہاں گرادیا۔'' اسے افسوس ہوا۔ سنیعہ نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھایا۔

''کال کرلو...... کیا معلوم کوئی واپس دے دے۔''

''مشکل ہے' ہاتھ آئی چیز کون واپس کرتا تھا۔''

''اتنا مہنگا تھا' میری کتنی میموری تھی اس میں۔'' سخت افسوس ہورہا تھا۔

''تم کال تو کرو۔'' سنیعہ کے اصرار پہ اس نے اپنے نمبر پہ کال کی۔ شاہ ریز میٹنگ میں ڈسکس ہوئے پوائنٹس کو اسٹڈی کررہا تھا۔ سیل فون بجنے لگا تھا' سنیعہ کالنگ کے ساتھ تصویر بھی آرہی تھی' وہ پہچان گیا۔

''تو محترمہ کو فون کی گمشدگی کا احساس ہوگیا۔'' مسکراتے ہوئے شاہ ریز نے کال ریسیو کی۔

''دیکھا میں نہ کہہ رہی تھی ہاتھ آئی چیز کوئی واپس نہیں کرتا' کمینہ فون نہیں اٹھارہا۔'' اسے احساس تک نہ ہوا کہ کال ریسیو ہوچکی ہے۔ شاہ ریز نے بغور اس کی گفتگو سنی۔

''آفرین ہے آپ کی ذہانت پہ' کیا صحیح قیاس آرائی ہے کہ کسی بندے نے ہی یہ حرکت کی ہوگی ورنہ آپ نے جو 'اعلیٰ القاب' استعمال کیا اس کا مونث بھی بول سکتی تھیں۔'' شاہ ریز نے بے ساختہ گفتگو کا آغاز کیا۔ زندگی ایک لمحے کو چونکی۔

''آپ کون؟''

''جس کی آپ تعریف کررہی تھیں۔'' شاہ ریز نے مزا لیتے ہوئے کہا۔

''فون کہاں سے ملا آپ کو؟'' سنیعہ اشارے سے پوچھ رہی تھی اس کے اشارے نظر انداز کرکے وہ دوسری طرف سے آئی آواز کی طرف متوجہ تھی۔

''گول گپے والے کے ٹھیلے کی چھت سے' ویسے کیا اعلیٰ مقام ڈھونڈا تھا آپ نے۔''

''میرا فون واپس کریں۔''

''نہ کروں تو......؟'' چڑایا۔

''آواز اور باتوں سے ٹٹ پونجے تو نہیں لگتے۔'' غصے سے کہا۔

''اتنی قیافہ شناسی...... کیا لگتا ہوں؟'' مزا لیا۔

''چیپ' لوفر......'' اس نے غصے سے کہہ کر کال ڈسکنیکٹ کردی۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' سنیعہ نے اس کے غصے سے لال چہرے کو دیکھا۔

''بکواس کررہا تھا۔''

''پھر......؟''

''کیا پھر...... دل چاہ رہا ہے جان سے ماردوں اس کمینے کو۔''

''اومیم...... اس کا غصہ مجھ بے چاری پہ کیوں نکال رہی ہو۔'' سنیعہ نے ڈرتے ہوئے کہا' زندگی نے ان سنی کردی۔

❀......❀......❀

عزیز اور ماہ رخ لان کی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' عزیز صاحب نے اکلوتی بیٹی کے افسردہ چہرے کو دیکھا۔

''کیا ہوا' میری بیٹی اتنی افسردہ کیوں ہے؟''

''اپنا سیل فون کہیں بھول آئی ہے' اسی کا غم ہے۔ کہا بھی ہے دوسرا لے لو۔'' ماہ رخ نے اداسی کی وجہ بتائی۔

''مام...... اس میں میری سیلفیز تھیں' کتنی یادیں

وابستہ ہیں ہر چیز سے پھر تمام فرینڈز کے نمبرز آج کل کسی کا نمبر یاد کب رہتا ہے۔“ اس نے افسردگی سے کہا۔

”ٹینشن نہ لو مل جائے گا فون۔“ عزیز صاحب نے دلاسا دیا۔

”میں دیکھتی ہوں چائے کہاں رہ گئی۔“ ماہ رخ اٹھنے لگیں، عزیز صاحب نے اشارے سے انہیں بیٹھے رہنے کو کہا۔

”میں نے منع کیا تھا ایک گیسٹ آنے والا ہے وہ آجائے پھر ساتھ چائے پئیں گے۔“

”کون ہے یہ گیسٹ؟“ ماہ رخ نے پوچھا اسی دوران چوکیدار ان کی طرف آیا۔

”سر کوئی شاہ ریز صاحب آئے ہیں۔“

”آنے دو انہیں۔“ عزیز صاحب کے حکم پہ چوکیدار سر ہلا کر گیٹ کھولنے چلا گیا۔

”کون ہے یہ شاہ ریز؟“ ماہ رخ نے حیرانی سے عزیز صاحب کو دیکھا۔ زندگی بےزاری سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

”یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“ عزیز صاحب کے جواب پہ ماہ رخ کے ساتھ اس نے بھی چونک کر پورچ کی طرف نظر جمائی۔ کار سے نکلنے والی شخصیت اتنی سحر انگیز تھی کہ تینوں خاموشی سے اسے اپنی طرف آتا دیکھنے لگے۔

”السلام علیکم!“ اس نے مسکراتی نظروں سے سلام کیا۔

”تم......“ عزیز صاحب ایک پل کو حیران ہوئے پھر گرم جوشی سے اٹھے۔

”تم شاہ ریز ہو عثمان کے بیٹے؟“

”جی سر۔“ شاہ ریز نے مسکراتے ہوئے مصافحہ کیا۔

”گلے لگو یار۔!“ عزیز صاحب نے گرم جوشی سے گلے لگایا۔ ماہ رخ چہرے پہ خیر مقدمی مسکراہٹ سجائے کھڑی تھیں، زندگی نے کھڑے ہونے کی بھی زحمت نہیں کی۔

”ماہ رخ یہ میرے سابق پارٹنر عثمان کا بیٹا ہے جب میں نے لاہور سے بزنس کا آغاز کیا تو ان دنوں عثمان کے ساتھ شاہ ریز کے آئیڈیاز ہمیں بہت فائدہ پہنچاتے تھے حالانکہ یہ ان دنوں کالج میں تھا۔“ عزیز صاحب خوش دلی سے تعارف کرا رہے تھے۔

”جی میں عثمان بھائی سے مل چکی ہوں، شاہ ریز سے پہلی بار مل رہی ہوں۔“ ماہ رخ نے خوش دلی سے کہا۔

”بیٹھو بیٹا۔ یہ ہماری اکلوتی بیٹی زندگی۔“ عزیز صاحب کے تعارف کرانے پہ سارے منظر میں لاتعلق بیٹھی زندگی نے مصنوعی مسکراہٹ سجا کر اسے دیکھا۔ شاہ ریز نے بغور اس کے اداس چہرے کو دیکھا۔

”ان کی کوئی عزیز ترین چیز کھوگئی ہے کیا؟“ شاہ ریز کے چھیڑنے پہ عزیز صاحب ہنسنے لگے۔ زندگی نے قدرے ناگواری سے اس کی بے تکلفی ملاحظہ کی۔

”بس وہ موڈ ٹھیک نہیں ہے۔“ ماہ رخ نے اسے نظروں سے گھرکتے جواب دیا۔ اچھا لڑکا دیکھ کر ہر ماں کے چہرے پر جو رنگ ہوتا ہے، وہی رنگ ماہ رخ کے چہرے پر بھی تھا اس نے کوفت محسوس کی۔

”پہلے تو آپ ان کی کھوئی ہوئی چیز لوٹا دیں تاکہ ان کا موڈ بحال ہو۔“ شاہ ریز نے مسکراتے ہوئے جیکٹ کی جیب سے زندگی کا سیل فون نکال کر دیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس نے جھپٹ کر سیل لیا۔

”یہ......؟“ ماہ رخ بھی حیران تھیں۔

”دوپہر کو شاہ ریز کی کال آئی تھی کہ زندگی اپنا سیل فون بھول آئی ہے، فون لوٹانے ہی گھر آیا ہے تب تک مجھے بھی نہیں معلوم تھا یہ عثمان کا بیٹا ہے۔“ عزیز صاحب نے الجھن سلجھائی۔ اسے یاد آگیا کہ جس نے اس سے بات کی یہ وہی لب ولہجہ تھا۔

”میں نے بھی آپ کی تصویر سے آپ کو پہچانا۔“

”آپ نے میرا سیل فون چیک کیا؟“ وہ سیل فون ملنے کی خوشی میں بھی خفگی دکھانا نہیں بھولی۔

”مجبوری تھی ورنہ میں آپ کے ڈیڈ سے کیسے رابطہ کرتا۔“

''شکریہ ادا کرنے کی بجائے تم تفتیش کررہی ہو؟'' ماہ رخ نے احساس دلایا۔

''رہنے دیں آنٹی۔'' اس کے دخل دینے پر اس نے منہ بگاڑا۔

''بھئی یہ چائے کہاں رہ گئی۔'' عزیز صاحب نے احساس دلایا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' ماہ رخ اندر چلی گئی۔

''اور سناؤ عثمان کیا کررہا ہے آج کل۔'' عزیز اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بابا لاہور کا بزنس دیکھتے ہیں میں کراچی کا' چند ماہ ہوئے مجھے کراچی شفٹ ہوئے۔''

''تم اکیلے رہتے ہو؟'' انہیں حیرت ہوئی۔

''جی...... اماں کو اپنی حویلی جان سے زیادہ عزیز ہے' وہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔'' وہ تفصیل بتا رہا تھا۔ ملازم چائے کے لوازمات لے آیا تھا۔

''صاحب آپ کی کال آئی ہے۔'' عزیز صاحب سر ہلاتے اٹھ گئے۔

''میں بس ابھی آیا' تم دونوں باتیں کرو۔'' عزیز صاحب چلے گئے۔ شاہ ریز نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا' گلابی سوٹ میں تراشیدہ بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں جکڑے سادہ چہرے کے ساتھ بھی وہ گلابی شام کا خوب صورت حصہ لگ رہی تھی۔

''اب خوش ہیں آپ؟''

''جب آپ میری فیملی کو جانتے تھے تو مجھ سے فون پر بکواس کیوں کی؟'' وہ تیکھے چتونوں سے گھور رہی تھی۔

''تھوڑا سا ستا رہا تھا۔''

''کیوں؟'' لڑاکا عورتوں کی طرح بھنویں اچکا کر بولی اس نے مسکراہٹ دبائی۔

''دل چاہ رہا تھا۔''

''وہاٹ......؟'' وہ چیخی۔

''آپ کا نمبر اور چند تصویریں میرے سیل فون میں قید ہو چکی ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا' زندگی کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کھل گیا۔

''میں ڈیڈ کو بتا دوں گی۔'' اس کی دھمکی پر وہ ہنسنے لگا۔

''قربان جاؤں اس دھمکی پر۔''

''اتنی غیر مہذبانہ حرکت آپ کو سوٹ نہیں کرتی۔'' وہ اپنی ناگواری نہ چھپا سکی۔

''آپ کو سوٹ کروں گا؟'' گمبھیر لہجے کا سوال اور پسندیدگی بھری نظروں کو اس نے اچنبھے سے دیکھا' وہ کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر جانے کیوں لب سل گئے تھے۔

''فون جھپٹتے احساس بھی نہ کیا کہ آپ کے ناخن کسی کو زخم بھی دے سکتے ہیں۔'' اس نے زخمی انگلی سامنے کی' اس کی انگلی پر خراش کے نشان واضح تھے۔ ''آپ اتنی ظالم ہیں؟'' اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

''سوری' وہ بے دھیانی میں......'' ماہ رخ اور عزیز آ گئے تھے۔ ان کے پیچھے ملازم لوازمات کی ٹرالی گھسیٹتا آ رہا تھا۔ خوش گوار ماحول میں چائے اور ریفرشمنٹ سے انصاف ہوا تھا۔

''آتے جاتے رہنا۔'' وقت رخصت ماہ رخ خوش دلی سے کہہ رہی تھیں۔

''عثمان کو بھی لے کر آؤ' بہت دن ہو گئے اس سے ملے۔'' عزیز صاحب نے کہا۔

''انکل آپ اور آنٹی کو اگر اعتراض نہ ہو تو میں اماں اور بابا کو لانا چاہتا ہوں تاکہ وہ آپ لوگوں سے میرے لیے زندگی کا رشتہ مانگ سکیں۔'' وہ تینوں ساکت رہ گئے۔

''ضرور لے کر آؤ۔'' ماہ رخ بولیں۔

''یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی بیٹا......'' عزیز صاحب نے اسے خوش دلی سے گلے لگا لیا۔ وہ اس بے باکی پر اسے خفگی سے دیکھنا چاہتی تھی مگر اس کی نظروں سے نکلتی شعاعوں نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

❀......❀......❀

''ہیں' کیا واقعی محترم خود گھر تشریف لائے' سیل فون لوٹانے؟'' اس نے چھوٹتے ہی سنیعہ کو کال کی۔ وہ

ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔

"ڈیڈ کے پرانے بزنس پارٹنر کے صاحب زادے ہیں محترم میری ذراسی دھمکی پر بے باکی سے مام ڈیڈ سے رشتے کے لیے اپنے والدین کو لانے کی بات کرکے گئے ہیں۔"

"دیکھنے میں کیسا ہے؟"

"سوڈشنگ۔"

"اوہو......" سنیعہ نے چھیڑا۔

"جو سچ ہے اس سے انکار جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے۔"

"لگتا ہے لوایٹ فرسٹ سائیڈ کا شکار صرف محترم نہیں ہوئے تم بھی ہوگئی ہو۔" وہ مسکرادی۔

"یہ سچ ہے کہ اب تک بہت سوں نے پیش قدمی کی اور انہیں منہ کی کھانی پڑی لیکن شاہ ریز کی شخصیت میں ایسا طلسم ہے جو ہر کسی کو اسیر کرسکتا ہے۔"

"یعنی تم قبول کررہی ہو کہ تمہیں اس ساحر نے اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے۔" سنیعہ نے اگلوانا چاہا۔

"ہاں۔" اس نے بآسانی اقرار کرلیا۔

❀......❀......❀

شاہ ریز ویک اینڈ پر حویلی آیا تھا' سدرہ بیگم واری صدقے جارہی تھیں۔ شادی شدہ دونوں بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں جو خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک سے کھا' کراچی جا کے تُو بھی کراچی والوں جیسا ہوتا جارہا ہے۔ ٹھیک سے کھایا پیا کر۔" سدرہ تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہی تھیں' عثمان صاحب بھی اخبار لے کر ساتھ بیٹھ گئے۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں آپ سب بھی کراچی شفٹ ہوجائیں' ہم ساتھ رہیں گے۔" شاہ ریز نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کی۔ "اکیلے کھانے پینے کو دل نہیں کرتا۔"

"کیوں رہے گا اکیلا' بیاہ کروں گی میں تیرا جلد ہی۔ میں نے تو لڑکیاں بھی دیکھنا شروع کردی ہیں۔" سدرہ نے کارگزاری سنائی۔

"بابا......! آپ کو عزیز انکل یاد ہیں؟" شاہ ریز عثمان صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"وہ بھی کوئی بھولنے کی چیز ہے' بہت اچھی دوستی رہی پھر وہ ہمیشہ کے لیے کراچی شفٹ ہوگیا تو رابطہ کم ہونے کے ساتھ تقریباً ختم بھی ہوگیا۔" سدرہ دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"میں عزیز انکل سے ملا تھا' ان کے گھر جانا ہوا تھا۔" شاہ ریز نے کافی پیتے ہوئے بتایا۔

"اچھا' کیسا ہے وہ؟ ماہ رخ بھابی بھی بہت اچھی تھیں' ان کی ایک بیٹی تھی باربی ڈول جیسی......" عثمان بیتے وقت کو یاد کرنے لگے' شاہ ریز زیر لب مسکرایا۔

"باربی ڈول اب بڑی ہوگئی ہے آپ کو انکل بہت یاد کررہے تھے۔"

"تمہارے پاس آیا تو اس سے ضرور ملوں گا۔" عثمان صاحب نے پلان بنایا۔ کافی کا کپ رکھ کر اس نے سنجیدگی سے سدرہ اور عثمان کو دیکھا۔

"آپ دونوں سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ کی اجازت کے بغیر میں نے عزیز انکل کو کہہ دیا کہ آپ لوگ میرا رشتہ زندگی کے لیے لے کرآئیں گے۔" سدرہ کے کان کھڑے ہوئے۔

"کون زندگی؟"

"عزیز کی بیٹی......!" عثمان صاحب نے جواب دیا۔

"جانے کیسی لڑکی ہے...... کیسے پلی بڑھی ہے' کراچی کی لڑکیاں تو یوں بھی بہت تیز ہوتی ہیں۔" سدرہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس کی پرورش ماہ رخ بھابی اور عزیز نے کی ہے یقیناً اچھی ہی ہوگی اور پھر کچھ تو دیکھا ہوگا تمہارے بیٹے نے جو ایک لمحے میں اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔" عثمان صاحب نے قائل کرنا چاہا۔

"شہر کی لڑکیاں' ہوٹلوں' بازاروں میں ننگے سر پھرتی ہیں۔ جینز اور جانے کیا الابلا پہنتی ہیں۔ پردہ تو نہیں کرتی ہوگی؟" سدرہ بیگم کو تشویش ہوئی۔

''ایک پردہ نگاہ کا بھی ہوتا ہے بیگم، تم نے بھی کبھی برقع نہیں لیا، میں نے مجبور نہیں کیا......''

''آپ نے تو دوست کی بیٹی کی وکالت شروع کردی۔'' سدرہ مسکرائیں۔

''آپ لوگ چلیں گے نا؟'' خاموش بیٹھے شاہ ریز کو بے چینی ہوئی۔

''جم جم جاؤں گی اپنے اکلوتے بیٹے کا رشتہ لے کر، تیری خوشی جس کے ساتھ ہے میں اسے پلکوں پر بٹھا کے رکھوں گی۔ میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے میری بہو جس نے میرے بیٹے کو پگھلا دیا۔ مجھے تو اس پر بہت پیار آرہا ہے تصویر ہی دکھا دے اس کی، موبائل میں تو ہوگی۔'' سدرہ واری صدقے ہونے کے بعد شاہ ریز کے موبائل کو گھورنے لگیں۔ عثمان صاحب ہنسنے لگے شاہ ریز لب دبا کر مسکراہٹ روکتے سدرہ کو زندگی کی تصویر دکھانے لگا۔

''واقعی میں باربی ڈول ہے۔''

''نیک بخت باربی ڈول۔'' عثمان صاحب کے تصحیح کرنے پر تینوں ہنسنے لگے۔

❁......❁......❁

وہ لوٹ آیا تھا، عثمان اور سدرہ نے اگلے ویک اینڈ پر آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے عزیز صاحب کا نمبر عثمان صاحب کو دے دیا تھا دو دوستوں نے عرصہ بعد بات شروع کی تو وقت کا احساس نہ ہوا۔ بہنوں کو بھی زندگی کی تصویر بہت پسند آئی تھی۔ شاہ ریز نیم اندھیرے کمرے میں لیٹے اسی دشمن جاں کو سوچ رہا تھا، بے ساختہ سیل فون اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے کال ریسیو ہوگئی تھی۔

''ہیلو......''

''السلام علیکم!'' شائستگی سے سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم السلام کون؟'' شاہ ریز کو لگا اس بڑے سے گھر کی تنہائی نے اس کی آواز سن کر شادمانی کی چادر اوڑھ لی ہے۔

''شاہ ریز۔'' اختصار سے کام لیا، ایک پل کو سناٹا چھا گیا۔

''خیریت، اتنے دنوں بعد کیسے کال کی؟'' ناچاہتے ہوئے بھی لہجہ زروٹھا ہوگیا۔ اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔

''آپ منتظر تھیں؟''

''میں کیوں ہونے لگی؟'' صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کے مصداق زندگی نے پہلو بدلا۔ اس کے لہجے اور انداز نے اسے خوشی دی۔

''جانے آپ اس پل کیسا اور کیا محسوس کررہی ہیں مگر یقین جانئے اس پل آپ کے لہجے نے مجھے وہ خوشی دی ہے جس کا آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔'' وہ چپ تھی، شاید اپنی بے اختیاری پر شرمندہ بھی۔

''شرف قبولیت کا شکریہ اور ساتھ ہی اس اظہار کا بھی کہ تم منتظر تھیں۔'' دھیمی اور گمبھیر آواز پر اس کے رخسار جلنے لگے تھے۔

''تمہاری نوعمری کے کچھ پل میرے حافظے میں آج بھی زندہ ہیں۔''

''آپ کو یاد ہیں اتنی پرانی باتیں؟'' اسے حیرانی ہوئی۔

''کچھ یادیں لاشعور میں دبی رہتی ہیں اور جب معمول اچانک سامنے آجائے تو شعور کی سطح پر ہر یاد جھلملانے لگتی ہے۔'' لہجے کے وقار اور الفاظ کے چناؤ نے زندگی کو متاثر کیا اس نے کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔ محبت بھرے ڈائیلاگ نہیں جھاڑے تھے مگر زندگی اس کے لفظوں کے سحر میں جکڑی جارہی تھی۔

''تم نے کبھی سوچا تھا زندگی ہمیں یوں اتنا قریب لے آئے گی؟'' اس نے نفی میں جواب دیا۔

''تم یہ جان لو کہ پہلی ہی نظر میں میری زندگی بن بیٹھی ہو۔ میں نے اپنے پیرنٹس سے تمہارا ذکر کردیا ہے، ویک اینڈ پر وہ آرہے ہیں۔ اس سے پہلے میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا۔'' وہ اس کے سحر میں گم ہوگئی تھی۔ ایک طلسم تھا جس نے اسے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

''پوچھوں؟'' اصرار ہوا۔

"جی......" بمشکل آواز نکلی۔

"تمہارا ساتھ میری زندگی کے لیے لازم ہوگیا ہے' کیا تم عمر بھر میرا ساتھ نبھا پاؤ گی؟" شاہ ریز کے لفظوں کی آنچ کی لو زندگی کو دل کی سرزمین کو چھوتی محسوس ہوئی۔

"مجھے تم سے محبت ہے' تمہیں ہوسکتی ہے؟" سوال پہ سوال' زندگی نے نم پیشانی کو صاف کیا۔

"میں پوری کوشش کروں گی آپ کو کبھی اپنے فیصلے پر پچھتاوا نہ ہو۔" گول مول جواب تھا۔ اسٹیٹ فارورڈ زندگی پر وہ لمحہ آچکا تھا جب اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"اور محبت......؟" مہکتا سوال ہوا۔

"ہو چکی......" شرماتا جھجکتا اظہار شاہ ریز کو نہال کر گیا۔

❀......❀......❀

حسب وعدہ سدرہ اور عثمان باقاعدہ رشتے لے کر آئے تھے' بچھڑے دوست گرم جوشی سے ملے تھے۔ ماہ رخ اور سدرہ کی پہلی ملاقات تھی مگر دونوں اس طرح گھل مل کر بات کر رہی تھیں کہ گماں تک نہیں ہو رہا تھا کہ آج سے پہلے وہ ایک دوسرے کے ناموں سے بھی ناواقف تھیں۔

"ہماری بیٹی کو تو بلالیں' مجھے اس سے ملنے کا بہت اشتیاق ہو رہا ہے۔" سدرہ نے بے صبری دکھائی' ماہ رخ مسکرادیں۔

"آتی ہی ہوگی' کچھ نروس ہے۔ ایسے موقعوں پر تو ہر لڑکی کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔" سدرہ بھی مسکرائیں۔ خاموش بیٹھے شاہ ریز کے ہاتھ تیزی سے غیر محسوس انداز میں ٹیکسٹ ٹائپ کر رہے تھے۔

"کہاں ہو یار؟" اگلے پل ریپلائے آگیا۔

"بہت نروس ہو رہی ہوں۔"

"کیوں؟" اگلا سوال کیا۔

"آپ نے سب کے سامنے بے باکی سے پسندیدگی کا اظہار کر کے مجھے چور سا بنا دیا ہے۔ کیا سوچتی ہوں گی آپ کی والدہ میرے بارے میں۔" تشویش بھرے ٹیکسٹ پر الٹے ہاتھ کی روک سے اس نے مسکراہٹ چھپائی۔ عزیز کے کسی سوال کا جواب دیتے اس نے اگلا ٹیکسٹ کیا۔

"ہاں کہہ رہی تھیں شہر کی لڑکی نے میرے بیٹے کو پھانس لیا۔"

"کیا......؟" چیخ سے مشابہہ ٹیکسٹ آیا۔ "میں نہیں آرہی۔" اس نے فیصلہ سنادیا۔ شرارت مہنگی پڑ رہی تھی۔

"نہیں یار......وہ تو تمہیں داد دینے آئی ہیں کہ تم نے پتھر میں جونک لگادی۔"

"آپ نے تو جان ہی نکال دی تھی۔" اس نے یقیناً سکون کا سانس لیا ہوگا۔

"آ بھی جاؤ۔" اس کے رخسار تمتمانے لگے تھے۔

"آتی ہوں۔" اس نے سلیقے سے دوپٹہ لے کر تنقیدی نظروں سے اپنا جائزہ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر لیا۔

"زندگی کہاں رہ گئی ماہ رخ؟" عزیز صاحب کو بھی دیر محسوس ہونے لگی۔ اسی اثناء میں زندگی جدید تراش خراش کے بلیک سوٹ میں لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم!"

"عزیز ہماری باربی ڈول تو بہت بڑی ہوگئی ہے۔" عثمان صاحب نے سر پر ہاتھ پھیرتے خوش دلی سے کہا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔" سدرہ نے گلے لگاتے شاہ ریز کو توصیفی نظروں سے دیکھا۔ اس کی نظریں ایک ثانیے کے لیے شاہ ریز سے ملی تھیں' سدرہ نے ساتھ لائے گولڈ کے کنگن فوراً زندگی کو پہنا دیئے۔

"ہم منگنی کرنے میں بالکل ٹائم نہیں گنوائیں گے' ہمیں تو بس آج ہی شادی کی تاریخ دے دیں۔" سدرہ کی جلد بازی پر سب ہنس دیئے۔

"بھائی زندگی کی ابھی اسٹڈی چل رہی ہے' دو ماہ بعد اس کے فائنل سمسٹر ہیں۔" عزیز صاحب نے معلومات فراہم کی۔

"ہاں تو خیر سے امتحانات دے لے آگے بھی پڑھنا

چاہے تو کوئی مسئلہ نہیں۔ شاہ ریز کون سا کاکا ہے جو اس کی کتابیں پھاڑ دے گا۔" سدرہ کی بات پر ایک فلک شگاف قہقہہ لگا تھا' دونوں جھینپ گئے۔

"بیٹا...... تم شاہ ریز کو گھر دکھاؤ۔" دونوں کی الجھن سمجھ کر ماہ رخ نے مسکراتے ہوئے اسے اشارہ کیا۔

"جاؤ بیٹا' جب تک ہم سارے معاملات طے کر لیتے ہیں۔" عثمان صاحب نے شاہ ریز کو اشارہ کیا تو وہ سعادت مندی سے کھڑا ہو گیا' دونوں ساتھ چلتے لاؤنج سے نکل گئے۔

"ماشاءاللہ کتنی پیاری جوڑی ہے۔" سدرہ نے کہا تو ماہ رخ مسکرا دیں' دونوں ساتھ چل رہے تھے زندگی دو اسٹیپ اوپر گئی تو شاہ ریز نے زندگی کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھا شاہ ریز پسندیدگی بھری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کانوں میں جھولتا آویزا اس کی توجہ اپنی طرف کر گیا۔

"نہ مجھے گھر دیکھنے میں دلچسپی ہے اور نہ آنٹی نے ہمیں اس غیر ضروری کام کے لیے تنہائی فراہم کی ہے۔" بازو ہولے ہولے اپنی طرف کیا' زندگی نزدیک آ گئی' کانوں میں جھولتا بلیک پتھر کا آویزا سیدھا کرتے شاہ ریز نے سرگوشی کی۔

"کس نے کہا تھا اتنا تیار ہونے کو؟" اس کے ہاتھوں میں نمی اتر آئی۔ "ایسا نہ ہو کہ ابھی قاضی کو بلوا کر تمہیں رخصت کرا لے جاؤں۔"

"میرے پیپرز ہیں۔" اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں شادی کے بعد دے دینا۔" وہ مسکرایا۔

"میں کیسے پڑھ پاؤں گی۔" اسے فکر ہوئی۔ وہ منٹوں میں فیصلہ کرنے والی اس کی عادت سے واقف ہو چکی تھی کچھ بعید نہ تھا سب اس کی مان بھی لیتے۔

"میں پڑھا دوں گا۔" اس نے شوخی سے کہتے مزید قریب کیا تو وہ اسے پیچھے دھکیل کر دو اسٹیپ اوپر چلی گئی۔

"جان گئی ہوں تمہارے ارادے میں پیپرز دے سکوں گی اس بات پر بالکل بھروسہ نہیں کر سکتی۔"

"اتنی بے اعتباری اچھی بات نہیں۔"

"پلیز پیپرز ہو جانے دو میں یکسوئی سے پڑھ نہ سکوں گی۔" اس نے جیسے التجا کی۔

"پڑھ تو تم ابھی بھی نہیں سکو گی۔" مسکراتے ہوئے گرل سے پشت لگا کر سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

"کیوں؟" گھنی پلکوں والی آنکھوں میں حیرانی ابھری۔

"سارا وقت تو میرے ساتھ ٹیکسٹ میں بزی رہتی ہو پڑھو گی کب؟" جھینپتے ہوئے اس نے اس کے شولڈر پر مکہ مارا۔

❁......❁......❁

"تو خوش ہے؟" سنیعہ نے اس کے کھلتے چہرے کو دیکھتے سوال کیا۔

"بہت زیادہ...... من پسند ہم سفر خود آپ کا طلب گار ہو تو کوئی کیسے ناخوش رہ سکتا ہے۔"

"شاہ ریز کا بیک گراؤنڈ گاؤں سے ہے' سنا ہے ایسے لوگ بہت کنزرویٹو اور عورتوں کو دبا کے رکھتے ہیں۔" سنیعہ نے تصویر کا ایک اور زاویہ دکھایا۔ وہ جتنی چلبلی' منہ پھٹ اور اپنی مرضی کرنے والی تھی' سنیعہ کو فکر ہوئی۔

"شاہ ریز کی باتوں اور اس کی فیملی سے مل کے ایسا تو کچھ نہیں لگا۔ شاہ ریز نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے' بہنوں نے بھی کالج تک پڑھا ہے۔ عثمان انکل پڑھے لکھے ہیں' سدرہ آنٹی نے مڈل تک پڑھا ہے۔ بہت سمجھ بوجھ والی خاتون ہیں۔" اس نے سنیعہ کی بات کو جھٹلایا۔

"شاید میری سوچ غلط ہو' وڈیروں' جاگیرداروں کے متعلق ناولز پڑھ پڑھ کر شاید میں ایسا سوچنے لگی ہوں لیکن ہر انسان ایک جیسا نہیں ہوتا۔" سنیعہ نے خود اعتراف کیا۔

"گاؤں میں تو وٹے سٹے کا بھی بڑا رجحان ہے' اگر انہیں اعتراض ہوتا تو رشتہ ہی نہ لاتیں۔" سنیعہ

نے گردن ہلائی۔

"اب وقت بدل گیا ہے' تبدیلی آ گئی ہے۔ آنٹی نے بہت محبت کا اظہار کیا اور چھوٹتے ہی کنگن بھی پہنا دیئے۔" اس نے کنگن دکھائے' سنیعہ اشتیاق سے دیکھنے لگی۔

❁......❁......❁

میرا سیدھا سادھا مزاج تھا' مجھے عشق ہونے کی کیا خبر
تیرا ایک نظر وہ دیکھنا میرے سارے شوق بدل گئے

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب وہ ارمانوں کے ساتھ بیاہ کر شاہ ریز کے بنگلے میں روشنی بکھیرنے چلی آئی۔ دلہن بنی زندگی اپنی خوش قسمتی پر رشک کر رہی تھی' بغیر کسی تگ ودو بغیر کسی رکاوٹ کے اسے من پسند ہم سفر اور جان لٹانے والے سسرالی ملے تھے۔ سدرہ اور نندوں نے ڈھیر سارے ارمان نکالنے کے بعد اس کی جان بخشی تھی۔ اوپر سے شاہ ریز کی وارفتگی اور والہانہ پن۔ وہ ہواؤں کے دوش پر محو رقص تھی' وہ منتشر دھڑکنوں سے شاہ ریز کی منتظر تھی۔

"کیا حال ہیں شاہ ریز کی زندگی؟" وہ پُرشوق نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں تھکن کے واضح آثار کے ساتھ آسودگی تھی۔ پیپرز کی تیاری' ٹینشن' شادی کی شاپنگ' اور پھر شادی کی تھکاوٹ اب اس کی کمر جواب دے گئی تھی۔

"تھک گئی ہو؟" اس کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لیتے پوچھنے لگا۔

"بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔" اس نے ہولے سے کہا۔ "ظاہر ہے' اتنا کچھ جو تم نے لاد رکھا ہے اور یہ ڈریس...... اُف چار سو کلو تو ویٹ ہوگا ہی اس کا' مجھے بالکل پسند نہیں ایسے ہیوی جوڑے مگر تمہاری پسند تھی اس لیے چپ رہا۔" اس نے بہت دل سے سدرہ کے ساتھ جا کے عروسی جوڑا پسند کیا تھا وہ خاص کر اس کے لیے تیار ہوئی تھی اور وہ اس کے ڈریس پر تنقید کر رہا تھا۔ وہ چپ رہی۔

"ولیمے کے لیے میں نے اسپیشلی تمہارا ڈریس لیا ہے تم وہ پہننا۔" وہ اس کی کلائی سے چوڑیاں اتارتے گویا ہوا' اسے دھچکا سا لگا۔ ولیمے کے لیے اس نے شلوار اور گولڈن امتزاج کا ڈریس لیا تھا جو اسے بہت پسند بھی تھا' اب جانے وہ کس ڈریس کی بات کر رہا تھا۔

"لیکن ڈریس تو میں نے لے لیا تھا' سدرہ آنٹی کے ساتھ جا کے۔"

"وہ میں نے واپس کر دیا۔" وہ بے پروائی سے بولا' ایک چوڑی ٹوٹ کر چبھ گئی اس کے ہونٹوں سے سسکی سی نکلی۔

"سوری یار...... جانے کیسے ٹوٹ گئی۔ میں تو بہت احتیاط سے اتار رہا تھا۔" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی' جیسے آج پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ وہ اٹھ کر دراز سے فرسٹ ایڈ باکس نکال لایا۔ کاٹن سے خون صاف کر کے کوئی کریم لگا رہا تھا۔

"سو سوری......" چوڑی نے ٹوٹنے کے بعد لمبا سا نشان چھوڑ دیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' جانے یہ ڈریس واپس کرنے کے غم میں نکلے تھے یا جلن زیادہ ہو رہی تھی۔ آنسو اس کی ہاتھ کے پشت پر گرا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"سویٹ زیادہ تکلیف ہو رہی ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلا کر دوسرے ہاتھ کی پشت سے رخسار صاف کیے۔

"آج کے بعد تم یہ کانچ کی چوڑیاں بالکل نہیں پہنو گی' مجھے ان کی آواز بالکل پسند نہیں اور پھر تمہیں زخم دے کر زہر لگنے لگی ہیں۔" اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ زندگی اس حکم پر ہی سن رہ گئی' اسے چوڑیوں سے عشق تھا' ان کی آواز پسند تھی۔ چاند رات اور عام دنوں میں چوڑیاں پہن کر وہ جان بوجھ کر کلائی ہلا کر ان کی کھنک انجوائے کرتی تھی اور اب...... اس نے شاہ ریز کو کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر گلے میں جلن سی ہونے لگی۔

"جاؤ چینج کر لو اس ہیوی ڈریس نے کمر دکھا دی ہوگی تمہاری۔" فکر مندی سے دیکھتے ہوئے کہا تو زندگی کو اس کی فکر بہت اچھی لگی۔ ڈریس بلاشبہ بہت ہیوی تھا' اٹھنے کی کوشش میں وہ لڑھک سی گئی۔ شاہ ریز نے سہارا دے کر

کھڑا کیا۔

"اگر ابھی تم نے یہ ڈریس پہنا ہوا نہ ہوتا تو اسے کب کا آگ لگا چکا ہوتا۔" زندگی سہم سی گئی۔

"تمہیں کوئی بھی چیز تکلیف دے یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔" گہری نظروں سے دیکھتے محبت سے کہا۔ زندگی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ خوش ہو یا اداسی کا مظاہرہ کرے۔

شاہ ریز کی وارفتگی اور شدت نے کئی بار احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں کچھ جنونی سا ہے۔ ریسپشن پہ شاہ ریز کالا یا ڈریس پہنے گو کہ وہ بہت حسین لگ رہی تھی مگر اسے رہ رہ کر سلور اور گولڈن ڈریس یاد آ رہا تھا۔

"پسند آیا ڈریس؟" گھر لوٹ آنے کے بعد تنہائی ملی تو شاہ ریز نے استفسار کیا۔

"جی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تم بہت حسین اور نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی ہو۔ میں نے اماں کو کتنی بار کہا تمہاری نظر اتارنے کو۔" وہ اپنی کسک بھول کر اس کی خوشی میں خوش ہوگئی۔

"آنٹی نے نظر اتاری تھی کئی بار۔"

"پہلے تو یہ کہ اماں کو آنٹی نہیں کہو گی انہوں نے گلہ کیا تھا مجھ سے اور مجھے بھی پسند نہیں۔" وہ ٹائی کی ناٹ کھولتے شیشے میں اس کے عکس کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"بس وہ عادت...... میں کوشش کروں گی آنٹی...... سوری اماں اور تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف نہ ہو۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"اور اب تم سے نہیں آپ کہنے کی عادت ڈالو۔" اس حکم پر اس نے بے ساختہ اسے دیکھا تو وہ اس کی نظروں سے شکایت جان گیا۔

"ہم حویلی میں رہنے والے لوگ ہیں گاؤں میں ہماری بہت عزت ہے۔ میں تو پھر بھی یہ چیز ہضم کرلوں گا مگر اماں، بہنیں باقی رشتے دار انگلی اٹھائیں گے۔" انداز ناصحانہ تھا وہ سمجھ گئی۔

"جی آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اعتماد دلایا۔

"خیال رکھنا تم کبھی کچھ ایسا نہ کرو کہ مجھے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہو۔" بہت بڑی ذمہ داری اس کے کندھے پر ڈال کر چینج کرنے چلا گیا۔

❀......❀......❀

شادی ذمہ داری کا دوسرا نام ہے ہزار بار کا سنا جملہ، جسے کزنز سہیلیوں کے منہ سے سنتے اس نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ چلبلی طبیعت نے اسے کبھی سنجیدہ رہنے نہیں دیا تھا ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھی اس لاڈ پیار نے اسے بگاڑا نہیں تھا۔ ماہ رخ گائنا کالوجسٹ ہونے کے ساتھ بہت اچھی ماں بھی تھیں انہوں نے ہر اچھی بری بات کی تمیز سکھائی تھی۔ گھر میں نوکروں کی فوج تھی مگر ماہ رخ اکثر خود ہی کوکنگ کرتی اور زندگی کو بھی ساتھ لگائے رکھتی تھیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بہت اچھے کھانا پکانا سیکھ گئی تھی۔

"جاہل ہو یا اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت وہی ہے جو نوکروں کی محتاج نہ ہو۔ اپنے گھر کو بنانے سنوارنے میں عورت جتنی لگن اور محبت دکھاتی ہے اتنا ایک تنخواہ دار ملازم نہیں کرتے۔" ماہ رخ کی ایک بار کی کہی بات اس نے گرہ سے باندھ لی تھی۔ اس کے حافظے میں آج بھی چند باتیں تھیں ہزار مصروفیت کے باوجود ماہ رخ سے خود اسکول سے پک کرتی تھیں اگر ایمرجنسی ہوجاتی تو بحالت مجبوری ڈرائیو کو بھیجا جاتا تھا۔

"اگر تمام والدین ذرا سی کوتاہی نہ کریں تو بہت سے افسوس ناک واقعات سے اپنی اولاد کو بچا سکتے ہیں اگر میں بزی ہوں تو آپ زندگی کو لے آیا کریں۔" آٹھ سالہ زندگی گڑیا سے کھیل رہی تھی ماہ رخ، عزیز صاحب سے محو گفتگو تھیں۔

"اس چھ سالہ بچی کے ساتھ جتنی درندگی ہوئی عزیز میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس بچی کو ٹریٹ کرتے وقت اس کی چیخوں سے میں نے کیسے آنسوؤں پر بند باندھا اور اپنا فرض ادا کیا۔" ماہ رخ اپنا کیس ڈسکس کررہی تھیں۔

"ڈونٹ وری، میں آئندہ اور سختی سے تمہاری نصیحت کو

یاد رکھوں گا‘ ہمیں ہماری بچی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔“
دونوں اپنا فری ٹائم زندگی کو دیتے تھے اسے کبھی والدین سے شکایت نہیں ہوئی تھی‘ اس کے والدین نے بہت بیلنس لائف دی تھی۔
شادی کے شروع دنوں میں سدرہ اور شاہ ریز کی بہنیں موجود تھیں جن کی وجہ سے گھر میں رونق تھی مگر سب کے ایک دم چلے جانے سے اس بڑے بنگلے میں سناٹا اتر آیا تھا۔ ساتھ والے بنگلے میں ایک انکل آنٹی اور ان کا بیٹا رضی رہتے تھے۔ رضی کی شاہ ریز سے دوستی تھی آنٹی بھی ایک دوبار ملنے آئی تھیں۔ زندگی کو رضی کچھ پسند نہیں تھا وہ جس طرح دیکھتا تھا اس پہ اسے غصہ آجاتا تھا۔ شاہ ریز صبح کا نکلا رات کو گھر لوٹتا تھا‘ ایسے میں ماہ رخ کی تربیت اس کے بہت کام آرہی تھی۔ ملازموں سے کام کرواتی‘ اکثر کوئی ڈش خود تیار کرتی۔ اس کے باوجود بھی اسے تنہائی اور بوریت ہونے لگی۔
”اسی دن کے لیے کہتی تھی کسی اسٹرونگ فیلڈ کا انتخاب کرو لاکھ چاہا تم ڈاکٹر بن جاؤ مگر تم نے سمپل ماسٹرز کا پلان کررکھا تھا‘ اب بتاؤ میں تمہاری بوریت دور کرنے کا کیا علاج بتاؤں؟“ ماہ رخ نے بوریت کا رونا سن کر کھنچائی کی۔
”آپ کو پتا ہے جانوروں کو دور سے دیکھ کر ہی میری روح فنا ہوجاتی ہے کجا کہ ان کی چیر پھاڑ...... نائنتھ میں مینڈک کو پریکٹیکل ٹیبل پر پٹخ کر بھاگ گئی تھی۔“ اس نے جھرجھری لی۔
”تو پھر ایم فل کرلو اس کے بعد لیکچرار شپ کے لیے اپلائی کرلینا۔“ ماہ رخ نے راہ دکھائی۔
”توبہ کریں مام...... مجھ سے نہیں ہوتی پڑھائی وڑھائی اب۔“ اس نے جیسے ہاتھ جوڑے۔
”پھر اچھی بیوی کی طرح گھرداری کرو میاں کا انتظار کرو اس کے لیے اچھے کھانے پکاؤ۔“ صلاح دی۔
”وہی کررہی ہوں۔“ اس نے منہ بنا کر بے چارگی سے کہا۔
”او کے بیٹا مجھے ہسپتال کے لیے نکلنا ہے‘ پھر بات ہوتی ہے۔ میں کل پرسوں چکر لگاتی ہوں تمہاری طرف۔“
ماہ رخ نے فون بند کردیا‘ اس نے منہ بسورا۔
چھٹی والے دن شاہ ریز آؤٹنگ پر لے جاتا تھا‘ سدرہ روز فون کرتی تھیں۔ شروع میں ہر مہینے وہ لاہور کا ایک چکر لگالیتے تھے پھر اس میں بھی گیپ آنے لگا۔ شاہ ریز کام کی زیادتی سے پچھلے تین ماہ سے اسے کہیں لے کر نہیں گیا تھا۔
اسے حویلی میں بہت مزا آتا تھا‘ سدرہ اور اس کی نندیں خاطر مدارت کرتی تھیں محبت سے لپٹائے رکھتی تھیں۔
اسے بھرا پُرا گھر اچھا لگتا تھا اس نے کئی بار سدرہ کو کراچی میں ساتھ رہنے کے لیے منانے کی کوشش کی مگر انہیں حویلی سے عشق تھا۔
”بی بی جی...... آج کیا پکاؤں؟“ کک سر پر کھڑا تھا‘ اس نے گھڑی کی سمت نگاہ کی۔
”جلفریزی اور رائس‘ میں نے کباب اور ڈرم اسٹک فریج میں تیار کرکے رکھے ہیں۔ شاہ ریز آجائیں تو دونوں چیزیں فرائی کرلیجیے گا۔ رائتہ سلاد بھی بنالیں۔“ ہدایت لے کر کک سر ہلا کر چلا گیا۔ بوریت سے بچنے کے لیے اس نے لاؤنج کا ایل ای ڈی چلادیا‘ مختلف چینل سرچ کرکے اس کا منہ بننے لگا۔
”جانے کون سی خواتین ہوتی ہیں جو سارا دن ٹی وی سے چپکی رہتی ہیں۔ مجال ہے جو کوئی ڈھنگ کا پروگرام دیکھنے کو مل جائے۔“ بڑبڑاتے ہوئے اس نے سرچنگ جاری رکھی۔ اس کے فیورٹ ہیرو ٹائیگر شروف کا گانا آرہا تھا۔ میوزک اور ڈانس سے خاص لگاؤ تھا‘ آواز اونچی کرکے بیٹھے بیٹھے وہ خود بھی ہلنے لگی۔ تھرکتے پاؤں اور ہلتے ہاتھ ایل ای ڈی اسکرین کے آگے کھڑے شاہ ریز کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔ جانے وہ کب سے اس کے رقص کو دیکھ رہا تھا۔
”آپ کب آئے؟“ خفت سے پوچھا۔
”جب آپ اپنا پسندیدہ گانا سنتے ہوئے ایکٹر کو مات دینے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھیں۔“ سنجیدہ لب و لہجے پر وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

''گھر میں اتنے ملازم ہیں' آپ کا یہ انداز دیکھ کر ان کی نظروں میں آپ کا کیا امیج ہوگا' کبھی سوچا ہے آپ نے؟'' شاہ ریز کا لہجہ خشک تھا۔ وہ جب شدید غصے میں ہوتا تو اسے آپ جناب سے ہی مخاطب کرتا تھا' برہمی دکھانے کا خاص انداز تھا۔

''آپ کالج گرل نہیں ہیں' شادی شدہ ذمہ دار عورت ہیں۔ آپ کو یہ رنگ ڈھنگ زیب دیتے ہیں؟'' وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے جھکے سر کو تاسف سے دیکھتا وہ لاؤنج سے چلا گیا۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی گانا ابھی بھی چل رہا تھا مگر اب وہ سخت بددل ہوچکی تھی۔ ریموٹ اٹھا کر اس نے ایل ای ڈی آف کیا تو ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''کیا شادی ہوجانے سے انسان اپنے سارے شوق ترجیحات پس پشت ڈال دیتا ہے؟ ہر چیز ہر بات میں عورت کو میاں کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ میں بھی تو بدل رہی ہوں' مجھے بلیک کلر پسند ہے مگر شاہ ریز ہر وقت وہائٹ کلر میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ مجھے میوزک ڈانس پسند ہے مگر شاہ ریز کو یہ سب چھچھورا پن لگتا ہے۔ پچھلے دنوں گول گپے والے کے ٹھیلے پر رکنے کا کہا تو حفظان صحت کے اصول بیان کرکے شیک پلادیا۔ شادی ذمہ داری کا نہیں خود کو بدلنے کا نام ہے۔ میاں کے پسندیدہ سانچے میں ڈھلنے کا نام ہے۔'' وہ تلخی سے سوچنے لگی۔

❀ ❀ ❀

یہ نہیں تھا کہ شاہ ریز کی محبت میں اس کے لیے کمی آگئی تھی' وہ آج دو سال گزرنے کے بعد بھی زندگی سے اتنی ہی محبت کرتا تھا جتنی پہلے دن۔ ہاں یہ تھا کہ زندگی نے ہر کام سے پہلے شاہ ریز کے بارے میں سوچنا شروع کردیا تھا' یہ کام کرنے سے اسے کہیں وہ برا نہ مان جائے' کسی سے اونچی آواز میں بات کرنا گراں نہ گزرے۔ ایک بار حویلی میں چھوٹی نند کی کسی بات پر اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا' شاہ ریز کے تایا اور عثمان صاحب نہایت سنجیدگی سے کسی مسئلے کو ڈسکس کررہے تھے قہقہہ پر سب نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اس نے شاہ ریز کی نظروں کی کاٹ کو بہت اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

''ہمارے ہاں کی خواتین عورتیں یوں بے حجاب قہقہے نہیں لگاتیں۔ آئندہ دھیان رکھیے گا۔'' وہ دن اور آج کا دن اس نے نصیحت کو گرہ سے باندھ لیا۔ وہ بالکل ویسی بن گئی تھی جیسی شاہ ریز اسے دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ اپنے سارے بلیک ڈریس الماری سے نکال کر اٹیچی میں رکھتے اس کا دل ایک لمحے کو ضرور بند ہوا تھا۔ ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں ماسی کو دیتے ان کی چھنکتی آواز پر اس نے اپنے کان بند کرلیے تھے۔ گول گپوں اور چاٹ اور تمام چیز کے ٹھیلوں کے پاس سے گزرتے آنکھیں سختی سے بند کرلیتی تھی۔ سی ڈیز اور پلیئر اسٹور میں منتقل ہوگئے تھے اب وہ بہت دھیمے سروں میں بات کرتی اور مسکراتی تھی۔

''ہماری بیٹی بہت بدل گئی ہے' وہ شوخ و شرارت چلبلی لڑکی جانے کہاں چلی گئی۔'' عزیز صاحب اکثر چھیڑتے تھے۔

''ہماری بیٹی بہت سمجھ دار ہے' اس نے گھر بنانے کا فن سیکھ لیا ہے۔ میاں کے رنگ میں رنگ گئی ہے اگر تمام لڑکیاں ایسا کرلیں تو شوہر سے 'تو تو میں میں' ہی نہ ہو۔ مرد تو اسی وقت بولتا ہے جب اسے موقع دیا جائے' مجھے تم پر فخر ہے تم نے اپنی ماں کی لاج رکھ لی۔ بہت بھاری ذمہ داری تھی مجھ پر' اپنی فیلڈ کی بے جا مصروفیت کے باوجود تمہاری ذات میں کسی محرومی کا نہ ہونا ہی میری کامیابی ہے۔ تم نے بھی بہت سمجھ داری دکھائی اور عیش و عشرت میں پلنے کے باوجود' ہمیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا ورنہ آج کل تو لڑکیوں نے حقیقتاً ماں' باپ کو تارے دکھادیئے ہیں۔'' ماہ رخ اس کی تعریف کررہی تھیں۔

''شاید مجھ میں ہی مزاحمت نام کی کوئی چیز نہیں ہے' بچپن سے آپ نے جو کہا میں نے وہی کیا پھر شاہ ریز مجھے جس روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں میں نے اسے اپنا لیا۔ ان سب میں شاید میں اندر سے مرتی جارہی ہوں' میری اپنی ذات ترجیحات کہیں دفن ہوگئی ہیں۔

میں نے اپنے ذہن سے سوچنا جیسے چھوڑ دیا ہے‘ شاہ ریز مجھے لاکھوں کی چیز لا کر دیں مگر جانے کیوں خوشی نہیں ہوتی۔ وہ لاکھ پیار جتائیں مگر جانے کیوں اب ان کے لفظوں کی آنچ دل کو نہیں چھوتی‘ جانے کیوں؟‘‘

وہ افسردگی سے سوچ کے رہ گئی۔

’’کن سوچوں میں گم ہو؟‘‘ شاہ ریز لیپ ٹاپ بند کر کے سیدھا ہوا تو وہ غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔

’’کچھ نہیں۔‘‘ پھیکی سی مسکراہٹ سجائی‘ اس نے سنجیدگی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

’’تم بہت بدل گئی ہو۔‘‘

’’اچھا۔‘‘ اس کا جی چاہا زور سے قہقہہ لگائے۔

’’نہ تمہارے اندر پہلے جیسی گرم جوشی نظر آتی ہے نہ اپنے لیے تمہیں متفکر پاتا ہوں۔ پہلے سارا دن تمہارا ٹیکسٹ آتا تھا اب تم ضروری کام کے علاوہ ٹیکسٹ نہیں کرتیں۔‘‘ وہ اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہا تھا۔

’’آپ نے ہی کہا تھا میں آفس ٹائمنگ میں تنگ نہ کروں آپ بزی ہوتے ہیں۔‘‘ اس نے یاد دلایا۔

’’اگر کبھی کہہ دیا تھا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ میری پروا نہ کرو اس دن اہم میٹنگ میں اپنے سیل فون پر ڈیلی گیشن کو ڈیمو دکھا رہا تھا‘ تمہارے متواتر سے آتے میسجز سے میٹنگ متاثر ہو رہی تھی‘ سو غصے میں کہہ دیا۔‘‘ اس نے نرمی سے ہاتھ تھاما‘ زندگی نے اپنے ہاتھوں کے بے جان پن کو بہت اچھی طرح محسوس کیا۔

’’کر دیا کروں گی ٹیکسٹ۔‘‘ اس نے فرض نبھانے کی ہامی بھر لی۔

’’گڈ‘ تمہاری یہ بہت اچھی عادت ہے کہ تم جرح نہیں کرتیں‘ لڑتی جھگڑتی نہیں...... ورنہ تو میں شادی کے نام سے اسی لیے بھاگتا تھا۔ تمہیں دیکھا اور تم نے تسخیر کر لیا‘ ڈر بھی تھا کہ اتنے ناز و نعم میں پلی بڑھی لڑکی نک چڑھی اور بے سلیقہ ہو گی مگر تم نے حقیقتاً ان دو سالوں میں مجھے پچھتانے پر مجبور نہ کیا۔‘‘ شاہ ریز نے اسے قریب کر لیا۔

’’ایک تمہارے نہ پچھتانے پر میں نے خود کو کتنی آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ یہ تم شاید کبھی جان بھی نہ پاؤ گے‘ ہوتے ہیں کچھ لوگ جو صرف جیتنا چاہتے ہیں‘ میری بیوی ایسی‘ میری بیوی ویسی...... صرف ایوارڈ کی طرح سامنے رکھتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ اس بیوی کے اندر کتنی محرومیاں کرلانے لگی ہیں۔ میرا من پسند شخص میرے پہلو میں ہے‘ مجھ سے پیار جتا رہا ہے مگر مجھے اس کی قربت کسی کیڑے کی طرح لگ رہی ہے۔ ایسا کیڑا جو جسم پر سرسرا رہا ہو اور مارے ڈر کے آپ اسے جھٹک بھی نہ سکیں۔‘‘ ایک آوارہ آنسو خاموشی سے تکیہ میں جذب ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

’’تم بہت بدل گئی ہو؟‘‘ سنیعہ آئی بیٹھی تھی۔ اس کی آمد نے زندگی پر اچھا اثر ڈالا تھا‘ وہ پھیکی ہنسی ہنسی۔

’’کمال ہے جسے دیکھو یہ ہی سوال کر رہا ہے‘ کیا میرے چہرے پر لکھا ہے کہ میں بدل گئی ہوں۔‘‘ لہجہ ٹوٹا ہوا تھا‘ سنیعہ کو شاک سا لگا۔

’’تم خوش تو ہو نا؟‘‘

’’الحمدللہ...... جو چاہا وہ پا لیا‘ پھر خوش کیوں نہیں ہوں گی۔‘‘ بات بنائی۔

’’تو لگ کیوں نہیں رہی ہو‘ خوشی چہرے سے کیوں چھلک نہیں رہی۔‘‘ اختلاف ہوا۔

’’وہم ہے تمہارا‘ یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟‘‘ موضوع بدلنے کی کوشش کی‘ سنیعہ نے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

’’مجھ سے جھوٹ مت بولو‘ تم شاہ ریز بھائی کے ساتھ خوش نہیں ہو؟ تمہارا خیال نہیں رکھتے‘ محبت دھوکا تھی زندگی؟‘‘

’’کیسی فضول باتیں کر رہی ہو‘ شاہ ریز بہت اچھے ہیں۔ وہ آج بھی مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں‘ پہلے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں‘ بدل تو میں گئی ہوں۔‘‘ وہ یاسیت سے مسکرائی‘ سنیعہ کو پزل لگی۔

’’بہت چھوٹی تھی جب مام نے ایک دن بالوں میں

انگلیاں پھیرتے ایک بات سمجھائی تھی۔ بیٹا...... آپ کی مام ڈاکٹر ہیں' بہت مصروف ہوتی ہیں لیکن آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ آپ کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا کہ لوگ مجھ پر اور آپ کے ڈیڈ پر انگلی اٹھائیں' ہماری تربیت پر ہنسیں۔ ہمیں کسی موڑ پر شرمندہ نہ کرنا' اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود کبھی والدین کو شکایت کا موقع نہیں دیا جب لوگ میری سلجھی طبیعت کی تعریف کرتے تو مام ڈیڈ کی فخر سے تنی گردن دیکھ کر میں اور اچھی کوالٹی خود میں لانے کی تگ ودو کرتی جس عمر میں لڑکیاں فون نیٹ پر لڑکوں سے دوستی کرتی ہیں' اس عمر میں میں نے کردار سازی کی اور یہ میرے لیے اچھا ہی ہوا۔ پھر شاہ ریز زندگی میں آئے مجھے بھی اچھے لگے' شادی ہوگئی' شاہ ریز کو سنجیدہ مزاج' دھیما بولنے والی دھیمے سے مسکرانے والی لڑکی پسند ہے۔ میں ویسی بن گئی' انہیں جو رنگ بھاتے ہیں وہ پہننے لگی۔ ہماری سوسائٹی میں نوے فیصد خواتین میاں کے رنگ میں ہی رنگتی ہیں۔ ہر کام شوہر کی مرضی سے کرتی ہیں' میں بھی کرتی ہوں تاکہ شاہ ریز کو کبھی پچھتانا نہ پڑے مگر شاید میں اچھی پرفارمر نہیں ہوں تب ہی لوگ مجھے پکڑنے لگے ہیں۔'' بہت دنوں کا غبار اچانک بہہ نکلا تھا۔

''یہ تو ظلم اور زیادتی ہے' کوئی انسان اپنی فطرت کیسے بدل سکتا ہے۔ مجھے شاہ ریز بھائی سے ایسی امید نہیں تھی۔'' سنیعہ کو دھچکا لگا۔

''تم کس دنیا کی بات کر رہی ہو مائی ڈیئر...... ہماری سوسائٹی میں یہ بات بہت عام ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو بچپن سے پابند کرتی ہیں' اس سے ملو اس سے نہ ملو۔ اس سے دوستی نہ کرو' دادی سے زیادہ گھلنے ملنے کی ضرورت نہیں' وغیرہ وغیرہ۔ ہماری اپنی مرضی کب ہوتی ہے' اسکول' کالج کا انتخاب ہو یا زندگی کے دوسرے معاملات حتیٰ کہ شادی جیسے اہم معاملات میں والدین کا عمل دخل ہوتا ہے' ان کی پسند شامل ہوتی ہے۔ شادی کے بعد عورت کی چابک مرد کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو اس کا سو کالڈ شوہر ہوتا ہے۔'' زندگی کے لہجے میں تلخی تھی۔ ''تمہیں بھی تو اپنے ماموں زاد سے عشق تھا مگر تمہارے پاپا ننھیال کو پسند نہیں کرتے انہوں نے تم پر سختی کی' تم نے کیا کیا۔ بغاوت تو نہیں کی کہ یہ زیب بھی نہیں دیتا اور اب وہ تمہاری شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کر رہے ہیں جو تمہیں خاص پسند نہیں مگر شادی کر رہی ہو کہ تم پر ماں' باپ کی عزت کا دارومدار ہے۔ ہم لڑکیاں بہت مجبور ہوتی ہیں' فرق اتنا ہے کہ کچھ لڑکیاں سمجھوتا کر لیتی ہیں اور کچھ میری طرح اندر سے مرنے لگتی ہیں۔ ہم ملک میں جمہوریت کا رونا روتے ہیں ہمارے اندر گھر کی آمریت کو شکست دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔'' اس کا لہجہ تلخ ہوچلا تھا' سنیعہ چپ تھی اب کے اس نے اختلاف نہیں کیا تھا۔

❀ ❀ ❀

''شاہ ریز دیکھو تو ذرا بہو کیسی ہو رہی ہے؟ رنگ بھی زرد سا ہو رہا ہے؟'' چار ماہ بعد وہ حویلی آئے تو سدرہ' زندگی کو دیکھ کر فکر مند ہوئیں۔

''کام کا پریشر اتنا ہوتا ہے کہ اسے ٹائم نہیں دے پاتا۔ سارا دن اکیلی بور ہوتی ہے' اسی بہانے ہمارے گھر چلیں آپ۔'' شاہ ریز نے لگے ہاتھوں مدعا بیان کیا۔

''ناں...... میں نے نہیں جانا تو بہو کو یہاں چھوڑ جا' اگلی بار لے جانا۔'' سدرہ نے صلاح دی' شاہ ریز بدکا۔

''بہت اچھے آپ کو بہو کا خیال ہے' میرا نہیں۔ میں کیسے اکیلا رہوں گا آپ تو سالوں سے ضد پر اڑی ہیں اب اسے بھی یہاں چھوڑ دیا تو میں کیا دیواروں سے سر ٹکراؤں گا' مصروف دن گزار کر آتا ہوں۔ یہ تسلی تو ہوتی ہے کوئی میرا منتظر ہے۔''

''کہہ تو' تو ٹھیک رہا ہے' وہٹی تیرا دھیان رکھتی ہے تو بھی اس کا دھیان رکھ۔ دو سال ہونے کو آئے ہیں رب اپنا کرم ہی کر دیتا' خیر سے وہٹی کی گود ہری ہو جاتی تو اسے بھی مصروفیت کا بہانہ مل جاتا۔ خیر اللہ کی رضا جب نوازے۔'' سدرہ خاموش ہوگئیں۔

شاہ ریز نے زندگی کے مسکراتے چہرے کو سنجیدگی سے دیکھا' اس کی بہنوں کے ساتھ وہ خوش تھی۔ ورنہ تو اس کے

لب مسکرانا بھول گئے تھے۔ واپسی کے سفر میں وہ خاموشی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ شاہ ریز نے گردن موڑ کر دیکھا' وہ لاتعلق سی بیٹھی تھی۔

"اداس ہو؟"

"ہاں بہت کم وقت کے لیے مل پائی سب سے۔" ہوا سے اڑتے بال سمیٹتے ہوئے بولی۔

"اماں تمہیں روکنا چاہ رہی تھیں' اگر تمہارا موڈ ہے تو رک جاؤ' ابھی ہم زیادہ دور نہیں آئے۔" ڈرائیو کرتے شاہ ریز نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"اور آپ......؟"

"اگلی بار لینے آجاؤں گا۔" شاہ ریز نے کار کو بریک لگائی۔

"جلدی بولو' واپس مڑوں؟" زندگی نے دیکھا وہ کچھ زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"نہیں' میں آپ کے ساتھ رہوں گی' گھر چلیں۔" اس کے جملے نے شاہ ریز کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑا دی' اس نے بے ساختہ اسے بازو سے پکڑ کر قریب کیا۔

"شکریہ زندگی...... اماں کے اصرار اور تمہاری اداسی پر میں نے فیصلہ تم پر چھوڑ دیا تھا مگر تمہاری دوری کے احساس سے دل ڈوبنے لگا تھا۔" جبکہ وہ خود کو سرزنش کر رہی تھی۔

کبھی کبھی اسے لگتا تھا وہ شاہ ریز کی شدید محبت کے جواب میں ایک آدھ فقرہ بھی نہیں بول پائی ہے مگر وہ دیوانہ وار محبت کرتا تھا۔ شاہ ریز نے کوشش کر کے آفس سے جلدی آنا شروع کر دیا تھا' اسے ٹائم دینے لگا تھا۔

❀......❀......❀
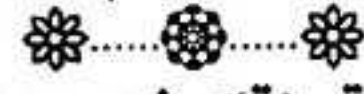
"زندگی...... تم نے قرآن شریف پڑھا ہوا ہے؟" شاہ ریز نے سوال کیا تو جانے کیوں وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئی' نماز اور قرآن کی تلاوت میں وہ کوتاہی کر جاتی تھی۔

"جی۔"

"کل میں اپنی عالمہ باجی سے ملا تھا' وہ پہلے لاہور میں ہوتی تھیں۔ میں نے اور میری بہنوں نے ان سے ہی قرآن شریف پڑھنا سیکھا ہے۔ ایک طرح سے وہ میری آئیڈیل ہیں' میں ان کے انداز کو ہمیشہ سے آئیڈیلائز کرتا آرہا ہوں۔ شرعی پردہ' ہاتھوں میں گلوز آج تک کسی نامحرم نے ان کا چہرہ نہیں دیکھا ہوگا۔ بچپن میں انہیں دیکھا تھا پھر بڑا ہوا تو انہوں نے مجھ سے بھی حجاب کرنا شروع کر دیا۔ ان کے شوہر کا کراچی ٹرانسفر ہوگیا ہے' کل مجھے آفس کے راستے دیکھ کر انہوں نے تعارف کرایا۔"

"ایک عالمہ اور شرعی پردہ کرنے والی کو ایک نامحرم سے تعارف کرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" وہ سوچ کے رہ گئی' پوچھنے کی جرأت نہ تھی۔

"میں نے انہیں گھر کا ایڈریس اور تمہارا نمبر دے دیا ہے' تمہیں قرآن تجوید کے ساتھ پڑھانے آئیں گی۔ اسی بہانے تم بھی مصروف ہوجاؤ گی۔" شاہ ریز کہہ رہا تھا اس نے پہلے کب اختلاف کیا تھا کسی بات سے اس پر بھی سر ہلا کر آمادگی ظاہر کر دی۔

اگلے ہی روز لوکیشن کنفرم کرنے کو ان کی کال آگئی تھی۔ ٹھہرے لہجے اور نرم آواز نے زندگی کو متاثر کیا' ملازم کو انہیں ریسیو کرنے کے لیے بھیج کر اس نے خود پر ایک نظر ڈالی۔ وہائٹ سوٹ کی شکنیں ہاتھ سے دور کر کے اس نے بالوں میں برش کیا۔ بڑھی ہوئی آئی بروز اور مہینوں سے فیشل نہ لینے کے باوجود وہ حسین لگ رہی تھی۔ ماہ رخ اس بے پروائی پر کئی بار گھرک چکی تھیں۔ پچھلی بار بھی وہ زبردستی ساتھ لے گئی تھیں' اس بات کو بھی مہینوں گزر گئے تھے۔

"بی بی جی انہیں میں نے اسٹڈی روم میں بٹھا دیا ہے۔" ملازم اطلاع دینے آیا تھا۔

"بہتر آپ ان کے لیے ٹھنڈا مشروب لے آئیں۔" آنچل سلیقے سے لے کر اس کے قدم اسٹڈی کی طرف بڑھنے لگے۔

"السلام علیکم!" اس نے داخل ہوتے سلامتی بھیجی۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!" انہوں نے مکمل جواب دے کر گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ جدید تراش خراش کے فٹنگ عبایا سے جھانکتی ان کی اسمارٹنس' حجاب کے اندر

سے جھانکتی لائنر لگی آنکھوں کو اس نے بغور دیکھا۔خم دار آئی بروز صفائی سے بنے ہوئے تھے۔

"بہت گرمی ہو رہی ہے کوئی ملازم تو نہیں آئے گا نا میں عبایا اتار دوں؟" زندگی نے اے سی آن کر دیا۔

"ملازم کو منع کر دوں گی آپ بے فکر رہیں۔" اس نے اسٹڈی کا گیٹ لاک کر دیا۔

"بہت شکریہ اصل میں شرعی پردہ کرتی ہوں۔" زندگی ان تک پلٹ کر آئی تو وہ عبایا کی قید سے باہر آ گئی تھیں فٹنگ لان کے سوٹ اور گہرے گلے سے زندگی نے نظریں چرالیں۔

"ماشاءاللہ بہت خوب صورت ہو تم بس اپنا خیال نہیں رکھتیں۔" سر سے پاؤں تک زندگی کو دیکھتے ہوئے کہا دروازے پر دستخط ہوئی ان کا ہاتھ جھٹ سے عبایا کی طرف بڑھا۔

"ریلیکس رہیں میں دیکھتی ہوں ملازم ہوگا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی ملازم مشروب کا گلاس اور جگ لیے کھڑا تھا۔

"گھر کا دھیان رکھیے گا میں اسٹڈی میں ہوں کوئی آئے تو مجھے اطلاع کر دیجیے گا۔" ملازم سر ہلا کر چلا گیا۔ زندگی ٹرے لیے اندر آئی۔

"بہت شکریہ بلا کی گرمی ہے خیر لاہور کے مقابلے میں یہاں کی گرمی کچھ بھی نہیں۔" وہ خود ہی سوال و جواب کر کے گلاس ختم کر چکی تھیں۔

"میرا نام رومیصہ ہے اور تمہارا؟" تعارف کرا کے نگاہ اس پر جمادی اسے ان کی نظروں سے کچھ الجھن ہو رہی تھی۔

"زندگی۔"

"بہت خوب صورت نام ہے۔" وہ مسکرا ہی سکی۔

رومیصہ بہت باتونی تھی چند روز میں ہی زندگی اس کی بہت سی باتوں سے آگاہ ہو چکی تھی۔ اسے بھی رومیصہ کی آمد غنیمت لگنے لگی تھی۔ رومیصہ کی صورت میں ایک دوست پا کر اس کا وقت بھی آسانی سے کٹنے لگا تھا۔ صبح و شام قران شریف قرأت سے پڑھنے میں مخارج کی ادائیگی میں اسے لطف آنے لگا تھا۔

"کتنے خسارے میں تھی میں ناحق بوریت کا رونا روتی رہی۔ پہلے ہی اس طرف متوجہ ہو جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔"

❀......❀......❀

"بی بی جی...... رضی صاحب آئے ہیں۔" ملازم نے اطلاع دی۔

"آپ نے بتایا کہ شاہ ریز اس وقت گھر پر نہیں ہوتے۔" زندگی نے کتاب سے نظر ہٹا کر کہا۔

"جی کہا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے......" وہ حیران ہوئی۔

"آپ چائے کے ساتھ کچھ لے آئیں میں آتی ہوں۔" ملازم کے ساتھ کمرے سے نکلتی وہ لاؤنج میں آئی۔ رضی اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم!" اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا حال ہیں زندگی جی؟" مسکراتا لہجہ تھا۔

"کئی بار کہہ چکی ہوں اگر آپ بھابی کہہ کر مخاطب کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" ہمیشہ کی طرح اس نے اپنی ناگواری نہ چھپائی رضی سنبھلا۔

"معافی چاہتا ہوں آپ نے کئی بار ٹوکا ہے مگر زبان پھسل جاتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"کہیں کس سلسلے میں آنا ہوا؟" اس نے رکھائی سے پوچھا۔

"ممانے یہ حلوہ بھیجا ہے ہمارے علاقے کی سوغات ہے۔" رضی نے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی آنٹی سے کہیے گا آئندہ اتنا تکلف نہ کریں۔" ملازم چائے اور لوازمات کی ٹرے لے کر آ رہا تھا۔

"آپ بھلے ہمیں اپنا نہ سمجھیں ہم تو آپ کو اپنا ہی سمجھتے ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ لوگوں کی۔" زندگی بے زار نظر آ رہی تھی اپنا سیل فون اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

"سارا دن اکیلی بور نہیں ہوتیں اتنے بڑے بنگلے میں۔ شاہ ریز بھی آپ کو ٹائم نہیں دے پاتا حالانکہ آپ اتنی حسین ہیں‘ میں آپ کو اکثر بالکنی سے دیکھتا ہوں۔ آپ چاہیں تو میں آپ کی بوریت دور کرسکتا ہوں۔" رضی کے چہرے پر پھیلی خباثت پر زندگی نے میز پر لات ماری‘ چائے چھلک گئی تھی‘ ملازم بھی سہم کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"اگر آپ میرے شوہر کے دوست نہ ہوتے تو یہ گرم چائے ابھی آپ کے منہ پر مار چکی ہوتی۔" اس نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔ رضی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کرم داد...... اگر اب یہ صاحب گھر کے آس پاس بھی نظر آئیں تو انہیں پولیس کے حوالے کردیجیے گا۔" زندگی کا رخ ملازم کی طرف ہوگیا تھا۔

"نکالیں انہیں باہر۔" غصے سے حکم دیا‘ ملازم رضی کی طرف بڑھا۔ رضی غصے سے گھورتا باہر نکل گیا‘ ملازم بھی پیچھے گیا شاہ ریز راہداری میں ہی مل گیا۔

"ارے رضی......" رضی بغیر کچھ کہے نکل گیا‘ ملازم نے چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کا اشارہ کیا۔

"اسے کیا ہوا؟" شاہ ریز نے ملازم سے استفسار کیا جس طرح ملازم باڈی گارڈ کی طرح اسے لیے چلا آرہا تھا۔ اسے نکلنے کا چوکیدار کو اشارہ کیا وہ بہت اچنبھے کی بات تھی۔

"بی بی جی نے نکال دیا گھر سے۔" ملازم نے مؤدب ہوکر کہا۔

"زندگی نے...... لیکن کیوں؟" حیرت ہوئی‘ ملازم جھجک کر بولنے لگا۔

"بی بی جی سے بڑی عجیب باتیں کہہ رہے تھے‘ شاہ ریز آپ کو ٹائم نہیں دیتا۔ میں ٹائم دے سکتا ہوں‘ اکیلی رہتی ہیں اور جانے کیا کیا...... بی بی جی بہت غصے میں آگئی تھیں‘ برا بھلا سنایا اور آئندہ یہاں نظر آنے سے منع کردیا۔" شاہ ریز کا چہرہ غصے سے لال ہونے لگا۔

"صاحب جی اب آپ رضی صاحب سے کچھ کہہ کر بات کو مزید نہ بڑھایئے گا اس سے بی بی جی کی عزت پر حرف آئے گا۔" ملازم نے صلاح دی۔

"جب عورت کردار کی مضبوط ہو تو کتنے رضی آجائیں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ملازم ادھیڑ عمر اور جہاں دیدہ تھا۔ شاہ ریز کا غصہ جیسے پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس حوالے سے نہ زندگی نے اسے کچھ بتایا نہ اس نے جتایا کہ وہ سب جانتا ہے‘ ہاں زندگی کی عزت قدر و قیمت اس کی نظروں میں بڑھ گئی تھی۔

❀......❀......❀

"شاہ ریز تُو وہٹی کا خیال تو رکھ رہا ہے نا؟" اگلی بار پھر لاہور کا پھیرا لگا تو سدرہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ وہ چونکا۔

"آپ کیوں ایک ہی سوال بار بار کرتی ہیں‘ زندگی نے آپ سے کوئی شکایت کی ہے؟" وہ بدگمان ہونے لگا۔

"اس بے چاری نے کیا شکایت کرنی ہے‘ جب بھی فون پر بات ہوتی ہے تیری تعریف ہی کرتی ہے۔ ماہ رخ بھابی نے بہت اچھی تربیت کی ہے۔" سدرہ نے سائیڈ لی۔

"پھر......؟" شاہ ریز اس گتھی کو سلجھانا چاہتا تھا۔

"تُو نے جس چاہ سے ہمیں وہٹی سے ملوایا تھا اور جس لڑکی سے تیری شادی ہوئی یہ وہ نہیں لگتی۔ کتنی شوخ چنچل تھی شروع کے دنوں میں...... حویلی آتی تھی تو درو دیوار قہقہے لگانے لگتے تھے۔"

"شادی کے بعد تو لڑکیاں بدل ہی جاتی ہیں اماں۔"

"نہیں۔" سدرہ نے پُرزور نفی کی۔ "عادت بدلنا عام بات ہے مگر کوئی انسان اپنی فطرت بدل کر خوش نہیں رہتا۔ وہ اندر سے مرجاتا ہے۔" سدرہ بہت پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر بلا کی فصاحت تھی ان کے لفظوں میں، وہ چونکا۔

"مطلب......؟"

"تُو آج بھی اپنے ابا سے پوچھے گا کہ اماں شادی سے پہلے کیسی تھیں؟ تو ان کا جواب ہوگا جیسی آج ہے۔ ہاں میری کچھ عادتیں بدلی ہیں مگر تیرے ابا نے کبھی کوئی روک

ٹوک مجھ پر نہیں لگائی۔ کبھی کسی کام کو کرنے پر مجبور نہیں کیا نا پیار سے نہ دھونس سے۔ کبھی اپنے زیادہ پڑھے لکھے ہونے اور میری کم تعلیم کا طعنہ نہیں دیا۔ وہ کہتے ہیں ناں' بیوی کا ایک دوسرے سے کوئی مقابلہ نہیں ہے اور سچ ہی ہے میاں بیوی الگ کب ہوتے ہیں ایک کی تعریف دوسرے کی تعریف ہوتی ہے مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ ہٹی ہر بات کے لیے تیری طرف دیکھتی ہے۔ اس کی اپنی مرضی خواہشیں کہیں کھو گئی ہیں' یاد ہے جب تُو نے اپنی پسند سے ویسے کا جوڑا اسے پہنایا وہ بظاہر خوش نظر آرہی تھی مگر اس کے اندر پھانس چبھ گئی تھی۔" شاہ ریز کی نظریں بہنوں کے جھرمٹ میں بیٹھی زندگی پر تھیں وہ پُرشوق نظروں سے چھو کر لائبہ کی ہری اور لال چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ حسرت کے رنگ چہرے پر تھے لائبہ نے اپنی چوڑیاں اتار کر اسے پہنانے کی کوشش کی زندگی نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ گردن گھما کر شاہ ریز کو دیکھنے لگی اور اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاہ ریز نے اس کے چہرے پر پھیلے رنگ کو بہت غور سے دیکھا تھا' اسے زندگی کے بدلنے کا سراغ مل گیا تھا۔

"من پسند ساتھی پاکر بھی اس کے چہرے سے خوشی ظاہر نہیں ہوتی ورنہ تو لڑکیاں شادی کے سالوں تک کھلی کھلی رہتی ہیں۔" سدرہ کہہ رہی تھیں وہ چپ تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

"یہ میں نے کیا کر دیا...... جانے انجانے میں' میں بھی عام مردوں کی طرح عورت کو بدلتا چلا تھا۔ اس کی آزادی پر قدغن لگادی' اس کی ذات' ترجیحات کو قدموں تلے روند دیا' کتنی کھلی کھلی سی تھی وہ مجھے اس کا لاابالی پن ہی تو بھایا تھا اس کے چہرے پر پھیلے یہ گول گپے کھاتے کتنی بےفکری تھی اور میں نے اسے سنجیدگی دان کر دی۔ وہ وہی کرتی ہے جو میں کہتا ہوں' وہی بولتی ہے جو میں کہتا ہوں' وہ پہنتی ہے جس میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا ایک جیتے جاگتے انسان سے اس کی مرضی' آزادی چھین لینا بہت بڑا جرم نہیں ہے اور اب جب وہ اسی سانچے میں ڈھل گئی ہے تو

غزل

خیال یار میں حسن سفر باندھا ہے
رات کے پیراہن سے قمر باندھا ہے
اے یاد کے جلتے ہوئے صحرا سن لے
میں نے دھوپ کے پاؤں سے شجر باندھا ہے
اس میں شامل ہے عمر بھر کی ریاضت
ہر دعا میں اک ثمر باندھا ہے
سب اپنے ہی اندر ڈوب جائیں گے
ہر نگاہ میں تو بھنور باندھا ہے
عامر اک مدت جستجو میں گزری ہے
ہر راہ گزر پہ گھر باندھا ہے

شاعر: عامر زمان عامر

انتخاب: مہوش جواد...... چوک اعظم

میں کیوں اس کے بدلنے کا گلہ کر رہا ہوں' اسے بدلنے پر مجبور تو میں نے ہی کیا ہے نا۔ لیکن اب نہیں اب اور نہیں...... مجھے میری غلطی کا احساس ہو گیا ہے' میں اسے گنوا نہیں سکتا۔ اسے اپنے سامنے مرتا بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

شاہ ریز آفس میں بیٹھا خود احتسابی کے عمل سے گزر رہا تھا۔ سیل فون اٹھا کر اس نے بے ساختہ اسے کال کی' کال ریسیو ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم!" نرم دھیمے لہجے پر وہ ایک پل کو چپ رہ گیا۔

"شاہ ریز آپ لائن پر ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی' وہ ندامت کے سمندر سے نکلا۔

"کیا کر رہی تھیں؟" سوال ہوا۔ رومیصہ آ گئی تھی' اسے اشارے سے سلام کر کے اس نے بیٹھنے کا اشارہ کر کے جواب دیا۔

"لنچ سے فارغ ہوئی ہوں' اب رومیصہ باجی آ گئی ہیں تو قرآن پڑھنے جا رہی ہوں۔"

"او کے' شام کو تیار رہنا آؤٹنگ پر چلیں گے۔"

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے فرماں برداری سے کہا۔

"کوئی بلیک کلر کا سوٹ پہن لینا۔" وہ ایک لمحے کے لیے چپ رہ گئی۔
"میرے پاس کوئی بلیک سوٹ نہیں ہے' جو پرانے ہیں وہ اسٹور میں سوٹ کیس میں رکھیں ہیں۔" اس نے سچائی سے کہا' وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوگیا۔
"اوکے پھر جو دل چاہے پہن لو۔"
"جی ٹھیک ہے۔" زندگی نے فون ٹیبل پر رکھ دیا' اس کی نظر رومیصہ پر تھی جو تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔
"کچھ بجھی بجھی سی ہیں رومیصہ باجی...... خیریت؟"
"ہاں تھک سی گئی ہوں' تین تین بچوں کو سنبھالنا' شوہر کو ہینڈل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ تم تو ان تمام جھنجھٹوں سے آزاد ہونا۔" زندگی کو اپنی خالی گود کا احساس ہونے لگا۔
"اچھا ہے بچے تو ہوتے رہتے ہیں' بندہ میاں سے ہی انڈراسٹینڈنگ کرلے پہلے' میں نے تو بے وقوفی کی جو بچہ پیدا کرلیا پھر یکے بعد دیگرے دو اور بچوں کی پیدائش نے مانو خود پر توجہ دینے کی مہلت نہ دی۔ میرا ایک بچہ ذہنی معذور ہے' تم جانتی ہو سارا دن اس کے ساتھ لگی رہتی ہوں۔" رومیصہ رونا رو رہی تھی۔ زندگی اب ان کی روز کی دہرائی باتوں کی عادی ہوگئی تھی' ہمدردی بھی تھی' ان کی اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی عادت سے آگاہ تھی۔ مگر وہ قرآن شریف پڑھنے کی خواہش میں ان کی بعض باتوں کو نظر انداز کردیا کرتی تھی۔
"بچے تو اللہ کی دین ہیں رومیصہ باجی' میں اور شاہ ریز اللہ کی رضا میں راضی ہیں' وہ جب کرم کردے۔" وہ کچھ اداس سی ہوگئی۔
"سوری شاید میں نے تمہاری دل آزاری کردی' میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔" رومیصہ نے فوراً ہاتھ جوڑے۔
"ارے یہ نہ کریں۔" اس نے ان کے ہاتھ کھولے۔
"مجھے ساری رات یہ سوچ کر نیند نہیں آئے گی کہ میں نے تمہاری دل آزاری کی۔" رومیصہ کا لہجہ روہانسا ہوگیا تھا۔ "اصل میں آج کل بہت الجھی ہوئی ہوں تو......"

رومیصہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"کیا الجھن ہے اگر آپ بتانا پسند کریں تو۔" زندگی نے رومیصہ کے تذبذب کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم سے اچھی دوستی ہوگئی ہے اور پھر میرا یہاں کوئی ہے نہیں تو سوچا تم سے مشورہ کرلوں۔" رومیصہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔
"جی کہیں۔"
"اصل میں میرے میاں کے ایک دوست ہیں ساڑھے تین سال سے میرے پیچھے پڑے ہیں۔" راز دارانہ انداز تھا۔
"آپ تو شرعی پردہ کرتی ہیں انہوں نے آپ کو کیسے دیکھ لیا؟" اسے حیرانی ہوئی' رومیصہ گڑبڑائی۔
"اصل میں وہ اچانک ہمارے گھر آئے تھے' میں اوپر کپڑے پھیلا رہی تھی ان کے پاس جانے کہاں سے میرا نمبر آ گیا۔ روز ان کی کال آجاتی ہے۔" رومیصہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی خوشی تھی۔
"وہ آپ کو کال کیوں کرتے ہیں؟ آپ کو اپنے شوہر سے شکایت کرنا چاہیے تھی۔" زندگی کو حیرت ہوئی' رومیصہ نے جیسے اس کی بات سنی نہیں وہ مدح سرائی میں مصروف تھی۔
"تین سال پہلے تو میں اور بھی پُرکشش تھی۔ ان کا دل آج تک آیا ہوا ہے مجھ پر۔" رومیصہ کا لہجہ فخریہ تھا' زندگی کو جیسے دھچکا لگا۔
"کیا کہتے ہیں؟"
"بس وہ ایک رات کی ڈیمانڈ کرتے ہیں۔" زندگی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رومیصہ کمال سکون سے گویا تھی۔
"میں نے بارہا سمجھایا کہ نکاح کرلو' میں طلاق لے لیتی ہوں مگر ان کی ایک ہی ڈیمانڈ ہے۔ ان کی پہلے دو شادیاں ہوچکی ہیں' دونوں بیویوں نے طلاق لے لی ہے' بچے جوان ہیں وہ اب شادی کرنا نہیں چاہتے بس مجھ سے ایک ہی چیز کے لیے اصرار کرتے ہیں۔ تم بتاؤ میں کیا

کہوں انہیں؟'' رومیصہ معصوم نوعمر لڑکی کی طرح معصومانہ انداز سے سوال کرکے زندگی کو دیکھنے لگی۔

''آپ کو تو انہیں ساڑھے تین سال پہلے جوتا مارنا چاہیے تھا نا کہ آپ نے ایک گھٹیا آدمی سے اتنے سال بات کی۔ آپ کے تین بچے ہیں آپ ان کے لیے اپنے آپ کو گالی تو نہ بنائیں' جو عورت شوہر کی وفادار نہیں وہ اور کسی سے کیا وفا کرے گی۔'' زندگی کو شدید غصہ تھا' لہجے کی ناگواری رومیصہ نے محسوس کرلی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو شاید' لیکن آج کے دور میں کون مرد بار سا ہے۔ برا مت ماننا تم بھی اپنی شادی سے خوش نہیں لگتیں۔ دو سال سے اولاد بھی نہیں ہے۔ کیا معلوم شاہ ریز باہر کی عورت......'' اسے بلا کا غصہ آیا تھا' اگر وہ شاہ ریز کے لیے محترم ہستی نہ ہوتی تو بے نقط سناتی۔

''رومیصہ باجی میرا خیال ہے آپ کو چلنا چاہیے۔'' زندگی کے خشک انداز پر رومیصہ کی چلتی زبان رک گئی وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھی۔

''پڑھ تو لو۔'' رومیصہ نے جیسے آخری کوشش کی۔

''معاف کیجیے گا آپ جیسی سوچ رکھنے والوں کو اس عظیم کتاب سے سبق سیکھنا چاہیے۔ یہ بات اگر میں نے یا میری طرح نماز روزے کی پابندی نہ کرنے والی کسی الٹرا ماڈرن لڑکی نے کی ہوتی تو مجھے دکھ نہ ہوتا۔ آپ جو ایک اعلیٰ کتاب کی تعلیم دے رہی ہیں اور خود جس شوق و خوشی سے گناہ کبیرہ کا ذکر فخریہ انداز میں کررہی ہیں' یہ میرے لیے بہت دکھ کی بات ہے۔ آپ نے قرآن پڑھا' سکھایا مگر شاید آج تک قرآن کی روح کو نہ سمجھ سکیں۔ ہوسکے تو آج سے اس عظیم کتاب سے ہدایت لیجیے گا۔'' زندگی نے رخ پھیر لیا۔

رومیصہ نے عبایا پہنا اور یہ جا وہ جا' موبائل کی روشنی جل کر بجھ گئی تھی۔

❀......❀......❀

ملازم سے دھول سے اٹی اٹیچی اتروا کے اس نے بلیک کلر کا سوٹ نکال لیا تھا۔ نئے سوٹ آج بھی نئے لگ

حدیقہ رانا

ڈیئر آنچل اسٹاف اور قارئین آداب محبت

23 مارچ کا دن سنہری الفاظ میں لکھا جارہا تھا۔ سب ذی ونفس حیران تھے کہ آج ایسا کیا ہوا آج کا دن سنہری الفاظ میں رقم کیا جارہا ہے۔ اس دن میری آمد ہوئی تھی۔ میرا نام حدیقہ رانا ہے۔ میرا تعلق ضلع خوشاب کے ایک خوب صورتی کو چھوڑتے ہوئے شہر نما قصبے یڈالی سے ہے۔ ہمارے قصبے میں سیف الملوک جھیل یعنی ڈولو والا ڈبہ ہے۔ نو بہن بھائیوں میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ یعنی نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ بڑے بھائی کی شادی ہوچکی ہے اور مجھے اپنی بھابھی بہت پسند ہے۔ رنگوں میں مجھے سفید رنگ پسند ہے۔ کیوں کہ میں اس رنگ میں پری لگتی ہوں۔ کپڑوں میں مجھے فراک اور چوڑی دار پاجامہ پسند ہے۔ کھانے میں کوئی چیز بھی ناپسند نہیں ہے۔ بہت زیادہ بولنا میری ہابی ہے۔ ڈائجسٹ مجھے صرف آنچل پسند ہے۔ مجھے تین سال ہوگئے ہیں آنچل پڑھتے ہوئے۔ ہر ماہ کا لینا تو میرا اولین فرض ہے۔ فرینڈ لسٹ بہت بڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو میرا تعارف پسند آیا ہوگا۔ میرے لیے ڈھیر ساری دعائیں کیجیے گا۔ خدا کرے آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین۔

رہے تھے۔ وہ تیار ہورہی تھی مگر اس کا سارا دھیان رومیصہ سے ہونے والی گفتگو میں اٹکا ہوا تھا' سیل فون بجنے لگا تھا۔

''اور کتنی دیر لگاؤ گی؟'' شاہ ریز کا ٹیکسٹ تھا۔

''بس تیار ہوں۔'' اس نے ریپلائے کیا۔

''شکریہ کہ تم نے بلیک ڈریس پہنا۔''

''آپ نے کہا تھا سو مجھے تو پہننا تھا۔'' اس نے جواب لکھا پھر چونکی۔ ''آپ کو کیسے خبر میں نے بلیک کلر پہنا ہے۔''

''دس منٹ سے تمہیں بالکنی سے کمرے میں ٹہلتا دیکھ

رہا ہوں۔" جواب آیا تھا' وہ بالکنی تک آئی' کار سے ٹیک لگائے وہ ہاتھ ہلا رہا تھا اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔

"کالج بوائے والی حرکت کیوں؟"

"اچھا لگ رہا تھا تمہیں یوں دیکھنا۔" اگلے پل جواب آیا' وہ سر ہلا کر بالکنی سے ہٹ گئی' باہر سے کار کا ہارن مسلسل بجنے لگا تھا۔

"تم آتی ہو یا میں اوپر آؤں؟" پوچھا گیا۔

"جیسا آپ چاہیں۔" اسے بھی مزا آنے لگا' وہ آرام سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"سوچ لو میں اوپر آ گیا تو باہر کا پروگرام کینسل ہو جائے گا۔" ٹیکسٹ پڑھ کر اس کے رخسار تمتمانے لگے تھے۔

"آتی ہوں۔" اس نے جلدی سے لکھا کچھ بعید نہ تھا وہ آ بھی جاتا۔ سینڈل پیروں میں ڈال کر جلدی سے چلی آئی۔

"پتا ہوتا اتنی جلدی آ جاؤ گی تو دھمکی پہلے ہی دے دیتا۔" اس کے گرد حصار کر کے قریب کیا۔

"کوئی ملازم آ جائے گا۔" اس نے حصار سے نکلنا چاہا۔

"آنے دو گرل فرینڈ نہیں بیوی ہو یار۔" زندگی نے چونک کر شاہ ریز کو دیکھا۔ آج اس کے انداز بہت بدلے بدلے تھے۔

"دو سال سے دیکھ رہی ہو جی نہیں بھرا......" وہ چھیڑنے لگا۔

"بہت بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔" وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی۔

"ہاں مجھے خود فیل ہو رہا ہے جیسے میں وہی شاہ ریز ہوں جس نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ کوٹ پہلے ہی پچھلی سیٹ پر تھا ٹائی بھی کھول کر پچھلی سیٹ پر اچھال دی' کف لنکس کھول کر آستین فولڈ کرنے لگا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"

"آوارہ گردی کرنے۔" عجیب انداز تھا زندگی کو ہنسی آنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" شاہ ریز نے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

"دوبارہ عشق ہو گیا ہے تم سے۔"

"کیوں بھلا؟" اس کے انداز بدلے تو زندگی کے لب و لہجے میں بھی تبدیلی آ گئی۔ کار کو بریک لگا تو اس نے ارگرد نظر دوڑائی۔ اسے یہ جگہ کچھ جانی پہچانی سی لگی' سامنے موجود یونیورسٹی کی عمارت آج بھی کھڑی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا وہ گول گپے والا آج بھی وہاں موجود تھا پھر اس نے بے حد حیرانی سے شاہ ریز کو دیکھا' وہ اترا اور فرنٹ سیٹ کا گیٹ کھولے اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا وہ باہر نکل آئی شاہ ریز ہاتھ تھام کر ٹھیلے تک لے آیا۔

"شاہ ریز یہ......!" وہ حیران ہوئی۔

"یہ ہی وہ مقام ہے جہاں پہلی بار میرے دل پر شب خوں مارا تھا۔" اس نے گول گپے کی پلیٹ تھمائی۔ گول گپے کھاتے ڈھیروں باتیں کرتے وہ بے حد خوش تھی۔ شاہ ریز اسے شاپنگ مال لے آیا تھا' کئی بلیک ڈریس پیک کروائے' حیران ہوتی رنگ برنگی چوڑیاں دیکھ کر اس کے قدم ایک لمحے کو رکے تھے اگلے پل وہ آگے بڑھ گئی تھی مگر اسے جھٹکے سے رکنا پڑا۔ شاہ ریز اس کی کلائی تھام لی۔ ڈھیر ساری کانچ کی رنگ برنگی چوڑیاں پہنا رہا تھا' وہ خاموشی سے اس کی کارگزاری دیکھ رہی تھی۔ اسے اس تبدیلی کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔

❁......❁......❁

شاہ ریز ملازم کو کھانا بیڈ روم میں لانے کا کہہ رہا تھا۔

"آپ کو تو بیڈ روم میں کھانا کھانا پسند نہیں ہے پھر......؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تمہیں تو پسند ہے نا' اپنے فیورٹ ایکٹر کی کئی بار کی دیکھی فلم دیکھتے کھانا کھانا۔ میں ٹائیگر شروف کی مووی

لے آیا ہوں دونوں مل کر دیکھیں گے۔" شاہ ریز ڈی وی ڈی سیٹ کر رہا تھا' ٹاپس اتارتے اس کے ہاتھ ساکت رہ گئے تھے۔ شاہ ریز قریب آ گیا' اس کے ہاتھ ہٹا کر خود ٹاپس اتارنے لگا۔ زندگی بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"معافی مانگوں' معاف کر دو گی؟" چہرے پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ......؟" اس کے لب کپکپائے' گلے میں پھندا سا لگا۔

"ایک بار میرے کہنے پر آپ کہنے کی عادت ڈالی تھی آج سے میں تمہارے لبوں سے اپنے لیے "تم" سننا چاہتا ہوں۔" وہ دھیمے سے گویا ہوا۔ اس کا دل گداز ہوا آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

"زندگی......" شاہ ریز کا پکارنا غضب ہو گیا اس کے شانے پر سر رکھے وہ شدت سے رونے لگی۔

"رو لو......جی بھر کے رو لو' پچھلے دو سالوں کا غبار نکال دو۔" اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی۔

"تم نے میری ہر زیادتی پر خاموشی اختیار کر لی تھی' اس سے پہلے کہ تمہارا دل پتھر ہو جائے اسے میرے لیے پھر سے نرم کر لو۔" وہ ہولے ہولے بول رہا تھا' بال سہلا رہا تھا۔

"جانے انجانے میں' میں نے تمہارے ساتھ جبر کا رشتہ اختیار کر لیا تھا۔ میں چاہتا تھا تم ویسی رہو جیسا میں چاہتا ہوں اور تم نے کبھی جرح نہ کی' بس اندر اندر گھلتی رہیں۔ میرے لیے تمہاری محبت اس سے پہلے کہ دم توڑ دیتی مجھے احساس ہوا کہ میں کیا غلطی کر رہا ہوں۔ تمہاری آزادی سلب کر لی' ہر پسند ناپسند پر پابندی لگا دی تھی۔ قصور تمہارا بھی ہے کہ تم نے احتجاج نہیں کیا' خاموشی سے میری بات مانتی رہیں اور میں تمہیں خود بدل کر تمہارے بدلنے کی وجہ ڈھونڈتا رہا۔ تمہاری سرد مہری' لاتعلقی پر بدگمان ہونے لگا مگر تم نے ثابت کر دیا کہ تم آج بھی صرف میری ہو۔ بھلے میرے انداز سے تمہیں لاکھ تکلیف ہوئی مگر تم نے کبھی چور دروازہ نہیں ڈھونڈا ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے بے وفائی نہیں کی۔" اس نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا' شاہ ریز اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"تم اپنا سیل فون بند کرنا بھول گئی تھیں' میں نے تمہاری اور رومیصہ باجی کی تمام باتیں سن لی تھیں۔ تم نے رضی کے ساتھ بھی جو سلوک کیا' میں اس سے بھی آگاہ تھا اور یقین جانو اب میں تمہاری اور زیادہ عزت کرنے لگا ہوں۔ تمہارا ظاہر و باطن ایک ہے' تم میں منافقت نہیں تب ہی تم میری پسند میں ڈھل کے خوش نہیں تھیں۔ تمہارے اندر خود سے جنگ چھڑی رہتی ہے اور اب میں تمہیں مزید مشکل میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آج سے تمہیں ہر چیز کی آزادی ہے جو چاہو جیسے چاہو کرو۔ بس تم خوش رہو۔" اس نے الجھن سلجھائی۔ "مجھے اپنی پسند پر فخر ہے' بس تم پہلے جیسی زندگی بن جاؤ اور آئندہ سے میں ڈکٹیٹر شوہر بننے لگوں تو میرے کان کھینچ لینا۔" وہ آسودہ ہو گئی تھی' اس کی ذات کو اس کی خوبی خامیوں کے ساتھ تسلیم کرنے کی سند مل گئی تھی۔ اس کی خواہشوں' پسندیدگی کو اولیت دینے کا عہد کیا تھا وہ جیسے پھر سے جی اٹھی تھی۔

"مجھے تمہارا بے فکرا پن' ہنسی کھلکھلاہٹیں چاہئیں' بولو مانو گی میری بات؟"

"میں نے کب آپ کی کوئی بات ٹالی ہے؟" الٹا پوچھا۔

"ہاں یہ تو ہے' بہت فرماں بردار ہے میری بیوی۔" اس نے حصار کیا۔ دروازے پر دستک ہوئی ملازم کھانا لے آیا تھا اس نے زور لگا کر حصار توڑا۔

"اتنی بھی فرماں بردار نہیں ہوں۔" اس نے منہ چڑایا' شاہ ریز منہ پر ہاتھ پھیر کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔

اس کی محبتوں اور چاہتوں کی شام ایک بار پھر لوٹ آئی تھی۔

قسط نمبر 10

صدف آصف

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اسریٰ اویس اپنے بھانجے آفاق شاہ کی شادی کے ارادے سے امریکہ سے آتی ہیں ان کی بہن کی وفات کے بعد علی شاہ نے نہایت محبت و پیار سے اپنے بچوں کی پرورش کی تھی اس دوران روشنی کافی چھوٹی تھی اور بے حد لاڈ پیار کی بدولت کافی سرچڑھی ہوئی تھی۔ آفاق نے والد کی وفات کے بعد بہن کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا تھا۔ عشو بوا ان کی آیا کے طور پر اس گھر میں مقیم تھیں اور گھر کے فرد کی حیثیت رکھتی تھیں لیکن انہیں آفاق شاہ کی شادی کو لے کر ذرا بھی خوشی نہ تھی وہ اس گھر میں کسی تیسرے فرد کی آمد اور اپنی حکمرانی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھیں۔ ریحانہ بیگم بیٹی کے اچھے مستقبل کی خاطر اشرفی بوا کی مدد سے سفینہ کا رشتہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں۔ سفینہ کے لیے جہاں یہ صورت حال تکلیف کا باعث ہوتی ہے وہیں بہزاد خان بھی ریحانہ بیگم سے نالاں نظر آتے ہیں لیکن بیٹی کے بہتر مستقبل کی خاطر وہ شوہر کی باتوں کو ذرا بھی اہمیت دینے پر تیار نہیں ہوتیں۔ فائزہ بھی اپنی نئی جاب میں مصروف ہوجاتا ہے۔ دوسری طرف ساحرہ بیگم بھی اس رشتے کو ختم کرنے میں کوشاں ہوتی ہیں۔ ایسے میں سارے گھر کا ماحول نہایت کشیدہ ہوجاتا ہے لیکن دونوں ہی اپنی ضد پر قائم رہتی ہیں۔ نبیل صائمہ کی دوستی سے عاجز آجاتا ہے تب ہی اس پرانی جھوٹی محبت کا راز فاش کردیتا ہے کہ اس کی دوست شرمیلا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اسے آلہ کار بنایا گیا تھا صائمہ اپنی توہین اور رسوائی پر شدید اشتعال میں آجاتی ہے اور شرمیلا کو اس کی اصلیت بتانے کا کہہ کر اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے جبکہ نبیل کو لے کر پہلے ہی صائمہ اور شرمیلا کے تعلقات تناؤ کا شکار ہوتے ہیں نبیل اس کی چال اس پر ہی الٹ دیتا ہے اور صائمہ کا نام لے کر غلط بیانی کرتا ہے کہ وہ اسے شرمیلا سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ شرمیلا ان تمام باتوں پر اور اپنی دوست کی اصلیت جاننے پر ششدر رہ جاتی ہے۔ کالج میں شرمیلا صائمہ سے سامنا ہوتے ہی لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے جبکہ صائمہ اس کے رویے اور برے انداز پر چونک جاتی ہے جب ہی وہ نبیل کی اصلیت بتانے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ ہر بات سننے سے انکاری ہوجاتی ہے۔ اسریٰ بیگم ریحانہ سے بات کرکے ان کے گھر آنے اور سفینہ اور آفاق شاہ کے رشتے کی بات کرتی ہیں دوسری طرف آفاق شاہ کو بھی اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی ہیں۔

اب آگے پڑھیے

”کافی......!“ نبیل کے کانوں میں موسیقی کے سات سروں نے یکجا ہوکر جیسے رس گھولا۔

”واہ یار...... تمہارے ہاتھ کی کافی کا تو مزہ ہی الگ ہے۔“ اس نے سامنے کھڑی تروتازہ سی شرمیلا کو دیکھا، جس کا حسن لشکارے مار رہا تھا۔

”تھینکس۔“ وہ جھجکی اور ادائے خاص سے اس کو دیکھا نبیل کے پورے وجود میں جھنجھناہٹ سی ہونے لگی۔

”ویسے تمہیں زحمت تو نہیں ہوئی؟“ نبیل نے بستر پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے تکلف سے پوچھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

”آپ کا کوئی کام میرے لیے زحمت نہیں ہوتا؟“ شرمیلا نے بڑی نرمی سے نبیل کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔
”تم کتنی اچھی ہو۔“ نبیل نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سامنے بٹھایا۔
”پلیز...... یہ ٹھنڈی ہو کر بیکار ہو جائے گی۔“ شرمیلا نے دونوں ہاتھوں میں کپ تھام کر اس کو پیش کیا۔
”شیور۔“ نبیل نے کپ پکڑتے ہوئے جان کر اس کی سپید نرم انگلیوں کو چھونے کی جسارت کی، من میں گدگدی سی ہوئی۔
”اچھا تو میں اب چلوں؟“ اس نے نبیل کے تیور دیکھ کر جانے کے لیے پر تولے۔
”جانے کی بات اب نہ کرو۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔
”اچھا تو پھر کیا کروں؟“ اس نے نگاہوں کے تیر چلانے کے بعد ہنستے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔
”یہاں بیٹھ کر مجھے کمپنی دو۔“ نبیل نے پیچھے سے شرمیلا کی ملائی جیسی کلائی کو تھاما۔
”اوکے۔“ شرمیلا کے گداز ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی، وہ نگاہیں جھکا کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
”تم میری رفاقت میں بور تو نہیں ہوتی؟“ نبیل نے خاموشی سے کافی ختم کرنے کے بعد اسے گہری نظروں سے دیکھا۔
”بور وہ کیوں بھلا؟“ شرمیلا نے بوجھل ہوتی پلکیں اٹھائیں۔
”بس ویسے ہی پوچھ لیا۔“ نبیل نے مسکرا کر بات بدلی۔ وہ ان لمحوں کے حسن کو طویل کرنا چاہتا تھا۔
”جناب...... میں آپ کی مہمان نوازی کو بہت انجوائے کرتی ہوں؟“ اس نے تیکھی ناک چڑھا کر کہا تو وہ حیران رہ گیا۔
”کاش تم اسی طرح میری محبت کا بھی یقین کر لو۔“ نبیل نے اس کی جانب جھکتے ہوئے التجا کی۔
”اے...... مسٹر۔“ شرمیلا نے اسے پیچھے دھکیلا اور......
”دھڑام......!“ بڑی زوردار آواز کے ساتھ نبیل بیڈ سے نیچے چاروں شانے چت پڑا تھا۔
”شرمیلا...... شرمیلا۔“ اس نے بے اختیار پکارا، نیند دور بھاگ گئی اور آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بستر سے نیچے زمین پر تھا۔
”کہاں چلی گئی؟“ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے چاروں جانب نگاہ دوڑائی، یہاں ہوتی تو دکھائی دیتی۔
”اوفوہ یہ تو خواب تھا۔“ وہ اپنی حرکت پر خفیف سا ہوا۔
”توبہ ہے میرے حواسوں پر تو اس لڑکی کا قبضہ ہو گیا ہے۔“ وہ اپنی بچکانہ حرکت پر ایک دم کھلکھلایا۔
”دن میں تو ساتھ رہتی ہی تھی، اب تو راتوں میں بھی خوابوں پر اسی کا بسیرا ہو گیا ہے۔“ سائیڈ دراز سے سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔
”نبیل صاحب...... اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنا ہی پڑے گا۔“ سگریٹ لبوں میں دبا کر سلگاتے ہوئے سوچا۔
”چاہے جیسے بھی ہو۔“ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گیا۔

❁......❁......❁

”ہائے...... سچ فون آ گیا؟“ اشرفی بوا نے باچھوں سے کتھا صاف کرتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔
”جی...... اسریٰ بہن نے کہا کہ وہ لوگ سنی کو دیکھنے آنا چاہتے ہیں۔“ ریحانہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''ارے لوتو دیر کس بات کی فوراً بلا لو۔'' انہوں نے گھٹنا دباتے ہوئے مشورہ دیا۔

''جی یہ ہی سوچ رہی ہوں کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیے مگر......'' ریحانہ چپ سی ہوگئیں۔

''ارے یہ بیچ میں مگر کہاں سے آ گیا؟'' اشرفی نے چشمے کی اوٹ سے ریحانہ کے چہرے پر پھیلی یاسیت کو تاڑا۔

''خالہ...... اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے تھوڑا ڈر لگتا ہے۔'' ریحانہ کا لہجہ مغموم ہوا۔

''بیٹی...... ڈر کی بھی خوب کہی یا تو اس راہ پر قدم نہ رکھتی، اب رکھ دیا ہے تو پیچھے ہٹنے کا فائدہ۔'' اشرفی بوا نے منہ بنایا اور اپنا تھیلا اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں...... نہیں فیصلہ تو میں کر چکی ہوں اور اس بار تو بہزاد کو بھی میری بات ماننی پڑے گی۔'' ریحانہ کی نگاہیں دور خلاؤں میں کچھ کھوجنے لگی، مگر لہجہ یقین سے بھرا ہوا تھا۔

''یہ بات ہوئی نا...... اچھا میں چلوں؟'' انہوں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''ارے کھانا کھا کر جایئے گا۔'' ریحانہ نے اٹھ کر وارڈ روب سے اپنا پرس نکالتے ہوئے کہا۔

''اے میں روزہ کھولنے کے بعد کچھ نہیں کھاتی، ورنہ سحری مشکل ہو جاتی ہے۔ اب تو بس سونے سے پہلے ایک پیالا چائے پیوں گی۔'' وہ للچائی ہوئی نظروں سے ریحانہ کے ہاتھ میں دبا پرس دیکھ کر بولیں۔

''چلیں تو پھر یہ کرائے کے پیسے رکھ لیں۔'' ریحانہ نے مسکرا کر ان کی مٹھی میں دو سو روپے دبائے۔

''اللہ تم کو بہت دے۔ سفینہ کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے آمین۔'' انہوں نے پیسے جلدی سے مٹھی میں دبے اور دعائیں دیتے ہوئے برقعہ پہننے لگ گئیں۔

''آمین، بس دعا کریں یہ کام بخیریت ہو جائے تو آپ کو خوش کر دوں گی۔'' ریحانہ نے مسرت بھرے انداز میں امید دلائی۔

''آئے کیوں نہیں سب اچھا ہوگا۔'' اشرفی بوا نے ڈوریاں کسنے کے بعد ناک پر انگلی جما کر حامی بھری اور

باہر نکل گئیں۔

❀......❀......❀

''عشواماں...... یہ روشنی کہاں ہے آج دکھائی نہیں دی؟'' آفاق شاہ نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔
''اس کا موڈ آف ہے اپنے کمرے میں لیٹی ہے۔'' عائشہ نے موقع دیکھ کر بات شروع کی۔
''موڈ آف ہے مگر کیوں؟'' اس نے اخبار تہہ کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے پوری توجہ سے پوچھا۔
''وہ تمہاری خالہ نے اسے کافی ڈانٹا ہے۔'' انہوں نے سنبھل سنبھل کر بات شروع کی۔
''اسریٰ خالہ کی وجہ سے اس کا موڈ آف نہیں ہوسکتا وہ تو ان کی لاڈلی ہے۔'' اس نے مسکرا کر بات رد کی۔
''بات کچھ ایسی تھی کہ اسریٰ بری طرح سے گرم ہوگئیں، یہ بھی بھول گئی کہ جوان بچی ہے بے نقط سنا ڈالی۔'' عائشہ بیگم ابل پڑیں۔
''اچھا اس بار کیا ہوا کرکٹ کھیلتے ہوئے کسی کے گھر کا شیشہ ٹوٹا یا مرزا صاحب کے گھر کی بیل بجا کر انہیں غصہ دلایا گیا۔'' وہ ہنستے ہوئے پوچھنے لگا۔
''نہیں...... نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔'' عائشہ نے بات مذاق میں اڑاتے دیکھا تو تنک کر انکار کیا۔
''اچھا تو پھر ہمیشہ کی طرح خالہ اس کے مردانہ حلیے اور بول چال پر خفا ہوں گی۔'' آفاق شاہ نے ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھایا اور لاپروائی سے بولا اسے اپنی بہن کی ساری شرارتیں ازبر تھیں۔
''بالکل نہیں یہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔'' ٹی وی لاؤنج میں اسریٰ کی آواز گونجی۔ وہ نماز کی ادائیگی کے بعد تسبیح لیے اندر داخل ہوئیں۔
''میں چائے لاتی ہوں۔'' عشو بیگم نے کہا اور پھرتی سے وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔
''اچھا خالہ تو پھر کیا ایسا ہوگیا؟ جو روشنی نے ہم سب کا بائیکاٹ کر دیا۔'' آفاق شاہ نے صوفے پر کھسک کر ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔
''بیٹا...... بات بہت سیریس ہے، روشنی ایک لڑکے سے جھگڑا کر کے آئی ہے۔'' وہ گویا ہوئیں۔
''اس کا جھگڑا تو ہوتا رہتا ہے اچھا کیا جو آپ نے ڈانٹ پلائی۔'' آفاق نے شانے اچکا کر کہا اور دیوار گیر ایل سی ڈی کی جانب متوجہ ہوا۔
''مگر اب کی بار سامنے والے لڑکے کا سر پھٹ گیا اور روشنی کے ہاتھ میں بھی چوٹ آئی ہے۔'' اسریٰ نے ہاتھ ملتے ہوئے بتایا۔
''او مائی گاڈ۔ کیا بات ہوئی جو یہ نوبت آ گئی؟'' آفاق شاہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔
''پارک میں کرکٹ کھیلتے ہوئے، کسی بات پر بحث ہوگئی تھی۔ بس غصے میں بلا گھما کر دے مارا۔'' وہ تند انداز میں بولیں۔
''یہ لڑکی جانے کب سدھرے گی۔'' آفاق شاہ کو جہاں روشنی کے چوٹ لگنے کا سن کر درد محسوس ہوا وہیں کسی کا سر پھٹنے والی بات پر پریشانی بھی لاحق ہوئی۔
''اس لڑکے نے روشنی کو دھمکی دی کہ وہ اس بات کا بدلہ لے کر رہے گا۔'' اسریٰ نے بتاتے بتاتے سر تھام لیا۔
''کس کی اتنی ہمت ہوئی کہ وہ آفاق شاہ کی بہن کو دھمکی دے۔'' اس کا خون کھول اٹھا، ایک دم گرجا۔
''ماشاءاللہ یعنی کہ روشنی کو سمجھانے کی جگہ تم بھی۔'' اسریٰ نے بھانجے کو گھورا اور تنبیہی انداز میں کہا۔ ''اور بہن کی بات

تو رہنے ہی دو سب اسے لڑکا ہی سمجھتے ہیں۔ اسی حساب سے ڈیل کرتے ہیں۔" اسری نے غصے سے آفاق شاہ کی بھی کلاس لگانا شروع کردی۔

"یہ لڑکی بھی نا بلاوجہ کے ایشوز میں پڑ جاتی ہے۔" وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گیا، معاملہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ گھمبیر ہوتا چلا جارہا تھا۔

✿......✿......✿

ریحانہ سبزی والے کی آواز پر جب نیچے اتری تو سامنے ہی دلشاد بانو کو بیٹھا دیکھا۔

"خالہ کو سن گوئیاں لینے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں۔" وہ ایک دم نظر انداز کرتی ہوئی مین گیٹ کھول کر سبزی والے سے بھاؤ تاؤ کرنے لگی۔

"ہائے اس کو تو دیکھو۔" ان کے تو جیسے آگ لگ گئی، تیز نظروں نے دور تک پیچھا کیا، مگر بیٹی کی ہدایت ذہن میں گردش کر رہی تھی، منہ سے لفظ نہیں نکالا، ریحانہ سبزی کا شاپر تھامے بے رخی سے واپس سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے پورشن میں چلی گئیں۔

"اے لو بھیا یہ تو سلام دعا سے بھی گئی۔" دلشاد کے پیٹ میں مروڑ اٹھی۔

"سائرہ سے بات کرتی ہوں۔" وہ فوراً بڑبڑ کرتی ہوئی اندر کی جانب چل دیں۔

"میں نے تیری دیورانی کو کیا بھالے چبھوئے ہیں۔" وہ تنک کر بولیں۔

"اب کیا ہوا اماں۔" سائرہ جو شوہر کا پرہیزی کھانا پکا رہی تھیں، بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے کرتے ہوئے، تھکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"یہ پوچھو کیا نہ ہوا۔" انہوں نے بیٹی کے ہاتھ سے چاقو چھینا اور پیاز کترتے ہوئے، ساری بات گوش گزار کی۔

"چند دنوں سے مجھے بھی ریحانہ کے انداز کافی بدلے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔" سائرہ نے کھچڑی میں چمچ چلاتے ہوئے اعتراف کیا۔

"وہ ہی تو۔" دلشاد نے ڈیلے گھما کر بیٹی کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

"خیر چھوڑیں ہمیں کیا۔" سائرہ نے سر جھٹک کر پین میں بگھار کے لیے تھوڑا سا آئل انڈیلا۔

"کیسے چھوڑیں؟" دلشاد کو بیٹی کی بے پروائی کچھ خاص پسند نہیں آئی۔

"افوہ اماں آپ کو ایسے ہی محسوس ہوا ہوگا۔" سائرہ نے ماں کو بہلانا چاہا۔

"نہیں......نہیں...... مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے۔" انہوں نے بیٹی کا بازو ہلاتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔

"معاملہ؟" سائرہ نے مڑ کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں دیکھنا یہ جو تیری دیورانی ہے نا ایک دن کوئی بڑا دھماکا کردے گی۔" دلشاد نے ہمیشہ کی طرح بیٹی کو ہولایا۔

"دھماکا......کیسا دھماکا؟" فائزہ نے کچن کے دروازے پر کھڑے ہو کر ماں سے پوچھا جبکہ اندر سے وہ خود بھی فکرمند ہوئی تھیں۔

✿......✿......✿

ریحانہ پریشان تھی کہ وہ آفاق شاہ کی فیملی کی آمد کے بارے میں بہزاد خان کو کیسے بتائے۔ پچھلے کئی دنوں سے میاں بیوی کے درمیان یہ بحث چل رہی تھی۔ بہزاد کو اب سفینہ اور فائز کی شادی، اپنے مرحوم والدین کی آخری خواہش کی تکمیل کے علاوہ بڑے بھائی کی خوشی سے بھی منسلک نظر آتی۔ اسی لیے وہ مسلسل ریحانہ کو سمجھا رہے تھے اور ان کا رشتہ قائم

رکھنے پر بھی بضد تھے۔ ریحانہ کو اب اس رشتے کے بارے میں ایک لفظ سننا بھی گوارا نہ تھا، وہ کسی صورت بھی سائرہ کی زیادتیوں کو برداشت کرنے کے حق میں نہ تھیں۔ انہیں اپنی جٹھانی کا پتا تھا اور اب وہ اپنی بچی کو اس خاتون کے قبضے میں دے کر ہمیشہ کے لیے اسے روتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

ریحانہ اپنی سوچوں سے لڑتی ٹیرس میں کرسی ڈالے بیٹھی تھی کہ ان کے عقب میں بہزاد خان آ کھڑے ہوگئے مگر ہونٹ چباتی ریحانہ اپنے آپ میں ہی گم رہیں۔ بہزاد نے بیوی کے اضطراب کو محسوس کیا اور چوکنا ہوگئے۔

''کیا بات ہے؟'' بہزاد نے بیوی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے پوچھا۔

''آں ہاں نہیں کچھ نہیں بس یوں ہی۔'' ریحانہ نے شوہر کی آواز پر مڑ کر دیکھا اور گڑبڑا کر انکار میں سر ہلا دیا۔

''تم سفی کے بارے میں سوچ رہی ہونا۔ آج کل تم پر ایک ہی خبط سوار ہے۔'' بہزاد خان نے بیوی کے ٹالنے پر خود ہی وضاحت کردی۔

''آپ جانتے ہیں تو پھر کیوں پوچھا؟'' ریحانہ نے چڑ کر کہا۔

''بس آپ کے منہ سے سننا اچھا لگتا ہے۔'' وہ ایک دم ہنس دیئے۔

''سفینہ میری زندگی ہے۔ میں اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ ایک دم شوہر کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

''ارے بھئی تو میں بھی باپ ہوں۔'' ان کا وہی ہلکا پھلکا انداز، ریحانہ نے شوہر کو گھورا۔

''اچھا اس کے باوجود بیٹی کی رتی برابر پروا نہیں۔'' ریحانہ نے طنز کا تیر چلایا۔

''یہ آپ نے کیسی واہیات بات کردی، مجھے اپنی بیٹی کی پروا کیوں نہیں ہوگی؟'' بہزاد خان نے ناراضی سے بیوی کو دیکھا۔

''سچ تو کہہ رہی ہوں۔ آپ کو سفی سے زیادہ دوسروں کی فکر ہے۔'' ان کا تلخ لہجہ اور تیز ہوتا انداز، بہزاد خان کی شفاف پیشانی شکن زدہ ہوگئی۔

''اگر ہماری بیٹی کو ایک کھرونچ بھی لگ جائے تو وہ ہمارے دل پر گھاؤ ڈال دے گی۔'' بہزاد خان نے بیوی کو گھور کر دیکھا۔

''کاش آپ ایسی باتوں کی جگہ کوئی عملی قدم اٹھاتے۔'' ریحانہ نے منہ بنا کر انہیں جھٹلایا۔

''جب ضرورت پڑے گی ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' بہزاد خان نے گردن اونچی کرکے کہا۔

''یہ وقت ٹھیک ہے، آفاق کے حوالے سے بات کرتی ہوں۔'' ریحانہ نے شوہر کے جوش وخروش سے فائدہ اٹھانے کا سوچا۔

''کہاں کھوگئیں بیگم صاحبہ اور یہ سفی کہاں ہے؟'' بہزاد نے بیوی کو سوچوں میں گم دیکھا تو دھیمے پڑتے ہوئے پوچھا۔

''بہزاد اللہ نے ہمیں کتنی پیاری اور سعادت مند بیٹی سے نوازا ہے...... ہے نا۔'' بات کے لیے تمہید باندھتے ہوئے ریحانہ کے چہرے پر ممتا کا نور چھایا۔

''بھئی بیگم یہ تو سچ ہے۔ ہماری بیٹی جیسا پیارا دنیا میں کوئی دوسرا نہیں۔'' بہزاد خان کے الفاظ محبت سے گندھے ہوئے تھے۔

''اور آپ دونوں سے اچھا دنیا میں کوئی دوسرا نہیں۔'' سفینہ نے ٹیرس میں داخل ہوتے ہوئے شوخی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

''اف یہ اس وقت کیوں آ گئی؟'' بیٹی کی آواز سن کر ریحانہ کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔
''واقعی۔'' بہزاد خان چہکے۔ دونوں نے پلٹ کر ایک ساتھ دیکھا تو سفینہ کے چہرے پر پیاری سی مسکان چھا گئی۔
''کوئی شک؟'' وہ اترائی تو بہزاد خان نے سفینہ کو دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا۔ ریحانہ بھی بیٹی کے انداز پر ہنس دیں۔
ایک پل میں تین بندوں پر مشتمل یہ مختصر سی فیملی دنیا کے خوش حال ترین خاندان کی صف میں شامل ہو گئی تھی۔
''او...... مائی بے بی ڈول۔'' بہزاد خان نے دونوں بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے بیٹی کا ماتھا چوم کر کہا۔

''جاہل لڑکی......!'' نبیل فون پک کرتے ہی چیخا۔ وہ ابھی اپنے آفس پہنچا تھا۔ اس دوران صائمہ کی دس بار کال آ چکی تھی۔
''نبیل مجھ سے اس انداز میں بالکل بات نہ کرو۔'' وہ بھی تمیز و تہذیب کو ایک طرف رکھ کر چلائی۔
''تم جیسی لڑکیوں کی مڈل کلاس ذہنیت کبھی نہیں بدل سکتی......'' وہ صائمہ کی باتوں سے بری طرح سے زچ ہو چکا تھا۔
''ہم جیسی مڈل کلاس لڑکیاں، تم جیسے اپر کلاس کی لڑکوں سے بہت بہتر ہوتی ہیں۔'' اس نے بھی تنفر زدہ لہجے میں جواب دیا۔
''اور نیلی؟'' وہ ایک دم ہنسا اور پھر فون ایک کان سے دوسرے کان پر لگا کر سگریٹ سلگائی۔
''ہاں کم از کم چہرے پر کوئی نقاب تو نہیں چڑھا یا ہوتا اچھی بری جیسی بھی ہوتی ہیں، سب کے سامنے ہوتی ہیں۔'' اس نے شرم دلانے کی کوشش کی۔
''اچھا ذرا یہ پارسائی کا لبادہ اتار کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا، خود کو پہچاننا دشوار ہو جائے گا۔'' نبیل کا زہریلا لہجہ اسے زخمی کر گیا۔
''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ بھی ہنسی، مصنوعی محبت کا خول چیخ گیا تھا، دونوں ایک دوسرے کو جتنا برا سمجھ سکتے تھے سمجھ رہے تھے۔
''خیر کال کیوں کی؟'' نبیل نے بے مروتی سے پوچھا اور سگریٹ کا کش لے کر دھواں فضاؤں میں چھوڑا۔
''صرف یہ کہنے کے لیے کہ اب تم مجھے مزید بلیک میل نہیں کر سکتے۔'' صائمہ کے انداز میں مضبوطی جاگی۔
''اچھا تو تم کیا کرو گی۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا، اس کا انداز صائمہ کو مزید سلگا گیا۔
''میں تمہاری دہری شخصیت کی تمام پرتیں دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دوں گی۔'' صائمہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
''چلو تو پھر پہلا کام یہ ہی کرو۔'' اس نے مضحکہ خیز لہجے میں بڑے آرام سے کہا۔
''میں نے تو تمہاری جھوٹی محبت کا دکھ سہہ لیا ہے، مگر میں اپنی سہیلی کو اس تکلیف سے گزرنے نہیں دوں گی۔'' وہ ایک دم بپھری۔
''شٹ اپ صائمہ اپنی اوقات مت بھولو۔'' نبیل ایک دم چیخا تو صائمہ کے اندر کچھ ٹوٹنے لگا۔
''میں بالکل نہیں بھولی مگر تم شاید سب بھول گئے ہو۔'' اس نے چبا چبا کر کچھ یاد دلانا چاہا۔
''تمہاری بے وقوفی تھی جو تم نے میری باتوں پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیا ورنہ کہاں تم اور کہاں میں؟'' بے گانگی سے کہتا ہوا وہ صائمہ کو اس وقت بہت ہی ظالم لگا۔

''ہاں اب ندامت ہوتی ہے مگر میں شرمیلا کو ایسی ندامت سے بچانا چاہتی ہوں۔'' اس نے دکھوں سے چور چور لہجے میں جواب دیا۔

''تم اب تک شاید مجھے پہچانی نہیں...... میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں ہوں کیا چیز۔'' وہ دھمکی دیتے ہوئے شرافت کی حدیں پار کر گیا۔

''یہ وہ ہی نبیل ہے جس کے لبوں پہ ہر وقت محبت کے پھول کھلتے تھے۔'' صائمہ جیسے اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی۔

''مائنڈ اٹ تم نے شرمیلا کے سامنے منہ سے ایک لفظ بھی نکالا تو میں تمہاری جان نکال دوں گا۔'' انگارے برساتے انداز نے اس کی روح تک کو چھلنی کر دیا۔

کال ڈسکنکٹ ہو چکی تھی اور وہ متوحش سی، سیل فون کو ہاتھ میں تھامے تک رہی تھی۔ ایسا لگا کہ جیسے قیامت کی گھڑی آ گئی ہو جہاں اس کی سزا مقرر کر دی گئی تھی تنہائی' اکیلا پن۔ اب' ہر روز مرنا اور زندگی کی تہمت از سر نو برداشت کرنا اس کے نصیب میں لکھا جا چکا تھا۔

❁......❁......❁

''روشنی کہاں ہو بیٹا۔'' آفاق نے گھر کا کونا کونا چھان مارا مگر وہ دکھائی نہیں دی۔ وہ بری طرح سے پریشان ہو اٹھا۔

''کیا ہوا بیٹا کہیں دکھائی دی۔'' عائشہ نے سنگ مرمر کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔ وہ اوپری منزل میں اسے ڈھونڈنے گئی تھیں۔

''نہیں اماں یہ لڑکی بہت زیادہ خود سر ہو گئی ہے۔'' اس نے پریشانی سے انکار میں سر ہلایا۔

آفاق کو صبح جلدی اٹھ کر ایک اہم کانفرس میں شرکت کے لیے جانا تھا، اس سے قبل سحری کے لیے بھی اٹھنا تھا۔ اسی لیے وہ وقت سے قبل اپنے کمرے میں چلا آیا اور سونے کی تیاری کرنے لگا مگر اس کی نیند اس وقت اڑن چھو ہو گئی، جب عشو اماں نے بتایا کہ وہ روشنی کو دودھ کا گلاس دینے گئی تو اس کا کمرہ خالی ملا۔

''کیا روشنی اپنے کمرے میں نہیں ہے پھر کہاں چلی گئی؟'' وہ گھبراہٹ میں باہر نکلا، گھر کا کونا کونا چھان مارا، عائشہ بیگم نے بھی ہر جگہ تلاش کیا مگر وہ مل کر نہیں دی۔

''ایک بار مل جائے صحیح سے خبر لوں گا۔'' آفاق شاہ کے دل میں وسوسے جاگ اٹھے تو دیوار پر ہاتھ مارا۔

اندر کی گھٹن سے گھبرا کر وہ لان کی طرف نکل آیا فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ روشنی کی گمشدگی کی اطلاع پولیس میں دے یا نہیں۔ اسی ادھیڑ بن میں ٹہلتا ہوا، سوئمنگ پول سائیڈ پر آیا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔

❁......❁......❁

''اے آج کل تیرا لڑکا کہاں ہوتا ہے کل سے دکھائی ہی نہیں دیا؟'' دلشاد بانو نے چٹیا کے بل کھولتے ہوئے بیٹی سے نواسے کا پوچھا۔

''اماں...... فائز کی طبیعت ٹھیک نہیں نزلہ زکام کے ساتھ سر میں شدید درد ہے۔'' سائرہ نے فکر مندی سے ماں کو بتایا۔

''اچھا تو اس حالت میں بھی اوائی توائی پھر رہا ہے۔'' ناریل کا تیل ہتھیلی پر نکال کر بالوں میں لگاتے ہوئے طنز فرمایا۔

''وہ تو شام سے اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔'' سائرہ نے ناگواری سے ماں کو دیکھا۔

''چلو پھر ٹھیک ہے۔'' نواسے کی مکمل معلومات حاصل ہو گئی تو ان کی بے قرار طبیعت کو سکون میسر آیا۔

''ویسے بھی میرا بچہ اب کہاں جاتا ہے۔اس کی زندگی تو محدود ہو کر رہ گئی ہے۔'' سائرہ نے سرد آہ بھری۔
''مجھے تو یہ گھر ہی منحوس لگتا ہے، یہاں کوئی نہ کوئی بیمار ہی پڑا رہتا ہے۔'' کچھ دیر چھالیہ کترنے کے بعد، انہوں نے سر اٹھا کر ایک اور نکتہ اٹھایا۔
''چھوڑیں اماں۔'' سائرہ نے جلدی سے سامنے لیٹے جلال خان کو دیکھا اور ماں کا ہاتھ دبایا۔
''اے کاہے کو چھوڑیں تو خود دیکھ لے ایک کے بعد ایک بربادی۔'' اب کی بار ان کی آواز تیز ہوئی۔
''اماں تھوڑا دھیرے بولیں۔'' سائرہ نے گھبرا کر شوہر کی سمت دیکھا جو ان دونوں کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔
''اچھا خاصہ کہہ رہی ہوں اس منحوس گھر کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلی چلو مگر بھائی کوئی سمجھے تب نا؟'' دلشاد بیگم نے اپنے کمرے میں جاتے جاتے طنزیہ انداز میں کہا اور داماد پر ایک نگاہ ڈال کر منہ بنایا۔
''اماں کی تو عادت ہی ایسی ہے، چلیں آپ یہ دوا کھالیں۔'' سائرہ نے شوہر کی شکوہ کرتی نگاہوں سے گھبرا کر دوائی دی اور پانی پیش کیا۔
''آہ......'' جلال خان کے منہ سے کراہ نکلی انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے گولی تھامی اور منہ میں رکھنے کے بعد پانی سے نگل لیا۔
''آپ فکر نہ کریں، آنکھیں بند کر کے سو جائیں۔ ان شاءاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' سائرہ نے شوہر کی نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو دیکھا تو ان کا تکیہ سر کے نیچے ٹھیک کرتے ہوئے ہاتھوں کو چھو کر تسلی دی۔ جلال خان نے سونے کی ایکٹنگ شروع کردی ورنہ ان کی پلکوں کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ اندر سے کتنے منتشر ہو رہے ہیں۔ اب تو ڈاکٹر کی دی ہوئی سکون آور دواؤں نے بھی اثر کرنا چھوڑ دیا تھا۔ سائرہ لائٹ بند کر کے باہر نکل گئی تھیں۔

❁......❁......❁

سوئمنگ پول کے پانی میں روشنی کا عکس دکھائی دیا، وہ پول میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی، اس کا منہ پھولا ہوا تھا لان کے اداس سے کونے کا حصہ بنی ہوئی بہت اکیلی اور تنہا سی لگی۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور قدم بڑھائے۔
''بیٹا اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟'' آفاق نے بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے چینی سے پوچھا۔
''نہیں کچھ بھی نہیں۔'' روشنی نے پلٹ کر دیکھا اور خالی لہجے میں بولی۔
''تو یہاں کیوں آئے ہو۔'' آفاق شاہ نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا اور اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔
''بس نیند نہیں آرہی تھی۔'' اس نے بے نیازی دکھائی۔
''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے پتا ہے میں کتنا پریشان ہوگیا تھا۔'' پہلے تو وہ اس کی بے پروائی پر کچھ دیر رک رہ گیا پھر نا چاہتے ہوئے غصہ میں دھاڑا۔
''ہاں میں سب سمجھتا ہوں۔'' وہ ایک دم سسکی۔
''کیا سمجھتی ہو ہاں۔'' آفاق کا دل چاہا اسے کس کر دو تھپڑ لگائے۔
''مما پاپا کے جانے کے بعد اب مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا۔'' روشنی نے ایک دم دھواں دھار انداز میں رونا شروع کردیا۔ آفاق شاہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
''میرا بچہ ایسے نہیں کہتے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر بہن کے گرد اپنے توانا بازوؤں کا گھیرا بنایا اور ماتھا چوم کر بہلانا چاہا۔
''بھائی آپ بھی ڈانٹتے ہیں خالہ جانی بھی مجھ کو اچھا نہیں سمجھتی۔'' اس نے شکوہ کرتے ہوئے سسکی بھری۔
''روشنی تم غلط سوچ رہی ہو ہم سب تم سے پیار کرتے ہیں اور تمہاری بھلائی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔'' آفاق شاہ کو

بے اختیار اپنی چھوٹی بہن پر پیار آیا۔ اس کے ہاتھوں کو تھام کر یقین دلانا چاہا۔

"یہ جھوٹ ہے میں کسی کو اچھا نہیں لگتا۔" وہ بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے شکوہ کیے جارہی تھی۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"میری جان ایسی بات نہیں تم تو ہم سب کی آنکھوں کی روشنی ہو۔" وہ بہت دیر تک اسے پیار سے تھپکتے ہوئے سمجھاتا رہا۔

"سچ میں۔" اس نے گیلی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے یقین دہانی چاہی۔

"ہاں واقعی میں روشنی ہمیں تم سے بہت پیار ہے۔" آفاق شاہ نے مسکرا کر اس کے پھولے گالوں کو انگلی سے دبایا۔

"اچھا تو پھر پرامس کریں کہ کل مجھے کہیں افطار ڈنر کرائیں گے۔" اس نے اپنا گداز ہاتھ بڑھایا تو آفاق کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"پرامس۔" اس نے سر ہلا کر اپنی بہن کو دیکھا جس کا جینا مرنا، کھانے سے مربوط تھا۔

وہ بہت دیر تک اسے سمجھاتا رہا اس کے بعد کہیں جا کر روشنی کا موڈ ٹھیک ہوا اور وہ اپنے کمرے میں جا کر سونے پر آمادہ ہوئی تو آفاق شاہ کو سکون محسوس ہوا۔

"عشو اماں آپ آج روشنی کے کمرے میں ہی سو جائیں۔" بہن کی حساسیت نے اسے ڈرا دیا تھا۔ عائشہ بیگم کو ہدایت دینے کے بعد ہاتھ ہلا کر اسے سونے بھیجا۔

"چلو میری گڑیا میں نے تمہارے لیے سینڈوچ بنایا ہے، بھوک لگ رہی ہوگی نا؟" وہ روشنی کو پھسلا کر اندر لے گئیں۔

"اچھا کون سا سینڈوچ ہے چکن یا بیف؟" روشنی کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"اوئے آرام سے ابھی سحری بھی کرنی ہے۔" آفاق نے پیچھے سے آواز لگائی مگر وہ اپنی دھن میں عشو اماں کے پیچھے چلی جارہی تھی۔

"خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے روشنی کے لیے شادی کرنی پڑے گی۔" آفاق شاہ نے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر سیاہ آسمان کو گھورا۔

"ان سے صبح بات کرتا ہوں۔" وہ جو سفینہ کے گھر جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا فوراً ہی فیصلہ کر بیٹھا۔

❊ .... ❊ .... ❊

دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھے مزیدار سے مینگو شیک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ نبیل کی توجہ دوسری جانب پا کر شرمیلا کو بلاوجہ جلن سی محسوس ہوئی۔ وہ کافی دیر سے دیکھ رہی تھی کہ نبیل کی نگاہیں سامنے والی ٹیبل پر بیٹھی لڑکی کے حسین چہرے کا طواف کیے جارہی تھیں۔

"وہ کیا کہتے ہیں چور چوری سے جائے پر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔" شرمیلا نے نبیل کے حساس پہلو پر وار کیا۔

"ایں بات کچھ پلے نہیں پڑی۔" نبیل نے چونک کر شوخ لہجے میں پوچھا۔

"ڈال ڈال پہ منڈلانے والے پنچھی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" شرمیلا نے اسے ترچھی نگاہوں کے زاویے پر رکھا۔

"مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہونے لگا ہے۔" نبیل نے شرارتی انداز میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"اچھا کیسا؟" شرمیلا نے بھی اسی کے موڈ میں سوال کیا۔

''بس سوچتا ہوں کہ اب کسی ایک کا ہو جاؤں۔'' وہ بڑی بے باکی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''ہونہہ......'' شرمیلا نے کاندھے اچکا کر اس کی بات رد کی، اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ نبیل کا مذاق اڑا رہی ہو۔

''یہ لڑکی خود کو سمجھتی کیا ہے۔'' نبیل کا موڈ ایک دم بدلا، اس کو گھورنے لگا۔

''تم لمحے میں میرے خلوص کی دھجیاں بکھیر دیتی ہو۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

''مگر میں نے کیا کہا؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

''کچھ باتیں کہے بناء بھی سمجھ میں آجاتی ہیں۔'' وہ بری طرح سلگا ہوا تھا۔

''آپ کے اندر اتنا احساس بھی باقی ہے...... یہ تو کمال ہوگیا۔'' شرمیلا کا طنز میں ڈوبا جملہ دل پر جا لگا۔

''او یو......'' عادت کے مطابق وہ کوئی سخت جملہ کہتے کہتے رکا، خیال آیا کہ مقابل کون بیٹھا ہے۔

''نبیل پلیز۔'' شرمیلا نے بھی مخفی انداز میں انگلی اٹھا کر وارن کیا تو۔ اس کے اردگرد آگ جل اٹھی، شعلوں کی گرمی اور دھواں جیسے سانس لینے میں مشکل کر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' اس سے پہلے کہ دونوں میں مزید گرما گرمی ہوتی، شرمیلا نے یہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' نبیل نے ہمیشہ کی طرح رکنے پر اصرار نہیں کیا اور ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس ماحول میں اسے یوں لگا جیسے سانس بند ہونے لگی ہو۔ وہ تازہ ہوا میں نکلنا چاہتا ہو۔ شرمیلا بھی آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ چڑھا کر بے نیازی سے کھڑی ہوگئی۔

''تمہارے لیے میرا پتھر سا وجود مجسم محبت میں ڈھل گیا ہے، مگر افسوس تمہیں قدر نہیں۔'' نبیل نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر سوچا اور غصے میں گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسپیڈ تیز کردی اندر کی تپش نے مزید یہاں رکنا مشکل کردیا تھا۔

❀......❀......❀

سفینہ نے نفاست سے چائے، بسکٹ، مٹھائی، کباب اور کیک ٹرالی میں سجائے اور اندر داخل ہونے لگی کہ فائز کی شکایتی نگاہیں ذہن میں ادھم مچانے لگیں، اس کے قدم تھم گئے۔ دل اپنی محبت کے لیے پسیج اٹھا مگر ماں کا اصرار اسے مجبور کر رہا تھا۔

''آؤ نا بیٹی رک کیوں گئی؟'' ریحانہ نے بڑھ کر بیٹی کو تسلی دی تو اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

''ماشاء اللہ۔'' سفینہ کو دیکھتے ہی اسریٰ کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا پاس بیٹھے بھانجے کا ہاتھ دبایا۔ جو اس کے سوگوار حسن میں کھو گیا تھا۔

''واہ...... سفینہ تو بہت کیوٹ ہیں۔'' روشنی نے ہنستے ہوئے بھائی کے دل کی ترجمانی کر ڈالی۔ درمیانہ قد نازک سراپا، سنہری جھیل سی گہری آنکھیں، جن کا گلابی پن نمایاں ہو رہا تھا، وہ سرخ و سیاہ لباس میں ملبوس، سنہری پیروں کو سیاہ چپل میں مقید کیے، آگے بڑھی، اس کے لمبے گھنے سیاہ رنگ کے بال کیچر میں قید ہونے کے باوجود لٹوں کی صورت میں شہابی چہرے کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے، وہ ہجوم میں بھی یکتا دکھائی دینے والی شخصیت کی مالک، لمحے میں آفاق شاہ کے دل کی مالک بن بیٹھی۔

''ارے بھئی یہ کیا تم دونوں ہم بڑوں کے بیچ میں بیٹھ کر بور ہو رہے ہو۔'' اسریٰ نے کافی دیر تک ان دونوں کو ایک دوسرے سے لاتعلق دیکھا تو زور سے کہا۔

''سفی ذرا آفاق میاں کو اپنا گھر تو دکھا دو۔'' ریحانہ نے کچھ سوچتے ہوئے بہانے سے ان دونوں کو تنہائی میں ایک

دوسرے سے بات کرنے کا موقع فراہم کیا۔
"جی......!" اس نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا۔
"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" اسریٰ نے بھی ساتھ دیا۔
"امی......" اس نے زیر لب ماں کو پکارا اور احتجاجی نگاہوں سے دیکھا۔
"ہوں...... ہوں۔" ریحانہ کے تنبیہی انداز اور چہرے کے تاثرات پر وہ خاموشی سے اٹھی اور آفاق کو ٹیرس پر لے آئی۔
"میں بھی گھر دیکھ لوں۔" روشنی ایک دم سے ان کے پیچھے جانے لگی تو اسریٰ نے ہاتھ کھینچ کر اپنے قریب بٹھالیا۔
"روشنی بیٹا یہ کباب کھا کر بتاؤ کیسے ہیں۔" ریحانہ نے جلدی سے کانٹے سے اس کی پلیٹ میں کباب نکال کر توجہ بٹائی۔
"بہت مزے کے ہیں ایک اور کھالوں؟" وہ چٹخارے لیتے ہوئے کھانے میں مگن ہوگئی۔

❀......❀......❀

شرمیلا تھکی تھکی کوچنگ سے گھر لوٹی تو دروازے کے پاس، اسے صائمہ کھڑی دکھائی دی۔
"تم......؟" شرمیلا نے منہ بنایا اور کھلے دروازے سے اندر قدم رکھا تو صائمہ نے بھی اس کی تقلید کی۔
"کوئی کام تھا۔" وہ جس حد تک سخت رویہ اختیار کرسکتی تھی کیا مگر صائمہ ڈھیٹ بنی رہی۔
"ہاں......" صائمہ نے اپنی چادر اتار کر تہہ کرتے ہوئے پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔
"اف تمہیں ہوکیا گیا ہے؟" اس کے کمزور وجود کو دیکھتے ہی شرمیلا دنگ رہ گئی، جو بھی تھا، وہ اس کی دوست تھی، دکھ نے گرفت میں لیا۔
"کچھ نہیں۔" صائمہ نے ٹالنا چاہا، اس سے پہلے کہ شرمیلا مزید کچھ کہتی بتول اندر داخل ہوئیں۔
"ارے صائمہ تم کب آئی؟" بتول نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور پیٹھ پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔
"بس خالہ جی ابھی آئی ہوں۔" صائمہ نے مسکرا کر جواب دیا۔
بتول کچھ دیر صائمہ کے پاس بیٹھی حال احوال دریافت کرتی رہی ساتھ ساتھ یہ شکوہ بھی کیا کہ تو اس نے یہاں آنا کیوں چھوڑ دیا، ان کی اس بات پر صائمہ نے بڑی اذیت سے مسکرا کر شرمیلا کو دیکھا۔
"تم دونوں سہیلیاں بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں ذرا یہ سوٹ سی لوں آج ہی دینا ہے۔" بتول نے کہا اور ہاتھ میں تھامے ہوئے ان سلے سوٹ پر ہاتھ پھیرا۔
"جی خالہ۔" اس نے دھیمے انداز میں سر ہلایا۔
"میں چائے بھجواتی ہوں۔" بتول نے شرمیلا کو چپ چپ دیکھا تو خود ہی بولتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں خاموش بیٹھی شاید ایک دوسرے کو برداشت کررہی تھیں۔
"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" صائمہ نے ہی بالآخر صاف گوئی اختیار کی۔
"او کے بولو۔" شرمیلا نے بھی بے رخی اختیار کی اور اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"یہاں؟" اس نے سامنے بیٹھی بتول کو دیکھا اور پھر سوالیہ انداز میں پوچھا۔
"میرے کمرے میں چلو۔" وہ صائمہ کو گھسیٹتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی، ان بہنوں کا مشترکہ کمرہ اس وقت خالی تھا۔

''تم کتنا بدل گئی ہو۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہوئے صائمہ کے لبوں سے شکوہ پھسلا۔
''اچھا واقعی۔'' شرمیلا نے مڑ کر اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر مسکرا دی۔ صائمہ نے گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اپنائیت کا احساس من میں جاگا۔ وہ ہی بڑا سا ڈبل بیڈ۔ جس کے سامنے ایک پرانا صوفہ پڑا تھا۔ ایک رائٹنگ ٹیبل کونے میں دھری تھی، جس کے نیچے اینٹیں رکھ کر اسے اونچا کیا گیا تھا، اس پر کتابوں کا ڈھیر جمع تھا۔ کونے والی دیوار پر آویزاں بڑا سا آئینہ جس میں صائمہ اور شرمیلا نے ہنستے ہوئے، ایک ساتھ کئی بار اپنا عکس دیکھا تھا عقب میں دیکھا تو ایک کمی کا احساس ہوا۔
''یہاں جو بید کی کرسی تھی وہ کہاں گئی؟'' صائمہ نے اچانک ایک غیر متعلقہ سا سوال پوچھا۔
''ٹوٹ گئی تھی میں نے اسے کمرے سے نکال کر چھت پر پھنکوا دیا۔'' شرمیلا نے نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دیا۔
''مگر دوستی کتنی بھی پرانی ہو جائے اسے دل سے نکال کر علیحدہ نہیں کیا جاتا۔'' صائمہ نے جانے کیا سمجھانا چاہا۔
''دوستی کا شفاف ہونا ضروری ہے۔ جس پر منافقت کے چھینٹے پڑ جائیں اس کو کیا کہیں گے۔'' شرمیلا نے مڑ کر اس کا بازو دبوچا اور دانت کچکچا کر کہا۔
''میں اسی لیے ساری سچائی بیان کرنے آئی ہوں۔ اس کے بعد فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔'' صائمہ کا انداز آر یا پار والا تھا۔
''اچھا میں چینج کر کے آتی ہوں پھر تم اپنی بات سنانا۔'' شرمیلا نے تیکھے انداز میں اسے دیکھا اور صوفے کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''ٹھیک ہے۔'' صائمہ نے دل میں شکر ادا کیا کہ وہ بات سننے پر تو آمادہ ہوئی۔
''میں آج نبیل کے سارے کالے کرتوت شرمیلا کے سامنے کھول کر رکھ دوں گی۔'' صائمہ نے صوفے کی بیک سے سر ٹکا کر سکون کا سانس لیا۔
شرمیلا کمرے سے متصل گلی کی طرف گئی جہاں رسی پر اس کے کپڑے دھلے پڑے تھے، اس نے ایک ہلکا پھلکا لان کا سوٹ نکالا اور اسے لے کر واش روم کی جانب بڑھی، اچانک سیل فون کی مخصوص ٹون گنگنائی۔ اس نے بیگ میں سے ٹٹول کر فون نکالا اور ہاتھ میں لے کر اسکرین چیک کی تو ''نبیل کالنگ'' لکھا آرہا تھا۔
''کس کا فون ہے؟'' رنگ ٹون کی آواز پر صائمہ نے آنکھ کھول کر شرمیلا کو دیکھا اور پوچھا۔
''نبیل کا۔'' شرمیلا کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور صائمہ جیسے سفید پڑ گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وہ چائے کا کپ تھامے کافی دیر سے اس کے برابر کھڑا تھا مگر کوئی ردعمل نہ پا کر خود سے بات شروع کرنے کا سوچا۔
''آپ پڑھتی ہیں۔'' آفاق شاہ نے نرمی سے سوال کیا۔
''جی گریجویشن کر رہی ہوں۔'' اس نے دھیمے سے جواب دیا، لاتعلقی اپنی جگہ قائم رہی۔
''یہ لڑکی اتنی ہی خاموش طبع ہے یا موقع ایسا ہے کہ بات کرنے میں ہچکچا رہی ہے......'' آفاق شاہ نے ایک پاؤں پر اپنا سارا وزن ڈالتے ہوئے سوچا۔
''اور کیا ایکٹوٹیز ہیں؟'' پورے پانچ منٹ سوچنے کے بعد یہ سوال ذہن میں گونجا۔
''کچھ خاص نہیں۔'' سفینہ ماں کی وجہ سے یہ سب برداشت کر رہی تھی ورنہ ایک لمحہ بھی مزید رکنا اس پر عذاب ہو رہا تھا۔

''اچھا۔'' بزنس کی دنیا میں سامنے والے کو اپنی باتوں سے چت کرنے والا آفاق ایک چھوٹی سی لڑکی کے سامنے گنگ ہوا جا رہا تھا۔

''آپ کی چائے ختم ہوگئی ہو تو اندر چلیں۔'' سفینہ اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا کر خود ہی بول پڑی۔

''ضرور۔'' آفاق نے شائستگی سے تھوڑا جھک کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا اور پھر خود بھی اس کے پیچھے چل دیا۔

دس منٹ میں ہی وہ دونوں واپس ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو ریحانہ نے خوف زدہ نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ جانے اس سچویشن میں اس نے آفاق کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا مگر آفاق کی مسکراتی صورت دیکھ کر پہلے تو انہیں شاک لگا اس کے بعد سکون کا سانس لیا۔

''کیسا رہا؟'' اسریٰ نے آفاق کو سامنے والے صوفے پر بیٹھتا دیکھ کر سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

آفاق نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسریٰ کو رضامندی کی نوید سنائی تو ان کے چہرے پر کھلتے ہوئے مسکراہٹوں کے پھول اسے خوشی دے گئے۔

''اچھا ریحانہ بہن اب اجازت دیں۔'' اسریٰ کے لہجے سے جھلکتی طمانیت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ انہیں سفینہ پسند آگئی ہے۔

''ارے اتنی جلدی کچھ دیر اور بیٹھتی نا۔'' ریحانہ کا دل خوشی سے بھر گیا اور تکلفاً روکنا چاہا۔

''اب آپ لوگ آئیے گا۔'' اسریٰ نے سفینہ کو خود سے لگاتے ہوئے کہا۔ روشنی کی باچھیں بھی کھلی جا رہی تھیں۔

''جی میں ان سے بات کر کے آپ کو بتا دوں گی۔'' ریحانہ نے اسریٰ کا ہاتھ تھاما۔

''اگر بھائی صاحب بھی ہوتے تو زیادہ اچھا رہتا۔'' اسریٰ نے وہ سوال آخر میں کیا، جس سے وہ شروع سے بچنا چاہ رہی تھیں۔

''جی اصل میں بہزاد کے بڑے بھائی کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی کہ انہیں ہاسپٹل لے جانا پڑا۔'' ریحانہ نے سچائی بتا دی۔

''اوہ......کوئی بات نہیں نیکسٹ ٹائم صحیح۔'' اسریٰ نے سر ہلا کر متانت سے کہا۔

''اوکے بھابی میں کباب کھانے پھر آؤں گا۔'' روشنی نے شرارت سے سفینہ کا پلو تھام کر کہا تو اس کی برداشت جواب دے گئی اور وہ تیزی سے پلٹ کر اندر کی جانب چل دی، جسے سب نے اس کی شرم پر محمول کیا تو ریحانہ کی جان میں جان آئی۔

''بس اب آپ لوگ جلدی سے تسلی کروالیں تو میں اپنی سفینہ کو بہو بنا کر لے جاؤں۔'' اسریٰ نے مین گیٹ پر کھڑے ہو کر آخر اپنے جذبات کا اظہار کر ہی ڈالا۔ ریحانہ انہیں چھوڑنے کے لیے نچلی منزل تک آئی تھی۔

''آئے ہے کون آیا ہے ریحانہ؟'' دلشاد بانو جو گھر میں اکیلی تھی بہت دیر سے اوپر آتے والے مہمانوں کی سن گن لے رہی تھیں اچانک اندھیرے سے نکل کر جالے میں آئیں مگر ریحانہ کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا۔

❁ ✹ ❁

''تمہارا نبیل سے کوئی رابطہ ہے؟'' اس نے بمشکل پوچھا۔ شرمیلا کافی دیر بعد کپڑے تبدیل کر کے آئی، صائمہ کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ نبیل سے باتوں میں محو ہے اور وہ اس کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہا ہوگا۔

''نہیں......!'' شرمیلا کی نظریں مستقل موبائل کی اسکرین پر تھیں۔

''تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔'' صائمہ کو اس کی دیدہ دلیری پر غصہ آیا۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟'' شرمیلا نے طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر اسے گھورا۔
''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو نبیل کی کال تمہارے موبائل پر آئی تھی۔'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔
''کمال ہے کیا اب دنیا میں صرف ایک ہی نبیل ہے۔'' شرمیلا نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔
''تو پھر کال کس کی تھی۔'' صائمہ نے اصرار سے پوچھا۔
''نبیل کی مگر وہ کوچنگ میں میرا اسٹوڈنٹ ہے۔ اسے کچھ پوچھنا تھا اسی لیے اس نے فون کیا تھا۔'' شرمیلا نے نگاہیں چراتے ہوئے بات بنائی۔
''اچھا...... واقعی؟'' صائمہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھی، اس انداز میں کہا کہ شرمیلا کے آگ لگ گئی۔
''تم سب کو اپنی طرح سمجھتی ہو شاید۔'' شرمیلا صوفے پر اس کے مقابل بیٹھ گئی۔
''نہیں شرمیلا یہاں میں اپنی صفائی دینے نہیں بلکہ حقیقت سے پردہ اٹھانے آئی ہوں۔'' صائمہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔
''دوستی انسان کا فخر ہوتی ہے مگر جب اس بے غرض رشتے میں غرض شامل ہو جائے تو ایک لفظ کا بھی اعتبار نہیں رہتا، اس لیے اب تم کچھ نہ کہو۔'' اس نے کھڑے ہو کر منہ موڑا۔
''صرف ایک بار میری بات کا یقین تو کرو، میرے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' صائمہ گھوم کر اس کے سامنے آئی اور ہاتھ پکڑ کر التجا کی۔
''میں بہت تھک گئی ہوں اور اب سونے کا ارادہ ہے اگر تم مزید بیٹھنا چاہو تو امی کے پاس چلی جاؤ۔'' شرمیلا نے حد درجہ سفاکی کا مظاہرہ کیا، نبیل کے دیے گئے تازہ لیکچر کا اثر تھا یا وہ واقعی صائمہ سے بہت خفا تھی۔
''افسوس تم ابھی میری بات نہیں سن رہی لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک دن جب تمہیں سچائی کا پتا چلے گا تو میری کہی گئی باتیں یاد آئیں گی۔'' وہ رنج وغم سے بولی اور جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ شرمیلا کا دل لمحہ بھر کے لیے درد میں ڈوبا لیکن جہاں وہ دوستی نبھانا جانتی تھی، وہیں دھوکے بازی سے نفرت بھی کرتی تھی۔ نبیل نے جو کچھ بتایا اس کے بعد سے اب اسے صائمہ سے چڑ ہوگئی تھی، بے پناہ بے انتہا بے تحاشہ......

❁......❁......❁

''ہائے سنبل میں آج ہی تم لوگوں کو کال کرنے کو سوچ رہی تھی۔'' سفینہ نے مسکرا کر کہا۔
''بس سفی کالا سفید نیلا پیلا جھوٹ مت بولیں۔'' سنبل نے شوخی سے محاورے کا تیا پانچہ کیا۔
''کیا کالا پیلا نیلا؟'' سفینہ کا سر گھوما۔
''آپ کو فائز بھائی کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔'' سنبل نے ہنستے ہوئے کہا تو سفینہ سے ہنسا بھی نہیں گیا۔
''سچی یار...... میں تم دونوں کو بہت مس کر رہی ہوں۔ خاص طور پر آج کل تو مجھے تمہاری بہت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔'' سفینہ نے گلابی لبوں کو بے دردی سے کاٹا۔
''اچھا ہمارا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔'' سنبل نے بلا مبالغہ سچ کہا۔
''کاش تم لوگ ہمارے شہر میں ہی رہتے تو کتنا اچھا ہوتا۔''
''ہاہاہا...... کاش اچھا یہ آج کل۔ والا کیا معاملہ ہے؟'' سنبل نے اظہار افسوس کیا پھر کریدا۔
''کیا بتاؤں امی پر تو میری شادی کہیں اور کرنے کی ضد سوار ہوگئی ہے۔'' سفینہ کا لہجہ دلگیر ہوا۔
''اونو میں تو سمجھ رہی تھی تمام ایشوز ختم ہوگئے ہیں۔'' سنبل نے دانتوں تلے انگلی دبائی۔

"کہاں یار مسائل تو دن بہ دن بڑھتے جارہے ہیں ان فیکٹ اسی سلسلے میں ایک فیملی مجھے دیکھنے بھی آئی تھی۔" سفینہ کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"اچھا کیسے لوگ تھے اور لڑکا۔" براہو اس کی تجسس کی حس کا ایک دم منہ سے نکلا۔

"شٹ اپ سنبل۔" سفینہ اس کے سوالات پر ایک دم بھڑک کر بولی۔

"اوسوسوری میرا مطلب ہے کہ خالہ کو سمجھایا کیوں نہیں؟" وہ ایک دم گھبرا کر بولی۔

"بہت سمجھایا مگر وہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔" سفینہ نے آنسو حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

"اب کیا کریں گی۔" وہ بھی اداس ہوئی۔

"ایک کام کروگی۔" سفینہ نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

"ہاں بتائیں۔" سنبل نے جوش سے ہنکارا بھرا۔

"میں چاہتی ہوں کہ خالو امی کو سمجھائیں وہ ان کی بات بہت مانتی ہیں۔" سفینہ نے دھیرے سے کہا۔

"گڈ آئیڈیا تو آپ پاپا کو کال کر کے بات کرلیں۔" سنبل نے بھولپن سے کہا۔

"میں اس معاملے میں تذبذب کا شکار ہوں کہ پتا نہیں وہ میری بات کو کس رُخ سے لیں۔" سفینہ نے پریشانی سے کہا۔

"ارے ایسی کوئی بات نہیں آپ بلاوجہ خود کو نروس فیل کررہی ہیں۔ ان سے جو بھی کہنا ہے کھُل کر کہہ دیں۔" سنبل نے اسے دلاسہ دیا۔

"نہیں مجھے اپنے منہ سے یہ باتیں کرنا اچھا نہیں لگے گا اگر تم خالو سے بات کر کے میرا پیغام ان تک پہنچادو۔" سفینہ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلتے ہوئے کہا۔

"اوکے میں ان سے بات کرلوں گی ڈونٹ وری۔" سنبل نے مسکرا کر کہا اور فون رکھ دیا۔

❁ ...... ✹ ...... ❁

"اے میں کہتی ہوں تو اس معاملے میں اپنے دیور سے بات کر۔" دلشاد نے پوری بات بتانے کے بعد ناک پر انگلی ٹکا کر زور دیا۔

"ہائے اماں مجھے کیا پڑی خس کم جہاں پاک۔" سائرہ نے شانے اچکائے۔

"رہی نہ تو پاگل کی پاگل۔" وہ ایک دم تڑخ کر بولیں۔

"اماں میں اس بے تکی بات کا کیا جواب دوں؟" وہ بھی شوہر کی خدمتوں سے تھک کر چور ہورہی تھیں، برا مان گئیں۔

"میں تجھے یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ اس بات کا تو فائدہ اٹھا۔" دلشاد کا لہجہ معنی خیز ہوا۔

"وہ کیسے؟" سائرہ نے اس بار بھی کچھ خاص دلچسپی نہیں دکھائی۔

"تو بہ ہے ذرا میرے قریب تو آ پھر میں بتاتی ہوں۔" دلشاد نے مسکرا کر بیٹی کو دیکھا تو سائرہ منہ بگاڑتی ہوئی ماں کے قریب ہوگئی، مگر جیسے جیسے دلشاد کی بات سنتی گئی، اس کے چہرے کی بے زاری، مسکراہٹ میں بدلتی گئی۔

"واہ اماں آپ کا بھی جواب نہیں میں نے تو ایسا سوچا ہی نہیں اب دیکھئے گا اپنی بیٹی کا کمال۔" سائرہ کے لہجے میں اتراہٹ آگئی اور آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ دلشاد نے جلدی سے پان پر چونا لگانا شروع کیا۔ ویسے بھی وہ چونا لگانے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔

آج پھر درد و غم کے دھاگے میں
ہم پرو کے ترے خیال کے پھول
ترک الفت کے دشت سے چن کر
آشنائی کے ماہ وسال کے پھول
تیری دہلیز پر سجا آئے
پھر تیری یاد پر چڑھا آئے
باندھ کے آرزو کے پلے میں
ہجر کی راکھ اور وصال کے پھول

اس پر کل سے اذیت بھرے خیالات کی یلغار ہو رہی تھی، وہ ساری باتوں سے جان چھڑا کر چھت کی تازہ فضاؤں میں نکل آیا۔ پڑوس والے گھر میں ٹی وی چل رہا تھا ہوا کے دوش پر لہراتا ہوا فیض احمد فیض کا کلام کانوں میں کیا پڑا۔ اداسی کی لہر نے اسے دوبارہ سے اپنے لپیٹے میں لے لیا۔ فائز نے جب سے اپنی ماں اور نانو کی باتیں سنی تھی کہ سفینہ کی شادی کہیں اور ہونے جارہی ہے، وہ دکھ کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے سفینہ اور چاچا سے بات کرنے کی ٹھانی مگر اس وقت احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ گیا، جب پتا چلا کہ لڑکے کا تعلق بہت امیر گھرانے سے ہے اور سفینہ بھی اس رشتے پر بہت خوش ہے۔

''میں نے تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے۔'' فائز فرش پر چت لیٹا آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتے ہوئے خیالوں میں اس سے مخاطب تھا۔

''تمہاری چاہت میں گم ہو کر کیا' کیا نہ سوچا۔'' بے چینی سے کروٹ لیتے ہوئے فرش کی تپش گالوں پر محسوس کی۔

''ہائے...... کتنی ساری دیوانی آرزوئیں اس دل میں جمع ہو کر شور مچاتی تھیں۔'' سپنوں کے کیسے اونچے محل بنائے، جنہیں فلک بوس ہونے میں لمحہ نہ لگا۔ اب تو ساری باتیں خواب وخیال بن کر رہ گئیں۔ تو کیا تمہاری رفاقت کی خواہش ایک ٹوٹی ہوئی چوڑی کی طرح نامکمل رہ جائے گی۔ سفینہ میرے پاس تو تمہارے بغیر جینے کا کوئی تصور ہی نہیں۔ میں کتنا مطمئن تھا کہ زندگی کا سفر تمہارے ساتھ گزرے گا تو میں زمانے کے دیئے ہوئے دکھوں کو خاطر میں نہیں لاؤں گا، مشکل حالات میں بھی حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ میرا وجود تو تمہاری ذات میں سمٹ کر یکجا ہوا ہے تمہارے بغیر تو میں ٹوٹ پھوٹ جاؤں گا۔'' فائز کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے فریاد کرے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا' اس کے حلق میں گولہ سا پھنسنے لگا کرب سے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی' وہ ایسے اپنے اندر کے دکھ کو بیان کر رہا تھا جیسے سفیہ سامنے بیٹھی ہو۔

''تم اتنی انوکھی ہو کہ میں ہمیشہ تمہارے آگے ہارا ہوں اور تاعمر ہارنے کی خواہش مند تھا مگر تم نے تو مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا، کسی اور کی ہونے چلی ہو۔'' وہ کھڑا ہوا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ میں تمہیں مکمل کرنے کی خواہش میں دیوانہ ہوا مگر تم نے تو مجھے ہی ادھورا کر ڈالا۔ سفی میں جب بھی یہ سوچتا ہوں کہ تم کسی اور کی ہونے جارہی ہو، میرے وجود میں نیزے کی انی سی گڑ جاتی ہے۔ یہ بات میری کم مائیگی میں اضافہ کرتی ہے کہ میں تمہارے قابل نہ بن سکا۔'' کافی دیر تنہائی میں وقت گزارنے کے بعد اس نے وہ تمام شکوے جو سفینہ سے نہیں کرنا چاہتا تھا خود سے کر لیے اور اٹھ کھڑا ہوا تاکہ گھر والوں کے سامنے جاتے ہوئے اس کی آنکھیں خشک ہو چکی ہوں مگر اسے یوں لگا جیسے دل خشک ہو گیا ہے۔

سارے جذبے ماند پڑ گئے۔

"ٹھیک ہے سفینہ اگر تمہارا رشتہ ایک بہت بڑے گھر میں طے ہونے جارہا ہے تو میں راہ کا پتھر نہیں بنوں گا تمہیں بھی حق ہے کہ آسائشات سے بھری زندگی گزارو۔" اس نے سوچا اور اسی وقت سفینہ کی راہ سے ہٹنے کا فیصلہ کرلیا۔

❁......❁......❁

روشنی ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تو ہر سو پھیلی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر اندر کی جانب بڑھنے لگی تاکہ کسی کے دیکھنے سے قبل اپنا حلیہ ٹھیک کرلے۔

"روشنی کیا کرکے آئی ہو جو اتنی خاموشی سے اپنے کمرے میں بھاگ رہی ہو؟" عائشہ بیگم کی پاٹ دار آواز پیچھے سے کانوں میں پڑی تو وہ چونک اٹھی اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا زمین پر گر گیا۔

"وہ عشو اماں آپ کو بتایا تھا ناں کہ اپنے دوست کے ساتھ جارہا ہوں۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی خاص کام تھا۔" انہوں نے تفتیشی نگاہوں سے دیکھا تو وہ ساکت رہ گئی۔

"جی وہ کچھ بکس خریدنا تھیں۔" اس نے بالکل صفائی سے جھوٹ بولا۔

"اچھا اس شاپر میں کیا ہے؟" عائشہ زمین پر بیٹھ کر تھیلے کے کھلے منہ سے جھانک کر دیکھنے لگ گئیں۔

"وہ کچھ نہیں میرے کام کی ایک چیز ہے۔" روشنی کا چہرہ فق ہوا، اس نے جلدی سے شاپر کا منہ بند کرنا چاہا مگر عائشہ نے اس سے بھی زیادہ پھرتی دکھائی اور تھیلے میں ہاتھ ڈال دیا۔ جو چیزیں برآمد ہوئیں انہیں دیکھ کر منہ پورے کا پورا کھلا رہ گیا۔

"یہ تو ہیلمٹ اور جیکٹ ہے۔" وہ چلائیں۔

"ہاں ہے تو؟" روشنی نے جلدی سے عائشہ کے ہاتھ سے ہیلمٹ چھین کر شاپر میں چھپایا اسے ڈر تھا کہ کہیں اسریٰ یا آفاق نہ آجائے۔

"ایک منٹ یہ ہیلمٹ تمہارے پاس کیا کررہا ہے۔" انھوں نے دوبارہ چھینا اور سوال داغا۔

"یہ وہ میرے ایک دوست کا ہے۔" اس نے کچھ دیر سوچا اور آنکھ میچ کر جھوٹ بولا۔

"اچھا تو اب میری روشنی مجھے بے وقوف بھی بنانے لگی ہے۔" عائشہ نے اسے یوں دیکھا کہ وہ شرمندہ ہوگئی۔

"عشو اماں اگر میں نے آپ کو سچ بتادیا تو آپ کسی کو بتائیں گی تو نہیں؟" وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

"پہلے کسی کو بتایا ہے؟" ان کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔

"نہیں میری عشو اماں بہت اچھی ہیں جب ہی تو میں ان کو اپنی ہر بات بتاتا ہوں۔" روشنی نے عائشہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر مسکہ لگایا۔

"ابھی تو اس گھر میں صرف میں ہوں مگر وہ جو تمہاری خالہ بہو لانے کی تیاریاں کررہی ہیں میں آگے کی ضمانت نہیں لے سکتی کہ نئی لڑکی یہاں آکر تمہارا کیا حال کرتی ہے۔" عائشہ نے عادت کے مطابق روشنی کے کان میں زہر انڈیلا۔

"نہیں نہیں عشو اماں سفینہ بھابی تو بہت سوفٹ اور کیئرنگ لگتی ہیں۔" روشنی نے نفی میں سر ہلا کر تردید کی تو عائشہ نے فی الحال اس ٹاپک کو ختم کردیا۔

"چلو چھوڑو یہ سب اور جلدی سے اصل بات بتادو۔" عائشہ نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد دھیرے سے پوچھا۔ ایسے وقتوں میں وہ بہت لطف اٹھاتی تھی۔

"وہ میں آج کل اپنے ایک دوست کی بائیک چلانا سیکھ رہا ہوں۔" روشنی کے انکشاف پر اندر آتے ہوئے آفاق کا

منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

❁.......❁.......❁

چھٹی والے دن نیچے سے آتے شور شرابے کی آواز پر بہزاد خان نے حیرانگی سے ٹیرس سے کھڑے ہوکر نچلے پورشن میں جھانکا تو سامان یوں بندھا دیکھ کر حیران رہ گیا جیسے کوئی شفٹنگ ہورہی ہو۔

''ارے ریحانہ یہ نیچے کیا ہورہا ہے۔'' انہوں نے بیوی کو دیکھ کر پوچھا جو ابھی ٹیرس پر دھلے کپڑے پھیلانے آئی تھیں۔

''مجھے کیا پتا کہ کیا ہورہا ہے؟'' ریحانہ نے بے نیازی سے جواب دیا اور کپڑے نچوڑ کر رسی پر پھیلانے لگیں۔

''ارے بھئی نیچے تو جھانکو بڑی بھابی کا سامان شفٹ ہورہا ہے۔'' انہوں نے بے قراری سے ایک بار پھر جھانک کر دیکھا۔

''سامان شفٹ ہورہا ہے ناممکن......!'' پہلے تو یہ سن کر ریحانہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا پھر فوراً ہی تردید کردی۔

''ایسا کرتے ہیں کہ نیچے جاکر معاملہ پتا کرتے ہیں۔'' بہزاد خان نے تجویز پیش دی۔

''ہاں چلیں۔'' ریحانہ کے پیٹ میں بھی تجسس کے مارے درد اٹھ رہا تھا۔

''امی کیا ہوا؟'' سفینہ اندر سے باہر آئی تو ماں کو عجلت میں باپ کے پیچھے زینے کی جانب بڑھتے دیکھا۔

''آؤ خود دیکھ لو۔'' ریحانہ نے جواب دیا اور نیچے اتر گئیں۔

''او مائی گاڈ یہ لوگ کہاں جارہے ہیں۔'' اس نے فائز کو سوزوکی میں سامان لوڈ کرواتے دیکھا تو حیرت سے سوچا۔

''سب خیریت تو ہے نا۔'' سفینہ کے دماغ میں ان دیکھے وسوسے جاگ اٹھے۔ وہ پہلے ہی کافی پریشان تھی اب یہ نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ دو دن سے مسلسل فائز سے رابطے کی ہر کوشش میں وہ ناکام ہوچکی تھی۔ جب فون کرتی لائن کٹ کردی جاتی، کوئی ٹیکسٹ کرتی تو جواب نہیں آتا، بہانے سے ایک دو بار نیچے کا چکر بھی لگا آئی مگر وہ دکھائی نہ دیا اور اب اچانک یہ لوگ کہیں جارہے تھے مگر کہاں سفینہ نے سوچا اور خود بھی زینے کی جانب بڑھ گئی۔

❁.......❁.......❁

''میری روشنی نے آج پورے دن کیا کیا؟'' آفاق نے ڈنر کے بعد اسے پاس بٹھا کر انجان بن کر پوچھا۔

''اس بیچاری نے کیا کرنا ہے؟'' عائشہ جو قہوہ سرو کررہی تھی۔ روشنی کا چہرہ فق پڑتے دیکھ کر حمایت میں بولی۔

''تم بتاؤ روشنی کیا کہیں باہر گئی تھی؟'' اس کا انداز تھوڑا خشک ہوا۔

''بھائی بس گھر میں بور ہوتا رہا۔'' روشنی نے جلدی سے بات بنائی اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''تم کس قدر بگڑ گئی ہو؟'' وہ غصے سے بولا تو روشنی نے عائشہ کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا مگر آفاق کے غصے سے ان کی بھی جان نکل رہی تھی۔

''مگر بھائی میں نے کیا' کیا میں تو اب کہیں جاتا بھی نہیں ہوں۔'' بڑی معصومیت سے آنکھیں پٹ پٹ کرتے ہوئے پوچھا گیا۔

''اب تم اپنے بڑے بھائی سے غلط بیانی کرنے لگی ہو۔'' وہ افسوس بھرے انداز میں بولا۔

''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' وہ گڑبڑائی مگر اپنی بات پر قائم رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''تم ایک غیر لڑکے سے بائیک چلانے کی ٹریننگ لے رہی ہو اور سمجھتی ہو کہ ہم سب آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔'' وہ دھاڑا تو ان دونوں کا منہ کھل گیا۔

"بھائی وہ کوئی غیر نہیں میرا بہت اچھا دوست ہے۔" روشنی نے رونی آواز میں بتایا۔
"روشنی میری جان میں تمہیں کیسے سمجھاؤں تم ایک لڑکی ہو اور ہماری سوسائٹی میں ایسی باتوں کو برا سمجھا جاتا ہے۔" اس کی اتری صورت دیکھ کر آفاق کو ترس آیا تو پیار سے سمجھانا چاہا۔
"اچھا ٹھیک ہے اس بار سوری میں آئندہ خیال رکھوں گا ٹھیک ہے۔" وہ بھائی کا بازو پکڑ کر بولی۔
"کوئی سوری نہیں۔ مجھے اسریٰ خالہ کی ساری باتیں سچ ہوتی دکھائی دے رہی ہیں، اب تو سنجیدگی سے قدم اٹھانا پڑے گا۔" آفاق نے بہن کو ڈپٹا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

❀……❀……❀

"بھابی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" سائرہ کی بات سن کر بہزاد خان نے لرز کر پوچھا اور پھر بھتیجے کو گھورا۔
"آہ……" جلال خان کے منہ سے فقط ایک کراہ نکلی۔ وہ آج اتنے مجبور ہو چکے تھے کہ جوان بیٹے اور بیوی کو یہاں سے جانے سے روک نہیں سکتے تھے۔ فائز سر جھکائے خاموش کھڑا تھا، اس کے لیے نگاہ اٹھا کر ان لوگوں کو دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ ریحانہ بھی حیرانی سے ان لوگوں کے جانے کا منظر دیکھ رہی تھیں جبکہ ان کے پیچھے سے جھانکتی سفینہ کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ دکھ ان میں جم گیا ہو۔ صرف دلشاد بانو چہکتی ہوئی کمر پر ہاتھ رکھے اپنی زیر نگرانی سامان لوڈ کروا رہی تھی۔ انہوں نے آخر اپنی بات پوری کر دکھائی۔ وہ سائرہ کو اپنے ساتھ میکے لے جانے میں کامیاب ہو ہی گئیں تھیں۔
"ہاں تو اس میں کیا بری بات ہے جب دوسرے لوگ اپنی زندگی کے فیصلے کر سکتے ہیں تو ہم بھی آزاد ہیں۔" سائرہ نے بیٹے کو دیکھتے ہوئے لہجے میں دکھ سمویا۔
"بھابی قیامت آجائے گی۔ جب پوری برادری کو پتا چلے گا کہ ابرار خان کے بیٹے الگ ہو گئے ہیں۔" بہزاد خان نے انہیں سمجھانا چاہا۔
"بھیا یہ سبق مجھے نہ پڑھاؤ خاندان میں تو اس وقت بھی ناک کٹے گی جب سب کو پتا چلے گا کہ ابا جان کا طے کیا رشتہ ختم کر کے تم نے اپنی بیٹی کی شادی غیروں میں کرنے کا سوچا ہے۔" سائرہ نے حساب چکتا کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ سب ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔

❀……❀……❀

"فائز تم لوگ کیوں چلے گئے۔" سفینہ نے سرد آہ بھری اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی، ایک عجیب سی تنہائی نے پورے خان ہاؤس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔
"ایک بار مجھ سے بات تو کرتے میں تو تمہارا ساتھ دینے کو تیار بیٹھی تھی……" اس نے کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھا۔ "تم نے تو اجنبیوں کو بھی مات دے دی۔" اس کو لگا جیسے ہر ستارہ پانی میں بھیگ رہا ہو، پور سے چھوا تو پتا چلا کہ اس کی اپنی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ "ہم دونوں کے بیچ تکلف کی دیوار کب سے آ گئی کہ اتنا بڑا فیصلہ ہو گیا اور تم نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" اس نے بے چینی سے بالوں کو مٹھی میں لیا۔
"دیکھو تمہارے جانے کے بعد یہاں کی ہر شے کیسی اداس ہے۔" اس نے گلاب کے پھول کو چھو کر دیکھا وہ بھی مرجھایا سا لگا۔ "تم نے تو ہمیشہ مجھ پر یقین رکھا پھر اس بار یہ یقین کیوں کمزور پڑا تمہارا۔" اس نے گلاب کی ٹہنی مٹھی میں دبائی، کانٹوں کی چبھن محسوس ہوئی تو منہ سے بے ساختہ کراہ نکل گئی۔ "اپنا سمجھتے تھے تو اپنا بنایا کیوں نہیں دامن جھاڑ کر یوں چل دیئے، جیسے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔" اس کا دل چلا چلا کر رونے کو چاہا مگر آنکھوں سے بے

آواز آنسو گرتے ہوئے گالوں پر پھیل گئے۔ ''رونے والی کیا بات ہے؟ وہ بھی اس انسان کے لیے جس کی نظر میں سفینہ بہزاد کی کوئی وقعت ہی نہیں۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھ کر خود کو دلاسہ دینا چاہا۔ ساری رات آسمان پر ستارے روتے رہے اور زمین کا چاند ان کا ساتھ دیتا رہا تھا۔

❀......❀......❀

''نہیں خالہ مجھے سفینہ سے شادی کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' آفاق شاہ نے بڑے سکون سے سامنے بیٹھی اسریٰ کو رضامندی دے دی۔

''مجھے پتا تھا کہ تم اس رشتے پر راضی ہو جاؤ گے مگر پھر بھی چاہو تو ایک بار اور سوچ لو۔'' اسریٰ خوشی سے کھل اٹھیں پھر بھی بھانجے کو آزمانے کے لیے کہا۔

''آج یا کل مجھے شادی تو کرنی ہی ہے نا تو آج ہی کیوں نہیں ویسے بھی سفینہ مجھے اس گھر کے لحاظ سے موزوں لگی۔'' اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے اب میں اپنی مری ہوئی بہن کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گی۔'' اسریٰ کا لہجہ بھیگ گیا، آفاق نے انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

''ایک منٹ بھائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' روشنی نے بیچ میں دخل اندازی کی۔

''ہاں ہاں آپ بھی بولیں۔'' وہ بہن کو دیکھ کر چہکا، پیار سے بولا۔

''سفینہ آپی میری بھابی نہیں بنیں گی۔'' روشنی کے لہجے میں سرکشی تھی، وہ دونوں حیران رہ گئے، انہیں خبر نہیں تھی کہ عائشہ بیگم نے اسے آنے والی بھابی سے کس قدر ڈرا دیا تھا۔

''مگر کیوں؟'' اسریٰ کا لہجہ کھوجتا ہوا تھا۔ عشواماں کو اپنی پلاننگ کامیاب ہوتی دکھائی دی تو ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''بس وہ مجھے پسند نہیں۔'' روشنی کا منہ پھولا ہوا تھا۔ آفاق بھی ششدر رہا بہن کی ناراضی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں یہ دورہ تم کو آج کیوں پڑا، اس دن تو بہت تعریفیں کی جا رہی تھیں۔'' اسریٰ نے چیخ کر پوچھا تو عائشہ ڈر گئیں کہ کہیں روشنی بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

''ہاں تو آج بتا رہا ہوں نا۔'' روشنی نے بدتمیزی کی انتہا کر دی۔

''اب میں نے خود کو شادی کے لیے تیار کر لیا تو روشنی کا موڈ بدل گیا۔'' آفاق نے اپنے آپ سے پوچھا اور قدرت کی ستم ظریفی پر مسکرایا۔

''جب تک تم کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتاؤ گی ہم سفینہ کے لیے انکار نہیں کریں گے۔'' اسریٰ کو بھی ضد سوار ہوئی تو انہوں نے عائشہ بیگم کو گھورتے ہوئے بھانجی کو چیلنج کیا۔

''وہ اصل میں۔'' روشنی نے عائشہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کچھ بتانا چاہا، ان کی تو جان حلق میں آ گئی تھی۔

❀......❀......❀

وقت کے پہیے کو کوئی کتنا بھی اپنی مرضی سے گھمانا چاہے مگر یہ اپنے حساب سے چلتا ہے، اپنی خواہش پر آگے بڑھتا ہے...... نہ ہی کسی کے کہنے پر اپنی رفتار تیز کرتا ہے اور نہ ہی کسی کی خواہش پر خود کو روکتا ہے، گھومتا چلا جاتا ہے رکتا نہیں۔ بس آگے کی جانب دوڑتا ہی رہتا ہے۔ خان ہاؤس کے بڑے سے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر فائز نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر گھنٹی بجاتے ہوئے اس کا دل عجب انداز میں دھڑکا۔

''کون؟'' سفینہ کی مدھر آواز اور نرم قدموں کی مخصوص چاپ سنائی دی۔ تھوڑی دیر میں ہی دروازہ کھل گیا۔
''آپ اسلام علیکم۔'' لب ہلے اور وہ ایک دم کھل اٹھی۔
''ہونہہ۔'' اس نے بے رخی دکھائی۔
''میں انہیں دل سے یاد کر رہی تھی، شاید قدرت نے میری فریاد سن لی۔'' سفینہ نے فائز کو نظروں کے حصار میں لے کر سوچا۔
''مجھے کچھ سامان لینا تھا۔'' فائز کا گمبھیر لہجہ، نروٹھا انداز، سفینہ مسکرادی تو وہ جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر منہ موڑ کر کھڑا ہوگیا۔
''آپ کو یہاں آنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔'' سفینہ نے کھلے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے کی شکل دیتے ہوئے چوٹ کی۔
''مجھے واقعی کسی بہانے کی ضرورت نہیں مگر اب یہاں آنے کا دل نہیں کرتا۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا اور شکایتی انداز میں گھورا۔
''جناب کا موڈ بہت آف ہے۔'' اس کی ناراضی بھی ایک دلکشی تھی، سفینہ کے دل کی دھڑکنوں کو بے لگام تو ہونا تھا۔
''اگر آپ راستہ دے دیں تو مہربانی ہوگی۔'' وہ اکھڑ ہوا۔ بڑھی ہوئی شیو اور ملگجے حلیے میں بھی دل میں اترا چلا جا رہا تھا۔
''مجھ سے لڑنے کی جگہ اگر ڈٹ کر مقابلہ کیا ہوتا تو حالت بدل سکتے تھے۔'' سفینہ نے گلابی لبوں کو بھینچ کر شکوہ کیا، تو فائز کا دل ڈانوا ڈول ہوا۔
''ہاں بس میں سوچتا ہی رہ گیا اور شاید دیر ہوگئی۔'' اس نے سفینہ کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے منہ بسورا۔
''دیر...... مگر پیار کرنے والوں کے بیچ میں یہ لفظ مس فٹ سا ہے۔'' مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے کچھ سمجھانا چاہا۔
''تمہارا مطلب ہے...... کہ...... کہ......'' وہ کچھ کچھ سمجھتے ہوئے اس کے نزدیک ہوا اور نازک انگلیوں کو اپنی انگلیوں میں الجھایا۔
''جی جناب کیوں کہ محبت میں کبھی دیر نہیں ہوتی۔'' سفینہ نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر گرفت مضبوط تھی۔
''سچ کہتی ہو...... کیوں کہ محبت میں تو صرف آگے بڑھا جاتا ہے، پلٹنے کا کوئی راستہ جو نہیں ہوتا۔'' اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا، دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی میں پڑی چوڑیوں کو چھوا۔
''اف......'' سفینہ نے زور لگایا اور کامیاب ہوگئی، سرخ پڑتی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے ناراضی سے دیکھا۔
''ہاں تو آپ کیا کہہ رہی تھیں۔'' فائز نے اس کے غصے سے محظوظ ہوتے ہوئے تھوڑا جھک کر نروس چہرے کو دیکھا۔
''جب محبت کا فلسفہ سمجھ میں آگیا ہے تو پھر پلٹنے کی بات کیوں سوچی؟'' سفینہ کے سوال نے فائز کے دل پر جیسے خراشیں ڈال دیں۔
''میں تم سے الگ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا سفی مگر وہ چاچی...... خیر۔'' وہ وضاحت دیتا بہت معصوم لگا۔
''فائز اب بھی کچھ نہیں بگڑا وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' سفینہ نے اس کے بازو کو تھام کر سمجھایا۔
''ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ آج ہی می کو چاچی کے پاس دوبارہ بھیجتا ہوں۔'' وہ ایک دم ہلکا پھلکا ہوا۔

''شکر ہے بات عقل میں تو آئی۔'' سفینہ نے شوخ نظروں سے دیکھا اور راستہ چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھی۔

''اچھا سنو تو۔'' فائز نے جس محبت سے پکارا، سفینہ کے پیروں نے جنبش کرنے سے انکار کردیا، مڑ کر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''میں تمہیں اتنی آسانی سے کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا۔'' فائز کے لہجے کا اعتماد، سفینہ کی آنکھوں میں محبت کے ستارے عکس بن کر ٹمٹمانے لگے، جس کی روشنی ان پر برستی چلی گئی، مزاج پر چھائی کثافت ڈھل گئی۔ خزاں کیا گئی، جیسے ہر سو بہار آگئی، ان کے دل ایک ہی لے پر دھڑکنے لگا یوں لگا جیسے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے ہوں۔ فائز نے بڑے پیار سے سفینہ کو دیکھا تو وہ سحر زدہ سی ہوگئی۔

''تمہاری یاد کا رستہ۔'' خوش گوار مسکراہٹ نے حسین چہرے کا احاطہ کیا اور وہ گنگنائی۔

''آں ہاں۔'' فائز نے ایک جست میں فاصلہ طے کیا اور اس کے ساتھ چپک کر کھڑے ہوتے ہوئے شرارت سے جوڑا کھول دیا۔

''ہی ہی ہی۔'' سفینہ شرارتی انداز میں ہنستی چلی گئی پھر بالوں کو سمیٹ کر دوبارہ جوڑا بناتے ہوئے امجد اسلام امجد کا کلام گنگنایا۔

تمہاری یاد کا رستہ
نجانے کس طرف سے پھوٹتا ہے
اور پھر ایسے مری ہر راہ کے ہمراہ چلتا ہے
کہ آنکھوں میں ستاروں کی گزرگاہیں سی بنتی ہیں
دھنک کی کہکشائیں سی
تمہارے نام کے ان خوش نما حرفوں میں ڈھلتی ہیں
کہ جن کے لمس سے
ہونٹوں پہ جگنو رقص کرتے ہیں
تمہارے خواب کا رشتہ
میری نیندوں سے ملتا ہے
تو دل آباد ہوتا ہے
میرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا مری راتوں میں کھلتا ہے

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

عنبر فاطمہ

انسان بڑا ہی ناشکرا ہے' اس کی سرشت میں مطمئن ہونا شامل ہی نہیں۔ ازل سے یہی ہوتا آرہا ہے' اللہ نے آدم کو تخلیق کیا ان کا دل بہلانے کے لیے حوا کو انہی کی پسلی سے پیدا فرمایا' جنت میں مقام عطا فرمایا اور کہا۔

''جاؤ تم دونوں یہاں سے' آرام سے رہو' جہاں سے دل چاہے کھاؤ مگر دیکھو اس درخت کے پاس مت جانا۔''

مگر انسان کی بھلائی کے ازلی دشمن شیطان نے انہیں پھسلایا اور ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے آدم و حوا! اس جنت سے زمین پر اتر جاؤ' جو تمہارا ٹھکانہ ہے ایک معینہ مدت کے لیے۔

اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ایک خدا کی طرف بلانے پر معمور کیا' ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود سوائے چند کے سب نے سرکشی کی اور ایمان نہ لائے سو جزائے اعمال کے طور پر عظیم طوفان کے باعث سب کے سب غرق کردیئے گئے اور صرف ایمان والے کشتی میں محفوظ رہے اور مقام جودی پر لنگر انداز ہوگئے۔

قوم بنی اسرائیل فرعون کے ظلم و ستم کا شکار تھی حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی لڑکیاں زندہ چھوڑ دی جاتیں اور ان کے لڑکے قتل کردیئے جاتے مگر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزاتی طور پر انہی حالات میں زندہ رکھا اور فرعون ہی کے محل میں ان کی پرورش کا انتظام فرمایا' انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور بنی اسرائیل کو اللہ کا پیغام دیا اور سیدھے رستے کی طرف بلایا مگر فرعون سرکشی سے باز نہ آیا تو اللہ نے اسے دریائے نیل میں غرق کردیا اور یوں بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و ستم سے چھٹکارا دلایا مگر قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اس فعل پر شرم دلائی اور سچے دل سے توبہ کرکے دوبارہ ایک خدا کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کی قبولیت کے طور پر بنی اسرائیل کو ایک مخصوص مقام پر اپنے ہاتھوں ایک دوسرے کی جان لینے کا حکم دیا اور وعدہ لیا کہ اللہ انہیں ایک نئی زندگی دے گا اور حکم دیا کہ جب تم اس بستی میں داخل ہونا تو سجدہ کرتے ہوئے گزرنا اور زبان سے ''حطۃ'' ''ہمارے گناہ فرمادے'' کہنا مگر وہ ظالم اور ناشکرے لوگ ''حبۃ فی شعرۃ'' کہتے رہے یوں سرتابی و سرکشی کرتے رہے بار بار عہد کو بی کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے پانی کے انتظام کے لیے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بارہ چشموں کا ظہور فرمایا اور ان کے کھانے کو من وسلویٰ اتارا۔ یوں ان پر اپنی نعمتوں کی انتہا کردی مگر ناشکرا انسان کہنے لگا کہ اے موسیٰ! اپنے خدا سے کہہ کہ ہم ایک سا کھانا کھا کھا کر اکتا چکے ہیں وہ ہمارے لیے زمین سے سبزی' اناج اور دالیں اگائے مثلاً ککڑی' پیاز' ساگ اور مسور وغیرہ۔

حضرت موسیٰ نے قوم سے فرمایا۔

''کیا تم ترجیح دیتے ہو ادنیٰ چیز کو افضل سے۔ اچھا اس شہر میں اترو وہاں ملیں گی تمہیں تمہاری چاہت کی چیزیں۔''

''پس ان ناشکروں پر ڈال دی گئی ذلت اور پستی اور اترا اللہ کا غضب۔

❁......❁......❁

''مبارک ہو بھئی' مبارک ہو۔ ارسلان اس دفعہ تو بہت بڑی دعوت ہونی چاہیے خاندان بھر کی' آخر تمہارے ہاں تیسرا بیٹا ہوا ہے اور سنو! اس دفعہ تو ہماری بہن کو سونے کے کنگن بنوا کر دینا۔''

''ہاں ہاں عمر بھائی! کیوں نہیں دعوت بھی کریں گے اور اپنی بیگم کو من پسند تحفہ بھی دیں گے۔ ٹھیک ہے نا

کاشفہ۔'' اور کاشفہ بیگم کی گردن غرور اور مان سے مزید تن گئی۔

''بھابی میں تو کہتی ہوں کہ اس بار آپ بھی صداقت بھائی کو بیٹے کی خوشخبری سنا ہی دیں' دو دو بیٹیوں پر بیٹا ہوا تو صداقت بھائی سونے کی ایک انگوٹھی تو بنوا ہی دیں گے کیوں ارسلان!'' اس قدر تضحیک آمیز انداز اور سب کے درمیان ایسی گفتگو بڑی بھاوج تو ہک دک سی رہ گئیں جو دو بیٹیوں کی ماں تھیں اور اللہ انہیں تیسری بار نوازنے جا رہا تھا۔

''ارے بھابی! بیٹا بیٹی سب خدا کی دین ہیں اور میری بیٹیاں تو میرے آنگن کا پھول ہیں' دل و جان ہیں میری۔'' صداقت اپنی بیوی کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھ کر جلدی سے بولے تھے۔

''ارے بھائی جان! بیٹیاں کسے بُری لگتی ہیں مگر وہ تو آنگن کی چڑیاں ہیں ایک دن پھر سے اڑ جائیں گی۔ کوئی بُرے دنوں کا ساتھی اور اس لاشے کا بوجھ اٹھانے والا بھی تو ہونا چاہیے۔'' ان کا اپنا بھائی ارسلان بڑی ہی رسانیت سے حقیقت بتاتے ہوئے ان کی تصحیح کرنا نہ بھولا تھا جب کہ وہ چپ چاپ منہ دیکھتے رہ گئے۔

❀......❀......❀

''حیات منزل'' عفت حیات کے دو بیٹوں صداقت اور ارسلان سے آباد تھی۔ بیٹی کی شادی وہ اپنے شوہر کی زندگی ہی میں کر چکی تھیں جو اب سعودیہ میں مقیم تھی۔

صداقت بڑے بیٹے تھے اور باپ کی وفات کے بعد سے تمام ذمہ داریوں کو بہ احسن و خوبی نبھا رہے تھے۔

عفت آرا بیگم نے ان کی شادی پر اپنے سارے مان نکالے تھے آخر کو من پسند چاند سی بہو جو لا رہی تھیں۔ پرانے محلے میں میلاد کی ایک تقریب میں موہنی سی آسیہ انہیں خوب ہی بھائی تھی سیدھے سادھے سے صداقت کے لیے معصوم سی آسیہ ان کے دل میں اتر سی گئی تھی اور وہ دوسرے ہی دن رشتہ لے کر ان کے ہاں موجود تھیں۔

بے شک آسیہ اور صداقت سورج چاند کی جوڑے تھی' یک جان دو قلب تھے۔ اماں بھی بہو کے صدقے واری جاتی تھیں۔ یہاں آسیہ کا پاؤں بھاری ہوا وہاں اماں کو پوتے کی آمد کا یقین سا ہو چلا۔ آسیہ اور صداقت جہاں اماں کی تیاریوں اور بے چینی و بے صبری دیکھ کر خوش ہوتے مگر آسیہ کچھ ڈر سی جاتیں۔

''صداقت! اگر بیٹا نہ ہوا تو......''

''تو کیا اماں پوتی پر ہی نہال ہو جائیں گی۔ آخر وہ تمہاری طرح خوب صورت جو ہوگی۔ تمہارے پیچھے بھی اماں ایسی ہی نہال ہوا کرتی تھیں۔'' وہ ہنس کر ٹال دیتے مگر آسیہ اندر ہی اندر خوف کھانے لگیں خود صداقت اور آسیہ کے لیے تو آنے والی خوشی ہی سب سے بڑی خوشی تھی خواہ بیٹا ہوتا یا بیٹی اور یہی بات آسیہ اماں پر بھی عیاں کرنا چاہتی تھیں مگر ان کے انداز و اطوار دیکھ کر چپ سی رہ جاتیں اور اماں کی خوشی پوری ہونے کی دعا کرتیں۔

"ارے بہو! آج تو میں نے تمہارے لیے بیسن کا حلوہ بنایا ہے ایسے میں خوب جی چاہتا ہے نا میٹھا کھانے کو۔" وہ اماں کا دل رکھنے کو کھالیتیں تو اماں بے حد فخر سے صداقت کو کہتیں۔

"ارے بیٹا دیکھنا تیرے ہاں بیٹا ہی آئے گا' بہو ایسے شوق سے میٹھا کھاتی ہے۔" اور آسیہ انجانے خوف میں مبتلا ہو جاتیں۔

اور ایک دن تو حد ہی ہوگئی اماں جو پرانے محلے میں ملنے گئیں تو وہاں سے ایک ملنے والی کو ساتھ لے آئیں۔ آسیہ کو وہ عورت دیکھنے ہی میں اچھی نہ لگی مگر ادب ملحوظ خاطر تھا سو چپ ہو رہیں۔ خاطر تواضع کے لوازمات لیے پہنچیں تو اماں کہنے لگیں۔

"ہاں تو بوا اب تم نے ہماری بہو کو تو دیکھ لیا اب بتاؤ کیا خوشخبری ہے۔"

"ہاں ہاں بتاتی ہوں کیوں اتنی باؤلی ہو رہی ہو بی عفت! ارے بیٹا یہاں ذرا قریب تو آ کر بیٹھو۔" وہ جو مہمان خانے سے جلد از جلد نکلنا چاہ رہی تھیں شرم کے مارے لال بھبھوکا چہرہ لیے وہیں بیٹھ جانے پر مجبور ہوگئیں۔ عینک کے موٹے موٹے عدسوں کے پیچھے چھپی اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے انہوں نے آسیہ کو کچھ اس طرح ٹٹولا کہ آسیہ بیگم کی کانوں کی لویں تک سرخ ہوگئیں اور اجازت پاتے ہی راہِ فرار اختیار کی۔ وہ تو بعد میں پتا چلا کہ انہوں نے اماں کو پوتے کی خوشخبری سنانے کے بہانے اچھے خاصے پیسے اینٹھ لیے تھے مگر اماں تو سب سے بے نیاز اپنی ہی خوشیوں میں مگن تھیں۔

آخر کار خوشیوں کا دن آیا اور اماں کو ایک عدد پوتی کی نوید سنا گیا۔ اماں دلگرفتہ تھیں اور دیکھنے تک سے انکاری تھیں' صداقت لینے کے لیے آئے تو اماں ماننے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

"نہیں صداقت! بوا نے مجھے پوتے کا کہا تھا۔ ارے وہ خود دیکھ کر گئی تھیں بہو کو کہہ رہی تھیں ایک ایک انداز بتا رہا ہے کہ بیٹا ہی ہے۔ ارے ہسپتال والوں نے دھوکہ کیا ہے میں تو اسی لیے کہیں جانے کے حق میں ہی نہیں تھی۔ میں تو پوتا ہی دیکھنے جاؤں گی' بس کہہ دیا میں نے۔" مگر صداقت بھی اپنے نام کے ایک ہی تھے۔

"اماں آپ مانیں یا نہ مانیں آپ کے ہاں پوتی ہی آئی ہے اور کوئی دھوکہ نہیں ہوا آپ چل کر دیکھیں تو سہی بچی ماشاء اللہ ہو بہو آسیہ کے نقوش لائی ہے۔ اماں آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں' اولاد کے معاملے میں انسان قطعی بے بس ہے' کوئی گنڈا کوئی تعویز سب بے بس ہیں اس خدا کی ذات کے سامنے۔ اولاد تو اللہ کا انعام ہے لڑکی بھی اور لڑکا بھی۔ مالک کے انعام کی ناقدری تو کسی صورت بھی جائز نہیں۔ بیٹی کو بُرا سمجھنا تو دور جاہلیت کی رسم ہے جب بچپن میں ابا مجھے قرآن پڑھاتے تھے تو ایک دن سورۃ نحل کی آیت کا ترجمہ پڑھا۔

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے کہ آیا اس نومولود کو ذلت کی حالت پر لیے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے' خوب سن لو ان کی تجویز بہت بُری ہے۔" (سورۃ نحل: آیت: ۵۸'۵۹)

یہ پڑھ کر ابا بہت روئے تھے' میری طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

"اے اللہ یہ بیٹا بے شک تیری ہی عطا ہے مگر اے اللہ! تو مجھے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی بیٹی بھی جلد عطا فرما اور ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کرنا جن کا تُو اس آیت میں ذکر فرما رہا ہے بلکہ ہمیں شکر گزار اور عدل کرنے والا بنانا۔"

اور میرے بعد جب ثریا پیدا ہوئی تھی تو یاد ہے ابا کی خوشی دیدنی تھی۔ ارسلان کے ہونے کے بعد بھی ابا سب سے زیادہ پیار ثریا ہی سے کرتے تھے۔ گھر میں کوئی چیز لاتے تو سب سے پہلے اسے ہی دیتے تھے۔ مسجد میں دعا کرتے ہوئے اکثر میں نے انہیں یہی گریہ زاری کرتے سنا کہ "اے اللہ! مجھے اولاد کے درمیان عدل کرنا سکھا دے۔ مجھے رسوا نہ کرنا لڑکی کے بارے میں کہ اکثر

انبیاء علیہ السلام بھی لڑکیوں ہی کے والد تھے۔ خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔"

اماں آج آپ کے رویے سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے آپ نے یہ ثابت کردیا کہ عورت ہی عورت کے لیے ظالمہ ہے۔ ایسی ظالم دادی مت بنئے چلیے میرے ساتھ اور میری بچی کو دعاؤں کا تحفہ دیجیے۔ آئیے ناں اماں!"

"ارے باؤلے ہوگئے ہو کیا صداقت! ایسے کیسے چل دوں، پہلے میں شکرانے کے دو نفل ادا کرلوں کہ اس نے مجھے صحیح سلامت بچی عطا فرمائی اور اپنے رب کے حضور معافی بھی مانگ لوں۔ تو جا اور پانچ کلو کی مٹھائی بنوالا' جا کھڑا کیوں ہے جلدی جانا۔" اور صداقت مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

اماں نے پوتی کی صورت میں جو نازک سی گڑیا دیکھی تو اس کی دلداریوں میں لگ گئیں۔ زینب کی آمد نے آسیہ کی ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیا تھا مگر ایسے میں اماں کی ذات ان کا بڑا سہارا تھی۔

اماں کے چچیرے بھائی کے ہاں شادی کی تقریب میں چمپئی سوٹ میں ملبوس کاشفہ ارسلان کو بیر بہوٹی سی لگی اور وہ اماں سے کاشفہ کو دلہن بنانے کے سر ہوگئے اگرچہ اماں کو کاشفہ خاصی شوخ و چنچل سی لگی مگر بیٹے کی رضا دیکھی تو راضی ہوگئیں اور یوں کاشفہ بیگم حیات منزل کی مکین ہوگئیں۔

اس دوران آسیہ مزید ایک بیٹی کی ماں بن چکی تھیں۔ زینب اور عائشہ اماں سمیت سب کی آنکھوں کا تارا تھیں مگر آسیہ محسوس کرتی تھیں کہ کاشفہ زینب اور عائشہ سے خاصی کھنچی کھنچی رہتی ہے۔ آسیہ سے بھی کافی سرد سے تعلقات تھے پہلے تو آسیہ نے یہ سوچ کر نظر انداز کردیا کہ وہ اس ماحول میں نئی ہے وقت کے ساتھ گھل مل جائے گی مگر جب سے کاشفہ امید سے ہوئی تھیں انداز ہی نرالے تھے۔ اسے اماں کی باتیں محض نصیحتوں کا پلندہ لگا کرتیں۔ وہ اکثر ہی ان سے بدتمیزی سے بات کرجاتی' باورچی خانے میں برتن پٹخنے لگتی اور ارسلان کے سامنے مظلوم بن جاتی۔ اماں ارسلان سے کچھ کہتیں تو وہ بے پروائی سے کہتے۔

"آپ تو اس بے چاری کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں۔ ابھی نئی نئی بات ہے آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی اور سارا کام بھی تو اس پر ہی آ گیا ہے۔ بھابی تو بچیوں میں مصروف رہتی ہیں اور آپ بھی الٹا اسے ہی ڈانٹتی رہتی ہیں۔ مجھے بھی یاد ہے کہ زینب کی دفعہ آپ بھابی کے کیسے نخرے اٹھاتی تھیں چارپائی پر بیٹھا کر کھلایا کرتی تھیں' اب تو آپ کی طبیعت ہی ٹھیک نہیں رہتی۔"

اماں چپ سی رہ گئیں' اب انہیں کیا بتاتیں کہ اگر وہ گھر کی کرتا دھرتا تھیں تو آسیہ بھی برابر ساتھ لگی رہتی تھی وہ اگر ہنڈیا چڑھا رہی ہیں تو آسیہ نے گھر بھر کی صفائی کردی' کپڑے دھولیے' سبزی بنادی۔ آٹا گوندھا تو اس نے جلدی سے روٹی ڈال دی' لو کام ختم مگر جب کوئی بات دل میں آجائے تو نکلا نہیں کرتی بلکہ زندگی سے رشتوں کو نکال دیتی ہے جلد ہی کاشفہ نے ارسلان سے کام کام کا کہہ کر اپنا کھانا پکانا الگ کرلیا اور جوں جوں دن قریب آتے جارہے تھے اس نے خود کو محض کمرے تک محدود کرلیا' اماں کو اس کے مزاج کا اندازہ ہوگیا تھا سو مزید محتاط ہوگئیں۔

اللہ اللہ کرکے انہوں نے پوتے کا منہ دیکھا' محلے بھر میں مٹھائی تقسیم کروائی' ان کی خوشی دیدنی تھی ہر وقت پوتے کو آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں مگر انہیں ننھے حمزہ کی ناز برداریوں کا زیادہ موقع نہ ملا کہ کاشفہ کسی نہ کسی صورت حمزہ کو اپنے پاس چمٹائے رکھتی۔ اماں نے ارسلان سے شکوہ کیا تو ہنسنے لگے۔

"اماں آپ بھی کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہیں' وہ ماں ہے اس کی اور اتنا چھوٹا بچہ ماں کے پاس نہ رہے گا تو اور کہاں رہے گا۔" اب اماں کیا کہتیں کہ وہ تو زینب اور عائشہ کو بھی بھائی کے قریب نہیں آنے دیتی۔ یوں اماں اپنی تمام محبتیں پوتیوں پر ہی نچھاور کرنے لگیں۔

دوسرے ہی سال کاشفہ ایک اور بیٹے کی ماں بن گئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں حمزہ کو اماں کے سپرد کرنا پڑا۔

ان دنوں اماں بڑی خوش رہنے لگیں' آسیہ اور صداقت بھی اماں کی خوشی میں خوش اور مطمئن تھے جبکہ ارسلان اور کاشفہ کے پاؤں تو زمین پر ہی نہ ٹکتے تھے۔

خاندان بھر میں کاشفہ اپنے انداز واطوار اور میل جول کی بدولت خوب مشہور تھیں اور آسیہ گھر کی بڑی بہو ہونے کے باوجود دبی دبی سے رہنے لگیں۔

انہی دنوں اماں بھی انہیں اکیلا چھوڑ گئیں' ایک رات ایسا سوئیں کہ لاکھ اٹھانے پر بھی نہ اٹھیں۔ حمزہ بھی آن کر دادی دادی پکارتا رہا مگر جواب ندارد۔ دونوں میاں بیوی کے لیے یہ غم بہت بڑا تھا مگر کاشفہ کو تو اب کھلی چھوٹ مل گئی جہاں چاہتی آتی جاتی۔ محلے بھر میں خوب میل جول بڑھالیا تھا۔

وقت مزید بیتا اور آسیہ کے ہاں مزید ایک بیٹی کی ولادت ہوئی جبکہ ارسلان تیسرے بیٹے کا باپ بنا۔ تین تین بیٹوں کا حوالہ دونوں کے لیے ایسا طرہ امتیاز تھا کہ گردن کا سریہ جھکتا ہی نہ تھا۔ ارسلان کا جواد ان کی بیٹی سدرہ کا جوڑی دار تھا' صداقت کے منہ سے کبھی بیٹے کی فرمائش نہ ہوئی تھی اور وہ بیٹیوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ مگر آسیہ کو ایسا لگتا تھا کہ جب وہ ارسلان کے بچوں کو دیکھتے ہیں تو شاید دکھی ہوجاتے ہیں۔ ننھا گل گوتھنا سا جواد انہیں بھی بہت اچھا لگتا تھا جب بھی موقع ملتا تائی کی گود میں چڑھ دوڑتا اور خواہ سدرہ روتی بلکتی رہتی وہ جواد کو گود سے نہ اتارتیں' وہ احساس کمتری کا شکار ہوتی جارہی تھیں

صداقت کو احساس تھا اور وہ آسیہ کو سمجھاتے بھی رہتے تھے کہ بیٹی خدا کی رحمت ہے اور رحمت سے تو تسکین ملتی ہے جبکہ نعمت کا حساب دینا پڑتا ہے۔ وہ ظالم ماں نہیں تھیں' حاسد بھی نہیں تھیں مگر معاشرے میں بنے رسم و رواج کے آگے خود کو بے بس محسوس کرنے لگتیں۔ تین بیٹیوں کی ماں ہونا کوئی جرم تو نہیں مگر وہ خود کو مجرم سمجھنے لگیں۔ اکثر ہی ان پر یاسیت کے دورے پڑنے لگے انہوں نے بچیوں کو محض گھر اور کمرہ تک محدود کرلیا۔

یہ سوچ بنا کہ انہیں شکر گزار بننا چاہیے کہ اللہ اپنی حکمت سے بہت سے لوگوں کو تو اولاد کی نعمت سے بھی نہیں نوازتا۔

خاندانی تقاریب میں بھی وہ بچیوں کو لے جانے کی قائل نہ تھیں' کوئی گھر آتا تو بچیاں سہم جاتیں اور کمرہ سے نہ نکلتیں۔ وہ ماں تھیں اپنی اولاد سے محبت کرتی تھیں' ان کی ہر ضرورت کا خیال کرتی تھیں مگر لوگوں کی باتیں اور رویے ان کی روح کو اندر تک زخمی کردیا کرتے۔ اسی لیے وہ سہمی مرغی کی طرح اپنی بچیوں کو ممتا کے آنچل میں چھپائے رکھتیں۔ انہوں نے کاشفہ کو اپنے کانوں سے خالہ بتول سے یہ کہتے سنا تھا۔

"ہاں خالہ میں نے تو حمزہ کی دفعہ ہی سے آسیہ اور اس کی بچیوں کو خود سے دور رکھا تھا تاکہ ان کا پرچھاوا مجھ پر یا بچے پر نہ پڑے' دیکھ لیں میری تدبیر کیسے کارگر ہوئی اور اللہ نے شوہر کے آگے میری عزت رکھ لی' میں نے تو بہت سنا تھا کہ اماں کے کان ترس رہے ہیں' پوتے کی خوش خبری سننے کو۔ ارے خالہ! میں نے تو تین تین پوتے دیئے مگر اللہ بخشے میری ساس آسیہ ہی کے گن گاتی رہیں۔ میرا تو کوئی پوچھنے والا ہی نہ تھا کہ ارے بیٹا! تم نے کچھ کھایا یا نہیں' سچ کہوں تو اتنی طاقت بھی نہ ہوتی تھی کہ کھڑے ہوکر کام کرسکوں۔ وہ تو ارسلان میری ہر فرمائش پوری کیا کرتے تھے اور میرے من پسند کھانے لے آتے تھے۔

سسرال والوں کی بدسلوکی کا اندازہ جو تھا انہیں اور خالہ بتول بھی انہی کی ہاں میں ہاں ملارہی تھیں۔

تین بیٹیوں کے بعد آسیہ مزید اولاد کے حق میں نہ تھیں۔ اس روز صداقت ان پر برس پڑے جب وہ آنے والی چوتھی خوشی کو ختم کرنا چاہتی تھیں اور بودے دلائل سے صداقت کو قائل کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔

"دیکھیں صداقت ہمارا پہلے ہی تین تین بچیوں کا ساتھ ہے' کاروبار کے بٹوارے کے بعد حالات بھی زیادہ بہتر نہیں۔ ان بچیوں کے کھانے پینے' تعلیم وتربیت اور شادی بیاہ کے معاملات آسان نہیں ہیں۔ آپ اکیلے کمانے والے اور ہم سب کھانے والے' کیسے پورا کررہے

ہیں اچھے سے جانتے ہیں۔ مزید اولاد آ گئی تو کیا کریں گے' کیسے پورے کریں گے خرچے' ویسے ہی یہاں تو بیٹیوں کی لائن لگی ہے پھر سے بیٹی ہوگئی تو مزید بوجھ' کھلاؤ' پلاؤ' پڑھاؤ اور رخصت کردو۔ سب کچھ ان پر قربان کردو اور پھر خالی کے خالی۔ سوچتی ہوں اپنا بڑھاپا کس کے سہارے گزاریں گے' یہ تو پرایا دھن ہیں' چھوڑ جائیں گی۔"

جانے کون کون سی تلخیاں آج وہ صداقت کے سامنے نکالتی چلی جارہی تھیں۔ ایک لاوا تھا جو اُگلے ہی جارہا تھا اور صداقت کی برداشت جواب دے گئی۔

"آسیہ حد کرتی ہو تم' اتنی کم عقلی' جانتی ہو لڑکیوں کو بُرا سمجھنا کافروں کی خصلت ہے۔ خود ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ اکثر انبیاء تو بیٹیوں ہی کے باپ گزرے ہیں اور کیا کہا تم نے کہ ان کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے' نان نفقہ کیسے چلے گا تو زمین پر ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا ذمہ اللہ نے نہ لے رکھا ہو تو کیا تمہارا ایمان اتنا کمزور ہے۔ بس اتنا توکل کرتی ہو' جانتی ہو ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے بڑے گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک کرکے کسی کو پکارو حالانکہ صرف اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔" اور ان صحابی نے جب اس سے کم درجے پر سب سے بڑے گناہ کا پوچھا تو فرمایا "یہ کہ تم اپنے بچے کو اس خوف سے مارو کہ وہ بعد میں تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا" آسیہ ہر انسان کو صرف اللہ ہی کی ذات کا بھروسہ ہے اور نیک اولاد تو بہترین صدقہ جاریہ ہے تو تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ ہم خالی کے خالی رہ جائیں گے۔ کیا تمہیں اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں اور کیا تم عالم غیب دیکھ آئی ہو کہ اب کے بھی بیٹی ہی ہوگی۔ ہمارا کام دعا کرنا ہے رب سے مانگنا ہے اب اس کی مرضی جو چاہے عطا کرے۔ یہ مالک کا انعام ہے بندے کا کام شکر گزاری ہے تو بولو آسیہ! کیا تم خدا کی شکر گزار بندی نہیں بننا چاہو گی؟" صداقت کے دلائل آسیہ کو زیر کرچکے تھے۔ وہ شرمندہ تھیں صداقت سے اور اپنے رب سے بھی' صداقت کے سامنے تو کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ ہوئی مگر رب کے سامنے خوب گڑگڑائیں' توبہ کی طلب گار ہوئیں اور شکر گزار بھی کہ اس نے انہیں ایسا جیون ساتھی عطا کیا اور اولاد کی نعمت بھی دی۔

ارسلان کا کاروبار اچھا چل رہا تھا اور دونوں میاں بیوی زندگی کی رنگینیوں میں گم تھے۔ صداقت نے کاروبار کے ساتھ ساتھ نوکری بھی کرنا شروع کردی تھی۔ آسیہ نے بھی لوگوں کی باتوں پر کان دھرنا چھوڑ دیا تھا اور سچے دل سے صداقت کے توکل اور ایمان پر امید لگائے بیٹھی تھیں اور خدا سے طلب گار تھیں کہ صداقت کا ایمان کبھی متزلزل نہ ہو پھر ایسے توکل اور شب بیداریوں کا انعام احمد رضا کی صورت میں ان کی جھولی میں ڈال دیا گیا' آسیہ کی ممتا مسرور ہوگئی۔

ننھا احمد گھر بھر کا لاڈلا تھا۔ ماں کی آنکھ کا تارا تھا تو بہنوں کا راج دلارا تھا۔ صداقت بھی بیٹے سے بہت پیار کرتے تھے مگر ایک بات آسیہ پر پہلے ہی واضح کرچکے تھے کہ ہمارے لیے بیٹا اور بیٹیاں دونوں برابر ہیں۔ اولاد کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں اسی کے مطابق چلنا ہے۔

وقت کا کام ہے گزر جانا' اچھا بوؤ گے تو اچھا کاٹو گے۔ صداقت کی تینوں بیٹیاں جنہیں آسیہ بیگم بیٹا نہ ہونے کے باعث چھپاتی پھرتی تھیں آج ان کا مان اور فخر تھیں۔ آسیہ کی بے مثال تربیت نے انہیں ہیروں کی طرح تراشا تھا۔ ان کی تربیت اور اوصاف واقعی قابل تحسین تھے۔

زینب اور عائشہ اپنے گھروں کی ہوچکی تھیں جبکہ سدرہ اکنامکس میں ماسٹرز کررہی تھی' احمد بھی بہنوں کا دم بھرتے نہ تھکتا تھا۔ بہنیں اس کے لیے رول ماڈل تھیں سدرہ نے ایم اے اکنامکس میں گولڈ میڈل حاصل کیا تو آسیہ نے خاندان بھر کی دعوت کی۔ وقت کے ساتھ بدلتے رویوں کی آسیہ کو خوب پہچان ہوچکی تھی۔ کل جو لوگ ان کی بیٹیوں کو کاندھے کا بار سمجھا کرتے تھے آج ان کے سامنے بچھے بچھے جاتے تھے' ان کی بیٹیوں کی لیاقت

اور قابلیت کے قائل تھے۔

کاشفہ کے دونوں بیٹے حمزہ اور ولید اپنے ماموں عمر کے ساتھ کینیڈا میں تھے۔ حمزہ کی شادی عمر کی بیٹی فائقہ سے ہوگئی تھی جبکہ ولید اپنے لیے خود فرنگن پسند کر چکا تھا جس کا مذہب محض نام بدلنے کی حد تک اسلام تھا جبکہ تیسرا بیٹا جواد اسلام آباد میں ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر فائز تھا۔ ولید کی اس حرکت کو لے کر خاندان میں کافی لے دے ہوتی رہی مگر کاشفہ نے یہ کہہ کر سب کو خاموش کروادیا کہ ولید نے اس کی مرضی سے یہ شادی کی ہے مگر دل ہی دل میں کاشفہ ڈرسی گئی تھیں اور اب جلد از جلد جواد کی منگنی کے درپے تھیں اور اس مشن کے لیے وہ دو چار جگہ دورے بھی کر چکی تھیں لیکن فی الحال بات نہ بن سکی تھی۔

وہ جواد کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک طرح دار لڑکیاں پسند کر رہی تھیں۔ اونچا خاندان' نہایت حسین و جمیل دوشیزائیں مگر جواد تھا کہ کسی کے لیے ہامی ہی نہ بھر رہا تھا۔

کچھ بھی تھا بہر حال کاشفہ بیگم کی پانچوں انگلیاں تیل میں اور سر کڑاہی میں تھا۔ تینوں بیٹوں کی کمائی سے ارسلان کا ڈیفنس والا بنگلہ اپنی تکمیل کے اختتامی مراحل پر تھا۔ یہ بنگلہ نہیں بلکہ کاشفہ بیگم کا دلکش خواب تھا جو شرمندۂ تعبیر ہونے کو تھا' انہیں اپنے دونوں بچوں اور پوتے پوتیوں کے ساتھ یہیں سے جواد کی بارات لے جانا تھی۔ وہ سب محل کی طرح سجے اس گھر میں مل جل کر رہتے' ان کے پوتے پوتیاں وسیع وعریض لان میں کھیلتے' جھولے جھولتے اور گھر ان کی مسکراہٹوں اور قلقاریوں سے گونج اٹھتا۔ ایسے میں جواد کی ٹال مٹول انہیں چراغ پا کر رہی تھی جبکہ مسز صدیقی کی دولت اور ان کی بیٹی رشنا انہیں خاصی بھائی تھی لہٰذا وہ جلد از جلد یہ رشتہ فائنل کرنا چاہتی تھیں' اسی مقصد کے لیے وہ آج جواد سے دوٹوک بات کرنے والی تھیں اور جواد کے آتے ہی وہ برس پڑیں۔

''آخر رشنا کے رشتے میں ایسی کیا برائی ہے جواد جو صرف تمہیں نظر آرہی ہے ذرا میں بھی تو سنوں۔ اتنا اچھا خاندان ہے دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے خوب صورت ہے کم عمر ہے۔ شادی پر ماڈل روڈ والا بنگلہ وہ اس کے نام کرنے والے ہیں' تھوڑی تعلیم ہی کم ہے ناں تو اچھا ہے دب کر رہے گی اور زیادہ پڑھی لکھی لڑکیاں تو شکل ہی سے عجیب سی عمر لگتی ہیں۔ اب دیکھو زیادہ پڑھی لکھی تو میں بھی نہیں مگر کیسا میں نے اپنے بچوں اور شوہر کا مستقبل سنوارا ہے۔ ارے دنیا مثالیں دیتی ہے میری سمجھ بوجھ کی' اب تم تو پڑھے لکھے ہو کیوں اپنے شاندار مستقبل کو ٹھوکر مار رہے ہو۔ مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہا کہ مسئلہ کیا ہے تمہارا آخر کیسی لڑکی چاہتے ہو؟'' کاشفہ بیگم نے جھنجھلاتے ہوئے پوچھا۔

''میری پیاری ماں یہی تو مسئلہ ہے کہ مجھے محض ایک لڑکی نہیں سمجھ دار بیوی چاہیے جو گھر کو گھر سمجھے اور معاف کیجیے گا رشنا جیسی لڑکیاں وہ چراغِ محفل تو بن سکتی ہیں مگر خاتونِ خانہ نہیں اور مما وہاں تو تعلیم ہی نہیں تہذیب کا بھی فقدان ہے۔ مجھے تو وہ لوگ انتہائی بدتہذیب لگے۔ میری سمجھ دار ماں آپ تو بس لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاتی ہیں۔'' جواد نے تفصیلاً تمام صورت حال سے انہیں آگاہ کیا۔

''جواد سب جانتی ہوں میں کہ تمہارے کان کون بھرتا ہے' بیٹا تمہاری تائی کی تو عادت ہے مجھ سے جلنے کی۔ اچھا ہوا جو میں حمزہ اور ولید کو باہر بھجوادیا' دور ہی سہی مگر وہ لوگ میری بات تو سنتے ہیں' قدر تو کرتے ہیں ناں کہ میری وجہ سے آج باہر بیٹھے کما رہے ہیں۔''

''امی اب آپ ناراض تو مت ہوں' اگر آپ واقعی میری شادی کرنا چاہتی ہیں تو اس مسئلے کا سیدھا سادہ حل سدرہ کی صورت میں موجود ہے۔''

''تم جانتے ہو کہ میں راضی نہیں ہوں گی۔''

''ہاں میں جانتا ہوں مگر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی خوشی سے اجازت دیں۔''

''میری خوشی رشنا ہے جواد!''

''سوری امی! میں مسز صدیقی کا گھر داماد بن کر نہیں رہ

سکتا۔ آپ کہیں اور رشتہ ڈھونڈ لیں' کل صبح میری فلائٹ ہے اسلام آباد کی میں شاید دو ہفتے بعد ہی آسکوں۔"

دن ہفتہ اور ہفتہ مہینہ بن گیا مگر جواد کو نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ ہر دو چار دن بعد ماں باپ کی خیریت کے لیے فون کرلیا کرتا' کافی تھا۔ جہاں کاشفہ آنے کا ذکر چھیڑتیں' وہ مصروفیت کا بہانہ بنا کر ڈال دیتا' کاشفہ اس گریز کا سبب جانتی تھیں سوچپ کرجاتیں۔

اس دوران وہ اور ارسلان ڈیفنس شفٹ ہوچکے تھے۔ کاشفہ دونوں بیٹوں سے پاکستان آنے کی ڈیٹ فائنل کرنا چاہ رہی تھیں تاکہ نئے گھر اور پوتا پوتی کے آنے کی خوشی میں بڑی دعوت کرسکیں مگر وہ دونوں ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔

ارسلان تو اپنے کاروباری معاملات میں الجھے رہتے مگر وہ اکیلے گھر میں بولائی بولائی پھرتیں۔ نوکروں کی فوج درفوج ہونے کے باوجود بھی انہیں گھر خالی خالی دکھائی دیتا۔ وہ ڈپریشن کا شکار ہوتی جارہی تھیں' یہ سونا گھر انہیں کاٹنے کو دوڑتا۔ یہ وہ گھر نہیں تھا جس کے وہ خواب دیکھتی آئی تھیں مگر یہ گھر تھا ہی کہاں یہ تو محض سیمنٹ اور پتھر سے بنی چاردیواری تھی۔

انہی دنوں کینیڈا میں ان کے لاڈلے بھائی عمر کا انتقال ہوگیا۔ عمر کاشفہ اور ارسلان دونوں ہی کا بہت اچھا دوست تھا' بچپن کا ساتھ جو چھوٹا تو کاشفہ کی زندگی میں مزید ایک خوف سما گیا۔ بھائی کی موت نے انہیں مزید تنہا کردیا' وہ عمر کا آخری دیدار بھی نہ کرسکی تھیں۔

حمزہ اور فائقہ نے وہیں تدفین کا فیصلہ کرلیا تھا اگرچہ وہ اس فیصلے کے خلاف تھیں مگر دور بیٹھی کیا کرسکتی تھیں' جانے والا تو جاچکا تھا۔

ماموں کی موت کی خبر سن کر جواد گھر آیا تھا۔ صداقت اور آسیہ بھی تعزیت کے لیے آئے تو ارسلان نے انہیں روک لیا۔ کاشفہ کا گھر مہمانوں سے بھرا تھا' ایسے میں آسیہ اور سدرہ ہی سب انتظامات دیکھ رہی تھیں۔ اداسیوں نے گھر میں ڈیرہ ڈال لیا' کاشفہ صدمہ سے سنبھل نہ پارہی

تھیں کہ اس رات ارسلان کاشفہ کو سمجھانے لگے۔
"کاشفہ! وقت بھی کیسا عجیب ہے ناں مٹھی سے ریت کی طرح پھسلتا چلا جاتا ہے اور خبر بھی نہیں ہو پاتی۔ میں تمہارا دکھ سمجھ سکتا ہوں، تمہارا صرف بھائی نہیں بلکہ ایک مضبوط کندھا تم سے چھن گیا ہے۔ موت اسے چھین کر لے گئی اور ہم کچھ نہ کرسکے۔ جانے والے کا غم منانا تو بجا ہے مگر ذرا غور کرو کاشفہ کہ موت اب ہماری صفوں میں شامل ہوگئی ہے۔ کیا معلوم تم یا میں کل کا سورج بھی دیکھ پائیں گے یا نہیں، میں اگلا سانس بھی لے پاؤں گا یا نہیں، خبر نہیں۔ آج تک میں نے تمہاری کسی بات پر کوئی اختلاف نہیں کیا، تم نے جو چاہا فیصلہ کیا۔ حمزہ اور ولید کو باہر بھیجنا تمہارا جنون تھا، حمزہ کے لیے فائقہ تمہاری پسند تھی اور میں تمہاری خوشی میں خوش تھا، تم نے جس سے ملنا چاہا ملیں اور جسے چھوڑنا چاہتی تھیں چھوڑ دیا۔ میں نے تمہیں کبھی مجبور نہیں کیا مگر جواد کے سلسلے میں اب تمہیں سوچنا چاہیے کہ اگر اس کی خوشی سدرہ ہے تو وہ خوشی تمہیں اسے دینی چاہیے۔ وہ فرماں بردار بچہ ہے تبھی تمہاری اجازت کا طلب گار ہے ورنہ ولید نے تو ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھا۔"
"نہیں ارسلان! ایسا نہیں ہے ولید نے مجھ سے پہلے......"
"بس کاشفہ! سب علم ہے مجھے، تم کب تک ان خوش فہمیوں میں مبتلا رہو گی اور ناخلف اولاد کے کرتوتوں پر پردہ ڈالتی رہو گی اب جاگ جاؤ کاشفہ!" یہ کہہ کر ارسلان جانے لگے پھر دروازے پر رک کر کہنے لگے۔
"جانے والے پلٹا نہیں کرتے کاشفہ! کاش تم نے انہیں آسمانوں پر اکیلے اڑنے کی بجائے زمین پر ساتھ چلنا سکھا دیا ہوتا۔"
کاشفہ انہیں دروازے سے جاتا دیکھتی رہیں اور یہ سوچنے لگیں کہ ہر فیصلے میں ان کے ساتھ کھڑے ہونے والے ارسلان آج کیسے ساری زندگی کے فیصلوں کا بوجھ ان کی اکیلی ذات پر ڈال گئے۔ آج کاشفہ کو احساس ہوا کہ ارسلان تو ان کے ساتھ کھڑے ہی نہ تھے اور بہت سی سرگوشیاں آج انہیں واضح سنائی دینے لگیں۔ بہت کچھ ان کی ذات پر عیاں ہو چکا تھا مگر پھر بھی وہ ایک آخری بار اپنی اولاد کو آزمانا چاہتی تھیں اور اسی ادھیڑ بن میں انہوں نے حمزہ کو فون ملایا۔
"تمہارے ماموں کی موت کے بعد میں اور تمہارے پاپا بہت اکیلا محسوس کررہے ہیں حالانکہ تین تین بیٹوں کی ماں ہوں مگر میرے پاس تو کوئی بھی نہیں۔ بالکل اکیلی ہوں اپنا دکھ خوف اور پریشانی کس سے بیان کروں، کوئی مجھ سے بات کرنے والا نہیں، کوئی غمگسار نہیں، آنسو پونچھنے والا نہیں۔ تمہارے پاپا بھی بہت دکھی ہیں، تم تو میرے سب سے بڑے اور پیارے بیٹے ہو ناں سب سے سمجھ دار۔ مجھے یقین ہے بیٹا کہ تم ہی مجھے سمجھو گے، ہم چاہتے ہیں کہ تم اور ولید بچوں کو لے کر ہمارے پاس آجاؤ۔ فائقہ سے کہو ناں وہ یہیں پاکستان میں رہے اپنی پھوپو کے پاس، میرے بھائی کی اکلوتی نشانی ہے وہ سینے سے لگا کر رکھوں گی۔ بچوں کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئی ہیں، عمر کے بعد اب کینیڈا میں کون ہے تم لوگوں کا، میں بہت ڈر گئی ہوں بیٹا!" اب وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔ "میں چاہتی ہوں ہم سب ساتھ رہیں ایک دوسرے کے پاس، تم ولید سے بھی بات کرو ناں آنے کی۔"
"مما پلیز آپ روئیں تو نہیں۔" اسپیکر سے حمزہ کی آواز کیا ابھری ان کے ٹوٹے دل کو ڈھارس بندھی تھی۔
"میں نے ولید کو معاف کردیا ہے اس کی بیوی کو بھی اپنی بہو تسلیم کرلیا ہے۔ میں نے اور تمہارے پاپا نے ہمیشہ تمہاری خوشی پوری کی ہر مان رکھا۔ اب ماں کی اتنی سی بات مان لو۔" ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ "بیٹا مجھے لگتا ہے کہ میں اور تمہارے پاپا یوں ہی اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ تم دونوں اتنی دور بیٹھے ہو اور جواد تو ہمارے پاس ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں۔ بند کمروں میں ایک دن ہم یونہی مرجائیں گے بیٹا! تم لوگ تو شاید جنازے کو

کندھا دینے بھی نہ پہنچ سکو، ہمیں ایسی گمنام موت مرنے سے بچالو بیٹا!“

”ممّا پلیز آپ روئیں نہیں اور مجھے یوں ایموشنل بلیک میل مت کریں۔ میں بھی آپ سے بہت دنوں سے صاف صاف بات کرنا چاہ رہا تھا' دیکھیں ممّا! میں اور ولید ہم دونوں ہی یہاں سیٹل ہیں' خدانخواستہ ہم آپ لوگوں سے تعلق نہیں توڑ رہے۔ ہم آپ سے ملنے آتے جاتے رہیں گے مگر یہاں ہمارے بیوی بچے ہیں' ہماری اپنی لائف ہے۔ یاد ہے صرف اور صرف آپ کی خواہش تھی کہ میں اور ولید ماموں کے پاس کینیڈا جائیں' اپنا مستقبل بنائیں' بینک بیلنس بنائیں گھر کو سپورٹ کریں تو ممّا یہ سب اتنی آسانی سے نہیں ہوگیا۔ یہ میری اور ولید کی محنت کا نتیجہ ہے جو اتنی جلدی ڈیفنس والا بنگلہ بھی تیار ہوگیا اور آج جب ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ اپنے بچوں کا سوچیں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں کیسے آجائیں؟ آپ نے ہمیشہ بچوں کے بہتر مستقبل کا سوچا' آج اگر ہم وہی کررہے ہیں تو کیا بُرا کررہے ہیں اور فائقہ بھی آپ کے ساتھ کیسے ایڈجسٹ کرپائے گی ممّا آپ خود سوچیں۔“ یہ آخری تیر تھا جو کاشفہ بیگم کو لہولہو کرگیا اور ماضی کسی آسیب کی سی بھیانک شکل بنا کر انہیں ڈرانے لگا۔

آج انہیں اپنا وجود بالکل کھوکھلا محسوس ہورہا تھا۔ وہ تنہا رہ گئی تھیں قریبی رشتے جوان کا غرور تھے کیسے آج سارے فیصلوں کا بوجھ ان پر ڈال کر بری الذمہ ہوگئے تھے۔ اگر ارسلان ان فیصلوں میں ان کے ساتھ نہ تھے تو نرمی یا سختی سے کیسے بھی یہ سب نہ ہونے دیتے پھر شاید آج دونوں کے حصے میں یوں خسارہ نہ آتا۔

ساتھ زندگی گزارنے والا ہمسفر انہیں بے یقین کرگیا تھا کہ اگر بروز قیامت بھی تمام غلطیوں کی ذمہ داری ان پر ڈال کر کٹہرے میں کھڑا کردیا گیا تو اپنے رب کے حضور وہ کیا صفائیاں پیش کریں گی۔ اپنے مجرم ہونے کا احساس ہی انہیں بے جان کرگیا تھا' وہ ڈرگئی تھیں کہ نہاں خلق نقارۂ خدا نہ بن جائے۔

زندگی کا نفع نقصان سوچتے سوچتے تمام رات آنکھوں میں کٹی مگر صبح سپید کیا نمودار ہوئی تمام گھر میں اجالا بکھیر گئی۔ انہیں بے جان در و دیوار میں آج زندگی کی نئی رمق محسوس ہوئی۔ ایک فیصلے نے انہیں بالکل ہلکا پھلکا کردیا تھا۔ وہ سوچ چکی تھیں کہ انہیں سب سے پہلے اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگنی ہے۔ صداقت بھائی اور آسیہ بھابی سے اپنی تمام بدسلوکیوں پر معافی مانگنی ہے اور اپنے گھر کی دائمی خوشیوں کے لیے ان سے جواد کے لیے سدرہ کا ہاتھ مانگنا ہے۔

وہ جان گئیں تھیں کہ انہیں قوم موسیٰ کی طرح ناشکرا نہیں بننا بلکہ اللہ کی عطا کردہ بے حساب نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ وہ آدم وحوا کی اولاد تھیں بھٹک ضرور گئی تھیں مگر نافرمان نہیں تھیں۔ اسی ناشکرے پن نے قوم موسیٰ کو خوار کیا تھا اور اسی حرص اور طمع نے ان کی زندگی سے سکون غارت کردیا تھا ان کے بیٹوں کو ان سے دور کردیا تھا۔

سدرہ کے ہاتھ میں جواد کے نام کی انگوٹھی پہناتے ہوئے وہ آسیہ بھابی کے مطمئن چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ آج ان کے چہرے پر بیٹیوں کی اچھی تربیت اور تندہی سے فرائض کی سبکدوشی پر جو طمانیت اور خوشی تھی وہ بیٹے کی ماں ہونے کے باوجود ان کے چہرے پر ناپید تھی۔ سدرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے کاشفہ کو محسوس ہوا کہ بیٹی کی ماں ہونا کتنا بڑا اعزاز ہے۔ اس کی اچھی تربیت آنے والی نسلوں کی کامیابی وکامرانی کی ضامن ہے۔ بیٹے قبر میں تو اتار سکتے ہیں مگر سچی خوشی سعادت مند اولاد سے حاصل ہوتی ہے۔

❁

دشتِ جنوں

زویا اعجاز

شام کی سرمئی چادر آسمان کی نیلگوں وسعتوں کو اپنی آغوش میں سمیٹنے کو بے تاب تھی۔ دن بھر حصول رزق کے متلاشی طیور اپنے آشیانوں میں لوٹ رہے تھے۔ فضا میں پرندوں کی سریلی تانوں کا الوہی راگ بہت فرحت بخش تھا۔ سفید اور ہلکے سبز کے منفرد رنگوں سے پینٹ شدہ اس سال خوردہ گھر کی دوسری منزل کی مشرقی سمت میں واقع کھڑکی حسب معمول کھلی تھی، لیکن کھڑکی میں موجود اس بوڑھے اور ناتواں وجود کی نگاہیں آج خلاف معمول آسمان اور پرندوں کی بجائے سامنے نظر آنے والے ایک وسیع و عریض میدان پر مرکوز تھیں۔ یہ میدان ویسے تو لوگوں کی چہل قدمی اور لڑکے بالوں کے کھیل کود سے آباد رہا کرتا تھا تاہم اس وقت وہ بقعہ نور بننے کے آخری مراحل میں تھا۔ ماہ و سال کے سرد و گرم سے دھندلائی وہ آنکھیں ایک بے یقینی اور سکتے کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ چند ثانیوں بعد اس ساکت وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اپنی وہیل چیئر کا رخ موڑ کر اس وجود نے بستر کی داہنی تپائی پر سے نظر کا چشمہ اپنی ناتواں آنکھوں پر لگا کر دوبارہ کھڑکی کی راہ لی۔ گویا کسی خاص منظر کی تصدیق درکار تھی۔ باہر وہی منظر نہ صرف برقرار تھا بلکہ چشمے کی مدد سے واضح تر نظر آنے والا وہ عکس پہلے سے زیادہ تکلیف دینے لگا تھا۔ وسیع میدان برقی قمقموں اور مخصوص جھنڈوں سے سجا ہوا تھا۔ ایک بڑی سیاسی پارٹی کی قوت کے اظہار کے لیے دنگل تیار تھا۔ وہ بوڑھی آنکھیں ایک صدمے کی سی کیفیت میں ان جھنڈوں کو دیکھتی چلی گئیں۔ آنسوؤں نے کئی بار پلکوں کی حد بندی کی بغاوت کی ممکن تھا کہ وہ یونہی کھڑکی کے سامنے ایستادہ رہتیں مگر اسی پل ان کے پوتے کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی۔ انھیں یوں گم صم حالت میں دیکھ کر وہ دھیرے سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"کیا ہوا بی جان...... کیوں اتنی اپ سیٹ لگ رہی ہیں؟" بی جان نے تھکی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور ایک بوجھل سانس لیتے ہوئے سامنے میدان کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ وہاں کیا ہے حبہ؟"

"وہاں ایک سیاسی جلسہ منعقد ہونا ہے بی جان۔" حبہ نرمی سے بولی، لیکن وہ اب بھی نہ سمجھ پا رہی تھی کہ بی جان صدیوں کی مسافت گزیدہ کیوں لگ رہی تھیں۔

"وہ سیاسی پارٹی کسی غیر ملک کی ہے کیا؟" انھوں نے ایک انجانی آس میں استفسار کیا۔

"نہیں بی جان! کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ یہاں غیر ملکی سیاسی پارٹی کا بھلا کیا کام۔" حبہ ذرا سا الجھ کر بولی۔

"تو پھر ان کے جھنڈے ایسے نا مانوس کیوں ہیں؟ ہماری پہچان، ہمارا مان سبز ہلالی پرچم کیوں نہیں لہرائے جا رہے یہاں؟" ان کی کراہٹ کسی طور کم نہ ہو رہی تھی۔

"اوہو! بس اتنی سی بات پر پریشان ہو رہی ہیں آپ۔" حبہ بے ساختہ ہنسی۔ "یہ تو ان کی پارٹی کی شناخت ہے بس۔ آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے آپ یہ دوائی لیں اور لیٹ جائیں ورنہ طبیعت بگڑ جائے گی۔"

"شناخت تو بس پاکستان ہے ہماری۔ یہ نوخیز پہچان اور سوچ کہاں سے آ گئی؟" ان کے صدمے کی کوئی حد ہی نہ تھی۔

"آپ کو نہیں پتہ ناں۔ یہ تو یونہی بس ایک پارٹی جلسہ ہے۔ آپ ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں۔ گھر پہ اور کوئی بھی نہیں۔ مجھے کچن میں کافی کام ہیں۔ آپ لیٹ جائیں۔" اس نے سہولت سے ان کے وجود کو بستر پر منتقل کر کے باہر کی راہ لی۔ کمرے میں بی جان خود کو ایک تاریک سرنگ میں محبوس محسوس کر رہی تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ تاریکی میں کچھ جگنو

جگمگانے لگے۔ ان کا بوجھل ذہن ان جگنوؤں کی پکار پر لبیک کہہ کر انھیں مزید بے بس کررہا تھا۔ آج کچھ زخموں کے منہ پھر کھل گئے تھے لیکن نہیں، وہ زخم کب تھے؟ وہ تو ناسور تھے جو وقت کے تیز دھار نشتر سے ایک بار پھر لہو اگلنے لگے تھے۔

......☆☆☆......

"جنت بہت خوب صورت ہوتی ہے۔ وہاں کے دلکش نظارے بصارت جکڑ لینے والے ہوں گے۔" وہ ہمیشہ کم وبیش یہی الفاظ سنتی آئی تھیں لیکن کبھی کبھی سوچتی تھیں۔

"کیا جنت میرے اس سرسبز گاؤں، آنکھوں کو تراوٹ دینے والے سبزے، سایہ دار درختوں، ان رنگ برنگے پھولوں، خوشبوؤں، لہلہاتی فصلوں، پُرسکون حویلی، شفیق والدین اور جان چھڑکنے والے چچا، چچی کی محبتوں سے بھی زیادہ حسین ہوسکتی ہے؟" ان کا بچپن گاؤں کی ان کشادہ گلیوں میں دوڑتے بھاگتے، ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتے گزرا تھا۔

وہ گاؤں کے متمول زمیندار خدا بخش کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں۔ روشن آرا کی زندگی خوشیوں، کھلکھلاہٹوں اور بے فکری کی حسین آماہ جگاہ تھی۔ خدا بخش کے آباواجداد نے اپنی پاک سرزمین سے انگریزوں کے قدم اکھاڑنے کی آخری کوشش میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ اس ناکام سعی کے بعد بھی ان کے ارادے توانا رہے تھے۔ خدا بخش کے والد ایک جہاں دیدہ انسان تھے انھوں نے انگریزی تعلیم کے حصول کو فتوی کفر قرار دینے والوں کی باتوں پر بالکل کان نہ دھرے اور اپنے دونوں بیٹوں کو تعلیم کے ہتھیار سے لیس کیا۔ خدا بخش اور مولا بخش علی گڑھ سے فارغ التحصیل تھے وقت کے نبض شناس اور فلک کج رفتار کے تمام نشیب فراز سے واقف۔ مولا بخش شعبہ تعلیم سے وابستہ تھے اور

نسل کو اپنے ماضی کی شاندار روایات و اقدار سے آشنا کروانے کے لیے انتھک محنت کرتے تھے۔

خدا بخش کے گلشن میں تین پھول کھلے تھے۔ گل بانو، برکت علی اور روشن آرا۔ برکت علی ایک جوشیلا اور محنتی نوجوان تھا۔ خدا بخش تعلیم نسواں کے بھرپور داعی تھے لہٰذا گل بانو اور روشن آرا کی تعلیم پر بھی کوئی قدغن نہ تھی۔

مولا بخش کے دو بچے تھے۔ رحمت علی اور نسیمہ۔ رحمت علی اور روشن آرا کی نسبت بچپن ہی سے طے تھی۔ زندگی ایک پُرکیف ہنڈولے میں جھول رہی تھی لیکن وقت کے اس بیکراں سمندر کی موجوں میں اب تلاطم کے آثار نمودار ہوتے نظر آرہے تھے۔ کون جانتا تھا کہ ایک خونی عفریت سب خوشیاں و زندگیاں نگلنے کو بیتاب تھی۔

☆☆☆☆☆

بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کا آغاز روشن آرا کے خاندان کے لیے ایک انمٹ صدمہ لایا تھا۔ ان کی والدہ مہرالنسا سانپ کے کاٹنے سے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئی تھیں۔ اس سانحہ نے روشن آرا کی زندگی میں ناقابل بیان خلا پیدا کردیا تھا۔ چچی نور بیگم نے انھیں حتی المقدور ماں کی سی شفقت دی لیکن اس انمول رشتے سے محرومی و تشنگی اپنی جگہ برقرار تھی۔

گل بانو کی شادی مولا بخش کے سابقہ متعلم سے کردی گئی۔ وہ کچھ عرصہ اپنے سسرال میں رہنے کے بعد شوہر کے ساتھ صوبہ بنگال مقیم ہوگئی۔ زندگی مزید خاموش ہوگئی تھی۔ روشن آرا اس وقت میٹرک کی طالبہ تھی۔ برکت علی گریجویشن کے پہلے اور رحمت انٹر کے دوسرے سال میں تھا۔ دونوں ہاسٹل میں ہی رہائش پذیر تھے۔ نسیمہ ابھی پرائمری جماعت میں تھی۔ وقت کی تال پر لمحوں کا رقص جاری تھا اور یہ لمحے اپنے جلو میں بہت سی تبدیلیاں لارہے تھے۔

......☆☆☆......

وہ سن چھیالیس کے اواخر دن تھے۔ دردمندان قوم نے کسمپرسی اور جبر و اختیار کی چکی میں پستے ہوئے دینی بھائیوں کے لیے ایک خودمختار ریاست کے قیام کے لیے جو بیڑا اٹھایا تھا، اس کی منزل اب قریب تر ہوتی نظر آنے لگی تھی۔ اس صورت حال نے ہندو و مسلم آبادی میں گریز و کدورت کی ایک واضح حد بندی کردی تھی۔ صدیوں سے باہمی تعاون و رشتہ ہمسائیگی میں پروئے ہوئے افراد ایک بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا تھے۔ رشتوں اور چہروں سے نقاب سرکنے لگے تھے۔ مسلم آبادی میں نمایاں جوش وخروش کی کیفیت نظر آتی تھی۔

"پاکستان" یہ صرف ایک نام نہیں، ایک تمنا، ایک جنون تھا۔ جس نے ان کے دلوں میں انوکھا گداز پیدا کردیا تھا۔ ان کے عشق کا محور محمد علی جناح تھے۔ جنون کے اس سفر میں جناح کو قائد بنائے سرپھروں کا یہ قافلہ اب اپنی منزل کے حصول کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھا۔ عشق تو ازل سے خراج ہی مانگتا آیا ہے اور برصغیر میں سچے عشاق کی کوئی کمی نہ تھی۔

برکت اور رحمت جب بھی گھر آتے تھے پورے گھر میں جوش وولولے کی ایک نئی لہر دوڑ جایا کرتی تھی۔ وہ تحریک پاکستان کے ہر جلسے میں شریک ہونا خود پہ واجب سمجھتے تھے۔ محمد علی جناح ان کے لیے گویا پیرومرشد تھے، جن کا ذکر وہ اہل وعیال کے سامنے انتہائی عقیدت سے کیا کرتے تھے۔ دسمبر کی اس یخ بستہ رات میں بھی وہ سب آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے برکت علی کے قصے سن رہے تھے۔

"ابا جی وقت بہت نازک ہوچلا ہے۔ اپنے دفاع کو مضبوط رکھیے۔ جناح جی کہتے ہیں 'مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے لیکن ابا جی' یہ جو ہندو ہیں ناں' انھوں نے سکھوں کے روپ میں خون آشام درندے تیار کردیے ہیں۔ حویلی میں پہرے مزید بڑھا دیجیے اور بیرونی نقل وحمل میں بھی احتیاط کیجیے۔" خدا بخش نے کہا۔

"ارے میرا پت' کوئی بات نہیں ایسی۔ ہمارے پرکھوں کے وقت سے یہاں سب ہمارے ہمسائے ہیں اور ہمسائے تو ماں جائے ہوتے ہیں تو خوامخواہ وہم نہ کر۔" برکت نے گہرے اضطراب سے کہا۔

"رب سوہنا کرے کہ آپ کی بات صحیح ثابت ہو مگر احتیاط تو اچھی چیز ہوتی ہے ناں ابا جی۔" پھر وہ روشن آرا سے مخاطب ہو کر بولا۔

"روشی...... پتہ ہے جناح جی کہتے ہیں۔ پڑھی لکھی خواتین ہی مضبوط پاکستان بنا سکتی ہیں۔ نئی نسل کی تربیت تعلیم یافتہ مائیں کر سکتی ہیں بس تم اپنی پڑھائی نہ چھوڑنا اور ہاں' حویلی کے عقبی والان میں ہتھیاروں کا استعمال بھی سیکھو۔" روشن یک ٹک اس کی گہری، مضطرب آنکھوں میں دیکھتی چلی گئی اس کا چہرہ ایک حدت سے تمتما رہا تھا۔ روشن سمجھ نہ پا رہی تھی کہ یہ تمتماہٹ آگ کی حدت سے ہے یا جناح جی کے عشق سے۔

برکت علی روزانہ رحمت کو ساتھ لیے گاؤں کے دیگر نوجوانوں کے ساتھ وقت گزارا کرتا تھا۔ ان کی ذہن سازی میں بھی وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں صرف ایک ہی راگ میں بسی تھیں۔

"پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" اور یہی راگ وہ ہر مسلم کے دل میں سمو دینا چاہتا تھا۔ روشن اور رحمت بھی اسی منزل کے راہی بن چکے تھے۔ عام نوجوانوں کی نسبت ان کا باہمی رشتہ عہد و پیمان، میٹھی میٹھی نظروں کے تبادلے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر دھڑکنوں کی اتھل پتھل سے قطعی مبرا تھا۔ ان کے خوابوں کی نگری پاکستان، اسلام اور قومی خود مختاری سے آباد تھی۔

......☆☆☆......

باہر سڑک پر ٹریفک کا اژدہام اب بڑھنے لگا تھا۔ میدان میں سجے پنڈال کی گہما گہمی رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی۔ موٹر سائیکلوں کے انجن کی آوازیں اور نوجوانوں کے نعرے انہیں یک دم حال کی تلخ گھڑیوں میں واپس کھینچ لائے تھے۔ ایک بے ہنگم شور تھا جو روح اور دل کو کثیف کر رہا تھا۔ وہ دھیرے سے اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ کھڑکی سے باہر ایک انوکھا جہان نظر آ رہا تھا۔ اسٹیج پر چند رہنماؤں کی تشریف آوری شاید ہو چکی تھی۔ لاؤڈ اسپیکرز میں چیخ چیخ کر کی جانے والی تقاریر کے الفاظ ہواؤں کے دوش پر انہیں بخوبی سمجھ آ رہے تھے۔ الفاظ بھی کیا تھے؟ خودنمائی اور کسی دوسری پارٹی کی تضحیک میں زمین آسمان کے قلابے تھے۔ کچھ وعدوں، ارادوں کی تجدید نو تھی۔ پھر ایک جملہ نے ان کے پورے وجود کو ایک جھنجھناہٹ میں مبتلا کر دیا۔

"ہم اپنے پڑوسی ملک سے برادرانہ تعلقات استوار رکھنا چاہتے ہیں۔"

"برادرانہ...... تعلقات...... پڑوسی...... آہ......!" یہ تازیانہ ان سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔

......☆☆☆......

روشن آرا کی اسکول سے واپسی ایک تانگے پر ہوا کرتی تھی جس کی کوچوانی ان کے ایک خاندانی ملازم کے سپرد تھی۔ گاؤں کے چند دیگر گھرانوں کی لڑکیاں بھی اس سواری سے مستفید ہوتی تھیں اور اس میں کسی مذہب کی کوئی تخصیص روا نہ رکھی گئی تھی لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے ان کے پڑوسی دینا ناتھ کی بیٹی موہنی ان کی ہمراہی نہ رہی تھی۔ آج اسکول میں روشن نے اس سے استفسار کیا تو وہ نہایت نخوت سے بولی۔

"باپو نے کہا ہے کہ مسلوں کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ تم لوگ پاپی ہو۔ راکھشس ہو۔ ہمارے مندر برباد کر کے یہاں آ بسے ہو۔ ہماری گاؤ ماتا کے ہتھیارے ہو، ہمیں تم سے کوئی سمبندھ نہیں رکھنا۔" ان لفظوں کی دھار روشن کا دل خون کر رہی تھی۔ واپسی کے اس سفر میں اس کا ذہن مسلسل محمد علی جناح کے ان فرمودات میں الجھا ہوا تھا جو گاہے بگاہے برکت اور رحمت سب کے سامنے دہراتے رہتے تھے۔

"ہمارے جناح جی تو کبھی ایسا نہیں کہتے ہیں۔ انھوں نے کبھی ہمیں دیگر اقوام سے نفرت کا درس نہیں دیا۔ بس اب جلدی سے پاکستان مل جائے تو ہر سو محبت کے پھول بوٹے کھلے نظر آیا کریں گے۔" روشن کے دل میں جناح جی کی عقیدت سوا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ان ہی سوچوں میں مگن تھی جب تانگا نہر کے پاس پہنچا۔ وہاں درختوں کے

پاس گاؤں کے وہی سکھ اور ہندو نوجوان جمع تھے، جنہوں نے راہ گیر مسلم خواتین کا ناطقہ بند کیا ہوا تھا۔ کوچوان کی عقابی نگاہوں نے ان کے مذموم ارادے بھانپ لیے تھے۔ وہ غلیل سے گھوڑے پر سنگ زنی کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اس نے ہر ممکن رفتار سے تانگے کو بھگا کر ایک ممکنہ ٹکراؤ سے لڑکیوں کو بچا تو لیا مگر غلیل سے باندھے گئے نشانے اچٹتے ہوئے تانگے میں جتے گھوڑے کو ہلکی سی ضربیں دے گئے ان کی زہر آلود زبان سے نکلے تیر سب کی سماعتوں کو چھلنی کر رہے تھے۔

"وہ مارا پاکستان کو...... اپنی بیبیاں لے کر کہاں جا رہا ہے رے؟" ایک اور نوجوان نے تان لگائی۔

"پاکستان اپنی گود میں خزانے لیے پھر رہا ہے۔ ہم سے کاہے کا پردہ۔" روشن آرا کی طبیعت اس واقعہ سے بے حد مکدر ہو چکی تھی۔ گھر پہنچ کر اس کی خاموشی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ چچی جان کے بے حد اصرار پر بھی اس کے حلق سے کھانے کے نوالے بالکل نہ اتر رہے تھے۔ سہ پہر کے بعد وہ صحن میں نیم کے درخت تلے کتاب ہاتھ میں تھامے پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی جب نسیمہ ہچکیاں لیتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ روشن فوری اس کی طرف لپکی اس کے آنسو پونچھ کر اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا میری چندا کو کاہے کو اتنا رو رہی ہے میری بنو۔" نسیمہ ہچکیوں اور آنسوؤں کے درمیان بولی۔

"آپا...... یہ ملیچھ کیا ہوتا ہے؟ وہ نیتو ہے ناں، مجھے اب اپنے ساتھ کھیلنے نہیں دیتی۔ کہتی ہے تم ملیچھ ہو۔ تم ہمارے ساتھ نہیں کھیلو گی اب۔ میری گڑیا بھی توڑ دی۔ کہتی ہے یہ ملیچھ گڑیا ہے میرے گڈے کے ساتھ نہیں رہے گی۔" روشن کے دل پہ ایک گھونسا سا لگا مگر اس نے نسیمہ کو پیار سے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"چھوڑو چندا تم ان نیتو ویتو کو میں ہوں ناں۔ ہم دونوں کھیلیں گے بھی اور تمھاری گڑیا کی شادی بھی کریں گے۔"

"آپا...... آپ ہر بار ایسے ہی کہتی ہو اور پھر تایا جان کی کتابوں میں گم ہو جاتی ہو۔" نسیمہ منہ بسور کر بولی۔

"ارے نہیں میری گڑیا اب پکا وعدہ۔" روشن نے اسے بھرپور تسلی دی۔ "اب آپ باہر نہ کھیلا کرو۔ بھائی جان نے بھی منع کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپا یہ نیتو کی بچی ذرا مل لے میں اس سے اپنی ساری گڑیا لے لوں گی۔ پھر اس سے پکی والی کٹی کر لوں گی۔"

"ہاں کیوں نہیں اب نسیمہ چندا اور روشن آپا مل کر کھیلیں گے چلو شاباش اب اندر جاؤ اور منہ ہاتھ دھو لو۔" روشن اسے چمکار کر بولی۔

"میری پیاری آپا۔" نسیمہ لاڈ سے اس کے گلے میں جھول کر اندر چلی گئی۔ روشن بھی دکھتے دل میں عہد مصمم کرتی ہوئی اندر چلی گئی کہ اب وہ نسیمہ کو کبھی تنہا نہیں ہونے دے گی مگر اسے کہاں علم تھا کہ یہ وعدہ بھی وفا نہ ہونا تھا۔

......☆☆☆......

خدا بخش اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ آنکھوں میں اضطراب، غم و غصے کی گہری پرچھائیاں ہلکورے لے رہی تھیں۔ آج ہر طرف سے تشویش ناک خبریں ہی مل رہی تھیں۔ صبح انھیں گل بانو کی طرف سے خط موصول ہوا تھا۔ اس نے بنگال کے حالات سے ڈھکے چھپے الفاظ میں انھیں آگاہ کیا تھا۔ خدا بخش بھی اب ہواؤں کا رخ پہچان چکے تھے۔ بادِ سموم نے اقدار و بھرم کے پردے چاک کر دیئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ان کے کوچوان نے دوپہر میں پیش آنے والے واقعہ کی اطلاع دی تھی۔ اسی پل مولا بخش کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بھی تمام تر صورت حال سے واقف ہو چکے تھے۔ تھوڑی سی صلاح مشورے کے بعد انھوں نے اپنے پڑوسی دینا ناتھ کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

......☆☆☆......

دینا ناتھ اس علاقے کا ایک متمول زمیندار تھا اور اب سے پہلے ان کے روابط بہت اچھے چلے آ رہے تھے۔ اس کے ملازم نے خدا بخش اور مولا بخش کو مردانے میں بٹھایا اور اندر اطلاع دینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دینا ناتھ اپنی

بھاری بھرکم جسامت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ آج اس کے انداز میں مخصوص گرم جوشی مفقود نظر آتی تھی۔

"دھنے بھاگ ہمارے! جو آپ ہمارے گھر پدھارے خیر ہے ناں چودھری صاحب؟ آج یہاں کا رستہ کیسے بھول گئے؟" وہ کڑوے لہجے میں بولا۔

"دیکھو دینا ناتھ...... ہم تمہیں صرف یہ کہنے آئے ہیں کہ تمھارے لڑکوں کا اپنے سجن بیلیوں کے ساتھ یوں ہماری بچیوں پر آوازے کسنا کہاں کی تمیز اور شرم ہے؟ انھیں سمجھالو کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ بہنیں بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔" خدا بخش نے تحمل سے جواب دیا۔ دینا ناتھ ایک دم ہتھے سے اکھڑ کر بولا۔

"او جا بھئی جا! پہلے اپنے چھوکروں کو لگام ڈالو جا کر...... یہ جو جگہ جگہ بیٹھ کر وہ پاکستان کے منتر پڑھتے ہیں۔ چھوڑ دیں یہ سب ورنہ......"

"ورنہ کیا...... دینا ناتھ...... ورنہ کیا؟ ہمارے لڑکے کبھی کسی کی عزت کو یوں سر عام نہیں اچھالتے۔ تمھارے دیدوں کا پانی تو لگتا ہے ختم ہی ہوگیا ہے۔ ہماری شرافت کو ہماری کمزوری مت سمجھو تم۔" مولا بخش بھی اپنی برداشت کھو بیٹھے۔ دینا ناتھ کی آنکھوں میں سانپ جیسی چمک بیدار ہوئی اور بولا۔

"دیکھو چودھریو...... تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنے جناح کے پیچھے دم ہلاتے اپنے پاکستان میں گھس جاؤ اور یہ خیال دل سے نکال دو کہ ہم گورداسپور تمہیں نکلنے دیں گے۔ میں اپنے لڑکوں یا ان کے متروں کو کچھ نہیں کہوں گا اور نہ روکوں گا۔ اب چپ چاپ میرے گھر سے چلے جاؤ ورنہ انجام کا ذمہ دار میں نہیں۔" اس کھلی دھمکی پر مولا بخش کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا لیکن خدا بخش نے انھیں آنکھوں کے خفیف اشارے سے چلنے کو کہا۔ گھر پہنچ کر ان دونوں نے مشترکہ فیصلہ کیا کہ دونوں لڑکوں کے علم میں یہ مسئلہ گوش گزار دیا جائے۔ انھیں یقین تھا کہ گورداسپور کے الحاق سے متعلق لالہ دینا ناتھ محض انھیں نفسیاتی دباؤ میں لانا چاہ رہا تھا۔ مسلم اکثریت والے علاقے بھارت لے کر کیا کرتا بھلا؟ وہ تو خود مسلمانوں کا وجود برداشت کرنے سے قاصر تھا۔

"ہمارا گاؤں پاکستان ہی میں شامل ہوگا۔" یہ وہ فقرہ تھا جوان کے جلتے تپتے وجود کو سکون و کیف کی فرحت بخش پھوار برسایا کرتا تھا۔

......☆☆☆......

حویلی کے افراد کی نقل وحمل پر کافی احتیاطی تدابیر نافذ کردی گئی تھیں۔ روشن کے امتحانات تک اس کے ساتھ ایک بندوق بردار بھیجا جاتا تھا۔ امتحانات کے بعد رحمت علی اور اس کا فوری نکاح ہونا تھا۔ برکت اور رحمت بھی ان دنوں اپنی پڑھائی میں بری طرح مشغول تھے۔ دینا ناتھ کی دھمکیوں والے معاملے سے انھیں گاؤں آمد تک لاعلم رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے تئیں حفاظتی اقدامات مکمل کرلیے لیکن تقدیر جب کاری وار کرتی ہے تو قلعوں میں بھی نقب بآسانی لگ جایا کرتی ہے۔

......☆☆☆......

وقت اپنی مخصوص ڈگر پہ رواں دواں تھا۔ برصغیر کے سیاسی افق پر تبدیلی و بے یقینی کے گہرے بادل منڈلا رہے تھے۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی آمد نے تقسیم کے عمل کی گویا منادی کردی تھی۔ آزادی ہند کے ابتدائی اعلان میں مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان میں شامل ہونا قرار پائے تھے۔ گورداسپور کے تمام تر گاؤں وقصبات کے مسلم عوام اس اعلان کے بعد بہت پُرسکون ہوگئے تھے۔ یہ ان کی سادگی ہی تو تھی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ اتنی صدیاں گزارنے کے بعد بھی سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ وہ ہمیشہ عقب سے وار کیا کرتے ہیں۔ برطانوی حکومت نے اپنی ازلی چال بازی سے مسلم گھرانوں میں موجود ہتھیار ایک آئین کی شق قرار دے کر اپنے قبضے میں کرلیے تھے تاکہ تقسیم کا عمل پُرامن طریقے سے انجام تک پہنچ سکے۔ اس عمل کے باوجود مسلمان صرف ایک اعلان آزادی سے مطمئن ہوکر اپنی حفاظت سے لاتعلق ہوگئے تھے۔ تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرانے چلی تھی۔ جنگ احد میں درہ

چھوڑنے کی غلطی نے مسلمانوں کو ایک شکست فاش سے دوچار کیا تھا اور اب بھی کچھ یہی آثار نظر آرہے تھے۔ مسلمان سن انیس سو سینتالیس میں بھی کفار کی چالوں سے اتنے ہی بے خبر تھے جتنے چودہ سو سال پہلے۔

مولا بخش اور خدا بخش بھی اپنی فطری رواداری کے ہاتھوں مغلوب ہوگئے تھے۔ دینا ناتھ سے ہونے والی چپقلش کے بعد ان کے تعلقات میں واضح سرد مہری آئی تھی لیکن اب وہ سوچتے تھے کہ یہ سب یہاں بطور پاکستانی ہماری ذمہ داری ہوں گے۔ سب کچھ پہلے جیسا ہوجائے گا۔ حفاظتی اقدامات میں قدرے تعطل آچکا تھا۔ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی آمد ہوچکی تھی تاہم گاؤں میں مسلسل ایک تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ ہوا میں ہمہ وقت ایک گہری اداسی اور خاموشی کی کیفیت رہتی لیکن ان سب میں ایک فرد ایسا بھی تھا جسے ان تبدیلیوں کی وجوہات یا نتائج سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس کا معصوم ذہن ان عوامل کی گہرائی میں جانے سے قاصر تھا۔

نسیمہ گھر میں سب سے کم عمر اور لاڈلی تھی۔ سیمابی فطرت کی حامل، کسی پارے کی طرح مچلتی اور اٹھکیلیاں کرتی رہتی تھی۔ اب یکایک گھر میں رہنے کی اس پابندی نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ بچپن کی سکھیوں کی تمام تر بے اعتنائیوں کے باوجود اسے ان کے ساتھ کھیلے گئے بے ضرر سے کھیلوں کی یاد اداس کیے رکھتی تھی، لیکن اس بوریت و اداسی کے خاتمے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ روشن اس کے ساتھ حتی المقدور وقت گزارنے کی کوشش کیا کرتی تھی لیکن نکاح کے سلسلے میں کپڑوں اور دیگر تیاریوں میں اسے چچی جان کے ساتھ مصروف رہنا پڑتا تھا۔ نسیمہ گھر میں موجود شادی کے لوازمات دیکھتی تو اسے شدت سے اپنی وہ گڑیا یاد آتی تھیں جو اس نے نیتو کے گڈوں سے بیاہ رکھی تھیں۔

"پتہ نہیں کس حال میں ہوں گی میری گڑیاں؟ نیتو کہتی تھی وہ ملیچھ ہیں۔ ان پہ ظلم کرتی ہوگی وہ تو جیسے ماسی ثریا اپنی بہو پہ کرتی ہے۔ ہائے میری گڑیاں...... بس اب واپس لے آنی ہیں میں نے آپا اور بھیا کی شادی کے ساتھ ہی ان کی بھی دوبارہ شادی کردوں گی۔" اس کا ذہن اکثر یہی تانے بانے بننے میں مشغول رہتا تھا۔ وہ کہاں جانتی تھی کہ لڑکیاں اور گڑیاں جب ناقدروں کے ہتھے چڑھ جائیں تو ان کے نقوش مسخ اور وجود ٹوٹ پھوٹ جایا کرتے ہیں۔

......☆☆☆......

اگست کے اس گرم مرطوب دن کا آغاز ایک ہلچل سے ہوا تھا۔ گل بانو کی طرف سے لکھے گئے خط میں اس کی شوہر کے ساتھ سرکاری ٹریننگ کے سلسلے میں لندن روانگی کی خبر ملی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ روشن آرا کے نکاح میں شریک نہ ہوپائے گی۔ شام تک برکت علی کی آمد متوقع تھی، رحمت نے البتہ تین دن بعد آنا تھا۔ مولا بخش اور خدا بخش کسی کام کے سلسلے میں شہر روانہ ہوچکے تھے۔ روشن کا دل اس دن بہت گھٹن کا شکار تھا۔ اپنی زندگی کے اس اہم ترین موڑ پر ماں کی کمی اس کے دل میں کسی نیزے کی انی کی طرح چبھ رہی تھی اور اب ماں جائی کی طرف سے شادی میں عدم شرکت کے سندیسے نے تو اسے تنہائی کے کسی صحرا میں دھکیل دیا تھا۔ وہ دوپہر سے اپنے کمرے میں بندیاں کی سنبھالی گئی کچھ چیزیں نکال کر اپنے گرد پھیلا کر بیٹھی تھی۔ ایک ایک چیز سے اسے ماں کے وجود سے پھوٹتی خوشبو محسوس ہورہی تھی۔ آنسو تھے کہ بہتے ہی چلے جارہے تھے۔ اسے اپنے گردوپیش کی کوئی خبر نہ رہی تھی۔ چچی جان بھی گھر میں بے انتہا مصروف تھیں۔ نسیمہ پہلے تو ادھر ادھر بولائی بولائی پھرتی رہی پھر اسے عقبی دالان میں موجود دروازے سے باہر جانے کا رستہ مل ہی گیا۔ وہ خوشی و سرشاری کے عالم میں اپنی گڑیوں کے حصول کے لیے نیتو سے ملنے چل دی۔ حویلی کا عقبی راستہ اس نے کبھی دیکھا نہ استعمال کیا تھا۔ لیکن جوش کی اس کیفیت نے اسے کسی خدشے کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور وہ خراماں خراماں منزل سے بے خبر ایک انجان رستے پہ چل دی تھی۔

......☆☆☆......

عصر کی نماز کے لیے مؤذن کی آواز بلند ہوئی تو روشن آرا کو وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ کافی دیر سے اسے نسیمہ

بھی نظر نہ آئی تھی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد اس نے افطاری کی تیاری کی غرض سے باورچی خانہ کا رخ کیا۔ اس وقت وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ باورچی خانے میں اسے چچی جان نظر نہ آئیں۔ ملازمہ سے معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کمرے میں آرام کررہی تھیں۔ نسیمہ کی غیر موجودگی کی طرف ابھی کسی کی بھی توجہ مبذول نہ ہوئی تھی۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے دستر خوان پر جب چچی جان کی آمد ہوئی تو روشن نے مسکرا کر پوچھا۔

"آج نسیمہ کو آپ نے کہاں قید کرلیا ہے کہیں نظر ہی نہیں آئی۔" چچی جان کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

"میں تو سمجھی وہ آپ کے ساتھ مصروف ہے روشن آرا...... مجھے آج دوپہر بخار نے ایسا دبوچا کہ میں اپنے بستر ہی کی ہوکر رہ گئی۔ کہاں ہے نسیمہ آخر؟" ذرا ہی دیر میں حویلی میں نسیمہ کی ڈھنڈیا مچ گئی۔ روزہ کب افطار ہوا، حلق میں کیا گیا؟ وہاں کسی کو کچھ ہوش ہی نہ تھی۔ نماز عشا تک سب ملازمین حویلی کا ایک ایک کونہ ادھیڑ چکے تھے لیکن نسیمہ کہیں ہوتی تو ملتی۔ تراویح کے بعد برکت علی، مولا بخش اور خدا بخش بھی گھر پہنچ چکے تھے۔ نسیمہ کے غائب ہونے کی خبر نے انھیں بھی ایک جنون میں مبتلا کردیا تھا۔ برکت علی انتہائی غیظ وغضب میں تھا۔

"میں بارہا ایک ہی بات کہتا تھا آپ سب سے نال گھر میں پہرہ بڑھادیں۔ احتیاط کریں پر نہیں سنی میری کسی نے کہتا تھا میں کہ ہندو اور سکھ بھیڑیے بنے ہوئے ہیں احتیاط کریں۔ اب کہاں ڈھونڈیں اس پھول جیسے وجود کو اف خدا......! کیا کروں میں۔" وہ شدت غم سے اپنے بال نوچ رہا تھا۔ وہ رات حویلی کے مکینوں کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔

......☆☆☆......

اگلے دن نئے سرے سے گاؤں میں نسیمہ کی تلاش کا سلسلہ شروع ہوا لیکن کوئی سراغ نہ مل رہا تھا۔ تھک ہار کروہ نہر کے پاس درخت تلے بیٹھ گئے۔ تبھی برکت کی نظر ذرا

دور ایک جنگلی کتے پر پڑی جس نے منہ میں ایک انسانی ہاتھ دبا رکھا تھا۔ اس نے ایک وجدانی کیفیت کے تحت اٹھ کر کتے کو بھگایا اور اس ہاتھ کی طرف متوجہ ہوا جس کی پشت پر چاند گرہن کا ایک پیدائشی نشان موجود تھا۔ برکت اپنے ہوش وحواس کھونے لگا۔ تبھی اس کی نظر والد اور چچا پر پڑی جو پھٹی ہوئی نگاہوں سے اسی طرف متوجہ تھے۔ برکت نے نہر کے داہنی سمت موجود درختوں کے جھنڈ میں سرپٹ دوڑ لگائی۔ نسیمہ وہاں موجود ضرور تھی لیکن ایک کٹی پھٹی لاش کی صورت میں۔ دو عدد جنگلی جانور اس کی ٹانگوں کو بھنبھوڑ کر وہاں سے شاید اپنے مسکن میں لے جانا چاہ رہے تھے۔ لیکن اصل قیامت تو اس معصوم پر دو ٹانگوں والے جانوروں کی ڈھائی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ نسیمہ کے بدن پر کپڑے دھجیوں کی صورت میں موجود تھے۔ اس کے نیلو نیل اور خون سے لت پت وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں دانتوں سے بھنبھوڑنے کے نشان نہ ہوں ان تینوں کی بصارت پتھرا چکی تھی۔ خدا بخش نے لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھ کر اپنے کندھے پر موجود صافہ سے اس کا جسم ڈھکا اور اس کا بے جان لاشا اٹھائے گھر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

حویلی میں ایک کہرام برپا تھا۔ چچی جان کو تو سکتہ ہی ہو گیا تھا۔ روشن اپنے آپ کو کسی برف زار میں مقید محسوس کر رہی تھی۔ ایک ملازم کو فوری طور پر رحمت علی کے پاس شہر روانہ کیا گیا۔ برکت کو اپنے وجود میں آتش فشاں پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ خدا بخش نے اسے مختصر لفظوں میں دینا ناتھ کے لڑکوں اور کچھ سکھ گھرانوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔ برکت صرف اتنا کہہ پایا۔

”بہت ظلم کیا ابا جی آپ نے کیوں نہ بتایا پہلے مجھے۔ کہتا تھا میں کہ یہ آستین کے سانپ ہیں ڈس لیں گے۔“ وہ اپنے کمرے میں گیا اور اپنے ساتھ لایا ہوا ایک پستول کپڑوں میں چھپا کر حویلی سے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک ملازم نے سراسیمگی کے عالم میں آ کر بتایا کہ نہر کے پاس اوتار سنگھ اور دینا ناتھ کے لڑکوں کی برکت سے بہت لڑائی ہو رہی ہے۔ مولا بخش نے یہ خبر سنتے ہی اسلحے کے نام پر موجود ایک تلوار تھامی اور ایک ملازمہ سے اندر روشن کو سنبھالنے اور خدا بخش کو اطلاع دینے کا کہہ کر نہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

برکت علی جنون اور طیش کی حالت میں اوتار سنگھ اور دینا ناتھ کے لڑکوں سے ساتھ گتھم گتھا تھا۔ اس کا پستول اس کے ہاتھ سے دور جا گرا تھا۔ وہ اکیلا چھ وحشی سانڈوں جیسی قوت کے حامل ان ڈشکروں کا کب تک مقابلہ کر پاتا۔ مولا بخش نے آگے بڑھ کر ان لڑکوں پر تلوار کے وار کیے ان میں سے ایک نے اپنی شلوار میں چھپا ایک دیسی ساختہ پستول نکال کر خدا بخش کے سینے پر دو فائر کر دیئے۔ نزع کے عالم میں بھی شاید انھیں ایک خیال تو آیا ہی تھا کہ گورا صاحب نے تقسیم کے نام پر سب سے ہتھیار ضبط کیے تھے تو ان لونڈوں کے پاس یہ آتشیں ہتھیار کہاں سے آئے؟ اپنی سادگی و حرماں نصیبی کے اس انکشاف کے ساتھ ہی موت نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ برکت نے دو لڑکوں کو رگید کر اپنے سر کی طوفانی ٹکروں سے ان کے ناک کا بانسہ توڑ ڈالا۔ تبھی دھیرج ناتھ نے مولا بخش کی تلوار پکڑ کر عقب سے اس کی گردن کو تن سے جدا کر دیا۔ وحشت و بربریت کے عالم میں وہ اس کے سر کو ٹھوکروں سے اڑاتے ہوئے حویلی تک لے گئے۔ ایک شقی القلب نے برکت کے ہونٹ اور رخسار چاقو سے چیر کر اس کی زبان کاٹ ڈالی اور درندوں جیسی غراہٹ سے اسے لہرا کر بولا۔

”بڑے منتر پڑھتی تھی یہ پاکستان کے اب پڑھ منتر اب پڑھ۔“ وہ ایک زوردار ٹھوکر سے اس کے سر کو حویلی کے احاطے میں پھینک کر دندناتے ہوئے واپس چلے گئے۔

☆☆☆

قیامت کی آمد اور اثرات کے بارے میں تو انھوں نے بہت سن اور پڑھ رکھا تھا لیکن قیامت قبل از قیامت کی خوف ناکی تو کسی درسگاہ یا تربیت گاہ نے بتائی نہ سمجھائی ایک قیامت ہی تو تھی جس نے ایک ہنستے کھیلتے خاندان کو خزاں رسیدہ بنا دیا تھا۔

رحمت کے آنے کے بعد تینوں جنازے اپنی آخری آرام گاہ میں پہنچادیئے گئے۔ رحمت علی کا دل و روح چھلنی ہو چکے تھے لیکن ضبط کا دامن چھوڑ دیتا تو باقی نفوس بھی زندگی کی بازی ہار جاتے۔ چچی جان اپنے مجازی خدا اور بیٹی کی رحلت پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھیں۔ ذہنی رو نسیمہ کی طرف بھٹکتی تو ہذیانی انداز میں چلانے لگتیں۔

''نسیمہ اپنی سکھیوں کے سنگ کھیل رہی ہوگی۔ شام ہونے کو ہے اسے لے آؤ کوئی، گھر کا رستہ نہ بھول جائے وہ۔ اندھیرے سے ڈرتی بھی تو بہت ہے۔''

ادھر خدا بخش کی حالت بھی ایک بجھتے ہوئے چراغ کی سی ہو چکی تھی۔ وہ اپنی چھاتی پیٹ پیٹ کر بار بار ایک ہی بات دہراتے۔

''برکت پت...... کاش تیری بات مان لی ہوتی میں نے۔ میں تو پڑوسیوں کی مروت میں لٹ گیا۔ ہائے او میر یار با...... میں کیوں اندھا بنا رہا...... کیوں؟'' پھر رحمت سے کہتے۔

''پت رحمت! یہ کیوں ایسا کر رہے ہیں انھیں پتہ تو ہے کہ ہمارا گورداسپور پاکستان میں چلا گیا ہے۔ ہم نے تو انھیں یہ بھی کہا تھا کہ اگر اور کہیں جانا چاہتے ہیں تو ہم انھیں محفوظ رستہ بھی دیں گے۔ پھر بھی ہمارے ساتھ یہ سب ہم تو پرکھوں کے ویلے سے پڑوسی ہیں کچھ تو حیا کرتے۔''

رحمت علی انتہائی کرب سے بولا۔

''یہ کافر بھلا ہمارے بنے ہیں پہلے کبھی جواب بن جاتے۔ میں شہر سے آتے ہوئے اپنے ایک دوست کو ہتھیار یہاں پہنچانے کا کہہ آیا ہوں۔ اب ہم بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔'' رحمت کے ارادے اٹل تھے مگر تقدیر دور کہیں کھڑی ان تدابیر پر خندہ زن تھی۔

......☆☆☆

صدیوں سے آباد ان دو اقوام میں بالآخر تقسیم کی ایک اٹل لکیر کھینچ دی گئی۔ عشق نے اپنی منزل پالی اور وصل کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا لیکن انگریز سرکار نے اپنے اخراج کا ایسا تاوان وصول کیا جو رہتی دنیا تک ان دونوں ممالک میں وجہ تنازع اور ایک ناسور بن کر رہ گیا۔ گورداسپور کا علاقہ بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس گھور ناانصافی کے خلاف احتجاج کس سے اور کون کرتا؟ وہاں تو جنگل کا قانون رائج ہو چکا تھا اور درندے آدم بو کہتے انھیں چیرنے پھاڑنے کو بیتاب تھے۔ آزادی کے اس اعلان کے بعد خدا بخش کا خاندان سوچوں کے ایک نئے بھنور میں گھر گیا تھا۔ اس آرزو کی تکمیل کے انھوں نے جانے کتنے خواب دیکھے تھے لیکن یہ تکمیل ان سب کے لیے خار زار ثابت ہوئی تھی۔ جو قیامت ان پر بیتی تھی اس کے بعد یہاں رہنا صریح خودکشی کے مترادف تھا۔ باہمی رضامندی سے ہجرت کی تجویز پر اتفاق کر لیا گیا مگر کسے معلوم تھا کہ زندگی اب اپنی رنگینیوں اور سنگینیوں سمیت ایک دردناک موت سے بغلگیر ہونے کو تیار تھی۔

......☆☆☆

لالہ دینا ناتھ اور اوتار سنگھ کے لڑکوں کے دلوں میں خونی پیاس موجزن تھی۔ وہ اپنے گاؤں میں مقیم تمام تر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے متمنی تھے۔ ان سب کی پاکستان منتقلی انھیں قطعی گوارا نہ تھی۔ زمینوں پر غاصبانہ قبضے کی ازلی خواہش پوری کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ ان کے ہم خیال کئی سجن بیلی دوسرے علاقوں سے وہاں خونی تماشے کا حصہ بننے موجود تھے۔ انھوں نے شراب کی سینکڑوں خالی بوتلوں میں مٹی کا تیل بھر کر اسی میں بھیگے کپڑوں کو آگ لگا کر بیک وقت مسلم گھرانوں میں آتشیں پتھراؤ شروع کر دیا۔ انتہائی حکمت عملی کے تحت لکڑی کے دروازوں، کھڑکیوں اور اصطبل میں بھوسے کے ڈھیر کو نشانہ بنایا گیا۔ آگ کے نارنجی شعلے مکمل طور پر بھڑک اٹھے تھے اور انسانی جسموں کو سوختہ کرنے کے لیے ہر طرف پھنکارتے پھر رہے تھے۔ قیامت کے بعد عذاب آتش نے اس دنیا ہی میں اپنی جھلک دکھانی شروع کر دی تھی۔

خدا بخش اس رات اختلاج قلب کے باعث بہت بے چینی کا شکار تھے اور صحن ہی میں محو استراحت تھے۔ کھلے آنگن میں ایک بوتل ان کے اوپر آ گری کپڑوں اور لکڑی کی

منقش چارپائی نے فوری آگ پکڑلی۔ رحمت اور ملازمین کے متوجہ ہونے تک وہ مکمل طور پر جھلس چکے تھے۔ رحمت پھرتی و حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زنان خانے سے روشن آرا اور صدمے سے بے حال اپنی والدہ کو باہر کھینچ لایا تھا۔ روشن افراتفری میں بھی اپنی والدہ کی کچھ چیزیں، برکت کی ایک تصویر اور گل بانو کا آخری خط اپنے ہمراہ لینا نہ بھولی تھی۔ حویلی کا عقبی دروازہ ہی اس وقت زندگی بچانے کا واحد رستہ تھا۔ رحمت اور کچھ ملازمین خواتین سے آگے تھے۔ چچی جان اس صورت حال میں خود پر قابو نہ رکھ سکیں اور یک دم چیختی ہوئی واپس اندر لپکیں۔

''میری نسیمہ کو تو لے لو ساتھ...... اسے اکیلا نہیں چھوڑنا اب۔'' وہ بلکتی ہوئی جیسے ہی اندر دوڑیں۔ ایک جلتے ہوئے چوبی دروازے کی لپیٹ میں آ گئیں۔ رحمت ان کے پیچھے سرپٹ دوڑا لیکن موت کی تیز رفتاری کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اپنے سامنے چند قدموں کے فاصلے پر اپنی ارضی جنت سے محرومی کے منظر نے اس کے جسم و جان کو نڈھال کر دیا تھا۔

......☆☆☆......

اپنے پیاروں کو بے گور و کفن چھوڑ جانے کا کرب ان کی روح کے ریشے ادھیڑ رہا تھا لیکن زندگی بڑی ظالم شے ہے۔ اس کے رچائے گئے کھیل تماشوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ اپنی زندگی و آبرو کی حفاظت کے لیے انہیں دیوانہ وار وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ سر پہ آسمان مہربان رہا تھا نہ زمین پر کوئی جائے پناہ تھی۔ بس زندگی اور امان کی تلاش میں ایک مسلسل سفر جاری تھا۔ زادِ راہ کے نام پر صرف حوصلہ اور بقا کی جبلی کوشش تھی۔ ان کے ملازمین پُرخطر راہوں میں تتر بتر ہو گئے جس کے جدھر سینگ سمائے چل دیا۔ انھی جیسے ان گنت دکھی و حرماں نصیب تھے جو کونج سے بچھڑی ڈاروں کی طرح اپنے محور کی تلاش میں تھے۔ سفر جاری رہا قافلے بنتے چلے گئے۔ ہر فرد داستان ہزار رنگ تھا۔ وحشت و بربریت کی ناقابل بیان مثالیں تھیں۔ آبلہ پائی کے اس سفر میں کون سی اذیت تھی جو انھوں نے دیکھی نہ تھی۔ پیاس سے پپڑی زدہ ہونٹ اور حلق میں چبھتے کانٹے سیراب ہونا چاہتے تھے لیکن رستے میں پانی کے ہر منبع کو ازلی دشمن نے زہر آلود کر رکھا تھا۔ ہر جگہ مورچہ بندی تھی خون آشام بھیڑیوں کا ایک غول تھا۔ عورتیں اور انسانی لہوان درندوں کی مرغوب غذا و مشروب تھے۔

رحمت اور روشن کے حوصلے جانے کتنی بار پست ہوئے، امیدیں کئی بار ٹوٹیں مگر منزل کی کشش انھیں انوکھی ہمت دیتی تھی۔ ایک آتشیں اور خونی سمندر کو عبور کرنا قطعی آسان نہ تھا۔ اپنے پیاروں کی یاد انھیں پل پل مارتی تھی اور آخر کار یہ لٹے پٹے مہاجر صدیوں کی سی مسافت کے بعد لاہور پہنچ گئے۔ جنگل ویرانوں میں دشمنوں سے چھپتے ہوئے ان کے بدن بے شمار کانٹوں کا مدفن بن چکے تھے۔ پور پور درد میں ڈوبا تھا۔ پاکستان کی سرزمین دیکھتے ہی روشن آرا کا قطرہ قطرہ پگھلتا دل پل بھر کے لیے ساکت ہو گیا تھا۔ اس ارضِ مقدس تک رسائی کے لیے اس نے اپنا ہر رشتہ کھو دیا تھا۔ اس کے گرد موجود مہاجرین دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے...... مگر اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ قدموں تلے اپنے وطن کی سرزمین ہونے کا احساس اس کے شکستہ وجود کو عجیب سی تقویت دے رہا تھا۔ رحمت کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہم نے سب کچھ اس دھرتی پر نچھاور کر دیا لیکن ہم تہی داماں نہیں ہیں روشن...... یہ وطن ہمارا گھر ہے اور جناح جی اس گھر کے سرپرست۔''

ان دونوں کا زیادہ تر وقت کیمپ میں آنے والے زخمی مہاجرین کی دیکھ بھال میں گزرتا تھا۔ اپنے تن من کی ہوش بھلائے وہ اپنے دینی بہن بھائیوں کی خدمت کرتے رہتے۔ اپنے مستقبل سے وہ قطعی بے نیاز ہو چکے تھے۔

......☆☆☆......

''نہیں چاچا جی...... ہمارا دل نہیں مانتا۔'' رحمت بہت مضطرب تھا۔

''بیٹا...... میں بخوبی تمہارا درد محسوس کر سکتا ہوں لیکن سر پہ چھت کے بغیر کیسے زندگی گزارو گے؟ عورت ذات کا

ساتھ بھی ہے بیٹا اپنا نہیں، اپنی بیوی کا بھی تو سوچو اب تمہاری ذمہ داری ہے وہ۔" بزرگ نے نہایت حلیمی سے اسے سمجھایا۔

رحمت اس وقت کیمپ سے باہر ایک پتھر پر سر نیہوڑائے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک کرسی پر ساٹھ کی دہائی میں موجود غلام رسول بیٹھے تھے۔ غلام رسول امرتسر سے انتہائی مخدوش حالت میں کیمپ میں پہنچے تھے۔ وہ اپنے کنبے کے ساتھ اپنے بھتیجے کی شادی میں شرکت کے لیے امرتسر گئے تھے لیکن اعلان تقسیم کے بعد چلنے والی اس خونی آندھی نے ان کی نسل کا صفایا کردیا تھا۔ کیمپ میں رحمت نے ان کی جی جان سے خدمت کی۔ اسے غلام رسول کے وجود میں اپنے باپ اور تایا کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ طبیعت سنبھلنے پر وہ بھی اس کے حالات سے باخبر ہوچکے تھے۔ لاوارث ہونے کا دکھ انھیں بھی کم اذیت نہ دیتا تھا۔ انھوں نے بے حد اصرار اور سمجھانے بجھانے کے بعد روشن آرا اور رحمت کا نکاح پڑھوادیا تھا۔ یہ نکاح ان کی گم گشتہ محبوب ہستیوں کی آنکھوں میں بسا آخری خواب تھا۔ ان کے بغیر اس فریضہ کی ادائیگی کس قدر سوہان روح تھی یہ کوئی ان دونوں سے پوچھتا۔ اپنی جڑوں سے دوری، تمام تر خونی رشتوں کی جدائی اور اردگرد بکھری مظلوم انسانیت نے ان کا وجود ایک تاریک خلا میں معلق کررکھا تھا۔ ذاتی خوشی اور ازدواجی زندگی کے خواب تاریکیوں میں کہیں دم توڑ چکے تھے غلام رسول نے انھیں حتی المقدور جذباتی سہارا فراہم کیا تھا اور اب وہ رحمت کو کلیم داخل کرنے کے لیے رضامند کررہے تھے۔

"میں کس کس چیز کا کلیم کروں گا چاچا جی۔ صرف گارے پتھر یا اینٹوں کا بنا مکان مل جائے گا مجھے۔ میرے والدین، میری معصوم بہن، میرے تایا جی، بھائیوں سے بڑھ کر میرا دوست ہمدم برکت ان سب کا کلیم کہاں داخل کروں گا۔ یہ سب مجھے کہاں ملیں گے۔ کھو گئے وہ سب اور میری تمنائیں بھی اپنا وجود کھو بیٹھی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں بیٹا' وہ تو ایسے سفر پر روانہ ہوگئے ہیں جہاں واپسی کا کوئی رستہ ہی نہیں۔ میرے جوان جہان بیٹے، میری بہوئیں، بیٹی، پوتے، پوتیاں بھی جنت کے راہی بن گئے۔ میں اکیلا اس عمر میں یادوں کا بوجھ ڈھونے کو رہ گیا ہوں۔ کتنا جی لوں گا اور؟ تم لوگوں کے آگے ساری زندگی پڑی ہے۔ اپنے بڑوں کی وصیت سمجھ کر ایک گھر بسالو بیٹا۔ ایک ایسا گھر جس کی خوشیوں کی ٹھنڈک انھیں عالم ارواح تک پہنچے۔" غلام رسول نڈھال سے لہجے میں بولے۔ رحمت اداسی سے خاموش ہی بیٹھا رہا۔ چند ثانیوں بعد انھوں نے بڑی آس سے اس کی طرف دیکھا اور گویا ہوئے۔

"رحمت بیٹا...... ایک درخواست کروں تم سے؟"

"یوں کہہ کر شرمندہ نہ کریں چاچا جی' آپ حکم کریں۔" رحمت نے تڑپ کر کہا۔

"مجھے وچھوڑا نہ مار سکا۔ میری نسل کا خاتمہ میرے سامنے ہوا وہ ظالم میری آنکھوں کے سامنے سب کو لہولہان کرتے رہے۔ زخم میرے بھی جسم پہ بہت لگے لیکن موت مجھ پہ مہربان نہ ہوئی۔ وہ مجھے نیم مردہ کو مردہ سمجھتے ہوئے وحشی نعرے لگاتے چلے گئے۔ کئی دن گزر گئے پیاس نے جب حلق کو اپنے پنجوں سے ادھیڑنا شروع کیا تو جانتے ہو کیا کرنا پڑا مجھے؟ مجھے اردگرد پھیلے لہو کو اندر انڈیلنا پڑا میری سخت جانی سب جھیل گئی مگر اب مجھے تنہائی ماردے گی۔ میرا گھر رونقوں اور خوشیوں سے مالا مال تھا اب وہاں اکیلے رہنا مجھے پل صراط پر گزرنے سے بھی زیادہ دشوار لگ رہا ہے۔ تم دونوں میرے گھر میں میرے ساتھ رہ لو خدا کے واسطے۔ میری زندگی اب کتنی رہ گئی ہے کون جانے؟ مجھے موت سے پہلے اکیلے پن کی موت سے بچالو۔" وہ کہتے کہتے رو پڑے۔ رحمت نے اٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے اور ڈھارس بندھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ تو ہماری قوت ہیں چاچا جی' آپ ہی یوں بکھر گئے تو ہم جیسے کیا کریں گے؟"

"تو پھر مان لو میری بات۔ میرا اجڑا ہوا چمن آباد کردو۔"

"ٹھیک ہے چاچا جی...... آپ کی خوشی اگر اسی میں ہے تو میں راضی ہوں۔ مجھے یقین ہے روشن کو بھی اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" غلام رسول اس کی رضامندی پا کر نہال ہو گئے اور ایک درد بھری مسکراہٹ سے بولے۔

"خوش رہو بیٹا، تم نے اس کھوکھلے درخت جیسے وجود کو جینے کی ایک نئی وجہ دے دی ہے۔" رحمت نے خاموشی سے انھیں اپنے گلے سے لگالیا۔

......☆☆☆......

غلام رسول کا وہ دو منزلہ کشادہ گھر ان تین نفوس کی ضروریات سے کہیں وسیع تھا۔ پہلی منزل ان کے زیر استعمال تھی اور باہمی رضامندی سے اوپر والے کمرے روشن نے محلے کے بچوں کو پڑھانے کے لیے مختص کردیئے تھے۔ رحمت نے بھی اپنے والد ہی کے شعبہ روزگار کو اپنایا تھا۔ وہ اس قوم کی آنے والی نسل میں ماضی کا تمام تر درد منتقل کر کے ان کے ذہنوں اور سوچ کو آہنی افکار سے مزین کرنا چاہتا تھا۔ غلام رسول نے بھی لڑکوں کو پڑھانے کی ذمہ داری سنبھال کر خود کو کافی حد تک بہلا لیا تھا۔ زندگی رفتہ رفتہ اپنی ڈگر پر چلنے لگی تھی۔ رحمت کی خواہش تھی کہ روشن آرا کسی نہ کسی طرح اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے۔ یہی خواب روشن کی آنکھوں میں بھی بسا تھا۔ اسے برکت علی کا تعلیم نسواں کے لیے وہ جذبہ کبھی بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ رحمت سے روشن کی ذہنی ہم آہنگی بے مثال تھی۔ ان دونوں نے اپنے مشترکہ خوابوں کی تعبیر کے لیے دل میں موجزن درد و کرب کو اپنی تحریک بنالیا تھا۔

......☆☆☆......

روشن آرا کو اپنے ماضی کی بازگشت اکثر بے حال رکھتی تھی۔ ملکی حالات کے ذرا سنبھلتے ہی اس نے گل بانو کو ایک خط لکھ بھیجا تھا۔ خط بھی کیا ایک نوحہ تھا۔ روشن کی خواہش تھی کہ گل بانو پاکستان منتقل ہو جائے۔ ادھر گل بھی مثل ماہی بے آب اپنے وطن واپسی کے لیے تڑپ رہی تھی۔ اس کے کئی سسرالی رشتے داروں نے تقسیم کے اس پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی تھی۔ اس کی واپسی کی خبر نے روشن کے اندر زندگی کی ایک نئی جوت جگا دی تھی۔

......☆☆☆......

ستمبر ۱۹۴۸ کے اوائل دن تھے۔ یادوں کے حبس نے روح پر ایک گھٹن طاری کی ہوئی تھی دل میں ایک انجانے خوف نے کنڈلی مار رکھی تھی۔ عجب سی بے کلی چھائی ہوئی تھی۔ سہ پہر کے بعد تمام تر کاموں سے فارغ ہو کر روشن غلام رسول کی ایک کتاب لیے پچھلے آنگن میں جا بیٹھی۔ نظریں کتاب کی سطروں سے بھی بار بار پھسل رہی تھیں۔ سوچ کا پنچھی آج لمبی اڑان بھرے ہوئے تھا۔ اسی پل اسے ایک مانوس سی خوشبو کے احساس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو گل بانو کو اپنے سامنے موجود پا کر اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تڑپ کر وہ اس سے بغلگیر ہوئی تو ایک ہی پل میں سارے رشتوں سے محرومی کا دکھ آنسو بن کر دونوں بہنوں کی آنکھوں سے بہنے لگا۔ ان آنسوؤں میں کبھی نہ مندمل ہونے والے ان زخموں کی جلن تھی، اپنے لٹے ہوئے کارواں کا ماتم تھا۔ رحمت بھی ان کے پاس موجود تھا لیکن اس نے ہمیشہ کی طرح ضبط کا دامن تھامے رکھا۔

افق پر شام اتر آئی تھی۔ وہ ان سب کو لیے نشست گاہ میں چلا آیا۔ یادوں اور باتوں کا ایک نہ تھمنے والا مینہ برسنے لگا تھا۔ گل کے شوہر محمد رشید نے اپنے آبائی گاؤں میں ہی رہائش کا فیصلہ اختیار کیا تھا۔ گل کے مغربی پاکستان میں سکونت کے اصرار پر اس نے دوٹوک الفاظ میں بس اتنا کہا تھا۔

"یہ پاکستان ہمارا گھر ہے گل بیگم! کیا فرق پڑتا ہے اس گھر کے کس حصے میں رہیں۔ رحمت اور روشن یہاں اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے آرہے ہیں اب ہمارے ذمے بھی اس دھرتی کا بہت قرض ہے۔ ہمیں اس گھر کے ہر گوشے میں بہار لانی ہے۔" گل نے بھی ایک عزم سے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

......☆☆☆......

ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزر گیا تھا۔ گل نے مشرقی

پاکستان روانگی کے لیے رخت سفر باندھ لیا تھا۔ محمد رشید وہاں اپنے مرحوم استاد کے مشن کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ رحمت کے ساتھ مل کر اس نے مستقبل کے لیے جانے کتنے خواب بن ڈالے تھے۔ پاکستان ان کے لیے ایک مقدس ترین ذمہ داری تھی جس کی حفاظت و بقا ان کے لیے سودائے جنوں تھی۔ خوابوں کا ایک قافلہ لیے وہ مشرقی پاکستان روانہ ہوگئے۔ الوداعی لمحات آنسوؤں، امیدوں اور وعدوں سے بوجھل تھے۔ طویل عرصے کے بعد اس مختصر سے ملاپ نے تشنگی مزید بڑھادی تھی۔ روابط کی بحالی کی امیدیں اور اپنے اس نئے گھر کو تقویت دینے کے لیے کچھ ان کہے وعدے تھے۔

ان کی روانگی کے بعد زندگی پھر اسی لگے بندھے معمول پر آگئی تھی۔ بحر حیات کی تلاطم خیز موجیں اب قدرے پُرسکون دکھائی دینے لگی تھیں۔ مگر ایک بے کلی رحمت اور روشن کے دلوں میں ایک بے عنوان اضطراب برپا کررہی تھی۔ جو کسی بھی پل چین لینے نہ دے رہی تھی۔ جانے کیا حادثہ ہونے کو تھا؟

......☆☆☆......

رحمت دو دن سے موسمی بخار میں مبتلا تھا اس کی بیرونی سرگرمیاں مکمل ختم ہوچکی تھیں۔ اس شام روشن دلیہ بنا کر اس کے لیے کمرے میں لائی تو وہ کمرے کی کھڑکی سے باہر خلاؤں میں جانے کیا تلاش رہا تھا۔ وہ آہستگی سے اس کے پاس گئی اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولی۔

''کیا بات ہے جی...... اتنے پژمردہ کیوں ہیں آپ؟'' رحمت نے دھیرے سے سر گھما کر اپنی نصف بہتر کو دیکھا اور نظریں چرا کر بولا۔

''یونہی بس بخار نے نڈھال کررکھا ہے۔'' روشن ہلکے سے تبسم سے بولی۔

''معمولی بخار آپ کو ہلکان کرسکتا ہے بھلا؟ بات تو کچھ اور ہے جو اندر ہی اندر آپ کو پریشان رکھے ہوئے ہے۔'' رحمت ایک پل کے لیے خاموش ہوا اور پھر بولا۔

''روشن...... جانے کیا بات ہے؟ دل ڈوب رہا ہے کسی حادثے کا خوف رگ وپے میں ہلکورے لے رہا ہے کسی انہونی کا عفریت منہ پھاڑے ہولاتا ہے۔'' روشن رنجیدگی سے بولی۔

''میرے بھی یہی احساسات ہیں آج اس دن کی یادیں شدت سے ڈس رہی ہیں جب ہم نے اپنا سب کچھ کھودیا تھا اس دن۔ ہاں اس دن بھی میرا دل یونہی ہلکان اور روح بے حال سی تھی۔ اب کھونے کو کیا رہ گیا ہے جی؟ یہ فلک کج رفتار کب تک آزمائش وآلام کا حشر برپا رکھے گا؟''

''بس دعا ہی کرسکتے ہیں کہ ہمیں ہر آزمائش میں سرخروئی ملے۔'' رحمت تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔ روشن نے بھی اثبات میں سرہلادیا۔

......☆☆☆......

سورج نے اپنی سنہری کرنوں کو دھیرے دھیرے سمیٹنا شروع کردیا تھا۔ روشن صحن میں بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھی۔ رحمت ابھی تک گھر نہ لوٹا تھا اس کی طبیعت کے پیش نظر معمولی تاخیر بھی اسے بہت ہولا رہی تھی۔ چند لمحے سرکے تو وہ دروازے سے اندر آتا دکھائی دیا اس کے قدم بری طرح ڈگمگا رہے تھے اور چہرہ سرسوں کے پھول سے بھی زیادہ زرد تھا۔ روشن فوری طور پر اس کی طرف لپکی لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ پورے وجود سے زمین بوس ہوچکا تھا۔ روشن نے ہراساں ہوکر غلام رسول کو پکارا۔ وہ بھی اسے دیکھ کر متوحش ہوگئے۔ دونوں نے اسے کسی طرح اندر پہنچایا اور ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگے روشن کا وجدان اب مکمل طور کسی بہت بڑے نقصان کا پتہ دے رہا تھا۔ کچھ پل بعد رحمت ہوش میں آیا تو اپنے ضبط کا دامن کھو کر بری طرح بلکنے لگا۔ غلام رسول اسے کندھوں سے جھنجھوڑ کر کہنے لگے۔

''رحمت بیٹا...... ہوش کر کیا ہوا ہے تجھے؟ تو میرا شیر پتر ہے کیا افتاد آن پڑی تجھ پہ؟'' روشن بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ تو اب تک کسی بھی لحہ کمزور نہ پڑا تھا۔ اس کے یہ آنسو کسی لاوے کی سی تپش کی مانند اس کا دل بھی جھلسا رہے تھے۔

"آج ہم یتیم ہوگئے چاچا جی...... ہمارے سروں سے سائبان اٹھ گیا۔ جناح جی بھی چلے گئے ہمیں چھوڑ کر۔ آج ہم صحیح معنوں میں یتیم ہوگئے۔"

غلام رسول بھی یہ سن کر ساکت ہوگئے۔ کمرے میں موجود تینوں نفوس اس وقت ایک قیامت کی زد میں تھے رحمت کی تڑپ نا قابل بیان تھی وہ جو اپنوں کی موت پہ نہ رویا تھا۔ اپنے اس پیرو مرشد کی رحلت پر دیوانگی کی زد میں تھا۔ اس پل وہاں شہر خموشاں کی سی ویرانی طاری تھی صدمہ اس قدر شدید تھا کہ کوئی ذی نفس کسی کی بھی دلجوئی کے قابل نہ رہا تھا۔

......☆☆☆......

بستر پر نیم دراز بی جان کی آنکھیں آج بھی اسی طرح برس رہی تھیں انھوں نے کروٹ بدل کر جگ سے پانی انڈیلا اور گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارنے لگیں۔ آفاقی اصول کے تحت وقت بے شک سب سے بڑا مرہم ٹھہرا لیکن اسی وقت کے دیئے گئے کچھ زخم کبھی مندمل نہیں ہو پاتے اور ایک درد مسلسل بن کر زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ بی جان کو رحمت کی اس دیوانگی کی یاد آج بھی اسی طرح نڈھال کر رہی تھی۔ گھروں کے سربراہ کسی چھت کی مانند ہوتے ہیں جن کے نہ رہنے سے اس گھر کی عمارت پر ہر موسم عذاب بن کر اترتا ہے اور مکین انتشار و بے حسی کی اندھی وادیوں کے راہی بن جاتے ہیں اور رحمت کو وقت کے ان لمحوں نے شاید الہام عطا کردیا تھا کہ ان کا "گھر" اپنے سربراہ سے محرومی کے بعد طوفان کی زد میں آئی ایک کشتی کی طرح تھا۔

......☆☆☆......

"رحمت بیٹا...... اس گلشن کے لیے ابھی مالی سلامت ہیں اللہ انھیں لمبی حیاتی اور ہمت دے تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟" غلام رسول اس وقت اس کے قریب بیٹھے دلاسہ دے رہے تھے۔

"پتہ ہے چاچا جی...... میں اور برکت کئی بار ان کے جلسوں میں گئے تھے ان پر خدا کی کوئی خصوصی رحمت تھی چٹان کی طرح غیر متزلزل اور ایک دم کھرے بندے تھے وہ۔ ان کے وجود سے ایک ڈھارس بندھتی تھی، تحفظ کی غیر مرئی شعاعیں سرایت کرتی تھیں۔ میں ان کے ساتھیوں کے خلوص پہ شبہ تھوڑی کر رہا ہوں پر کاش...... اے کاش قدرت انھیں تھوڑی سی زندگی اور عطا کردیتی وہ اس گھر کی بنیادیں مضبوط کرجاتے۔ اتنی مضبوط جتنی ان کی ذاتی شخصیت تھی، مگر جو رب سوہنے کی مرضی۔" رحمت رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم اپنے حصے کی آبیاری کرتے رہو بیٹا رب نے چاہا تو اس گلشن میں سدا بہار رہے گی بس تم ہمت نہ ہارنا۔" غلام رسول نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ رحمت انھیں ممنون نظروں سے دیکھتا رہا اور خاموشی سے ان کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگالیا۔

......☆☆☆......

وقت کا قلم اپنی داستانیں رقم کرتا چلا جارہا تھا۔ ڈھاکہ میں گل بانو سے خط و کتابت نے دل کا ایک کونہ ہمیشہ آباد رکھا۔ رحمت ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنے مشن میں مصروف سے مصروف تر اور ملکی حالات کے مدوجزر کے باعث خاموش سے خاموش تر ہوتا جارہا تھا۔ روشن نے اپنے بھائی کی آخری خواہش کی تکمیل بڑی لگن سے کرنے کے علاوہ خصوصی تدریسی کورس کیے۔ بارہ سال کا عرصہ اپنے ترکش کے تمام تیر چلاتے ہوئے بیتا تھا روشن نے عام بیویوں کی طرح کبھی بھی رحمت سے وقت نہ دینے اور ناز برداری میں کمی کے گلے شکوے نہ کیے تھے وہ جانتی تھی کہ جناح جی کے اس سپاہی کی زندگی اپنے پیرو مرشد کے خواب کی تکمیل و تقویت کے لیے وقف ہے۔

اولاد کے معاملے میں بھی پروردگار کی خصوصی عنایت رہی تھی دو بیٹوں کے بعد تیسری بار وہ بیٹی جیسی رحمت سے سرفراز ہوئے۔ بیٹی کو بانہوں میں لیتے ہی رحمت علی کی آنکھیں بے طرح بھیگ گئیں۔ وہ خوشی و سرشاری سے چور لہجے میں کہنے لگا۔

"روشی...... دیکھ تو ذرا اس کی آنکھیں اور ہونٹ۔"

روشن نرمی سے بولی۔

"بالکل نسیمہ جیسے ہیں ناں۔ اللہ پاک نے ہمیں ہماری گڑیا لوٹا دی جی۔ اس کی نگہبانی میں اب ہم کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔" اس کی آواز بھیگتی چلی گئی۔ رحمت نے بھی ایک عزم سے سر ہلا دیا۔

......☆☆☆......

باہر پنڈال میں جاری تقاریر اب شاید آخری مراحل میں تھیں کیونکہ صوتی گرج چمک میں ناقابل برداشت اضافہ ہونے لگا تھا۔ ملکی حالات پر نوحہ کنی جاری تھی ملک کو حالت جنگ میں قرار دیا جا رہا تھا۔ اپنی سیاسی قربانیوں کی قصیدہ گوئی بی جان میں شدت سے خواہش پیدا کر رہی تھیں کہ اپنے ناتواں وجود میں کسی طور ہمت پیدا کر کے وہاں جائیں اور ان سے دریافت کریں کہ جنگوں میں فتوحات بلند و بانگ دعوؤں سے کیونکر ممکن ہیں؟ ملکوں کا دفاع چند قربانیوں کا نہیں جنون اور صدق نیت کے مرہون منت ہوتا ہے۔

......☆☆☆......

ستمبر ۶۵ کے آغاز میں ہمسایہ نے پاک وطن کو ذاتی جاگیر سمجھتے ہوئے حملہ کر دیا ان کی دلی نفرت، بغض، عناد و کدورت کا پودا تنومند درخت بن چکا تھا۔ تمام تر باسی ایک مٹھی کی صورت متحد ہو گئے تھے۔ رحمت نے فوری طور پر فوج کو اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کر دیں۔ روشن کا حوصلہ کچھ دیر کے لیے لڑکھڑایا تھا مگر مجازی خدا کے جنون نے اسے لمحاتی کشمکش سے نکال لیا تھا' رحمت کی آنکھوں کی سرخی اور چہرے کی تمازت اس کی اندرونی کیفیت کی غماز تھی۔

"مجھے نسیمہ کی کٹی پھٹی لاش کا تصور بہت اذیت دیتا ہے روشی...... میرا بھائیوں سے بڑھ کر دوست برکت اس کی سر بریدگی اور بے حرمتی۔ میرے باپ کا خاک میں تڑپتا جسم میری ماں اور تایا کی زندہ جلتی لاشیں مجھے آج بھی سونے نہیں دیتیں میرا وہ پیارا گھر جو ایک پل میں خاکستر ہو گیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ بہت قرض ہے مجھ پہ روشی بہت قرض ہے۔ اب میرے اس گھر، میرے جناح جی کے اس تحفے کو وہ چھیننے آئے ہیں۔ میں اب بھی کچھ نہ کر سکا تو تف ہے، مجھ پہ مت روکنا مجھے مجھے سب قرض چکانے کا موقع ملا ہے۔ اپنے خاندان سمیت لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی بے حرمتی کا حساب لینا ہے۔ بس ان کا یوم حساب آن پہنچا ہے۔" روشن کے کہنے کو اب کچھ نہ بچا تھا بحیثیت بیوی اس کے جذبات اپنی جگہ لیکن یہ تمام زخم تو خود اس کے دل کا ناسور بھی تھے۔ ان کے محلے کے کئی افراد رحمت ہی کی طرح سروں پہ کفن باندھے اپنے گھر کے دفاع کو تیار تھے۔ محلے کی بھی خواتین اور بچے خشک چنوں پر سورۃ النصر کی آیات مبارکہ کا ورد کرتے اور کسی نہ کسی فوجی اہلکار کے حوالے کر دیتے زبان سوکھنے لگتی تھی ہونٹ خشک ہوتے تھے لیکن جذبہ ماند نہ پڑتا تھا۔ پڑھی نہ سکتا تھا۔ سترہ روز جاری رہنے والی اس جنگ کے بارھویں روز ہی رحمت نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا۔ سبز ہلالی پرچم میں لپٹے اس کے جسد خاکی سے ایک انوکھی خوشبو پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ چہرے پر ایک الوہی چمک تھی گویا شہادت سے قبل اپنے تمام ارمان پایہ تکمیل تک پہنچا دیئے ہوں۔ اس چمک نے روشن کے وجود میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ زندگی کبھی بھی آسان نہ رہی تھی اور مجازی خدا کی محرومی یہ سفر مزید پر خار بنانے والی تھی لیکن زاد راہ کے طور پر رحمت اپنا تمام تر جنون اور توانائی اسے سونپ گیا تھا۔

اس جنگ میں رب تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کی لاج رکھی۔ اپنے سائبان کی حفاظت میں کامیابی کہیں نہ کہیں ایک اطمینان و سرشاری پیدا کر دی تھی کہ دشمن اب بھی یہ غلطی نہ دہرائے گا۔ لیکن اپنی خوشی و سرشاری میں وہ سب ایک باریک نکتہ فراموش کر گئے تھے کہ ہر بدر کے بعد احد جیسی آزمائش بھی لازمی آتی ہے اور دشمن موذی مرض کی مانند وجود کے کسی کمزور حصے کو نشانہ بنا کر ضرور لوٹتا ہے۔

......☆☆☆......

روشن کی عدت پوری ہوتے ہی اس نے رحمت کے تمام تر تدریسی فرائض سنبھال لیے۔ وقت کا دریا بہتا چلا گیا بچوں کی تربیت سے بھی وہ ایک لمحہ کے لیے غافل نہ

تھی۔ غلام رسول کے روپ میں اللہ نے اس کی بہت ڈھارس بندھا رکھی تھی وہ بے لوث بزرگ اپنے سگے خاندان سے بڑھ کر ان کے ہمقدم رہے تھے۔ موسموں اور تہواروں کا تغیر جاری رہا۔ شوہر کی دائمی جدائی ایک کسک بن کر سدا اس کے ساتھ رہی۔ گل بانو کی گاہے بگاہے آمد زندگی میں ذرا خوشگوار ہلچل لے آیا کرتی تھی' لیکن کچھ سال بعد اس کے روابط میں تعطل آنے لگا۔ ستر کی دہائی شروع ہوچکی تھی۔ بائیس سال پہلے رحمت علی کے خدشات ایک بھیانک روپ لیے اپنی جھلک دکھاتے نظر آنے لگے۔

"سربراہ" کے بعد اس "گھر" کے وارث "دونوں بھائیوں" میں جھگڑے پنپنے لگے۔ "چھوٹے بھائی" کو ہمیشہ سے احساس محرومی کا قلق تھا۔ اس احساس کو چوٹ کھائے "ہمسایہ" نے مزید ہوا دی اور برادرانہ تعلقات میں واضح "دراڑیں" وجود میں آنے لگیں۔ افراتفری و بے حسی کا بازار گرم تھا۔ روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ ریاست کے دو اہم ترین ستونوں حکومت وصحافت کی خاموشی بہت تشویشناک تھی۔ بڑا بھائی کسی شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ روشن نے گل کو بارہا پیغامات بھیجے کہ وہ اس کے پاس منتقل ہوجائے لیکن محمد رشید اپنے پرکھوں کی قبریں چھوڑ کر آنے کو تیار نہ تھا۔ گل کی طرف سے موصول شدہ خطوط میں ان پر بیت رہے حالات کی سنگینی مکمل طور پر مترشح نظر آتی تھی۔ اپنے ایک خط میں اس نے لکھا تھا۔

"میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ گھر بار والدین اور خاندان کی تباہی تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھی اور کیسے جھیل لی؟ بہت بہادر ہو تم۔ ہاں رحمت اور تم ٹھیک ہی کہتے تھے۔ ہواؤں کا رخ بدل جائے گا۔ میرا ویر رحمت آج زندہ ہوتا تو یہ سب سہہ ہی نہ پاتا۔ کاش تمہاری بات مان لی ہوتی۔ مگر اب بہت دیر کردی ہم نے ایک حشر برپا ہوچکا ہے یہاں۔ جن گلوں کی آبیاری محبت وخلوص سے کی تھی جانے وقت کے کس پل کی کوتاہی نے انھیں زہریلا بنا دیا۔ پہلے جھگڑا ہندو اور مسلم کا تھا جو ازل سے جاری تھا لیکن اب یہ کیسا اندھیر مچا ہے مسلمان ہی مسلمان کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ ارے......! ہم تو کلمہ گو ہیں۔ ایک اللہ اور ایک ہی رسول کے پیروکار۔ ہمارا ضابطہ حیات ایک قرآن پاک تو پھر یہ تفرقات کیسے آن پڑے ہیں؟ محمد رشید کی تدریسی سرگرمیاں پابند سلاسل کردی گئی ہیں جانتی ہو کیوں؟ وہ جناح جی کے اتحاد کے داعی ہیں بھول گئے ہیں سب کہ اس گھر کی بنیاد جناح جی نے ہی تو رکھی تھی مگر اب یہ گھر زلزلے کی زد میں ہے اور میں تم جیسی بہادر بھی نہیں میری بہن......" گل کا آخری خط روشن اکہتر کے پت جھڑ میں موصول ہوا اور روشن کا چین وسکون تہہ وبالا کر گیا تھا۔ اس طویل خط میں اس کا درد اور کرب بہت جان لیوا تھا۔

"نفرتوں کی آندھیاں خون آشام بنتی جارہی ہیں محبت، اخوت اور وفا ہار گئی روشن' نفرت، بیگانگی اور بے حسی نے میرے ملک کو ظلمت کدہ بنا دیا۔ جب "گھریلو معاملات" میں کوئی "تیسرا" مداخلت کرنے لگے تو بسے بسائے گھر اجڑ جایا کرتے ہیں۔ ہماری بستیوں میں درندے کھلے گھومتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کسی گھر سے جنازہ نہ اٹھے اور عزتیں پامال نہ ہوں۔ یہ آگ اب بہت قریب آچکی ہے اس کی تپش اور شعلے اپنے سامنے رقصاں نظر آتے ہیں۔ وحشت و بربریت نے انسانیت کا وجود ختم کردیا ہے۔ جب جان لے کر وحشت کو تسکین نہ ملے تو سر کاٹ کر درختوں پر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ موت تو برحق ہے روشی...... لیکن عزت سے محرومی موت سے بھی بدتر ہے۔"

خط کے اس حصے نے روشن کی قوت برداشت ختم کردی تھی وہ تڑپ تڑپ کر اس طوفان کے تھمنے کی دعائیں کرتی لیکن ہونی ہوکر رہتی ہے۔ اجتماعی کوتاہیاں اس گھر کا بٹوارا کر گئیں۔ گل بانو کی طرف سے پھر کوئی خط نہ ملا۔ اس کے ساتھ کیا بیتی روشن کبھی نہ جان پائی۔ اکیلی عورت کے پاس وسائل اور آسرا ہی نہ تھا کہ وہ خود جا کر اپنی بہن کو ڈھونڈ سکے۔ بارہا سوچا کہ غلام رسول کے ساتھ ایک بار تو جائے لیکن بچوں کی تنہائی اور غلام رسول کی شدید علالت اسے

اس سوچ پر عمل پیرا نہ ہونے دیتی۔ جنگ کے خاتمے اور ذرائع مواصلات کی بحالی کے بعد اس نے سینکڑوں خطوط روانہ کیے لیکن سبھی اسے واپس مل جاتے۔ گل کے خاندان کا کوئی بھی فرد ان خطوط کی وصولی کے لیے بقید حیات نہ رہا تھا۔ خدا بخش اور مولا بخش کے اس خاندان کا ایک اور چراغ بجھ چکا تھا۔ رشتوں کی کتاب کا ایک اور باب آنسوؤں اور سسکیوں میں اختتام پذیر ہوگیا تھا۔

روشن کی زندگی کا محور اب صرف اس کے بچے اور رحمت کے خوابوں کی تکمیل تھا جو "گنوا" دیا اس کا ماتم تو تادم حیات رہنا تھا لیکن وقت کا تقاضا تھا کہ جو "باقی" ہے اس کی حفاظت ونگہداشت میں کوئی کمی نہ چھوڑی جائے۔ روشن کولہو کے بیل کی طرح اپنے فرائض کی انجام دہی میں جتی رہی۔ بچے اعلیٰ تعلیم کے بعد ملکی اہم ترین شعبوں میں فرائض سرانجام دینے لگے۔ اس کے پروان چڑھائے گئے دوسرے "پودے" بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے ساتھ مل کر اس نے نوے کی دہائی میں اپنے ایک ذاتی اسکول کی بنیاد رکھی۔ نصف صدی پر محیط اس کی جدوجہد بڑھاپے کی کمزوری اور علالت کے باعث مزید جاری نہ رہ سکی لیکن اس کی آئندہ نسل اس کام کا بیڑہ اٹھائے ہوئے تھی۔

......☆☆☆......

نیم اندھیرے کمرے میں لیٹی روشن آرا کے پردہ بصارت پر اپنی تمام تر زندگی فلم کی کسی ریل کی طرح لہراتی گزر گئی تھی لیکن زندگی تین گھنٹے کی فلم نہیں ہوتی اس کا ہر ایک پل ہزار داستانیں اور اذیت سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ خالی نگاہوں سے کھڑکی کے باہر مناظر دیکھ رہی تھی لیکن ان مناظر کی جگہ اپنی گم گشتہ ہستیوں کا تصور لے لیتا تھا۔ جو خاموش نگاہوں میں لاکھوں شکوے سموئے بزبان خاموشی پوچھ رہے تھے۔

"ہماری قربانیاں یوں بھلادی جائیں گی کیا؟"

کمرے میں اندھیرا اور گھٹن بڑھتے جارہے تھے انھوں نے دقت سے اٹھ کر وہیل چیئر کو تھاما اور کھڑکی کے پاس آگئیں باہر جلسہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا لیکن ان کے وجود میں مایوسی اور کرب کا ایک بیکراں سمندر پھیلا تھا۔ وہ جانے کتنے لمحے برقی قمقموں کو دیکھتی آنسو بہاتی اور اپنی ہی سوچوں سے الجھتی رہیں۔

"میرے یہ لوگ...... یہ انجان اور لاعلم لوگ...... وقت کی سختیوں کا سامنا کیسے کرپائیں گے؟ جناح جی کی اس امانت کے تحفظ کا بار کیسے اٹھا پائیں گے؟ روز حشر ہم کیسے سامنا کریں گے ان سب کا جن کی قربانیوں کے ہم قرض دار ہیں؟" تبھی ان کی سماعت میں ایک معصوم وتوانا آواز پڑی۔

"نہیں ناں...... یہ دیکھو تو سہی...... یہ جھنڈا کتنا کول ہے ناں...... میرے ابی جان کہتے ہیں سبز ہلالی پرچم کے علاوہ ہماری اور کوئی پہچان نہیں۔" انھوں نے اس آواز کے ماخذ کو دیکھنا چاہا تو سڑک پر دائیں جانب ایک آٹھ سالہ معصوم سا بچہ نظر آیا جو اپنے دوستوں کے ساتھ شاید اس جلسہ گاہ کی سجاوٹ دیکھنے آیا تھا۔ پرچم اپنے کندھوں پر لپیٹے، سر پر بھی ایک سبز ہلالی بینڈ باندھے وہ جناح جی کا ہی "ننھا سپاہی" لگ رہا تھا۔ اس کے دوست ایک لمحے کے تذبذب کے بعد اس کے پاس موجود دیگر بینڈز اپنے سروں پہ باندھ کر کاغذی پرچم اپنی سائیکلوں پر لہراتے ہوئے بڑے جوش وخروش سے رخصت ہوگئے۔ روشن آرا کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ کچھ دیر پہلے کی مایوسی پر اس ننھے فرشتے کی آمد اور گفتگو نے جادوئی اثر کیا تھا۔ مایوس تو وہ ہو جو رب کی رحمت کا قائل نہ ہو۔ اسلام کے نام پہ حاصل کیا گیا یہ سفینہ وہ ذات اقدس کیسے بے یارومددگار چھوڑ دیتی۔ جناح جی کے نظریات ابھی بھی کہیں نہ کہیں زندہ تھے۔ یہ ننھے سپاہی اس بیڑے کو سنبھال سکتے تھے۔ انھیں تارکول کی اس سڑک پر اب امیدوں کا ایک چراغاں نظر آنے لگا تھا۔

ڈگری

تمثیلہ زاہد

حنا کچن کی تفصیلی صفائی میں جتی ہوئی تھی‘ اسٹول پر چڑھ کر روشن دان اچھی طرح جھاڑنے کے بعد دھلی ہوئی بوتلوں کو خشک کپڑے سے صاف کرنے لگی۔ کافی دنوں سے وہ کچن کی تفصیلی صفائی کا سوچ رہی تھی‘ کچن کا کارنر صاف ستھرا ہوکر چمک رہا تھا۔ بے ترتیب بوتلوں کو ترتیب سے رکھنے کے بعد وہ خود کو خاصا بوجھل اور تھکن زدہ محسوس کررہی تھی‘ روز کی روٹین کے مقابلے میں آج کام کچھ زیادہ کرلیا تھا۔

”حنا بھابی۔“ وہ چونک کر پلٹی تو دیورانی ارم ہاتھ میں پلیٹیں لیے اسے پکار رہی تھی۔ موٹی موٹی آنکھوں میں ڈھیر سارا کاجل لگائے وہ اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے پھر بولی۔

”بھابی...... ماشاء اللہ آج آپ کا کچن بڑا اور صاف ستھرا لگ رہا ہے۔“

”آج سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ میرا کچن روز ہی صاف ستھرا ہوتا ہے یہ تو آج ایسے ہی سوچا کچن کی کچھ تفصیلی صفائی کرلوں تو ذرا کچن مزید نکھر گیا ہے ورنہ صفائی کا خیال مجھے ہمیشہ رہتا ہے۔“ اس نے ناگواریت سے تصحیح کی۔

”لوکی کا حلوہ بنایا تھا سوچا آپ کے لیے لے آؤں۔“ وہ جٹھانی کا ناگوار رویہ نظرانداز کرتے ہوئے اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

”تم اتنے مشکل حلوے بنا کیسے لیتی ہو‘ ہمارے پاس تو کبھی اتنا فالتو ٹائم نہیں کہ اب حلوے بھی بناتی پھریں۔ کھانا ہی وقت پر پک جائے تو بڑی بات ہے ویسے تمہیں تو عادت ہوگی نہ گاؤں کی جو ہو۔ وہاں ان سب چیزوں کا رواج ہے یہاں شہر میں کوئی نہیں حلوے پکاتا‘ ہاں سوجی کا پکالیتی ہوں کبھی کبھار خاص موقعوں پر۔“ وہ دیورانی کے ہاتھوں سے پلیٹیں تھامتے ہوئے طنز کرتے ہوئے بول رہی تھی۔

”بس بھابی...... اماں ہی نے سب سکھایا ہے آپ کہیں تو آپ کو بھی......“ وہ سادگی سے بولی۔

”نہ بابا نہ...... یہ ہنر تم ہی کو مبارک ہو ویسے حلوے پکاتی مزے دار ہو۔ ہاتھ میں ذائقہ ہے جب ہی ہر سوئٹ ڈش تم سے اچھی بنتی ہے۔“ اس نے صاف گوئی سے حلوہ چکھتے ہوئے تعریف کی جو بے حد لذیذ تھا۔

”شکریہ بھابی جی۔“ وہ خوش ہوکر اپنے پھولے گال اور پھولا رہی تھی۔

”چلو اب میں کچھ گھر کی سمیٹا سمیٹی کرلوں‘ ماسی آنے والی ہوگی۔ اس کا کام تو بس جھاڑو پونچھا کرنا ہے اوپر کا کام تو مجھے ہی کرنا پڑتا ہے۔ تم نے تو اپنے پورشن کی صفائی کرلی ہوگی۔“ وہ خالی برتن رکھتے اس کے آگے کرتے ہوئے عجلت میں بول رہی تھی۔

”جی بھابی...... صبح فجر کے وقت جو آنکھ کھلتی ہے تو عشاء کی نماز پڑھ کر ہی بند ہوتی ہے۔“ وہ سادگی سے بول رہی تھی۔

”ہاں مجھے معلوم ہے تمہاری یہاں بھی روٹین گاؤں جیسی ہے لیکن شہر میں رہنے والے لوگوں کی روٹین اس سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں تو رات بارہ بجے کے بعد بھی دن کا سماں ہوتا ہے پھر تمہارے جیٹھ کی بھی یہی روٹین ہے۔“ گاؤں کے نام پر حنا کا لہجہ طنز بھرا ہوجاتا تھا جسے اب بھی ارم محسوس کررہی تھی۔

”اچھا بھابی جی اب چلتی ہوں‘ چھوٹا عمیر سویا ہوا تھا اٹھ نہ گیا ہو۔ ساس کے پاس لٹا کے آئی تھی۔“ ارم کا لہجہ ہتک کا احساس پاکر مرا مرا سا ہوگیا اس نے پلیٹیں تھام کر بھابی کو اللہ حافظ کہا اور باہر کے دروازے کی جانب بڑھ

گئی۔ حنا سر جھٹک کر اپنے باقی کاموں کو مکمل کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀
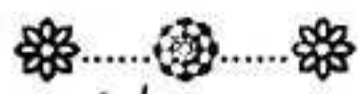
بڑے سے پراندے میں قید لمبی کمر تک جھولتی چوٹی' آنکھوں میں گہرا کاجل اور میک اپ سے ندارد چہرہ لیے دراصل ارم کا تعلق پنجاب کے ایک گاؤں سے تھا۔ ساس کی دور پرے کی رشتہ دار سے حنا ہر دم خائف رہتی' ارم مڈل پاس تھی البتہ گھر داری کے ہر فن میں تاک تھی۔ حنا کو اپنی قابلیت' ڈگری اور اچھے شہری اطوار پر غرور کی حد تک فخر تھا۔ وہ تین برس قبل آنے والی اپنی اس دیورانی کو اس کے مخصوص گنوار پن کے باعث ذہنی طور پر قبول نہ کرپائی تھی۔ اسے ارم سے سخت چڑ تھی وہ ارم کو زیادہ گھاس ہی نہ ڈالتی اپنی اکلوتی بیٹی کی پرورش بھی حنا نے انہی خطوط پر کی۔ گھر داری کے ہر فن سے ناآشنا حنا کو اس بات کی پروا بھی نہ تھی۔

نارتھ ناظم آباد کے چار سو گز کے اس بنگلے کی مالک ساس نے اس گھر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ایک حصے میں بڑے بھائی اور حنا اپنی بیٹی کے ساتھ مقیم تھے جبکہ ساس دوسرے حصے میں چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی تھیں وہ خود بھی سادگی پسند دیہاتی سوچ کی مالک تھیں۔ ارم کے ساتھ زیادہ خوش رہتی تھیں شاید وجہ یہ تھی کہ اس بھاگتی دوڑتی تیز رفتار زندگی کے ساتھ چلنے والی حنا میں وہ خدمت گزاری اور ہنر نہ تھا جو ارم کو حاصل تھا۔

محنت' سلیقہ' خدمت' ہنرمندی اور لطیف حساس جذبوں سے گندھی ارم کے پاس بس ڈگریوں کے انبار نہ تھے۔ وہ اسی احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتی جب حنا ارم کو اپنی ڈگری اور قابلیت کا جھنڈا لہرا کر طنز کرتی تھی۔ ارم کے ہاتھ میں وہ سلیقہ تھا جس کے بل پر وہ اکثر جٹھانی کے دل میں اپنے لیے عزت اور محبت کی جگہ پانے کی خاطر کچھ نہ کچھ پکا کر آتی جاتی رہتی لیکن اس کی ہر کوشش بے سود ہوجاتی۔ جٹھانی اس کا محبت سے بھرا ہاتھ تھامنے کے بجائے طنز کا نشتر چبھو ڈالتی تھی۔ ارم تب اپنا سامنہ لے کر رہ جاتی' وہ دیہاتی لڑکی تھی' سیدھی صاف بات کرنے اور سننے والی......لفظوں کے ہنر سے ناواقف۔

"احسن آپ نے نوٹس کیا کچھ؟" وہ ٹی وی پر چلتے ٹاک شو میں گم احسن سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں کر رہا ہوں نوٹس' دیکھ نہیں رہیں یہ کرپٹ آدمی کیسے جھوٹ پر جھوٹ بولے جارہا ہے۔ ملک کو ان بے ضمیروں نے تباہ کرڈالا ہے۔" احسن کا دماغ ٹی وی پر آنے والے ٹاک شو کی مبالغہ آرائی میں الجھا تھا۔

"میں ان بندروں کی بات نہیں کررہی ہوں' آپ کی بھاوج ارم کی بات کررہی ہوں۔" حنا نے برا سامنہ بنایا۔

"کیوں بھئی کیا ہوگیا......کوئی مسئلہ ہے کیا؟" احسن بیوی کے رازدارانہ انداز کو چٹکی بھر نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ نظریں ٹی وی پر بدستور مرکوز تھیں۔

"عجیب پینڈو لڑکی ہے شادی کو تین برس ہوگئے ہیں

لیکن طور طریقے وہی گنواروں والے۔ کل آپ کی بہن کی دعوت میں اس کا حلیہ دیکھا تھا۔ توبہ..... کیسا بھڑکیلا جوڑا محترمہ نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ سب ہی مذاق بھری نظروں سے موصوفہ کو دیکھ رہے تھے لیکن محترمہ کو کسی بات کی پروا ہی نہیں۔ وہ جو من میں آئے کرتی ہے نہ جانے کیسی احمق دیورانی ملی ہے۔ اماں کو بھی نہ جانے کیا سوجھی اپنے قابل ایم بی اے بیٹے کے لیے دنیا بھر کی انوکھی بہو ڈھونڈ لائی ہیں۔'' حنا گزشتہ رات کا پس منظر آنکھوں میں لہرائے نخوت سے بولی۔

''جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ جب حسن کو اپنی مڈل پاس بیگم سے خار نہیں تو تم کیوں خار کھائے بیٹھی ہو۔ تمہیں اس بات سے کیا غرض وہ کیا پہنتی ہے اور کیسا رہتی ہے؟ مجھ سے حسن دس برس چھوٹا ہے اور اماں کا بے حد لاڈلا۔ حسن نے کبھی اماں کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا جو اپنے پہننے کے کپڑے اماں کی مرضی کے بغیر نہ لیتا ہو وہ بیوی کا انتخاب اپنی مرضی سے کیسے کرلیتا پھر اسے غرض بھی نہیں۔ ان دونوں کی آپس میں اچھی ذہنی ہم آہنگی ہے بس ذرا ارم کے رہنے پہننے اوڑھنے کا اسٹائل دیہاتی انداز لیا ہوا ہے ورنہ تو وہ بہت اچھے دل کی مالک اور محبت سے مل جل کر رہنے والی لڑکی ہے۔ آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی پہننے اوڑھنے کے طور طریقے بھی تھوڑا اسے وقت دو اپنے آپ کو بلاوجہ کی باتوں میں ہلکان نہ کیا کرو۔ خود بھی سکون سے رہو اور دوسروں کو بھی رہنے دو۔'' احسن زچ ہوکر حنا کو سمجھانے کی ناکام کوشش کررہا تھا وہ یہی باتیں کئی بار اس کے منہ سے سن چکا تھا۔

حنا نے ارم کے طور طریقوں کو بلاوجہ ہی اعتراض کی پٹی ڈال کر اپنے سر پر سوار کرلیا تھا جو بات ایک بار حنا کے دماغ پر سوار ہوجائے وہ آسانی سے نکلتی نہ تھی۔ یہاں تو پھر معاملہ دیورانی کا تھا جس کے ساتھ رشتہ زندگی بھر کا تھا۔

''آپ سمجھتے کیوں نہیں' اتوار کے روز آپ کی اکلوتی صاحبزادی کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں' نند صاحبہ نے ہی رشتہ بتایا ہے۔ ایک سال بعد دانیہ کا گریجویشن مکمل ہوجائے گا' لڑکیوں کی شادی جلد ہوجانے کی میں قائل ہوں پھر بقول نند کے' اچھے بھلے لوگ ہیں' اونچی فیملی ہے۔ لڑکا بھی ایک ہی ہے اور اپنے باپ کے ساتھ کاروبار کرتا ہے' خاندانی لوگ ہیں۔ ایسے گھرانوں سے رشتے روز روز نہیں آتے' اپنا امپریشن بھی تو اچھا ہونا چاہیے۔ اسی لیے گھر کی صفائی ستھرائی میں آج صبح سے لگی ہوئی تھی۔ گھر کی ڈیکوریشن کے لیے بھی کچھ سامان لائی تھی۔'' اس نے تفصیل سنائی۔

''پھر مسئلہ کیا ہے؟'' وہ اس کی لمبی تمہید سے تنگ آکر بولے۔

''مسئلہ آپ کی بھاوج ہے' کل کو رشتہ ہوگیا تو کہیں ایسا نہ ہو ارم کو دیکھ کر وہ لوگ انکار کردیں۔'' وہ دل میں آیا وسوسہ زبان تک لا کر بولی۔

''ارم کا اس سارے مسئلہ سے کیا تعلق؟'' احسن زچ ہوتے ہوئے بولا۔

''تعلق ہے نہ احسن..... ایک گھر میں رہتے ہوئے آمنا سامنا تو ہوتا ہے پھر فیملی میں ایسا شخص جس کے اطوار ہی گنواروں والے ہوں' سوچیں ہمارا کیسا غلط امپریشن پڑے گا۔'' وہ تشویش سے بولی۔ اس آنے والے رشتے سے اس کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں' وہ کسی صورت اس رشتے سے دست بردار نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ محل کے ایک کونے میں پڑے اس بدنما داغ کو کیسے چھپائے اس کی فکر اسے دن رات کھائے جارہی تھی۔

آخر اتوار کا دن بھی آ گیا حنا نے رشتے کے لیے آنے والی خواتین کو دیکھا حیران رہ گئی۔ بزرگ خواتین نے غرارے زیب تن کیے ہوئے تھے' اپنے مخصوص روایتی انداز میں وہ لوگ آئے اور خندہ پیشانی سے ملے۔ حنا ان کے رکھ رکھاؤ سے بے حد متاثر ہوئی۔ اتنے پیسے والوں لوگوں کی عاجزی وانکساری سے احسن بھی متاثر تھے۔ کچھ دیر بیٹھ کر وہ لوگ واپس چلے گئے چند دنوں بعد اپنی طرف سے لڑکی کو پسند کرلینے کا عندیہ انہوں نے جب بھیجا تو حنا

پھولے نہ سمائی۔ انہوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے ڈالی جسے حنا نے بخوشی قبول کیا۔

نند کے دور کے سسرالی عزیز تھے احسن اور حنا نے ہاں کردی۔ حنا اس رشتے پر خوش تھی' ان کی بیٹی ایک بڑے معزز گھرانے کی بہو بننے جارہی تھی۔ خاندان بھر میں حنا کی ناک اونچی ہوگئی تھی' وہ مٹھائی لے کر ارم کے پورشن میں جاپہنچی۔

''بہت بہت مبارک ہو بھابی جی۔'' ارم نے خوش دلی سے گلے لگا کر حنا کو مبارک بادی دی۔ حنا بھی خلاف توقع ارم سے گرم جوشی سے ملی۔ رشتہ آناً فاناً طے ہوجانے کی خوشی اسے کچھ زیادہ ہی تھی۔

''خیر مبارک۔'' حنا کہتی ہوئی ساس کے پاس تخت پر بیٹھ گئی۔

''کیسے لوگ ہیں تم نے تو سب طے کرڈالا ہم سے پوچھنے کی زحمت نہ کی۔ ہمیں تو خالدہ بتارہی تھی۔'' ساس نے بیٹی کا نام لے کر بہو سے گلہ کیا جس نے دوروز قبل اس رشتے کے متعلق تفصیل فون پر سنائی تھی۔

''بس پہلا پہلا معاملہ تھا اماں...... خالدہ نے ہی رشتہ بتایا تھا اس کی بھی اس رشتے پر رضا مندی تھی۔ ہم نے جلد ہی ہاں کردی' لوگوں کو دیکھنے جب ہم ان کے گھر گئے تو گھر بڑا اچھا بنا تھا لیکن ان کے اطوار روایتی لگے۔ خالدہ کہہ رہی تھی لوگ بہت اچھے ہیں لیکن پرانے رسم ورواج کے قائل ہیں۔ ہمارے سامنے بھی جتنی کھانے پینے کی اشیار کھی گئی تھیں سب گھر کی خواتین نے خود تیار کی تھیں۔ پریشان ہوں ہاں تو کردی ہے لیکن ایسی سسرال میں اپنی دانیہ نباہ پائے گی۔ اسے تو ڈھنگ سے چائے بھی بنانی نہیں آتی' پلاؤ' بریانی' زردہ اور حلوہ کیسے پکائے گی؟'' حنا شکستہ لہجے میں ساس سے فکرمندی سے بول رہی تھیں اور ساس لبوں پر دھیمی مسکان سجائے پاس بیٹھی ارم کو دیکھ رہی تھیں۔

''آپ فکر نہ کریں بھابی جی' سب ٹھیک ہوجائے گا۔ دانیہ بھی سب سیکھ جائے گی میں اسے سب پکانا سکھا دوں گی' ذرا اپنا امتحان دے لے پھر اسے روز یہاں بھیج دیجیے گا۔'' ارم نے نرمی سے حنا کے گود میں رکھے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

''تمہارا یہ احسان ہوگا مجھ پر۔'' تشکر اور شرمندگی سے حنا کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

''بھابی...... اپنوں میں احسان نہیں ہوتا۔''

''مدمقابل منفی سوچ کا حامل ہو تو راستے پر چلنا مشکل ضرور ہوجاتا ہے لیکن ناممکن نہیں۔ غلط سمت پر چلنے والے لوگ ایک نہ ایک دن صحیح سمت کا تعین ضرور کرلیتے ہیں بس ثابت قدم ہونا شرط ہے۔''

جٹھانی کے منفی رویوں پر روتی دھوتی منہ بسورتی ارم کو اپنی ساس کے کہے جملے یاد آرہے تھے۔ ساس اپنی دونوں بہوؤں کو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے محبت سے باتیں کرتا دیکھ رہی تھیں۔ ارم کا ہاتھ حنا نے تھام رکھا تھا وہ اسے منگنی کے انتظامات کی تفصیل سنارہی تھی۔ منگنی پر پہننے والا جوڑا حنا اپنی طرف سے خود اس کے لیے لے گئی۔ سارے کھانے کے انتظام حنا نے ارم کے سپرد کرڈالے تھے۔

ارم سرخرو نظروں سے ساس کی طرف دیکھ رہی تھی' آج ساس اور اپنی مستقل مزاجی کی بدولت وہ ''ڈگری'' کی مالک ہوگئی تھی اور یہ ڈگری اس کی جٹھانی نے آج اسے بڑی عزت وتکریم سے سونپی تھی۔ آج کا دن اس کے لیے عید کا دن تھا' خوشیاں حنائی ہاتھوں سے جھولی پھیلائے اس کے اطراف میں گنگنارہی تھیں۔

سحرش فاطمہ

''ہیلو......'' میں اپنی ڈرائنگ بک پر سر جھکائے پینسل سے لکیریں کھینچنے میں مگن تھی کہ کسی کی آواز آئی...... میں نے سر اوپر اٹھایا...... مغربی لباس زیب تن کئے گوری سی لڑکی جس کے گھنگریالے بال' ہونٹوں پر لال لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی۔

''ہائے۔'' میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''نئی ہو یہاں؟'' اس نے ساتھ والی ڈیسک پر اپنا لال رنگ کا ہینڈ بیگ رکھا اور اپنے بالوں سے کھیلتے ہوئے پھر سوال کیا...... میں اس کی ہر ادا کو بغور دیکھ رہی تھی۔

''جی آج ہی داخلہ لیا ہے۔'' ہاتھوں کے ناخنوں میں بھی لال نیل پینٹ لگا ہوا تھا۔

''میرا نام میری ہے اور تمہارا؟''

''میرا نام انیلہ ہے۔'' اب وہ میرے ساتھ والی ڈیسک پر آ کر بیٹھ گئی۔ اپنے پرس کو کھنگالا اور چیونگم کا پیکٹ نکالا اور میری جانب بڑھایا۔

''لوگی؟'' میں نے مروت میں لے لی۔

''شکریہ۔''

''ارے اب تو ہم دوست ہیں...... ہیں ناں؟'' اس کی بات پر مجھے پھر سے مسکرانا پڑا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

آرٹس اسکول میں داخلہ لینا میرا شوق تھا مجھے پینٹنگ سے زیادہ اسکیچز بنانے کا شوق تھا...... ڈرائنگ میری اچھی تھی لیکن بس شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا والی بات بس داخلہ لینا تھا سو لے لیا۔

یہاں کافی آزادانہ ماحول تھا......لڑکے لڑکیاں گھل مل کر ساتھ بیٹھتے تھے...... ہنسی مذاق ان کا ہر اسٹوڈنٹ پر شوخ فقرہ پھینکنا۔ میں چپ چاپ رہنے کی عادی' جسے دوست بھی بنانا پسند نہیں تھے بس سلام دعا کی حد تک رہنا پسند تھا۔ وہیں ہمارے استاد صاحب کی ہمہ وقت کوشش ہوتی تھی کہ میری کسی سے دوستی کروا کر ہی دم لیں۔ وہ لڑکی ''میری'' اسے شاید لال رنگ سے عشق تھا جو وہ روز ہی لال رنگ میں نظر آتی تھی۔ کبھی لال کڑا' کبھی لال رنگ کا کرتا' کبھی لال شرٹ' اس کے ساتھ لازماً لال لپ اسٹک اور نیل پینٹ ہوتا اور لال رنگ کے جوتے۔

ہماری کلاس چونکہ ہم سب ابھی نئے تھے اس لئے فقط لکیریں کھینچنے میں لگے ہوئے تھے تاکہ جب اسکیچ کی طرف آئیں تو لکیر ٹیڑھی میڑھی نہ ہو بہرحال...... میری چیونگم چباتی رہتی اور بس ساتھ بیٹھی رہتی اسے بھی شاید لڑکوں سے دوستی کرنے کا شوق نہیں تھا وہ میرے ساتھ ہی رہنا پسند کرتی تھی۔

......☆......☆......

''تم ایک ہفتے سے کہاں تھیں؟'' میں ہمیشہ کی طرح چپ چاپ اپنی ڈیسک پر بیٹھی سر جھکائے اپنی بک میں گم تھی کون آیا گیا مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔

''وہ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور تھوک نگلتے ہوئے گویا ہوئی۔

''تم نے مجھے پریشان کر دیا تھا...... میں روز سوچتی کہ آج آئے گی تو تم سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی اچھا طبیعت کو کیا ہوا تھا اب کیسی ہو؟'' میری نے پیار سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں اب..... کچھ خاص نہیں موسمی فلو تھا تو اس لئے..... خیر۔'' میں نے نظریں چرا کر ہی جواب دیا۔

''اچھا چلو اب تو ٹھیک ہو ناں........ پتا ہے نیا بیچ آیا ہے دوسری کلاس میں۔''

''اچھا تو؟'' مجھے اس بات سے غرض نہیں تھی اس لیے کندھے اچکا کر بے پروائی سے کہا۔

''نہیں بس ایسے ہی بتا رہی تھی۔'' اب وہ بھی اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے جواب دینے لگی میں نے بھی زیادہ بات نہ کی اور استاد کے آنے کا انتظار کرنا شروع کردیا۔ کلاس شروع ہوگئی اور ہم نے اپنا کام شروع کردیا تھے..... ایک لڑکی ہماری کلاس میں آئی۔

''سر ذرا یہ تو دیکھیں........ مجھ سے نہیں بن رہا میری ہیلپ کردیں ناں۔'' اس لڑکی کا انداز مجھے اچھا نہیں لگا..... سانولی سی رنگت دراز قد لمبے کھلے گھنے بال اور اس کی ادائیں.........اف۔

''اوہو اتنا بھی مشکل نہیں...... اچھا تم اُس لڑکی کے ساتھ جا کر بیٹھو وہ بتادے گی۔'' میں چونکہ اسے ہی دیکھ رہی تھی تو سر نے بھی میری طرف اشارہ کرکے کہا۔

''سر مجھے نہیں بیٹھنا بھئی کسی کے ساتھ' آپ ہی سمجھائیں ناں پلیز......'' اس نے آخری لفظ کو کھینچتے ہوئے کہا۔

مجھے اس آرٹس اسکول میں مہینہ ہوگیا تھا اس لحاظ سے یہ لڑکی میری جونیئر تھی' وہ الگ بات میں جس بیچ میں تھی وہ میرے آنے سے پہلے شروع ہوگیا تھا لیکن میں نے جلد ہی پک کرلیا تھا۔

''اس موٹی کے ساتھ بیٹھوں...... ہونہہ۔'' اس نے سپاٹ انداز میں ناک سے مکھی اڑانے کے انداز میں کہا مجھے دیکھ کر میں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''سر بس آپ چلیں میرے ساتھ۔'' وہ لڑکی سر کو لے کر چلی گئی اور مجھے اپنا آپ برا لگنے لگا ہاں ٹھیک ہے میں تھوڑی فربہی مائل ہوں لیکن وہ ایسے کیسے سب کے سامنے کہہ سکتی ہے؟ مجھے وہ لڑکی ویسے بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی اب تو مزید بری لگنے لگی۔

میں چونکہ کسی سے دوستی نہیں کرتی تھی جب تک کوئی خود نہ کرے میں بات بھی بس برائے نام کرتی تھی۔ ایک دن ہم سب بریک میں لائبریری میں جمع تھے چونکہ وہاں بڑی چوکور ٹیبل اور آٹھ چیئرز تھیں اور روم اتنا بڑا تھا کہ دو یا تین اور چیئرز آسکتی تھیں...... میں بھی ان سب کے ساتھ تھی...... میری مجھے اپنے ساتھ رکھتی لیکن میں خاموشی سے سب کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

باتیں بس سنتی کوئی کچھ کہتا تو فقط مسکرانے پر اکتفا کرتی یا جی، نہیں، اچھا، بہتر انہی الفاظ سے بات ختم کر دیتی۔

کچھ لوگوں کا ایک سالہ کورس تھا کچھ کا چھ ماہ کا کچھ کا دو سالہ...... سب کے کورسز الگ تھے جیسے کوئی انٹیرئیر ڈیزائننگ میں تھا کوئی ٹیکسٹائل میں، کوئی آرکیٹیکچر میں تو کوئی میری طرح فائن آرٹس میں تھا۔

لائبریری روم بریک میں ڈائننگ روم میں تبدیل ہو جاتا تھا یا جب کوئی پینٹنگ یا گروپ پینٹنگ وغیرہ ہوتی تو وہیں سب پائے جاتے، اکثریت دوستوں سے ناراضگی کے باعث بھی وہاں چلے جاتے تھے۔

میری اس لڑکی سے دوستی نہیں ہوئی تھی نہ ہو سکتی تھی یہ ایسا مجھے لگا کیونکہ بہرحال اس نے مجھے اس ایک لفظ سے مخاطب جو کیا تھا اب وہی لڑکی میرے سامنے والی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چونکہ ہم بریک ٹائم میں وہاں موجود تھے اس لئے ہر کوئی اپنے چٹورے پن میں مشغول تھا اور ہنسی مذاق میں...... میری بھی میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

''تم گرمیوں کی چھٹیوں میں کہاں جاؤ گی؟'' میری نے ہنوز چیونگم چباتے ہوئے سوال کیا اور میں جو چپس کھانے میں مگن تھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی کہیں تو جاؤ گی ناں، میں تو لندن جاؤں گی۔'' اس نے اپنے گھنگریالے بالوں کو کندھے سے آگے کر کے بڑی نزاکت سے کہا۔

''اوہ...... نہیں ہم آبائی شہر جاتے ہیں کبھی یا پھر گھر پر ہی......'' میں نے بدمزگی سے جواب دیا۔

''اف اتنی گرمی میں اور وہ بھی پاکستان میں کیسے رہ لیتی ہو؟''

''جیسے اب رہ رہے ہیں۔'' ابھی میں جواب دینے ہی لگی تھی کہ اس لڑکی نے جواب دیا اور میں اب اسے دیکھنے لگی۔ ناک بھوں چڑھا کر اس نے جواب دیا اور میں بس اسے ہی بھنویں سکیڑے دیکھنے لگی۔

''اوکم آن پاکستان میں پورا سال کون رہنا چاہتا ہے؟ کم از کم میں تو نہیں ہونہہ۔'' اب کی بار میری نے اُسی انداز میں جواب دیا۔

''تو ابھی بھی یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ کہیں اور جا کر رہو۔'' اس لڑکی جس کا نام بھی میں نہیں جانتی تھی وہ جواب در جواب دیئے جا رہی تھی۔

''میں کیوں جاؤں یہاں سے؟ میرا ملک ہے یہ۔'' اب میری کی بات میری سمجھ سے باہر ہوگئی۔

''مجھے یہاں کے لوگ بھی اچھے نہیں لگتے تو کیا اب میں ان سے بات کرنا بھی چھوڑ دوں؟'' میری نے پھر سے جواب دیا۔

''لو...... تم ڈیسائیڈ کر لو تم آخر چاہ کیا رہی ہو؟ تمہیں پاکستان میں پورا سال رہنا نہیں پسند لیکن پھر بھی یہ ملک تمہارا ہے؟ اور اب یہ کہہ رہی ہو کہ یہاں کے لوگ اچھے نہیں لگتے؟ تو بی بی پھر تو یہاں سے نکل ہی جاؤ۔''

''تم ہوتی کون ہو مجھے یہاں سے نکالنے والی؟ پاکستان جیسا بھی ہے میں کم از کم پاکستان کو تو بُرا نہیں کہہ رہی ناں؟ ہاں یہاں کے لوگ خراب ہیں جن کی وجہ سے پاکستان بھی خراب ہو گیا ہے۔''

''کیا کہنا چاہ رہی ہو میری؟ مجھے لگتا ہے تم کچھ کنفیوز ہو، کبھی کچھ کہہ رہی ہو کبھی کچھ۔'' بالآخر میں نے بھی لب کشائی کر ہی ڈالی۔

''ہاں گندے لوگ ہیں یہاں کے، فضول ذہنیت

کے حامل لوگ' دھوکہ دہی کرنا' چوری کرنا' لڑکیوں کو تاڑنا' ان کے ساتھ برابرتاؤ رکھنا' انہیں آزادی نہیں دینا۔'' میری نے میری بات کا جواب دیا۔

''اوہیلو میڈم...... یہ آزادی نہیں تو اور کیا ہے جس طرح کے لباس پہن کر تم یہاں بیٹھی ہوئی ہوناں اور جو بحث کررہی ہو یہ فریڈم آف اسپیچ نہیں تو اور کیا ہے؟'' وہیں لائبریری میں موجود ایک لڑکے نے کہا۔

''کہاں ہے آزادی؟ تم لڑکوں کا بس چلے تو لڑکیاں برقعہ پہن کر گھر میں بیٹھی رہیں لیکن باہر تم جیسے لڑکوں کو ایسی لڑکیاں چاہیں جس سے آنکھوں کو سکون ملتا ہو؟''

''یہ کیا بات کردی آپ نے؟ یہ تو ہر جگہ ہوتا ہے صرف پاکستان کو ہی کیوں کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہی لڑکے پھر سے بولا۔

''کیوں کہ یہاں بات پاکستان کی ہے' پاکستان میں رہنے والے لڑکوں کی ہے یعنی ان مردوں کی بات جن کا دین و دنیا سب الگ ہے۔ اسلام کے نام پر بات تو کرلیتے ہیں لیکن ان کے اعمال کیا ہیں پوری دنیا جانتی ہے۔'' میری نے بہرحال بات تو صحیح کہیں تھی لیکن وہ پاکستان کو کیوں برا بھلا کہے؟ برداشت نہیں ہوتا۔

''دیکھو ایسے لوگ ہر جگہ ملیں گے' چاہے وہ پاکستان ہو یا کوئی بھی ملک' مردوں کا ہر جگہ دوہرا روپ ہوتا ہے۔''

''نہیں امریکہ' انگلینڈ' لندن وغیرہ میں مرد عورت کو روک نہیں سکتا وہ جو چاہے کرے' جو بھی پہنے' مار پٹائی نہیں ہوتی۔'' میری بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ میری نے اپنی بات کہی۔

''وہاں فحاشی ہوتی ہے تو اب وہ چیز یہاں چاہ

رہی ہو کیا؟'' اس لڑکی نے کہا۔ میرا دل کیا میں اب اس کا نام جانوں۔

''وہاں کے مرد عورت کو گھورتے نہیں ہیں نا ہی ہراساں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میری نے ٹیبل پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

''کیوں کہ ان کے سامنے سب کچھ کھلا ڈھلا ہے میڈم، کس دنیا میں ہیں آپ؟'' اس لڑکی نے پھر سے جواب دیا۔

''ہاں تو اس لیے کہا وہاں لڑکیوں کو آزادی ہے تبھی لڑکوں کو منہ مارنا نہیں پڑتا۔ یہاں کے لڑکے تو تڑپ رہے ہوتے ہیں۔ اسلام کی وجہ سے۔''

''میری پلیز...... ایک طرف کی بات کرو' پاکستان کے بارے میں، پاکستانی لڑکوں پر بات کر رہی ہو تو مذہب کو بیچ میں کیوں لا رہی ہو؟'' مجھے واقعی عجیب لگا۔

''ہاں اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا یہ ملک تو اس میں اسلام موجود ہے' باقی جو جیسا کر رہا ہے وہ اس کے اعمال ہیں اس کے ہم ذمے دار نہیں' ہم اپنے اعمال کے ذمے دار ہیں' آئی سمجھ میری بات۔'' اس لڑکی نے تیز انداز میں کہا۔

''چپ کرو ستاشہ' اس سے بحث کرنا بے کار ہے۔''

''میں نے سچ بات کہی تو برا کیوں لگ رہا ہے؟'' میری نے طنزیہ مسکراتے ہوئے کہا۔

''پہلی بات تو یہ ہمارا جو ملک ہے ناں کن مشکلوں سے ملا ہے وہی سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کیا اور اسلام کی خاطر یہاں آئے' جس پردے کی تم بات کر رہی ہو ناں اس کا اسلام سے ہی لینا دینا ہے لیکن تمہیں کیا؟ تمہیں کرنا ہے کرو نہیں کرنا تو اس کے بارے میں فضول نہ بولو مردوں کی جہاں تک بات ہے ان کی فطرت تم بدل سکتی ہو تو بدل لو لیکن وہ جو بھی کرتے ہیں تم پر ذمے داری نہیں کہ انہیں کچھ بولو ان کا حساب کتاب ہوگا اور صرف ان کا نہیں پورے دنیا کے کونے کونے میں موجود ہر انسان کا حساب کتاب ہوگا۔ ہمارے ملک پاکستان کے لئے فضول بولنے والے لوگ ہمیں پسند نہیں' باہر رہ کر انگریزی طور طریقے سیکھ کر وہاں سے پڑھائی کر کے پاکستان کو نیچا دیکھایا جاتا ہے کیا؟ ہم لوگ جیسے بھی ہوں اچھے برے جیسے بھی پاکستان کے لئے ایک برا لفظ نہیں سن سکتے' دھوکہ دہی' جھوٹے مکار لوگ دنیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں اس لیے صرف اور صرف پاکستان کو ٹارگٹ کرنا چھوڑ دو۔''

''ارے جاؤ...... جاؤ، تقریر کرنا آسان ہے لیکن اس پر عمل کرتا کون ہے؟ اور مجھے اسلام میں بھی کوئی دلچسپی نہیں' میں پیدا بھلے پاکستان اور مسلم فیملی میں ہوئی ہوں لیکن اسلام سے کوسوں دور ہوں اور یہ اچھا ہے مجھے قید کی زندگی نہیں جینی۔'' میری نے یہ بات کہی میرا تو دل ہی اس سے اچاٹ ہونے لگا۔

''واہ کیا بات کہی ہے' قید کی زندگی ہم جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' دوسری جگہ جو لڑکیاں بقول آپ کے برقعہ میں قید ہیں وہ بھی موجود ہیں تو کیا وہ سب قیدی ہیں؟ اسلام کو جانتی بھی ہو سمجھتی بھی ہو؟ مجھے تو نہیں لگتا۔'' ستاشہ نے پاکستان اور اسلام کی طرف داری کرنا شروع کر دی تھی' حالانکہ مجھے اس کا پہناوا بھی خاص پسند نہ تھا اور جس طرح وہ لڑکوں کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہتی تھی وہ بھی اچھا نہیں لگتا تھا لیکن ان سب کے باوجود بھی وہ میری کو اچھا خاصا سنا رہی تھی۔

''بریک ٹائم ختم ہوا سب اپنی اپنی کلاسز میں جائیں۔'' ریسپشنسٹ نے آ کر سب کو کہا اور ہم

سب اٹھنے لگے۔ میری سب سے پہلے باہر نکلی‘ میں ابھی اٹھ ہی رہی تھی کہ نتاشہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔

’’وہ تمہاری دوست ہے؟‘‘

’’نہیں......‘‘ میں نے ہنوز نظریں جھکائے جواب دیا۔

’’اس کو دوست بنانا بھی نہیں۔ اس کی باتوں سے جو ظاہر ہورہا ہے وہ تم بھی سمجھ گئی ہوگی۔‘‘ وہ شاید مجھے سمجھا رہی تھی۔

’’میرے خیال سے مجھے سمجھ بوجھ ہے کسے دوست بنانا چاہیے کسے نہیں۔‘‘

’’میرا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھے اچھی نہیں لگی تم اس کے ساتھ بیٹھی رہتی ہو اس لیے کہا۔‘‘

’’خیر اچھی تو تم بھی مجھے نہیں لگتیں۔‘‘ میں نے بنا مروت کے کہہ دیا۔

’’ہاں میں جانتی ہوں‘ اس دن میں نے تمہیں موٹی کہا تھا اس لیے۔‘‘ مجھے سچ میں غصہ آنے لگا اس نے بات جو دہرائی تھی۔ ’’چلو میں تم سے معافی مانگتی ہوں اپنی اس بات کے لیے۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھ بڑھایا شاید دوستی کے لیے۔

’’اچھا ٹھیک ہے۔‘‘ میں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی پروا نہیں کی۔

’’لوگوں میں یہ تاثر عام ہے کہ ہم نوجوان غلط روش پر ہیں اور ملک سے فرار چاہتے ہیں لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں اس ملک کے نوجوان پاکستان کے لئے کتنا مثبت سوچتے ہیں‘ باہر جا کر ان نوجوانوں کا جو حال ہوتا ہے ناں وہ واپس آنے کے لئے مر رہے ہوتے ہیں اور جو یہاں رہ رہے ہیں وہ پل پل پاکستان کی ترقی کے لیے محنت کررہے ہیں یا اپنے بل بوتے پر باہر جائیں تو پاکستان کا نام اپنے ساتھ ضرور لگاتے ہیں‘ باہر رہنے والے لوگ پھر ہمیں پاکستانی کے طور پر پہچانتے ہیں۔‘‘ نتاشہ کی اس بات نے میرا دل کچھ حد تک جیت لیا تھا‘ خیر جیت تو وہ پہلے ہی چکی تھی۔

مجھے میری کا جس طرح یہ کہنا کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود وہ اسلام کو نہیں مانتی حیرت کا جھٹکا لگا تھا لیکن اس کا نام تو میری تھا میں نے بھی پورا نام نہیں پوچھا میں سمجھی وہ کسی اور مذہب کی ہوگی۔

میں اور نتاشہ مسکراتے ہوئے باہر نکلے ہاں میں نے اس کا دوستی والا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ریسپشن پر جا کر میری کا نام جاننا چاہا تو پتا چلا اس کا نام مائرہ تھا۔

نتاشہ اب میری دوست بن چکی تھی‘ اب میں اسی کے ساتھ ہوتی تھی۔ مجھے وہ بھی آزاد خیال لڑکی لگتی ہے بلکہ وہ ہے بھی لیکن اس کے علاوہ اس کے خیالات اچھے اور مثبت تھے۔ پاکستان کے لیے اپنے آپ کو ایسا کریں کہ لوگ فخر کریں کہ ہاں ہم پاکستانی ہیں۔ اگر بس اسی سوچ میں رہیں کہ پاکستان نے ہمیں کیا دیا یا پاکستان کے لوگوں نے ہمیں کیا دیا تو پھر تو کبھی بھی پاکستان اچھا نہیں لگے گا۔ ایک دفعہ بس یہ سوچ لیں کہ ہم نے پاکستان کو کیا دیا؟ پیار‘ نازیبا الفاظ‘ عزت‘ کیا دیا ہے پاکستان کو...... یا آپ بھی اس ملک کو الزام دیں گے۔

تیرے لوٹ آنے تک

سلمیٰ فہیم گل

(گزشتہ قسط خلاصہ)

تاباں آغا مینا کو دیکھ کر اس کی خوب صورتی کی تعریف کرتی ہے، جبکہ زروہ آغا مینا کے کزن ہونے کا تاباں کو یقین دلاتی ہے، زادیار تاباں کی تعریفوں کو انجوائے کرتا ہے، زروہ تورع کو دیکھ کر چونک جاتی ہے، تورع اپنی بہن آغا مینا کو لینے آتا ہے۔ حسن احمد بخاری شہناز بیگم کو پرانی یادوں کی ایک ڈائری دکھاتے ہیں جس میں سوکھے پھول کی پتیاں موجود ہوتی ہیں ساتھ ہی وہ شہناز بیگم کو ظعینہ اور تورع کی بچپن کی یادگار تصویریں بھی دکھا کر حیران کر دیتے ہیں آغا مینا ارقام سے ظعینہ کو نظر انداز کرنے کی وجہ جاننا چاہتی ہے جس پر ارقام ظعینہ اور زادیار کے حوالے سے بتا دیتا ہے کہ وہ ظعینہ کو پسند کرتا ہے۔ ظعینہ پروجیکٹ میں ایک بار پھر تبدیلی کرنا چاہتی ہے جس پر ارقام برہم ہو کر بشارت صاحب کو ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ جاتا ہے ظعینہ غصہ سے دیکھتی رہ جاتی ہے اور بغیر کسی تبدیلی کے پروجیکٹ چھوڑ کر آفس سے نکل آتی ہے ارقام دوستی کو مقدم جانتے ہوئے ظعینہ سے کچھ نہیں کہتا ہے۔ شہناز بیگم تورع کو زروہ کے گھر چھوڑنے کا کہتی ہیں اور ماں کا حکم مانتے ہوئے تورع زروہ کو چلنے کا کہتا ہے جب ہی زروہ تورع سے اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگنا چاہتی ہے لیکن وہ طنز کے تیر برساتا ہے۔ آغا مینا ظعینہ کو ارقام کے خیال سے آگاہ کرتی ہے۔ جس پر ظعینہ ششدر رہ جاتی ہے تب ظعینہ آغا مینا کو سچ بتاتی ہے کہ وہ اور زادیار صرف کزن ہیں جبکہ ان کی شادی بڑوں نے کرنا چاہی تھی۔ شہناز بیگم حسن بخاری سے زروہ اور تورع کے نکاح کے بعد کی خبر سن کر حیرت زدہ رہ جاتی ہے، وہ اب نکاح کے بعد رخصتی کا مرحلہ طے کرنا چاہتی ہیں جب ہی بھائی اور بھابی سے بات کر کے تاریخ رکھ دیتی ہیں۔ جبکہ ہاشم بیگ زادیار کی شادی اپنی بہن کی بیٹی سے کرنا چاہتے ہیں۔ سالار تورع کی شادی کی تاریخ طے ہونے پر اسے مبارکباد دینے آفس آتا ہے جبکہ تورع اسے ڈانٹ دیتا ہے تورع کے ذہن میں ایک منصوبہ ہوتا ہے۔ جس سے وہ سالار کو بھی آگاہ کر دیتا ہے۔ دوسری طرف زادیار ارقام کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے ارقام حیران ہو جاتا ہے کہ زادیار ظعینہ کے بجائے آغا مینا کو پسند کرتا ہے ارقام کو اب اپنے رویے پر پچھتاوا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☺......☆......☺

کبھی یوں بھی آ مرے روبرو......!
تجھے پاس پا کے میں رو پڑوں!
مجھے منزل عشق پہ ہو یقین!
تجھے دھڑکنوں میں سنا کروں!
کبھی سجا لوں تجھ کو آنکھوں میں!
کبھی تسبیحوں پہ پڑھا کروں!
کبھی یوں بھی آ مرے روبرو!
تجھے پاس پا کے میں رو پڑوں......!

"ظعینہ......ظعینہ......پلیز یار رکو تو سہی۔"

"جی فرمائیے کیا پرابلم ہے آپ کو؟" مسکراہٹ دباتے ہوئے بے پناہ سنجیدگی لیے اور خفگی سے اس کی جانب پلٹی۔

"لیکن اس سے بھی پہلے مجھے اجنبیوں کے ساتھ بے تکلفی بالکل پسند نہیں ہے۔ سو پلیز، مجھ سے بات کرتے ہوئے "تکلف" کا خیال رکھیں۔" اس کی جانب دیکھنے کی غلطی اس نے بالکل نہیں کی تھی۔

"میں جانتا ہوں ظعینہ، تم مجھ سے خفا ہو لیکن......"

"خفا......! ایکسکیوز می مسٹر ارقام ملک، میں ہرایرے

غیرے سے خفا نہیں ہوتی۔ آپ کو اتنی خوش فہمی کس سلسلے میں لاحق ہو رہی ہے۔" کمر پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے خاصے طنزیہ انداز میں استفسار کیا۔

"خوش فہمی کے لیے مجھے کسی سلسلے کی ضرورت نہیں پڑتی مس ظعینہ حسن احمد بخاری۔ خوش فہمی میری آل ٹائم فیورٹ ہابی ہے یو نو ویٹ؟" اس کے طنز کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کسی قدر بے نیازی سے جواب دیا۔

"جی نہیں۔ میں نہیں جانتی اور نہ ہی کچھ جاننے کا شوق ہے۔" سرد وسپاٹ سے انداز میں کہہ کر وہ دوبارہ چلنے لگی۔

"یہ واقعہ کب رونما ہوا؟" ارقام نے مسکراہٹ دباتے ہوئے گہری سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"بس ابھی کچھ دیر قبل۔" وہ بھی ظعینہ تھی، بالکل اسی کے انداز میں دوبدو جواب دیا۔

"او...... اچھا اچھا، بائی داوے سنا ہے آپ جنگ کا ڈنکا بہت اچھے سے بجا لیتی ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں، سو فیصد سچ ہے۔ ذرا بچ کے رہیے گا کیونکہ جب میں جنگ کا ڈنکا بجاتی ہوں تو دشمن لڑے بنا ہی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔" پوری سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے چبا چبا کر کہا۔ ارقام نے سر جھکاتے ہوئے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

"دیٹس گریٹ...... مجھے ایسی ہی قابل خاتون کی تلاش تھی۔"

"واٹ خاتون......! خاتون کسے کہا آپ نے؟" وہ بری طرح اچھلی۔ جیسے کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا ہو۔

"او...... او...... سوری، غلطی سے منہ سے نکل گیا۔ صحیح بات کہتے ہوئے اسے خیال تھوڑا ہی رہتا ہے۔ کمبخت پھسل جاتی ہے۔"

"شٹ اپ مسٹر۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کریں۔ بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں آپ کو۔"

"اچھا...... مگر میں تو آپ کے لیے اجنبی ہوں۔ ٹوٹلی اجنبی، بقول آپ کے۔" اس نے فوراً یاد دلایا۔ وہ ایک پل کو گڑبڑا سی گئی۔ پھر ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔

"جی ہاں، مسٹر اجنبی آپ میرے لیے اجنبی ہی ہیں۔ اسی لیے آپ کو خبردار کر رہی ہوں، کہیں بے خبری میں مارے ہی نہ جائیں۔"

"ارے نہیں جناب، جب آپ جیسی حسین و جمیل ہستی خبردار کرنے والی ہو تو ہمیں کس بات کا ڈر۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"نیک خیال ہے، لیکن میرے خیال سے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ آپ برائے مہربانی اپنے کام سے کام رکھیے اور مجھے میرا کام کرنے دیجیے پلیز۔ بائے۔" کسی قدر ناراضگی اور سنجیدگی سے کہہ کر وہ سرعت سے آگے بڑھ گئی۔ ارقام نے ایک پل کو بغور اس کی لاتعلقی کو جانچا، دوسرے ہی لمحے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"آئم سوری ظعینہ۔" ظعینہ ایک پل کو ٹھٹک کر رکی۔ دوسرے ہی پل بنا کوئی رسپانس دیئے آگے بڑھ گئی۔ جبکہ ارقام دیکھتا رہ گیا۔

"اتنے دنوں کی اذیت کا کچھ تو خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا مسٹر ارقام ملک۔" آہستگی سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے گہری سانس خارج کی۔

☺......☆......☺

"سالار اور تاباں کہاں ہیں؟ مجھے تو کہیں دکھائی نہیں دے رہے؟" اس نے ان دونوں کو پورے گھر میں تلاش کر لیا۔ مگر وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیے تھے۔ اسے ازحد حیرانگی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی حیرت سے تورع سے پوچھا تھا۔ تورع بنا کوئی جواب دیے آرام سے صوفے پر براجمان تھا۔

"تابی اور سالار کہاں ہیں تورع؟" اس سے رہا نہیں گیا تو چند لمحوں بعد دوبارہ سے استفسار کیا۔

"وہ یہاں نہیں ہیں۔" ٹی وی آن کرتے ہوئے اس نے نہایت تحمل اور سکون سے جواب دیا۔

"واٹ......! وہ دونوں یہاں نہیں ہیں اور آنٹی......؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔ تورع نے بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی کو دیکھا۔

"تم تنہائی میں میری موجودگی سے خود کو ان سیکور فیل کررہی ہو؟" اس کا لہجہ سپاٹ اور انداز انتہائی سرد تھا۔ اس کے لہجے و انداز میں نہ حیرانی تھی اور نہ ہی بے یقینی و پریشانی۔

لگتا تھا گویا اس کے لیے یہ کوئی بہت ہی معمولی سی بات ہو۔ جیسے اس میں کچھ عجب نہیں تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے' کوئی دکھائی نہیں دیا تو پوچھ لیا' ڈیٹس اٹ۔" اس نے لولی لنگڑی سی وضاحت دینا ضروری سمجھا۔

"ایسا ہے مسز تورع حسن بخاری' چہروں اور آنکھوں میں رقم تحریر کو پڑھنا بہت زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ بس ذرا سا تجربہ ہونا چاہیے اور بھلے ہمارے تعلقات میں کچھ عرصہ محض خاموشی ہی رہی ہو مگر جسے جاننے کا دعویٰ ہو ان کے نظریات اور سوچ کا وقت کچھ نہیں بگاڑتا' مائنڈ اٹ۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ سگریٹ سلگانے لگا۔ ذروہ نے کسی قدر حیرت اور بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ آنکھوں میں دکھ اور تاسف نمایاں تھا۔

"آپ اسموکنگ کرنے لگے ہیں تورع؟"

"یہ بہت پرانی بات ہے۔" بے نیازی سے جواب دیا۔

"مگر میرے لیے نئی ہے اور ان ایکسپیکٹڈ بھی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ جانتے ہیں مجھے اسموک الرجی ہے۔ پھر بھی آپ......؟" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی اسے کھانسی شروع ہوگئی۔

تورع کو فوری شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس نے بالکل نامحسوس سے انداز میں سگریٹ بجھا کر ایش ٹرے میں پھینک دیا۔

"ایم سوری۔ مجھے خیال نہیں رہا۔"

"آپ کو تو جانے کس کس بات کا خیال نہیں رہا تورع۔" وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔ تورع نے نظر انداز کردیا۔

"تم سے تمہارے جذبوں کا اظہار چاہیے۔"

"میرے جذبے لفظوں کے محتاج کب سے ہوگئے تورع؟ وہ بھی آپ کے لیے' آپ کو تو کبھی لفظوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ یہ آپ ہی کا کہنا تھا شاید؟" آخری جملہ اس نے بڑے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

"جو بھی کہا ہو لیکن بعض صورتوں میں لفظ بہت اہم ہوتے ہیں۔ اگر ان کے لیے الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے تو ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ اپنی وقعت اور حیثیت کھو دیتے ہیں۔ الفاظ حیثیت ہیں اور خاموشی محض ایک سوچ اور اگر سوچ کو الفاظ کا پیراہن نہ پہنایا جائے تو وہ سوچ کسی کے کام نہیں آتی۔ وہ محض سوچ تک ہی محدود رہتی ہے۔ اگر اسے الفاظ دے دیے جائیں تو وہی سوچ عمل کی جانب راغب ہوجاتی ہے۔ الفاظ ہر کسی کی زندگی میں اہمیت رکھتے ہیں۔ میرے لیے بھی بہت اہم ہیں ان فیکٹ اب تو بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ مگر مجھے اپنے جذبوں کو واضح کرنے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کسی کو سمجھنا ہے تو وہ ایسے بھی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ان کے لیے الفاظ بھی بہت کم ہوں گے شاید۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر جذبوں کو الفاظ دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" اس نے آرام سے کہا۔

"مجھے ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہورہی۔" جواباً ذروہ نے کہا۔

"مگر مجھے ہورہی ہے' مجھے اظہار چاہیے۔" وہ بضد ہوا۔

"اوہ...... تو آپ مجھے اس غرض سے یہاں لے کر آئے ہیں۔" وہ استہزائیہ گویا ہوئی۔

"ہاں میں تمہیں اسی لیے یہاں لے کر آیا ہوں۔ سو پلیز......"

"آپ کو مجھ پر' میرے جذبوں پر بے اعتباری ہے' تورع؟"

"اس کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں مسز تورع حسن بخاری۔"

"مگر میں سننا چاہتی ہوں۔"

"آئی ڈونٹ تھنک سو کہ یہ ایسا ضروری ہے۔"

"تو میرے خیال میں اظہار بھی ایسا ضروری نہیں ہے۔" اس نے کسی قدر ناگواری سے جواب دیا۔

"اوکے...... تو پھر آئندہ ہونے والے ہر ری ایکشن

کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ مجھے کسی بھی بات کے لیے الزام مت دینا۔'' اس کے جواب پر اس نے ایک دم سرد و سپاٹ انداز اپنایا تھا۔ ذروہ کے چہرے پر سایا سا لہرا گیا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب و مطالب تمہیں بہت جلد پتا چل جائیں گے۔'' اس کے معنی خیز انداز پر اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ کتنے ہی پل خاموش و ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ یعنی اس کا وجدان کچھ غلط سگنل نہیں دے رہا تھا۔ اس کی اتنی اچانک اور ان غیر متوقع ہاں میں کچھ نہ کچھ اسرار ضرور ہے۔ کوئی بھید پوشیدہ ہے۔ اس کے دماغ میں ضرور کچھ چل رہا ہے۔ ذروہ یکلخت پریشان سی ہوگئی تھی۔

☺......☆......☺
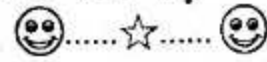
''اف...... واٹ دا ہیل؟'' اچانک اس کے سر پر کوئی چیز زور سے لگی تھی۔ اسے ایک دم غصہ آیا اور وہ کڑے تیور لیے پلٹی۔

''واجد......!'' سامنے کھڑے ڈرے سہمے سے بچے کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ساکت سی ہوگئی۔

''واجد یہ تم ہی ہو ناں؟'' اس نے دوبارہ سے پکارتے ہوئے گویا تصدیق چاہی۔

''تبھی اس کے پہلو میں زادیار آن کھڑا ہوا اور اس کے قریب پڑے ہوئے فٹ بال کو اٹھاتے ہوئے واجد کو تھما دیا۔

''یہ لو واجد آپ جا کر کھیلو۔'' فٹ بال اسے دے کر وہاں سے بھیج دیا۔

''یہ تو واجد ہے ناں یہ یہاں کیسے؟'' وہ ابھی تک اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''اسے میں لے کر آیا ہوں۔'' زادیار نے بتایا۔

''لیکن کیوں اور اس کے پیرنٹس، کچھ خبر ملی ان کی؟'' جب ان لوگوں کی ٹیم فلڈ ریلیف کیمپ کے سلسلے میں مختلف فلڈ ایریاز کا وزٹ کر رہی تھی تبھی ان کی ملاقات واجد سے ہوئی تھی۔ واجد فلڈ متاثرین میں سے ایک فیملی کے ساتھ رہ رہا تھا جو کہ آل ریڈی خاصی بڑی فیملی تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے واجد کو سہارا دیا تھا کیونکہ واجد ان کے گاؤں کا ہی بچہ تھا۔ اس کے والدین کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا اس لیے کچھ لوگوں کے اصرار پر انہوں نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا تھا مگر اب اسے زادیار کے ساتھ دیکھ کر اسے ازحد حیرانگی ہوئی تھی۔

''جس فیملی کے ساتھ یہ رہ رہا تھا وہ اپنے کسی ریلیٹوز کے ہاں چلی گئی ہے اسے وہ ساتھ لے کر نہیں جا سکتے تھے انہی دنوں میرا وہاں جانا ہوا، تمہیں علم ہے کہ اکثر ہمیں وہاں جانا پڑتا ہے تو وہیں میری اس سے ملاقات ہوگئی میں اسے ساتھ ہی لے آیا۔ بالکل اکیلا تھا یہ وہاں اگر میں اسے نہ لے کر آتا تو جانے کیا حال ہوتا اس کا۔ میں نے وہاں کی منیجمنٹ سے رابطہ رکھا ہوا ہے۔ جونہی اس کے والدین یا رشتہ داروں کی خبر ملی تو وہ مجھے بتا دیں گے۔ ویسے مجھے نہیں لگتا کہ اب ان کی کوئی خبر آئے گی۔''

''اور اگر اس کے والدین کا کچھ پتا نہ چلا تو؟'' اس کی جانب تاسف سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''تو اسے میں اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔ یہ یہیں رہے گا میرے ساتھ۔'' زادیار نے کچھ سوچتے ہوئے پوری سنجیدگی اور سچائی سے جواب دیا تھا۔ آغا مینا خاموشی سے واجد کو تنہا کھیلتے ہوئے دیکھنے لگی۔

''میرا ساتھ دوگی آغا مینا؟'' سامنے لگے گلاب کے پھول پر نظریں جماتے ہوئے زادیار نے اسے مخاطب کیا تو آغا مینا بری طرح چونکی۔

''کیا مطلب؟''

''میں کچھ کرنے کا سوچ رہا ہوں جس میں مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔'' اس نے بہت امید کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔

''ایم سوری۔ میں دھوکے بازوں اور خود غرض لوگوں کا ساتھ نہیں دیتی۔'' اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر ازحد بے مروتی سے فٹ سے جواب دیا۔

''یہ جانے بغیر کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟''

''جس گاؤں جانا ہی نہیں اس کے کوس کیا گننا' جب

مجھے آپ میں ہی انٹرسٹ نہیں ہے تو مجھے کچھ بھی جاننے میں بھلا کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟'' اس نے کسی قدر استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔

''کیا تمہارے دل میں میرے لیے کچھ گنجائش پیدا نہیں ہوسکتی آغامینا؟''

''اگر ہو تب بھی میں ایسا نہیں چاہتی۔'' اس نے ٹکا سا جواب دیا۔

''میں اتنا برا بھی نہیں ہوں آغامینا۔'' اس نے قدرے بے بسی سے کہا۔

''میں نے کب کہا کہ آپ برے ہیں اور پھر میں کون ہوتی ہوں کسی کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ کرنے والی' آپ اچھے ہیں یا برے' صحیح یا غلط...... آئی ڈونٹ کیئر اباؤٹ اٹ۔'' اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تھے۔

''مگر مجھے اپنے بارے میں تمہاری رائے مطلوب ہے آغامینا'' اس کے لہجے میں عجیب اسرار تھا۔ جیسے شدت سے خواہش ہو کہ آغامینا اسے جانے اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرے۔ اس کی ذات پہ بات کرے۔ اس کی شخصیت کو کریدے۔ اسے اہمیت دے مگر...... یہ محض اس کی چاہ تھی۔ آغامینا کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔

''میں اتنی اہم نہیں ہوں زادیار' جس کی رائے کے حصول کے لیے آپ کو اتنا اصرار کرنا پڑے اور نہ ہی مجھے اتنی اہمیت کی عادت ہے۔ میں بہت معمولی سی ہوں' بہت ہی عام سی لڑکی' میں اہم نہیں ہوں۔''

''میرے لیے تو ہو نا'' اس نے یکلخت تیزی سے کہا۔ وہ بری طرح سے چونکی۔

''جی......؟'' اس نے خاصی حیرت اور بے یقینی سے دیکھا۔

''ہاں آغامینا' تم میرے لیے بہت اہم ہو' بہت خاص۔'' اس نے بنا کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے واضح اعتراف کیا۔ اب کے وہ حیران قطعی نہیں ہوئی تھی۔

''مگر میں ایسا ہرگز نہیں سمجھتی۔'' اس نے فوراً نفی کی۔

''کیا تمہیں ابھی بھی لگ رہا ہے کہ میں تمہیں کسی مقصد کے لیے یوز کر رہا ہوں...... یا تمہیں دھوکا دے رہا ہوں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں لگنا چاہیے کیا؟'' اس نے معنی خیز مگر استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔ زادیار نے بہت ضبط سے اپنے لب بھینچے۔

''تم بہت غلط سوچتی ہو میرے بارے میں۔'' اس نے گویا جتلایا۔

''یہ آپ پہلے بھی بتا چکے ہیں۔'' اس نے ناک پر سے مکھی اڑائی' انداز بے نیازانہ تھا۔

''آغامینا تم......!!''

''پلیز زادیار کوئی بھی انسان اپنے لیے کسی کے جذبات واحساسات کو بدل نہیں سکتا اور نہ ہی اپنے بارے میں کسی کی رائے کو بدلنے کے لیے فورس کرسکتا ہے۔ آپ کی کوشش بیکار ہے۔ فضول یو نو...... سیدھے لفظوں میں لاحاصل اور اتنے سمجھدار تو آپ ہیں نا کہ سمجھ سکیں۔ لاحاصل چیزوں کے پیچھے بھاگنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا محض وقت کا ضیاع ہے۔''

''مگر لاحاصل کو حاصل کرنے کی جدوجہد کو چھوڑ دینا بھی تو عقل مندی نہیں آغامینا احمد بخاری' کچھ حاصل کرنے کی ہمت ہو تو لاحاصل بھی حاصل بن جاتا ہے۔ تو پھر کوشش کرنے میں بھلا حرج کیا ہے؟'' اس کی باتوں پہ وہ محظوظ کن انداز میں مسکرایا اور پھر کسی خیال کے تحت پوری مضبوطی سے کہہ گیا۔ بہت اعتماد کے ساتھ......

آغامینا کی آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی اور دوسرے ہی پل معدوم ہوگئی۔ کندھے اچکاتے ہوئے اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ واجد کو دیکھنے لگی۔ جواب کھیل نہیں رہا تھا بلکہ فٹ بال کو ہاتھ میں پکڑے غالباً کسی چیز کی کھوج میں غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ گویا اسے کسی چیز کی تلاش ہو مگر وہ اس تک رسائی حاصل نہ کرپا رہا ہو جو اس کے لیے قطعی ناممکن سی بات تھی۔

☺......☆......☺

''بھائی...... بھابی...... آج ہم ڈیٹ فکس کرنے آئے

ہیں۔ ابھی بھی اگر آپ کی کوئی شرط یا ڈیمانڈ ہے تو بتا دیجیے۔“ شہناز خاتون نے آخری جملہ شرارت سے کہتے ہوئے بھائیوں کی جانب دیکھا تھا ہاشم بیگ شرمندہ سے ہوگئے۔

”میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں شہناز مزید شرمندہ مت کرو۔“

”ارے نہیں بھائی جان! میں نے تو یونہی مذاق میں کہا تھا اگر آپ کو برا لگا تو میں معذرت خواہ ہوں۔“ شہناز شرمندہ سی ہوگئیں۔

”کوئی بات نہیں شہناز ہوجاتا ہے کبھی کبھی۔“ قاسم بیگ نے فوراً بات کو سنبھالا۔

”آپ بتائیں حسن آپ کے خیال میں کون سی ڈیٹ شادی کے لیے موزوں ہے؟“ قاسم بیگ نے سب کی توجہ اس بات سے ہٹاتے ہوئے دوبارہ بات تاریخ کی جانب موڑی۔

”میرے خیال میں اگلے ماہ کی چھبیس تاریخ پرفیکٹ ہے۔ آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟“ حسن احمد بخاری نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے باقی سب کی رائے چاہی۔

”ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ تم بتاؤ قاسم سب سے زیادہ پرابلم تمہیں ہی ہوتی ہے ڈیٹس کی کیونکہ اکثر و بیشتر تم ٹورز پہ ہوتے ہو۔ تمہارے لیے چھبیس تاریخ موزوں ہے ناں؟“

”کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جان! میرے بچوں کی شادی ہے اس میں بھی بزنس کو ذہن میں رکھوں گا کیا؟“ انہوں نے کسی قدر شرمندگی سے کہا۔ وہاں پر موجود تمام نفوس مسکرا دیئے تھے۔

”تو پھر ٹھیک ہے چھبیس تاریخ فائنل ہے۔ مبارک ہو بھائی بھابی۔“

”خیر مبارک شہناز...... تمہیں بھی مبارک ہو۔“ اندر سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے جبکہ باہر کھڑی ذروہ دل ہی دل میں بے تحاشہ پریشان ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ دل ڈوب رہا تھا آنے والا وقت اسے ڈرا رہا تھا۔ جس طرح تورع ان دنوں اس کے ساتھ ری ایکٹ کر رہا تھا ایسے میں اس کا پریشان ہونا قطعی غلط نہیں تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر تورع کرنے کیا جا رہا ہے؟ آخر وہ اب اس سے کیا چاہتا ہے؟

☺......☆......☺

اب مان جاؤ نا جاناں!\
میں لوٹ کر آیا ہوں!\
تیرے دل کی بستی میں\
تیری زندگی ہستی میں!\
تیری مسکراہٹوں کو سراہنے!\
تیرے حسن کو خراج بخشنے!\
تیری آنکھوں میں مچلتے سپنوں کو\
پھر سے تعبیر دینے!\
میں لوٹ کر آیا ہوں!\
اب مان بھی جاؤ نا جاناں!\
میں کھڑا ہوں کب سے؟\
سائل کی طرح......!\
خالی کشکول لیے!\
اپنے ہاتھ کو ذرا سی جنبش دو!\
میرے اس خالی کشکول کو!\
چند لفظ عنایت کر دو!\
مجھے تم معاف کر دو!\
میں لوٹ کر آیا ہوں......!\
اب مان بھی جاؤ نا جاناں......!

”پلیز......!“ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں باہم پیوست کیے گھٹنوں کے بل بیٹھا اس سے سوری کر رہا تھا اور ظعینہ چہرہ موڑتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔ دوسرے ہی پل چہرے پر سنجیدہ اور سپاٹ سے تاثرات سجا لیے تھے۔

”کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں آپ؟ آپ نے کوئی غلطی کی ہے کیا؟“ بالکل انجان بنتے ہوئے بہت حیرت سے استفسار کیا۔ ارقام کے چہرے پر بے بسی و لاچاری طاری ہونے لگی تھی۔

”تم جانتی ہو ظعینہ......“ اس نے کچھ یاد دلانا چاہا۔

’’پہلی بات تو یہ کہ میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں' مجھے اجنبیوں کے ساتھ اتنی بے تکلفی پسند نہیں۔ سو پلیز مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے تکلف کو ملحوظ خاطر رکھیں اور دوسری بات میں بالکل نہیں جانتی کہ آپ مجھ سے کیوں معذرت خواہ ہیں۔‘‘ بالکل ہی روکھا اور انتہائی غیریت بھرا انداز تھا اس کا۔ ارقام ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

’’میں جانتا ہوں ظعینہ' پچھلے کچھ دنوں میں' میں نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے' میرے ناروا سلوک کے باعث تم بہت ہرٹ ہوئیں۔ اتنے دن تمہیں اذیت میں گزارنے پڑے' لیکن یہ سب میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا' بلیو می۔ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ جس غلط فہمی کی بنا پر میں نے تمہیں ہرٹ کیا اسے کلیئر کرنے میں بہت وقت لگا۔ مجھے شروع میں ہی اسے کلیئر کر لینا چاہیے تھا' مگر میں نے گریز کیا اور یہی مجھ سے غلطی ہوئی۔ اگر اس وقت میں اس معاملے کو کنفرم کر لیتا تو مسئلہ گھمبیرتا کا شکار نہ ہوتا اور نہ ہی تمہیں تکلیف اٹھانا پڑتی۔‘‘

’’باوجود اس کے کہ میں اس سارے معاملے میں انوالو نہیں ہوں رتی بھر بھی انوالومنٹ نہیں تھی میری' پھر بھی' پھر بھی ارقام آپ اتنے دن کشمکش دبیچ میں پڑے رہے جبکہ میں نے ہر بار آپ سے پوچھا' مگر آپ خاموش رہے۔ میں اس غلط فہمی کو دور......‘‘

’’تم جانتی تھیں کہ مجھے کس قسم کی غلط فہمی تھی کہ میں ذادیار کی وجہ سے پیچھے ہٹا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں ہرٹ کر رہا تھا؟‘‘

’’پہلے نہیں جانتی تھی' یہ تو بھلا ہو آغا مینا کا جس نے بروقت مجھے آپ کی اس اسٹوپڈ سی سوچ سے آگاہ کر دیا ورنہ میں بھی بلاوجہ آپ کی طرح ہی غلط فہمی میں رہ کر خود کو ہرٹ کرتی رہتی۔‘‘

’’پھر بھی ناراض ہو ظعینہ۔ اب تو سب کلیئر بھی ہو گیا ہے کیا اب بھی......!‘‘

’’ہاں پھر بھی ناراض ہوں' اس لیے نہیں کہ آپ نے اتنے دن مجھے بلاوجہ تکلیف دی' مجھے اذیت سے دوچار کیا بلکہ اس لیے کہ آپ نے صرف ذادیار کا سوچا ان کے لیے خود کو پیچھے ہٹا لیا' تاکہ وہ آپ کی وجہ سے ہرٹ نہ ہوں' اس وقت جب آپ یہ سوچ رہے تھے' تب آپ کو ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ جس کے لیے آپ پیچھے ہٹ رہے ہیں' ان کی ایک دوسرے کے لیے کیا فیلنگز ہیں' جس مقصد کے لیے آپ منظر سے ہٹ رہے ہیں' اس کی ہم دونوں کی لائف میں کوئی حیثیت ہے بھی یا نہیں۔ پوچھنا تو درکنار آپ نے تو یہ سوچا تک نہیں' آپ کی اس بات نے مجھے سب سے زیادہ ہرٹ کیا ہے ارقام۔ بہت زیادہ' بہت برے لگنے لگے ہیں آپ مجھے' بہت زیادہ۔‘‘ اس کی آواز میں نمی گھل گئی ساتھ ہی گلہ رندھ گیا تھا۔ وہ مزید کچھ کہے بنا خاموش ہو گئی تھی۔

’’آئی ایم سوری ظعینہ۔ رئیلی ایکسٹریملی سوری۔ میں تم......‘‘

’’پلیز اسٹاپ اٹ' کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے سوری کرنے کی' اس وقت آپ مجھے بالکل اچھے نہیں لگ رہے' سو پلیز ڈونٹ بی سوری۔ میں اتنی جلدی ماننے والی نہیں۔‘‘ اس نے یکلخت تیز لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ارقام دوسری جانب چہرہ کرتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیا۔

’’تو پھر کب مانو گی؟‘‘ انتہائی معصومیت سے سوال کیا۔

’’جب میرا موڈ ہو گا۔‘‘ بے نیازی سے جواب دیا۔

’’اور یہ موڈ کب ہو گا؟‘‘

’’جب میں کسی کے لیے برا نہ سوچ رہی ہوں گی تب۔‘‘ انداز خاصا بھولپن لیے ہوئے تھا۔ ارقام خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

’’اس کا مطلب ہے اس وقت آپ میرے بارے میں برا سوچ رہی ہیں' اوکے...... میں اپنا یہ خالی کشکول واپس لے جا رہا ہوں' جب آپ کا موڈ ہو معافی دینے کا تو مجھے انفارم کر دیجیے گا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا' چلتا ہوں اور بھی بہت سے خاص کام ہیں۔‘‘ نہایت سنجیدگی سے بالکل سپاٹ لب و لہجے میں کہہ کر مسکراہٹ لبوں میں دباتے

ہوئے وہ پلٹ گیا۔ جبکہ ظعینہ ہونق بنی بے یقینی سے منہ کھولے دیکھتی رہ گئی۔

"منہ بند کرلو جلد دوبارہ آؤں گا' ڈونٹ وری' سی یو۔" وہ اچانک پلٹا اور گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گہرے لہجے میں گویا ہوا۔ اس نے خجل ہوتے ہوئے فوراً منہ بند کرلیا تھا۔

چند پل یک ٹک ظعینہ کو دیکھتے رہنے کے بعد ارقام نے شرارت سے آنکھ دبائی تھی۔ ظعینہ نے سٹپٹاتے ہوئے لمحے کے ہزارویں حصے میں نظریں چرائی تھیں۔ ارقام محظوظ کن انداز میں مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر چلا گیا۔

"مائی فٹ۔" کسی قدر خفگی سے بڑبڑائی اور دوسرے ہی پل لب دانتوں تلے دباتے ہوئے آسودگی سے مسکرادی۔

☺......☆......☺

"اگر آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنی تو منع کردیں۔ یوں بے کار کی بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے کس قدر دکھ سے کہا۔ یہ وہی جانتی تھی کہ کس دل سے کہہ رہی ہے وہ باہر سے خود کو بہت مضبوط ظاہر کررہی تھی مگر اندر سے ٹوٹ رہی تھی۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا' پہلا اسٹیپ تو میں لے ہی چکا ہوں۔ ہمارا نکاح ہوچکا ہے اب تو یہ معاشرتی قدم اٹھایا جارہا ہے' قانون اور قاعدے کے مطابق' پورے اصول وضوابط کے ساتھ' تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔"

"چاہتا ہوں۔" اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کے "چاہتا ہوں" نے بری طرح چونکایا تھا۔

"ہاں...... اگر تم چاہو تو' اگر تم میری بات کا جواب دے دو تو؟ اگر تم......"

"اگر نہ دوں تو آپ مجھے رخصت کروا کر نہیں لے جائیں گے۔" اس نے بے یقینی سے استفسار کیا۔

"نہیں......" اس نے بنا کسی مروت کے فوراً کہا۔

کٹھور اور سپاٹ چہرے کے ہمراہ۔

"کوئی مے بی...... کوئی شاید کوئی غالباً نہیں کہا تھا سیدھے لفظوں میں منع کردیا تھا۔" وہ خائف سی ہوگئی تھی۔

"آپ اتنی چھوٹی سی بات کو اتنا بڑا ایشو کیوں بنا رہے ہیں تورع؟"

"چھوٹی چھوٹی باتیں ہی بڑا ایشو کری ایٹ کرتی ہیں یو نو دیٹ؟" اس نے معنی خیز انداز میں کچھ یاد دلایا۔ وہ نظریں چراگئی۔

"آپ کیوں چاہتے ہیں تورع کہ رشتوں میں دوبارہ سے دراڑ آجائے' محبتیں پھر سے نفرتوں میں بدل جائیں۔ پھر سے غلط فہمیوں کی راہ کھل جائے' دیواریں پھر سے کھڑی ہوجائیں۔" اس نے بے بسی کے انداز میں اسے قائل کرنے کی ناممکن سی کوشش کی۔

"یہی بات میں تم سے بھی کہہ سکتا ہوں' ذروہ بیگ' ایک چھوٹی سی بات کے لیے تم کیوں گری ہوئی دیواروں کو پھر سے کھڑا کرنا چاہتی ہو' کہہ کیوں نہیں دیتیں' ایک ذرا سا اظہار ہی تو مانگ رہا ہوں' دے دو۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ ذروہ کو کتنے بڑے امتحان سے دوچار کررہا ہے۔

کہ جس کی راہوں سے کانٹے چننے کا عہد کیا تھا...... اسے از خود کانٹوں پہ چلنے کو کہہ رہا ہے...... اسے کچھ احساس نہیں ہورہا تھا کہ...... جس کے لیے اس نے آسانیوں کی دعا مانگی تھی...... اسے ہی مشکلات سے دوچار کررہا ہے......

"آپ ضد کیوں کررہے ہیں تورع؟"

"تم کہہ کیوں نہیں دیتیں' یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔" دوبدو جواب ملا۔

"میں وہی ذروہ ہوں تورع۔"

"نہیں تم وہی ذروہ نہیں ہو' تم تورع کی ذروہ نہیں ہو' تم ہاشم بیگ کی بیٹی ذروہ بیگ ہو' جسے صرف ان کا مان رکھنا آتا ہے' ان ہی کی بات ماننا آتا ہے' بھلے وہ صحیح ہوں یا غلط تم ذروہ تورع حسن بخاری نہیں بلکہ ذروہ بیگ ہو۔ جب

تک تم پروف نہیں کردیتیں تب تک میں تورع حسن بخاری تمہیں ذروہ تورع قبول نہیں کروں گا۔ تب تک تم میرے لیے ذروہ بیگ ہی ہو۔"

"تورع.....!" آنکھوں میں نمی لیے کسی قدر بے یقینی سے پکارا تھا۔

"ہاں بولو۔" دوسری جانب بے نیازی ہی بے نیازی تھی۔ لاتعلقی ہی لاتعلقی تھی۔

"آپ اتنے کٹھور کب سے ہوگئے تورع آپ کو میری بے بسی دکھائی نہیں دیتی؟"

"بے بسی کیسی؟ مسز تورع حسن بخاری بھلے میں قبول نہ کروں پر آپ میری منکوحہ تو ہیں ناں آپ کو پورا حق حاصل ہے آپ مجھ سے اپنے رشتے کی حیثیت سے کچھ بھی کسی بھی وقت کہہ سکتی ہیں۔ کوئی آبجیکشن نہیں لگا سکتا۔" کیسا تمسخر تھا اس کے انداز میں۔ کتنا سرد و سپاٹ سا لہجہ تھا۔ ذروہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی تھی۔

☺......☆......☺

"کیا بات ہے اپیا..... آپ اتنی چپ چپ سی کیوں ہیں؟ ہم آپ کو آپ کی پسند سے شاپنگ کرانے لائی تھیں مگر آپ دھیان ہی نہیں دے رہیں ان فیکٹ آپ کو تو پتا بھی نہیں ہوگا کہ ہم نے کیا کیا شاپنگ کی ہے۔" بہت دیر سے آغا مینا نوٹ کر رہی تھی کہ ذروہ بہت کھوئی کھوئی سی ہے وہ کچھ بھی خریدتے ہوئے اس سے پوچھتی تو وہ محض اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ وہ چونک سی گئی۔ ذروہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔

"کچھ نہیں آغا مینا بس سر میں ہلکا سا درد محسوس کر رہی ہوں کتنے ہی روز سے مسلسل شاپنگ میں سر کھپا رہی ہوں اب تھکن ہونے لگی ہے۔ اس لیے شاید تمہیں محسوس ہوا ہو۔"

"ہاں شاید۔" اسے یقین تو نہیں آیا تھا مگر اسے جھٹلانا بھی مناسب نہیں لگا۔ اس لیے خاموش ہوگئی۔

"یہ ڈریس امی کے لیے کیسا ہے ظعی؟" اچانک اس کی نظر اسکن اینڈ براؤن ڈریس پر پڑی اس نے فوراً اسے

اٹھا کر ظعینہ کے سامنے کیا۔

''پرفیکٹ...... کیونکہ یہ ڈریس ہماری انوسینٹ سی مما پر بہت سوٹ کرے گا۔''

''تو...... خرید لوں کیا؟''

''آف کورس یار! پاپا یہ دیکھیں۔ یہ ڈریس کیسا ہے آپ کے لیے؟'' اسے جواب دیتے ہوئے ظعینہ نے ایک ڈریس ہینگر سے اتارتے ہوئے زروہ کے سامنے کیا۔ وہ بری طرح چونکی۔

''ہوں بہت اچھا ہے۔''

''یار کسی اور ڈریس پر تو تنقیدی نگاہ ڈال لیں ہر ڈریس کو اوکے کرتی جا رہی ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ خاموشی سے شاپنگ ہو رہی ہے کوئی تنقید نہیں کوئی اختلاف نہیں۔''

''اختلاف تو تب ہوگا ناں جب اعتراض ہوگا جہاں اعتراض ہی نہ ہو وہاں اختلاف کیونکر ہوگا؟'' اچانک زادیار چلا آیا تھا ظعینہ کا آخری جملہ پکڑتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظروں سے آغامینا کو دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔ آغامینا نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کے خیال میں اعتراضات سے اختلافات جنم لیتے ہیں۔'' ڈریس واپس رکھتے ہوئے ظعینہ نے استفسار کیا۔

''شاید......'' زادیار نے کندھے اچکائے۔

''جس بات کا یقین نہ ہو اس نقطے پر آواز اٹھانا انتہائی فضول ہے۔'' آغامینا بنا کسی ایک کو مخاطب کیے آہستہ سے گویا ہوئی۔

''میرا خیال ذرا مختلف ہے۔ انسان جب کچھ جاننے کی سعی کرتا ہے تو اس کے لیے بات کرنا ضروری عمل ہوتا ہے بھلے آپ کو علم نہ ہو کوئی بھی انسان کچھ بھی پہلی دفعہ ہی سیکھتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ایک بچہ اسکول میں ایڈمیشن لیتا ہے تو ایڈمیشن لینے کے بعد جب وہ پڑھنا شروع کرتا ہے تو اسے کچھ نہیں آتا وہ پہلی بار جو حرف پڑھتا ہے وہ الف یا اے ہی ہوتا ہے۔ اسے کچھ علم نہیں ہوتا کہ الف یا اے کی کیا وقعت ہے۔ اس کی آنے والی زندگی میں یہ الفاظ کیا رول پلے کریں گے۔ مگر وہ اسے جانتا ہے جاننے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے آگے بڑھنا ہوتا ہے اگر وہ یہ سوچ کر کہ وہ پہلی بار اس حرف سے واقفیت حاصل کر رہا ہے...... ممکن ہے آگے نہ بڑھ پائے اور اسے چھوڑ دے مگر وہ اسے چھوڑتا نہیں بلکہ اپنی کوشش جاری رکھتا ہے تبھی تو وہ ایک کامیاب انسان بنتا ہے جو چھوڑ دیتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو پاتا اور آپ چاہتی ہیں کہ جو چیز میرے لیے ناممکن ہے اسے میں چھوڑ دوں اسے حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کروں۔''

''میں نے ایسا نہیں کہا اور میں نے کبھی کسی کو کسی بات سے نہیں روکا۔ میں صرف اپنے بارے میں بات کرتی ہوں کوئی کیا کرتا ہے یا کیا کرنا چاہتا ہے مجھے اس سے کیا غرض؟'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''آپ کو نہیں لگتا کہ کبھی کبھی آپ ڈپلومیٹ باتیں کرنے لگتی ہیں؟''

''میں ڈپلومیسی اختیار کرتی ہوں یا نہیں اس کے لیے میں دوسروں کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں مسٹر زادیار بیگ۔'' اس نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

''ول یو میری می آغامینا؟'' اس کی ناگواریت کو نظر انداز کرتے ہوئے زادیار نے بہت تحمل سے پوچھا۔ آغامینا کو ایک دم جھٹکا سا لگا۔

''آر یو سیریس...... مسٹر زادیار بیگ؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں پبلک پلیس میں ایسا کوئی اسٹوپڈ سا مذاق کروں گا۔'' اس نے کسی قدر حیرت سے استفسار کیا۔

''پبلک پلیس پر ہی آج کل اکثر سر پھرے ایسی ہی اسٹوپڈ سی حرکتیں کرتے ہیں یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔'' اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''مگر میں کوئی مذاق نہیں کر رہا۔ میں نے جو سوال کیا ہے وہ پوری سنجیدگی اور سچائی سے کیا ہے۔''

''آپ جانتے ہیں آپ نے کیا کہا ہے؟'' اس نے

گویا طنز کیا۔

"بالکل' اچھی طرح سے جانتا ہوں' میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی سوال کیا ہے۔"

"سوال کرنے سے قبل آپ کو یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ اس سوال سے پہلے بہت سے مراحل آتے ہیں' جنہیں میں آل ریڈی ریجیکٹ کر چکی ہوں۔"

"اسی لیے تو یہ سوال کیا ہے تاکہ ریجیکٹ کرنے کے لیے تمہارے پاس کوئی جواز نہ ہو۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ کو ریجیکٹ کرنے کے لیے مجھے کسی جواز کی ضرورت ہوگی۔ ہنہہ...... ہرگز نہیں' آپ کوئی ایسی دلیل دے دیں یا پھر اپنی صفائی میں ایسی بات کہہ دیں جسے لے کر میں آپ کو قبول کروں نا کہ ریجیکٹ۔" اس کی جانب پورے اعتماد سے دیکھتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں' اس سے بڑا سچ اور اس سے بڑی دلیل یا پھر تم جو بھی سمجھنا چاہو وہ میں تمہیں نہیں دے سکتا' یہی میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے' آئی ایم ان لو اینڈ آئی لو یو۔" اس کے قریب چہرہ کرتے ہوئے اس نے اس کی حیران کن آنکھوں میں جھانکا اور آہستگی سے کہہ دیا۔ اس نے سٹپٹاتے ہوئے سرعت سے نظروں کا زاویہ بدلا۔ ذادیار کے ہونٹوں پر بہت خوبصورت سی مسکراہٹ آن رکی تھی۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں آغا مینا حسن احمد بخاری' آزمائش شرط ہے۔" سرگوشیانہ سے انداز میں کہہ کر وہ رکا نہیں تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ وہ کتنے ہی پل ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"وہ صحیح کہہ رہا ہے آغا' میرا بھائی اتنا برا نہیں ہے۔" اس کے کان کے قریب ایک اور سرگوشی ہوئی۔ اس نے چونک کر چہرہ گھمایا۔ وہ ذروہ تھی۔ آغا مینا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے سر جھکا گئی۔ ذروہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"وہ اتنا برا نہیں ہے آغا مینا' یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ وہ میرا بھائی ہے بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں' کیونکہ مجھے سچ بولنا اچھا لگتا ہے' ٹرسٹ می۔" اس نے گویا یقین دلایا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

☺......☆......☺

"کیا دیکھ رہی ہو بیٹا؟" ساڑی کا پلو درست کرتے ہوئے شہناز خاتون چونکیں۔ طعینہ اپنے ہاتھوں کے کٹورے میں چہرہ لیے بنا پلکیں جھپکے انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت حسن احمد بخاری بھی ان کے قریب چلے آئے۔ وہ صوفے پر بیٹھی تھیں جبکہ حسن احمد بخاری وہیل چیئر پر تھے۔ تورع نے انہیں سہارا دیتے ہوئے صوفے پر شہناز خاتون کے ساتھ ہی بٹھا دیا۔

"واؤ سچ آ ونڈر فل کپل۔" انہیں ساتھ بیٹھے دیکھ کر وہ بے ساختہ توصیفی انداز میں گویا ہوئی۔

تورع اور آغا مینا کے ساتھ ساتھ حسن اور شہناز خاتون بھی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا دیئے۔

"جسٹ امیجن' میری مما مجھے تئیس سال بعد ملی ہیں' جن کے بارے میں میں بالکل نہیں جانتی تھی کہ وہ حیات ہیں' وہ مجھے میرے لائف کے اس حصے میں مل رہی ہیں اور میں اپنی ماں کی خوب صورتی کو آج اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے انہیں خراج پیش کر رہی ہوں۔"

"اس میں امیجن کرنے والی کیا بات ہے بھئی' یہ سب حقیقتاً ہو چکا ہے' جسے ہم سب بھگت چکے ہیں اور جو کچھ ماضی میں ہو چکا وہ پاسٹ ہوا' اسے بھول کر پریزنٹ میں جیو اور خوش رہو' کیوں اخ؟"

"بالکل آغا صحیح کہہ رہی ہے۔ ہمارے پیرنٹس مل گئے ہیں' ایک ساتھ بیٹھے ہیں' ہماری فیملی کمپلیٹ ہے' تو پھر گئے وقت کا غم کیا کرنا۔"

"صحیح کہہ رہے ہو تورع۔ غموں کے بادل چھٹ گئے ہیں' خوشیاں لوٹ آئی ہیں' اس گھر کے در و دیوار اب مسکراہٹوں سے مزین ہوں گے۔ ایسے میں پرانے وقت کو یاد کرنے سے کیا حاصل سوائے دکھ اور تکلیف کے' اب تو بس یہی دعا ہے کہ ہمارے گھر کو اب کسی کی نظر نہ لگے۔"

''آمین......'' سبھی نے مل کر کورس میں کہا۔

☺......☆......☺
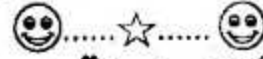
''ارقام بھائی! انکل کی کال آئی تھی انہوں نے کہا ہے کہ واپسی میں آپ انہیں بھی پک کرلیں ہمارے گھر سے۔'' کھڑکی میں سے اندر جھانکتے ہوئے اس نے ارقام کو اطلاع دی۔

''کرلوں گا تم گھر نہیں جارہیں کیا؟'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے آغاینا سے استفسار کیا۔

''نہیں آپ ظعینہ کو لے جائیں' مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ میں بعد میں آجاؤں گی' یا پھر راخ کو کال کرکے بلوالوں گی۔''

''مرواؤ گی یار' تمہاری بہن مجھے کچا چبا جائے گی۔ اگر تم ساتھ نہ ہوئیں تو وہ مجھے قتل کردے گی۔ کیوں خوامخواہ ایک خونخوار کے ہاتھوں مجھ معصوم کی جان ضائع کرانے کے چکروں میں ہو۔''

''آہاہاہا......! دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں اور چہرے پر ہوائیاں' یہ ایکٹنگ کسی اور کے سامنے کیجیے گا' بچپن سے جانتی ہوں میں آپ کو۔'' طنزاً کہا۔ ارقام گڑبڑاتے ہوئے سر کھجانے لگا۔

''لیجیے آگئی محترمہ۔ بحفاظت پہنچا دیجیے گا۔ بصورت دیگر آپ کو میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

''اپنے بڑے بھائی کو دھمکی دیتے ہوئے شرم تو نہیں آتی تمہیں۔'' اس نے اسے شرم دلانے کی ناکام سی کوشش کی۔

''یہ صرف دھمکی نہیں ہے عمل بھی کرسکتی ہوں' سوٹیک......''

''بائے۔'' جلدی سے کہہ کر وہ سرعت سے وہاں سے ہٹ گئی اور ارقام محض دیکھتا رہ گیا۔

''توبہ' کیسی بے مروت بہن ہے بے مروت نہیں بلکہ طوطا چشم۔ تیئس سال بعد ملے بہن بھائی کے لیے تیئس سال ساتھ رہے بھائی کو ٹھینگا دکھا گئی۔''

''چہ......چہ......ویری سیڈ۔'' گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے ظعینہ نے اس کی بات کو بغور سنا تھا۔ تبھی مسکراہٹ دباتے ہوئے قدرے افسوس بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بھرپور ہمدردی سے گویا ہوئی۔ ''میں آپ کے غم میں برابر کی شریک ہوں۔''

''ریئلی......!'' ارقام کی آنکھیں فوراً چمکیں۔

''بالکل۔'' اس نے سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے مجھے معاف کردیا۔''

''ایسا میں نے کب کہا' میں نے آپ کو ہرگز معاف نہیں کیا......انڈراسٹینڈ۔''

''ابھی بھی کسی کے بارے میں برا سوچ رہی ہو کیا؟'' نہایت معصومیت سے سوال کیا۔

''نہیں تو' میں کیوں سوچنے لگی کسی کے بارے میں کچھ بھی برا۔'' بے خیالی میں جواباً کہا۔

''تو پھر میری معذرت قبول کرلو۔ اب تو خاصا بھگت چکا ہوں یار۔'' وہ کراہ کر گویا ہوا۔

''اس کا مطلب ہے آپ محض بھگتا رہے تھے آپ کو مجھ میں کوئی انٹرسٹ نہیں؟'' اس کی بات پکڑتے ہوئے اس نے منہ بسورا۔ ارقام گڑبڑا سا گیا۔

''ارے نہیں یار......میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اتنے دن ہوگئے ہیں یونہی لڑتے جھگڑتے' روٹھتے مناتے' پہلے مجھے چھوٹی سی غلط فہمی ہوگئی' جس کے باعث تمہیں اتنے دن اذیت میں گزارنے پڑے اب جب وہ غلط فہمی دور ہوگئی ہے تو میں سزا بھگت رہا ہوں۔'' ظعینہ نے اس کی بات پر کڑے تیوروں سے گھورا۔ ''نہیں میرا مطلب ہے' جتنی تکلیف تم نے اٹھائی' اتنی ہی میں بھی اٹھا چکا ہوں۔ تو پھر اب مزید لڑائی جھگڑوں میں پڑنے کا کیا فائدہ۔ ویسے بھی ہمارے ملک میں ہر روز ایک نیا ایشو کھڑا ہوتا ہے' جب تک ہم اپنے پرسنل ایشوز حل نہیں کریں گے تو ملکی ایشوز کیسے حل ہو پائیں گے۔ ہمارے پرسنل جھگڑے ہی ختم نہیں ہوتے جب تک یہ ختم نہیں ہوں گے تب تک کوئی بھی ذہنی طور پر فری ہوکر یکسوئی سے اپنے ملک کے بارے میں نہیں سوچ

سکتا۔'' آج پہلی بار اس نے پوری سنجیدگی کے ساتھ ظعینہ کو منانے کی پیش رفت کی تھی۔ اس کی باتوں پر ظعینہ چند پل کو خاموش سی ہوگئی۔

''آپ شاید ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں، ہم جب تک اپنے ذاتی جھگڑے ختم نہیں کریں گے تب تک ہمارے ملکی حالات بہتر نہیں ہوسکتے، ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا ایشو بنادیتے ہیں اور بجائے اسے حل کرنے کے اسے مزید بڑھاوا دیتے جاتے ہیں، شاید اسی لیے ہمارا ملک زوال کی جانب گامزن ہے۔ ہم اپنی ایگو کا سر اونچا کرتے کرتے یہ بھولتے جارہے ہیں کہ ہمارا ملک پستیوں کی جانب بڑھ رہا ہے۔ شاید ہماری سوچ بہت محدود ہے، ہم صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں، اپنے لیے چند فٹ کی دنیا بنالیتے ہیں جس میں خود کو اور اپنی سوچ اور نظریات کو محدود کرلیتے ہیں۔ اس لیے طے کی ہوئی جگہ سے آگے بڑھ ہی نہیں پاتے اور اس طے کی ہوئی جگہ میں صرف ''میں'' ہوتی ہے ''ہم'' کو بھول جاتے ہیں، صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں اور اپنے لیے ہی کرتے ہیں، دوسروں کے بارے میں سوچتے ہی نہیں، جبکہ ہمارے بڑوں نے اپنے بارے میں نہیں بلکہ انسانیت کے بارے میں سوچا تبھی تو کامیاب رہے اور ہم اپنے بارے میں سوچتے ہیں تبھی تو ہر روز ایک نئی پرابلم سامنے آن کھڑی ہوتی ہے، ہمیں سوچنا چاہیے۔''

''تو پھر پہلا قدم بڑھاؤ۔'' ارقام نے فوراً کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''اب مان بھی جاؤ جاناں......!

لوٹ کر آیا ہوں!''

وہ آہستگی سے گنگنایا۔

''میں آپ سے ناراض کبھی نہیں تھی ارقام۔'' اس نے کہا۔

''اور اتنے دن جو تم......!''

''آپ نے اتنے دن مجھے تکلیف دی، بس اس کی تھوڑی سی سزا دی ہے آپ کو تاکہ آپ آئندہ مجھ سے خفا نہ

صبا ایمان

السلام علیکم! آنچل میں صبا ایمان، گھر میں پیار سے صبا اور صبی بھی بولتے ہیں۔ ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں، میں سب سے چھوٹی ہوں تو گھر بھر کی لاڈلی بھی ہوں میری مما مجھے بچپن میں چھوڑ گئی تھیں ان کی کمی بہت زیادہ محسوس کررہی ہوں۔ میٹرک پاس ہوں، آنچل اور بچوں کے میگزین چندا، پھول شوق سے پڑھتی ہوں۔ شعروشاعری اور کچھ بھی لکھتے رہنا میرا مشغلہ ہے اس کے زبان کے چٹخارے کے لیے نئی نئی ڈشز بھی ٹرائی کرتی رہتی ہوں جس کے لیے مجھے آنچل وحجاب سے بہت مدد ملتی ہے۔ میری برتھ ڈے 15 جون کو ہوتی ہے، میری دوستوں میں فری، عدیلہ اور فریحہ شامل ہیں جو میری رازداں بھی ہیں۔ کرکٹ کھیلنا بہت پسند ہے جو میں اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر کھیلتی ہوں۔ حضرت عمرؓ، قائداعظم اور آج کے دور میں سچے کھرے انسان میرے آئیڈیل ہیں۔ بارش کا موسم خوب انجوائے کرتی ہوں، پھولوں میں گلاب اور چنبیلی اچھے لگتے ہیں، کھانے میں بریانی، سادہ بریانی، سبزی، چکن، مٹن جو ملے سب ہضم کرجاتی ہوں گول گپے کھانے کی بہت شوقین ہوں۔ سنگر میں راحت فتح علی خان، شاعر وصی شاہ بہت اچھے لگتے ہیں۔ بات ایک ہی دفعہ کرتی ہوں، دہرانا اچھا نہیں لگتا بھئی میں نے تو بتادیا ہے اب آپ نے بتانا ہے نا...... مائی ڈیئر حجاب، جی والسلام۔

ہوں اور نہ ہی بدگمان۔''

''نہیں ظعینہ...... نہ ہی میں تم سے خفا تھا اور نہ ہی بدگمان، بس اپنی اسٹوپڈ سی سوچ کے تحت دوستی کا حق ادا کرنے جارہا تھا۔ تھینک گاڈ کہ میں نے ذادیار سے اس بارے میں ذکر نہیں کیا، اینی وے، چھوڑو ان باتوں کو۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے کہتے اکتا کر اس بات کو چھوڑا اور بڑی توجہ سے اس کی جانب دیکھا۔

''سو مس ظعینہ حسن بخاری، آپ نے ہمیں معاف کردیا۔ کیا خیال ہے بابا کو بھیجوں آپ کے دولت کدے پر آپ کو اپنے لیے مانگنے؟'' وہ قدرے اس کے قریب ہوا۔

شہادت کی انگلی اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے ظعینہ نے اسے پیچھے کیا۔

"جی نہیں ابھی بالکل نہیں۔"

"کیوں بھئی؟ ہمارے گھر کو ایک عو..... نہیں لڑکی کی ضرورت ہے یار پلیز آ جاؤ ناں۔" عورت کہتے کہتے اس نے تیزی سے لڑکی کہا اور کسی قدر روہانسے انداز میں گویا ہوا۔

"آ جاؤں گی، مگر ابھی نہیں۔ ابھی میرا ایم بی اے کمپلیٹ نہیں ہوا۔ جب تک میری ایجوکیشن کمپلیٹ نہیں ہوتی آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے او کے؟"

"نہیں یار ہمارے گھر کو ایک صنف نازک کی ضرورت ہے۔ میرے پاپا خود اپنا سوٹ پریس کرتے ہیں، کچھ تو خیال کرو لڑکی؟"

"ٹھیک ہے، میں آپ کا خیال کرتی ہوں آپ ایسا کیا کریں کہ انکل کے سوٹ ہمارے گھر بھیج دیا کریں، ہم پریس کر دیا کریں گے۔ کیا خیال ہے؟" اس نے چٹکیوں میں مسئلہ حل کر دیا۔

"اس سے بھی اچھا خیال یہ ہے کہ میں کسی اور لڑکی کے بارے میں سوچنا شروع کر دوں جسے نہ صرف میرے پاپا کا بلکہ میرا خیال بھی ہو۔ اس بارے میں کیا خیال ہے؟" ارقام شریر سے انداز میں اس کے قریب ہوا۔

"نیک خیال ہے، لیکن اسے سوچ تک ہی رکھیے گا اس سے آگے بڑھے تو..... یو نو دیٹ......" اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کڑے تیوروں سے گھورا۔ جواباً ارقام کچھ نہیں بولا۔ بڑی گہری اور بے باک نگاہوں سے ظعینہ کو دیکھنے لگا۔ ظعینہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ وہ جھینپ سی گئی تھی۔

"اسٹاپ اٹ ارقام، مجھے لڑکوں کا اس طرح چھچھورے انداز میں لڑکی کو دیکھنا بالکل پسند نہیں۔"

"مگر میں ان لڑکوں میں سے تو نہیں ہوں ارقام ہوں، جو کسی لڑکی کو نہیں ظعینہ کو دیکھ رہا ہے۔" وہ ایسے ہی نظریں جمائے جمائے بھولپن سے گویا ہوا۔

"ارقام......!" وہ دبے دبے انداز میں چلائی مگر دوسری جانب کوئی فرق نہیں پڑا تھا ہنوز خاموشی اور بے باک انداز۔

وہ جھینپتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ چہرہ موڑ گئی تو ارقام نے محظوظ کن انداز میں بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ ظعینہ بھی شرمیلے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

☺......☆......☺

"کیا پرابلم ہے ذری؟ پورے فنکشن میں تمہارا چہرہ سپاٹ تھا۔ ایک پل کو بھی میں نے تمہارے لبوں پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ واٹس رونگ...... تم اتنی پریشان کیوں ہو؟" اس کے ڈریسز سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے تاباں نے استفسار کیا۔ وہ بہت دیر سے اسے خاموش اور اداس سا دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں، کل میری رخصتی ہے اپنا گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں فطری سی بات ہے اداس تو ہوں گی ناں۔"

"مگر تم اداس اور نروس نہیں ہو بلکہ پریشان ہو...... کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تابی۔" اپنی شفاف ہتھیلی پر نظریں جماتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"ایسی ہی بات ہے، تم پریشان ہو مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ تم پریشان کیوں ہو؟ اتنے دن ہوئے ڈیٹ فکس ہوئے، مایوں مہندی کا فنکشن اتنے سکون سے نمٹ گیا ابھی بھی تمہیں لگتا ہے کہ تورع کچھ کرنے والا ہے نکاح تمہارا آل ریڈی ہو چکا ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ آخری لمحات میں تمہاری رخصتی کے لیے منع کر دے گا؟"

"اس سے کچھ بعید بھی نہیں ہے تابی، ممکن ہے وہ ایسا ہی کرے۔" اس کی بات پر تاباں کا دل چاہا اس کا سر پھوڑ دے اتنی بے اعتباری ہو رہی تھی وہ اسی لیے تو تورع یہ سب کر رہا تھا۔

"ڈونٹ بی سلی ذری۔ ایسا کچھ نہیں ہونے والا تم ریلیکس رہو کچھ نہیں ہوگا...... او کے۔"

"تم نہیں جانتیں تابی تورع بہت بدل گیا ہے ابھی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبداللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ......؟" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی' دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دونوں بری طرح چونکیں۔

"کون؟" تاباں نے کسی قدر حیرت سے پوچھا مگر دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

"اس وقت کون ہوسکتا ہے؟" اس نے کسی قدر حیرانگی سے ذری کی جانب دیکھا۔ اس نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔

"آجائیں۔" تابی نے کہا۔

دروازہ کھلا اور جو شخص اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر جہاں حیرت اور بے یقینی سے تاباں اٹھ کھڑی ہوئی تھی وہیں ذروہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"تورع......تم یہاں......؟"

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے......کیا میں یہاں نہیں آسکتا؟"

"بالکل نہیں' ابھی ہمارے والدین اتنے ایڈوانس نہیں ہوئے کہ یوں دلہا دلہن کو ملنے کی اجازت دیں۔"

"والدین نہیں ہوئے ہم تو ہوگئے ہیں ناں۔" اسے جواب دیتے ہوئے وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ایک سرسری سی نگاہ یلو سوٹ میں ملبوس ذروہ پر ڈال کر۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اس کے دیکھنے پر فوراً نظریں چرا گئی تو تورع کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی تھی۔

"تمہیں کیا کام ہے؟" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے تاباں نے استفسار کیا۔

"تم سے نہیں ہے' مجھے ذروہ سے بات کرنی ہے۔" سنجیدگی سے مدعا بیان کیا۔

"ہاں تو کرلو میں نے منع تھوڑی کیا ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت بھی نہیں' تم جاؤ یہاں سے۔"

"تم یہاں آئے کیسے؟" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے استفسار کیا۔

یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

وہ جذبوں کی تجارت تھی' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک رنگ اترے ہوتے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں
اسے سوجھی شرارت تھی' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
میرے کاندھے پر سر رکھ کر کہیں کھوگیا تھا وہ
یہ ایک وقتی عنایت تھی' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
وہ مجھ کو دیکھ کر اکثر نگاہیں پھیر لیتا تھا
یہ در پردہ حقارت تھی' یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مشی خان

"تمہارا میاں لے کر آیا ہے۔" فٹ سے جواب دیا۔

"واٹ......! سالار؟" وہ حیرت سے کسی قدر چلائی۔

"آئی تھنک اس کا نام سالار ہی ہے۔" دوسری جانب بے نیازی ہنوز قائم تھی۔

"اور وہ ہے کہاں؟" کمر پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے کڑے تیوروں سے دریافت کیا۔

"ٹیرس پر ہے اور تمہارا انتظار کررہا ہے۔"

"کیوں؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"خود ہی جاکر پوچھ لو نا یار' کیوں بحث کررہی ہو مجھے ذری سے بات کرنی ہے پلیز۔"

"کیا بات کرنی ہے ذری سے؟" وہ اتنی آسانی سے ٹلنے والی کہاں تھی۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران ذری بالکل خاموش بیٹھی تھی مگر اس کا دل لرز رہا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں پارہی تھی۔

"اسی کو بتاؤں گا یار۔ پلیز جاؤ ناں اور ڈونٹ وری میں کچھ غلط کرنے نہیں آیا' ویسے بھی یہ محترمہ میری منکوحہ ہیں۔ حق رکھتا ہوں ان پر۔ اگر تمہیں کوئی خدشہ لاحق ہے تو اسے دل سے نکال دو۔ مجھے صرف چھوٹی سی بات کہنی ہے اور وہ میں کہہ کر ہی جاؤں گا' تمہارے کہنے سے

جانے والا نہیں' اگر تم چلی جاؤ تو بہت اچھا لیکن اگر نہیں جانا چاہتیں تو آئی ڈونٹ مائنڈ' میں تمہاری موجودگی میں بھی بات کرسکتا ہوں۔''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے' میں جارہی ہوں۔ ویسے بھی میں تمہارے حق کو چیلنج نہیں کرسکتی۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ رکی نہیں' ذری کے سراسیمہ سے چہرے کو دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔

تورع گہری سانس خارج کرتے ہوئے ذری کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ بنا دیکھے بھی جانتا تھا کہ اس کی موجودگی پر وہ سراسیمہ ہے۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں' وہ سر جھکاتے ہوئے زیر لب مسکرادیا۔

''سوری مسز' یہ سزا بس تھوڑی دیر' اور پھر سب کچھ صحیح ہوجائے گا۔'' دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''سو مسز تورع حسن بخاری' کیا سوچا آپ نے؟''

''ک......کس بارے میں؟'' اس کی زبان لڑکھڑائی۔ تورع کو ایک پل کے لیے افسوس ہوا۔

''اظہار کے بارے میں۔'' بہت سکون سے کہا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس کی جانب دیکھتے ہوئے بھرپور اعتماد سے استفسار کیا۔ وہ اپنے ڈر پر کسی حد تک قابو پاچکی تھی۔

''چاہتا تو میں صرف ''تمہیں'' ہی ہوں' لیکن فی الحال اظہار چاہتا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں؟''

''آپ صرف یہ جاننا چاہتے ہیں؟'' اسے بے پناہ حیرت ہوئی تھی۔ اتنے دنوں کی بات میں اہم بات یہ تھی۔

''نہیں' میں صرف سننا چاہتا ہوں' آج اور اسی وقت سننا چاہتا ہوں۔ تمہیں کہنا ہوگا۔ بصورت دیگر جس طرح پہلے تمہارے کہنے پر رخصتی روک دی گئی تھی' اب میں ''ازخود'' انکار کردوں گا۔ ویری سمپل۔''

''آپ یہ سننا چاہتے ہیں کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں یا نہیں؟'' وہ ابھی بھی پچھلی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''ہاں......میں سننا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ سے محبت کرتی ہوں تورع' آپ کو میرے گریز سے ایسا لگا کہ میری محبت آپ کے لیے ختم ہوچکی ہے یا میں بدل گئی ہوں' آپ سوچ بھی کیسے سکتے ہیں تورع' محبت بھی کبھی ختم ہوتی ہے کیا؟ یہ مختصر سا عرصہ میرے جذبوں کو ختم تو نہیں کرسکتا تھا' میں پہلے بھی آپ سے محبت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں۔ آپ یہ بات سننے کے لیے اتنا عرصہ مجھے......''

''نہیں......نہیں ذروہ' مجھے صرف یہی نہیں جاننا' میں جانتا ہوں تم مجھ سے محبت کرتی ہو' مجھے وہ ''مان'' چاہیے جو تم نے ماموں کو دیا تھا۔ اگر تم ایک بیٹی ہونے کا مان دے سکتی ہو تو تمہیں ایک بیوی ہونے کا مان بھی دینا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ اگر کبھی دوبارہ سے خدانخواستہ ایسا ہی کوئی نازک موقع آئے تو میری بیوی' بیوی نہیں دوبارہ سے بیٹی بن جائے۔ وہ ایک شوہر کا نہیں بلکہ ایک بیٹی کا مان رکھنے کھڑی ہوجائے۔ تم نے اس وقت میرا مان توڑا تھا اور اب......''

''اس وقت میں بابا کے گھر میں تھی تورع' تب میرے بابا کا حق تھا مجھ پر' شادی کے بعد آپ کا حق مجھ پر زیادہ ہوگا' آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ اس وقت میں آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گی۔'' اس نے تورع کی بات کاٹتے ہوئے سرعت سے کہا۔

تورع مسکرادیا اور......

''تمہارا کیا بھروسہ۔'' شرارت سے کہا۔ ذری نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

وہ بڑی توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا' بہت پیار سے' بہت محبت سے۔ اس کا چہرہ سرد وسپاٹ نہیں تھا۔ نرم وملائم تاثرات سے مزین تھا۔ ذروہ بری طرح چونکی۔

''تورع......'' اس کے لہجے میں دکھ' تاسف اور بے یقینی تھی۔

''یس جان تورع۔'' وہ اس کے قریب جھکا۔ وہ بے ساختہ رودی تو تورع سٹپٹا گیا۔

''ذری' واٹ ہیپنڈ یار' میں تو مذاق کررہا تھا۔ ایم سوری

ریئلی ویری سوری۔“

”آپ نے اتنے دن مجھے ستایا‘ مجھے رلایا‘ میری جان نکلی جارہی تھی۔ پتا ہے میں کتنی ڈرگئی تھی کہ جانے آپ کیا کرنے والے ہیں؟ اور آپ..... آپ مجھے.....؟“

”تم نے مجھے اتنا عرصہ ستایا‘ میں نے کچھ نہیں کہا‘ اب اتنا حق تو بنتا ہے ناں میرا کہ جتنی اذیت میں نے اٹھائی ہے اس کا تھوڑا سا حصہ تم بھی بھگت کر دیکھ لو تا کہ تمہیں آئندہ کے لیے احساس ہوجائے کہ..... تکلیف کیا ہوتی ہے؟ اذیت کسے کہتے ہیں؟“

”شیم آن یو تورع‘ آپ مجھے تکلیف دینا چاہتے تھے؟“ اس نے روہانسے انداز میں استفسار کیا۔

”نہیں..... احساس دلانا چاہتا تھا اور تمہیں آئندہ آنے والی تکلیفوں سے بچانا چاہتا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری ذات سے وابستہ کسی بھی فرد کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں‘ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ آخری جملہ اس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشیانہ سے انداز میں کہا۔ ذرہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی‘ وہ لب دباتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

”شرما رہی ہو؟“ تورع نے محظوظ ہوتے ہوئے استفسار کیا۔

”صلح ہوگئی کیا؟“ تبھی تاباں نے دروازے سے جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔ وہ دونوں سرعت سے چند قدم دور ہوئے۔ تورع نے گھور کر تاباں کو دیکھا تھا۔

”صلح سے آگے بھی کچھ ہوتا ہے‘ مگر تمہیں چین کہاں؟ سارا پروگرام چوپٹ کردیا۔“

”تورع؟“ ذرہ نے سٹپٹاتے ہوئے اس کے مضبوط بازو پر مکا جڑا۔ تورع قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ تاباں گہری سانس خارج کرتے ہوئے اندر چلی آئی۔

”تھینک گاڈ..... سب صحیح ہوگیا۔ آجاؤ سالار‘ ہمارا گروپ کمپلیٹ ہوچکا ہے۔“ اونچی آواز میں شکر ادا کرتے ہوئے تاباں نے سالار کو پکارا۔ وہ بھی لگتا تھا اسی پکار کے انتظار میں تھا۔ تاباں کے پکارتے ہی اندر چلا آیا اور آتے

ہی وکٹری کا نشان دکھایا۔ ذرہ نے ان تینوں کو کڑے تیوروں سے گھورا تھا۔

"اس کا مطلب ہے یہ پلان تم تینوں کا تھا...... ہاں؟" گھور پوچھا۔

"نہیں...... چونکہ سالار منظر سے غائب تھا اس لیے تحریر اس کی تھی' ہدایات میری اور عمل تورع حسن بخاری کا اور یوں یہ پلان کامیاب ہوا۔" تاباں نے کسی قدر ڈھٹائی سے اس کے سامنے قدرے جھکتے ہوئے اعتراف کیا۔

"آئی ہیٹ یو تابی۔" قریب پڑا تکیہ اس نے زور سے تاباں کی جانب پھینکا اور مصنوعی غصے سے گویا ہوئی۔

"بٹ آئی لو یو ذری۔" تکیہ کیچ کرتے ہوئے تاباں نے بہت پیار سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ ذری کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا' وہ بے ساختہ ہو کر اس کے گلے لگ گئی۔

جبکہ تورع اور سالار ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے محظوظ کن انداز میں مسکرا دیئے تھے۔

☺......☆......☺

کتنی دیر ہو گئی تھی اسے آئے ہوئے اس نے دانستہ خود کو مصروف کر رکھا تھا مگر پھر بھی غیر ارادی طور پر اس کی نظریں کسی کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ذادیار کہاں ہے شگفتہ؟ انتظامات بھی کسی کو دیکھنے ہیں یا نہیں۔ ثامن کو میں نے باہر بھیجا ہے ارقام اور زوہیب خود از حد مصروف ہیں لیکن ذادیار کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔" بڑے ماموں یامی سے پوچھ رہے تھے۔ اس کی سماعتیں بھی ادھر ہی متوجہ تھی۔

"واجد کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' ہاسپٹل لے کر گیا تھا' اب تو شاید آ گیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے اپنے کمرے میں ہو۔ میں دیکھتی ہوں یا پھر کسی کو بھیج کر اسے بلواتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے اور بچے کو اکیلا مت چھوڑنا۔ کسی کو اس کا خیال رکھنے کے لیے بھی بھیج دو۔"

"جی میں بھیجتی ہوں۔" اس کے دل میں جانے کیا سمائی تھی' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ظعینہ کو بتا کر وہ اس کے کمرے میں چلی آئی۔ دروازے پر ناک کرتے ہوئے وہ ایک پل کو ہچکچائی پھر دوسرے ہی پل گہری سانس خارج کرتے ہوئے ناک کر دیا۔

"آ جایئے پلیز۔" وہ دروازہ کھول کر دبے قدموں سے اندر چلی آئی' وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ کچھ دیر تک یونہی کمرے میں خاموشی چھائی رہی تھی۔ وہ واجد کے سر پر پٹیاں رکھ رہا تھا' جب کچھ دیر تک کوئی نہیں بولا تو اس نے چونک کر آنے والے کو دیکھا' آغا مینا کو اپنے روم میں دیکھ کر اسے از حد حیرت ہوئی تھی۔

"آغا مینا......! تم یہاں؟"

"مجھے علم ہوا تھا کہ واجد کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تو میں دیکھنے چلی آئی۔ اب اس کی طبیعت کیسی ہے؟"

"پہلے سے بہتر ہے آؤ نا بیٹھو۔"

"تھینکس۔ لایئے میں پٹیاں کرتی ہوں۔"

"نہیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہ ٹھیک ہے۔" اس نے نہایت شائستہ سے انداز میں کہا۔

"اوکے۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"شاید واجد سو چکا ہے۔" اس نے آہستگی سے استفسار کیا۔

"ہاں' ساری رات جاگتا اور بے سکون رہا ہے' اب بخار اترا ہے تو آرام سے سو گیا' آپ یہاں......؟"

"آئم سوری ذادیار۔" اس نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ ذادیار چونکا۔

"سوری فار واٹ......!" اس نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"آئی ڈونٹ نو لیکن مجھے لگا کہ میں غلط ہوں یا تھی' واٹ ایور' مجھے آپ کو سوری کہنا چاہیے' آپ کے بارے میں' میں نے غیر جانبداری سے سوچا' میں گلٹی فیل کر رہی تھی' اس لیے آپ سے سوری کہنے چلی آئی۔"

"اس اوکے۔ حالانکہ میں نہیں جانتا کہ سوری کس لیے ہے' پھر بھی کوئی بات نہیں۔"

"میں چلتی ہوں' اگر آپ کو میری کسی بھی قسم کی ہیلپ

کی ضرورت ہوئی تو مجھے ضرور بتائیے گا۔"
"آغامینا.....'' وہ جاتے جاتے پلٹی۔
"جی......"
"کیا واقعی تم میری مدد کرنا چاہتی ہو؟'' معنی خیز سے انداز میں استفسار کیا۔
"ہاں' میں کرنا چاہتی ہوں۔'' پورے اعتماد سے جواب دیا۔
"میں نے ایک سوال کیا تھا' اگر تمہیں یاد ہو تو......"
"کیا؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔ غالباً اسے یاد نہیں تھا۔
"مجھ سے شادی کرو گی؟'' اس کے چہرے کے تاثرات جانچے تھے۔ اس کی بات پر وہ چند پل خاموش سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔
"تم نے جواب نہیں دیا۔'' اس کی مسلسل خاموشی پر اس نے دوبارہ سے استفسار کیا۔
"آپ اتنے برے نہیں ہیں' جتنا میں آپ کو سمجھتی تھی۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ جسے ذادیار بمشکل سن پایا تھا۔ اور جو سنا تھا اس نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔
"یعنی تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔'' گہری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سر جھکا گئی۔
"میں چلتی ہوں۔"
"سنو۔'' اس نے دوبارہ پکارا۔
وہ رکی ضرور مگر پلٹی نہیں۔ ذادیار نے ایک پل کو اس کی جانب دیکھا اور دوسرے پل سائیڈ دراز کھولی اور اندر موجود بریسلٹ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔
"تمہاری ایک امانت تھی میرے پاس جو تمہیں لوٹانا چاہتا تھا۔ کبھی بھی ہمارے تعلقات اتنے اچھے نہیں رہے اس لیے جب بھی چاہا تمہاری امانت لوٹا دوں' کسی نہ کسی وجہ سے لوٹا نہیں پاتا تھا مگر اب چونکہ میں تمہارے نزدیک اتنا بھی برا نہیں' تو سوچا ان سازگار لمحات میں تمہاری امانت لوٹا دوں...... یہ لو۔'' بریسلٹ اس نے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ آغامینا نے چونک کر بریسلٹ کو دیکھا۔
"ارے......! یہ آپ کے پاس کیسے آئی؟'' اس نے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔
"جب تم مجھ سے پہلی بار ٹکرائی تھیں۔ تب تمہیں یاد ہوگا کہ تمہارے بیگ سے ساری چیزیں گر گئی تھیں' شاید تم پریشان تھیں' اس لیے باقی سب تو اٹھالیا مگر اسے وہیں چھوڑ گئیں۔ اسے میں نے اٹھالیا تھا اور اب تمہیں لوٹا رہا ہوں۔"
"تھینکس...... ویسے یہ اتنا امپورٹنٹ نہیں تھا۔"
"ایمان داری سے کہوں تو پہلے میرے لیے بھی یہ امپورٹنٹ نہیں تھا۔ ان فیکٹ مجھے تو یاد بھی نہیں کہ میں نے اسے رکھا کہاں ہے؟ پھر جب یہ مجھے ملا تب تک میری تمہارے لیے فیلنگز چینج ہو چکی تھیں' تب سے یہ میرے لیے امپورٹنٹ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے سنبھال کر رکھا اور اب تمہیں لوٹا رہا ہوں' اس امید کے ساتھ کہ اسے پہننے سے قبل تمہاری فیلنگز بھی میرے لیے چینج ہو چکی ہوں گی...... کیونکہ بقول تمہارے......!"
"آپ اتنے بھی برے نہیں ہیں۔'' سرعت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔
"لیکن تم بہت اچھی ہو۔'' آہستگی سے بڑبڑاتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

☺......☆......☺

دکھ کی پرچھائیاں چھٹ گئی تھیں اداسیاں ختم ہوئیں خزاں کا موسم اختتام پذیر ہوا تھا بہاریں لوٹ آئی تھیں خوشیاں اور مسکراہٹیں چہروں پر رقصاں تھیں۔ مسافر لوٹ آئے تھے۔

(تمت بخیر)

سوچ، خیال و خواب

کنزہ مریم

"تقی النساء انسان کے خوابوں کی اڑان کتنی اونچی ہوسکتی ہے؟" امین بھائی نے تقی کے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا تو تقی کی حیرانگی سے آنکھیں تو کیا منہ بھی کھل گیا۔

"یہ آپ پوچھ رہے ہیں امین بھائی اور مجھ سے؟" اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"جی بالکل میں پوچھ رہا ہوں اور تم سے ہی پوچھ رہا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ خواب دیکھنے کی عادت صرف تمہیں ہی ہے وہ بھی انوکھے کہ اونچا نہیں کہا جاسکتا نہیں۔"

"کیوں اونچا نہیں کہا جاسکتا امین بھائی اگر میں سوچتی ہوں یا خوابوں میں دیکھتی ہوں کہ انسانوں کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہوگی ہے۔ لوگوں نے معمولی معمولی جھگڑوں پر اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بڑی بات کہ ہماری حکومت نے کرپشن چھوڑ دی ہے۔ تو اس میں انوکھا کیا ہے؟" امین بھائی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"اور یہ سب باتیں تمہیں انوکھی نہیں لگتی۔ واہ تقی النساء یہ ناممکنات ہیں۔ جن کے بارے میں سوچ سوچ کر تم اپنا دل جلاتی ہو اور رات کو خوابوں میں دیکھ کر اپنی نیند بھی خراب کرتی ہو اور بس۔ اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کی بھی خوب کہی۔ تقی اگر وہ ان کے پیارے ہوں تو کبھی ان پر ہاتھ اٹھانے کا بھی نہ سوچیں۔ قتل تو دور کی بات ہے لیکن ان کے اندر احساس نہیں ہوتا۔ اپنوں سے رشتوں سے محبت نہیں ہوتی اسی لیے وہ قتل بھی کردیتے ہیں اور مجھے نہیں لگتا کہ انہیں اپنے اس عمل پر پچھتاوا ہوتا ہوگا۔ ہاں...... حکومت پر غصہ ضرور آتا ہوگا کہ کیوں اس نے پھانسی کی سزا بحال کردی...... خود کو بے گناہ ثابت کرنا بھی پھر کیا مشکل ہوتا ہے۔ بس ایک تگڑا وکیل اور جھوٹے گواہ ہی پیدا کرنے ہوتے ہیں نا۔" تقی نے سر جھٹکا۔

"خیر آپ بتائیں آپ کیوں پوچھ رہے تھے خواب اور خوابوں کی اڑان خیر سے؟"

"ایسے ہی تقی جیسے جیسے چودہ اگست قریب آتی جارہی ہے میرا دل کررہا ہے کہ میں دس سال کا بچہ بن جاؤں اور ویسے ہی اپنے گھر اور اپنی گلی کو سبز ہلالی پرچم اور جھنڈیوں سے سجادوں۔ جیسے بچپن میں ہم سب دوست مل کر سجایا کرتے تھے اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ جو کچھ انسان سوچتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح ہلکی پھلکی ردوبدل کے ساتھ اس کے خوابوں میں اسے ضرور دکھائی دیتا ہے......"

"ارے واہ۔" تقی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"تو بس پھر پکی بات ہے امین تمہارے اوپر تقی کی صحبت کا اثر ہوگیا ہے۔ مجھے تو خیر بہت پہلے ہی اس نے قابو کر رکھا تھا اور نئی بات یہ کہ میں ابھی کل ہی رات قائداعظم کا خطاب سن کر آیا ہوں۔" ابا لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔ سب کی ہنسی نکل گئی۔

"اور لوگوں کے ساتھ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو کچھ بھی سوچیں وہ انہیں خوابوں میں نظر آئے جب کہ میری سوچیں تو روزانہ ہی خواب کی صورت میں مجسم ہوکر نظر آتی ہیں۔ خیر جیسے امین بھائی نے دیکھا کہ وہ اپنے بچپن میں پہنچے ہوئے ہیں اور چودہ اگست کو اسی روایتی انداز میں منا رہے ہیں جیسے پہلے مناتے تھے اب تو گلیوں محلوں میں اتنی بے رونقی ہوتی ہے جھنڈیاں تو دور کوئی اپنے گھر کی چھت پر ایک جھنڈا تک لگانے کا تردد نہیں کرتا یہ تو ہمارے علاقے کا حال ہے۔ اللہ جانے اب ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہو؟" تقی کا دل دکھی ہوا۔

"تو کیا جو گلی محلوں اور مکانوں کو سجا کر جھنڈوں اور

جھنڈیوں سے وطن کی محبت کا اظہار کیا جاتا تھا اب وہ بھی ختم ہوگیا؟'' سوچنے کی خبطی تقی کو ایک بات مل گئی تھی اور وہ اس پر ہر پہلو سے اچھی طرح سوچ لینا چاہتی تھی۔

''اور بھئی کیا سوچا جارہا ہے؟'' تقی کے ہاتھ سے اخبار پکڑتے ہوئے ابا نے کہا پوچھا۔ تقی چونکی پھر بولی۔

''سوچ رہی تھی کہ جو اخبار والے اسٹالز چودہ اگست کی تصاویر دے رہے ہیں اور لوگوں کو پرچم اور جھنڈیاں خریدتے ہوئے دکھا رہے ہیں یہ سچ ہے یا......؟ کیونکہ مجھے تو اپنے آس پاس ایسا کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔''

''ارے......اب تم سخت بدگمان ہورہی ہو۔ اپنے ہم وطنوں سے۔ چودہ اگست تو پرسوں ہے بیٹا چھت پر جاکر دیکھو تو لوگ ابھی سے جھنڈیاں لگا رہے ہیں۔'' اور تقی تصدیق کرنے کے لیے فوراً ہی چھت پر آگئی۔ ابا کی بات ٹھیک تھی ایک آدھ گھر تو جھنڈیوں سے سج بھی چکا تھا اور ساتھ والی آنٹی اپنے بیٹے کے ساتھ ابھی جھنڈیاں لگا رہی تھیں۔ تقی کو سچی خوشی ہوئی دیکھ کر۔

''السلام علیکم آنٹی۔'' ہاتھ ہلا کر سلام کرکے آنٹی کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''وعلیکم السلام کیسی ہو تقی......کہاں مصروف ہوتی ہو نظر ہی نہیں آتی؟''

''سوچنے کڑھنے اور ناممکن خواب دیکھنے میں۔'' مکمل طور پر تقی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''ادھر ہی ہوتی ہوں آنٹی ابھی ابا نے بتایا کہ بچے چھتوں پر چڑھے گھر سجا رہے ہیں تو دیکھنے چلی آئی سچ میں اپنا بچپن یاد آ گیا۔''

''ارے ہاں تقی......لیکن ہمارے دور میں رونق زیادہ ہوتی تھی شوق بھی زیادہ تھا۔ اب دیکھو میرے تین بچوں میں سے ابھی ایک کو ہی شوق چڑھا تو مجھے ساتھ لے آیا اور باقی کے دو بچے اپنا لیپ ٹاپ ہی نہیں چھوڑ رہے۔ پتہ نہیں یہ سر میں درد کردینے والی گیمز اتنے مزے سے کیسے کھیلتے اور دیکھتے ہیں وہ چار چار گھنٹے لگاتار......''

''اپنا اپنا شوق ہوتا ہے آنٹی۔'' آنٹی کچھ کہنے لگی تھیں کہ آنٹی کا بیٹا آ گیا۔

''ماما آئیں نا یہ جھنڈا اس ٹنکی کے ساتھ لگوادیں۔'' بچہ ہاتھ میں جھنڈا پکڑے ہوئے تھا۔

''جھنڈا نہیں بیٹا فلیگ کہتے ہیں۔'' آنٹی نے بیٹے کو ٹوکا اور تقی سے معذرت کرکے بچے کے ساتھ چلی گئیں۔ تقی بجھے دل سے نیچے چلی آئی۔ کس منہ سے شکوہ کررہی تھیں کہ باقی دو بچوں کو شوق نہیں ہے ارے جو ہماری پہچان ہے ہماری آن بان شان ہے۔ ہمارا سبز پرچم اپنی قومی زبان میں بچے کو اس کا نام تک تو لینے نہیں دے رہی تھیں پھر وطن سے محبت بھی ایسے ہی سکھائی ہوگی نا بچو......یہ پاکستان ہے یہ انتہائی گندا ملک ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ ہم ہی نے گندا کیا اور کرتے جارہے ہیں۔ صفائی ستھرائی کا معیار صحت کا شعبہ تعلیم کا شعبہ سب بے کار ہیں۔ بس بڑے ہوجاؤ تو یہاں سے بھاگنے کی کرنا۔

امریکا، لندن، آسٹریلیا کا ویزا لینے کی کوشش کرتا وہاں بہت ترقی ہے۔ چاہے اپنی عزت نفس مار کر وہاں انگریزوں کے ٹوائلٹ ہی دھونے پڑیں۔ اف......" سوچتی رہی کڑھتی رہی۔

ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ گلیوں گھروں اور مکانوں کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ انہیں آزادی کے استقبال کے لیے سجایا گیا ہے وہ اتنے پیارے انداز میں سجے ہوئے تھے کہ ہر زاویے سے نظر ڈالنے سے پاکستان کے سبز ہلالی پرچم اپنی پہچان پیارے پرچم کا گمان ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ یہ پاکستان ہے۔ ہمارا پاکستان قائد کا پاکستان لیکن یہاں اتنا سناٹا کیوں ہے۔ خوشی کے شادیانے کیوں نہیں بج رہے۔ پٹاخے چھوڑنے اور پھلجڑیاں چھوڑنے والے بچے کہاں گئے؟ اور یہ پاکستان کو اتنا صاف ستھرا کس نے کر دیا۔ گٹروں کے ڈھکن بند کیسے ہو گئے۔ نالیوں اور گٹروں سے ابلتا پانی اچانک کہاں غائب ہو کر گلی محلوں کو صاف ستھرا کر گیا؟ سوال ہی سوال حیرانگی ہی حیرانگی؟ اور اسی حیرانگی میں تقی لوگوں کی تلاش میں قدم آگے بڑھاتی گئی۔ مکانوں اور دکانوں میں جھانک کر دیکھتی رہی۔ کوئی انسان نظر نہ آیا۔ حیرانگی پریشانی میں ڈھلنے ہی والی تھی کہ سامنے گورنمنٹ اسکول کی عمارت نظر آئی۔ وہ سجاوٹ میں اور مکانوں اور دکانوں سے کم نہیں تھا لیکن ایک تبدیلی تھی کہ علاقے کی ساری عوام اس اسکول کے صحن میں سمائی تھی۔ یااللہ یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ایک طرف لگی کرسیوں پر تمام سرکاری اور پرائیویٹ درسگاہوں کے طلباء بیٹھے تھے دوسری طرف قطار میں لگی کرسیوں پر والدین اور فارغ التحصیل طلبا موجود تھے۔ سامنے اسٹیج پر پرنسپل اساتذہ اور کچھ مہمان خصوصی موجود تھے اور مہمانان خصوصی میں شامل تھے۔

"علاقے کے ناظم، کونسلر، تھانے کا ایس ایچ او، کارپوریشن عملے کا ہیڈ، لیکن یہ سب یہاں وہ بھی گورنمنٹ اسکول میں جہاں کبھی یہ تردد نہیں کیا گیا اور اب اتنا اہتمام..... تقی نے سوچا اور تجسس کے ہاتھوں مجبور وہیں بیٹھ گئی۔ پرنسپل اٹھیں اور طالب علموں کو مخاطب کیا۔

"ہمارے ہونہار طالب علموں آنے والے وقت میں ہماری پہچان ہمارے وطن کا مستقبل ہے۔ آپ کی بہترین پرورش بہترین تربیت اور آپ کے ذہنوں کی درست سمت رہنمائی ہمارا فرض ہے کیونکہ آپ صرف اپنے والدین کا نہیں بلکہ پورے پاکستان کا مستقبل ہیں تو صرف ایک بات آج کے سال کے لیے آنے والی چودہ اگست تک کے لیے جو بڑی ہی عام سی بات ہے لیکن ہم توجہ نہیں دیتے توجہ دینے لگیں تو بہت خاص اور بہت اچھی لگنے لگے گی۔ بات یہ ہے کہ ہم سب جانتے ہیں۔ صفائی نصف ایمان ہے۔ اگر آپ والدین کے، بہن بھائیوں کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کر رہے ہیں اپنی فرضی عبادات پابندی سے ادا کر رہے ہیں تو آپ کا ایمان آدھا ہے مکمل نہیں ہے، کیونکہ نصف ایمان صفائی ہے اور باقی سب ایمان کے درجے پورے کریں گے ایک صفائی کو چھوڑ دیں گے تو آدھی ریاضت حاصل ہو گی آج سے ہمیں کوشش کرنی ہے اپنا ایمان مکمل کرنے کی۔ معلوم ہے نا بچو..... پاکی کو دین اسلام میں بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اسی لیے کہ اس کے بغیر ایمان ادھورا ہے۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے خود کو صاف رکھنا، اپنے اردگرد کے ماحول کو صاف رکھنا یہ آپ کا پورے سال کا ہوم ورک ہے۔ کلاس ورک ہے اب یہ آپ کے ذمہ ہے کہ آپ کیسے ثابت کرتے ہیں کہ آپ میں نصف ایمان مکمل کرنے کی صلاحیت ہے کہ نہیں، سو یہ آپ کے لیے چیلنج ہے کیا آپ یہ چیلنج قبول کرتے ہیں؟" اور ایک عزم سے بھرپور "جی ہاں" سنائی دی۔

ناظم اور کونسلر کھڑے ہوئے اور زبانی کلامی وعدے کی بجائے انہوں نے افتتاح کیا تھا۔ تھانے کے ایس ایچ او نے بڑی عمر کے طبقے کی طرف رخ کیا انہیں ہر ممکن یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کی شکایات پر فوراً کارروائی کی جائے گی اور رشوت اور سفارشی عملے کو وہ آج ہی سے معطل کرنے کا کام کر رہے ہیں تاکہ ان کو دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا یہ گناہ

غزل

مجھے جو تم نے بھلایا' بہت شکریہ
پھر پلٹ کر نہ بلایا' بہت شکریہ

ہر گھڑی دل جلاتی ہیں مینا کی باتیں
تم نے ہی جلایا' بہت شکریہ

پہلے بخشی تم نے لبوں کو ہنسی
پھر مجھ کو رلایا' بہت شکریہ

میں جو روٹھا تھا رونقِ زندگی سے
زندگی سے ملایا' بہت شکریہ

جب مشکل سے سیکھا جینے کا ڈھنگ
پھر زہر جدائی پلایا' بہت شکریہ

شگفتہ خان...... بھوال

نہ کرسکے۔ کارپوریشن عملے کے ہیڈ نے دعویٰ کیا کہ نکاسی آب کی صورت حال اور گلی محلے اور سڑکوں پر اب انہیں کوڑے کرکٹ کی طرف سے کبھی شکایت نہیں ہوگی بس آپ سے بھی درخواست ہے کہ آپ سڑکوں پر کچرے کے ڈھیر لگانے کے بجائے وہاں موجود کوڑے کے ڈبوں میں ڈالیں اور آخر میں تمام شرکاء نے کھڑے ہوکر ہاتھ سے ہاتھ ملا کر ایک عزم سے کھڑے ہوکر خود سے عہد کیا۔ اپنے ہم وطنوں سے عہد کیا کہ وہ پاکستان کو پاک کریں گے ہر گندگی ہر ناپاکی سے۔ پاکستانی خود کو پاک کریں گے ہر جھوٹ ہر برائی ہر بغض سے اور اپنے تمام قومی دنوں پر وہ اکٹھے ہوں گے اپنے عہد کو دہرائیں گے اور اس پر کتنا عمل ہوسکا یہ بتائیں گے اور آہستہ آہستہ وہ اپنی ہر کمزوری پر قابو پاتے جائیں گے ہر کام حکومت نہیں کرسکتی۔ عوام کو اس کا ساتھ دینا اس کا بوجھ بانٹنا ہے اور پھر تقریب کا اختتام ہوا۔

فضا قومی ترانے سے گونج اٹھی تقریب ختم ہوئی وہ بھی اور لوگوں کے ساتھ باہر نکل آئی اس نے خود اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا کہ جو عہد لوگوں نے کیے تھے وہ اس پر عمل کرنے کی کوشش میں لگ گئے تھے۔ اف...... واقعی کیا ہم اتنے اچھے ہوگئے ہیں...... کیا واقعی ہم تبدیلی کے لیے سنجیدہ ہوگئے ہیں؟ یا پھر یہ صرف ایک خواب ہے۔ تقی نے اپنے گال پر چٹکی کاٹ کر چیک کرنا چاہا اور پٹ سے آنکھیں کھل گئیں۔ اے خدا...... وہ اپنے بستر پر تھی جو کچھ گناہ گار آنکھوں سے دیکھا وہ خواب ہی تھا۔ گناہ گار آنکھوں نے دیکھا تھا نا اسی لیے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پٹاخے پھوڑ کر خوشی منانے کی بجائے اس انداز سے آزادی کا دن گزاریں کہ ہماری اصلاح بھی ممکن ہوسکے کاش ایسا ہوجائے...... کاش ہم ایسا کرنے لگ جائیں۔

مارية پارس

سکینہ نے جلدی جلدی ٹب سے دھوئے ہوئے کپڑے نکال کر الگنی پر پھیلانا شروع کیے۔ شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ ابھی اسے کھانا بھی پکانا تھا۔ سفینہ کے ابا کے آنے کا وقت ہوگیا تھا۔ دن بھر سڑکوں کی خاک چھان کر گھر آتا تو آتے ہی کھانے کا تقاضا کرتا۔ تبھی سفینہ اس کے پاس چلی آئی۔

''اماں بات سن۔'' اس نے ٹب سے کپڑا اٹھا کر سکینہ کی طرف بڑھایا۔

''ہاں دھی رانی...... بول کیا بات ہے۔'' سکینہ نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لیتے الگنی پر پھیلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ تیرھویں سال میں لگ گئی تھی لیکن اپنے قد اور جسامت کی وجہ سے اپنی عمر سے کافی بڑی دکھائی دیتی تھی۔ اوپر سے اس کی گلابی رنگت' بڑی بڑی براؤن آنکھیں' عنابی بھرے بھرے ہونٹ اور دائیں بائیں شانوں سے نیچے تک آتی دو گولڈن براؤن بالوں کی چوٹیاں اسے کسی گڑیا سے مشابہت دیتے تھے۔ سکینہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی نظر اتاری۔

''اماں پرسوں اسکول میں فنکشن ہے۔ چودہ اگست کے حوالے سے تو......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

''تو......؟'' سکینہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میری کلاس کی ساری لڑکیوں نے سفید اور سبز رنگ کے کپڑے بنوانے ہیں فنکشن میں پہننے کے لیے' تو انہوں نے مجھے بھی ویسا سوٹ پہن کر آنے کو کہا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ وہ خود بھی جانتی تھی کہ اس کے ماں' باپ اتنی استعداد نہیں رکھتے لیکن پھر بھی دل میں ایک ہلکی سی امید تھی کہ شاید...... اس نے آس سے ماں کی طرف دیکھا۔ سکینہ کے کپڑے نچوڑتے ہاتھ کچھ پل کے لئے رک سے گئے۔ اس نے ایک نظر پھر سے سفینہ کے چہرے پر ڈالی جو حسرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کیا' کیا نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔ حسرت' آس' امید' التجا' سکینہ نے بے ساختہ نظریں چرالیں اور کپڑے کو نچوڑ کر الگنی پر پھیلایا۔

''تیرا ابا آئے گا تو اس سے بات کروں گی۔ ابھی تو جا' جا کر سبزی بنا۔'' سکینہ نے بظاہر اسے ٹالا اور رخ موڑ کر آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔ وہ جانتی تھی غربت کے اس دور میں اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی خواہش پوری کرنا ممکن کہاں۔ اس کا خاکروب باپ دن بھر تپتی' کڑکتی دھوپ میں ننگے سر اور پاؤں کی پروا کیے بغیر سڑکوں پر جھاڑو دیتا تھا۔ اس کی آمدن اتنی ہی تھی کہ دو وقت کی روٹی اور چند بنیادی ضروریات بمشکل ہی پوری ہوتیں۔ سفینہ ایک سمجھدار بچی تھی کم ہی کسی خواہش کا اظہار کرتی۔ اپنی بہت سی حسرتوں کو دل میں ہی دبا لیتی تھی' لیکن اس کی اساتذہ نے چودہ اگست سے پہلے تمام طالبات کو اسکول میں بلایا تو وہیں اس کی سہیلیوں اور ہم جماعتوں نے چودہ اگست کے حوالے سے نئے ڈریس بنوانے کا پروگرام بنایا اور اسے بھی ویسا ہی لباس پہن کر آنے کی تاکید کی۔ اب ساری کلاس سبز اور سفید لباس میں آتی اور وہ اسکول کے یونیفارم میں جاتی تو ساری اس پر کتنا ہنستی کتنا مذاق اڑاتے سب اور کیسی کیسی باتیں سننے کو ملتیں۔ اس لیے اس نے گھر آ کر ماں سے فرمائش کی جب کہ وہ جانتی تھی اتنی مہنگائی اور غربت میں نیا جوڑا لینا ناممکنات میں ہے لیکن پھر بھی شاید...... دل کے کسی کونے سے دبی تسلی ملتی کہ شاید ممکن ہوجائے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

''سفینہ کے ابا۔'' سکینہ نے اضطرابی سے ہاتھ ملتے

ہوئے ایک نظر اٹھا کر مشکور حسین کو دیکھا اور پھر سے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے اتنا پریشان کیوں لگ رہی ہے۔" مشکور حسین نے سکینہ کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے پوچھا اور حقے کا ایک گہرا کش لگا کر دھواں فضا میں چھوڑا۔

"وہ دھی رانی کے اسکول میں شو ہے۔ چودہ اگست والے دن اس کی ساری سہیلیاں نئے جوڑے پہن کر آئیں گی۔ اس لیے اس نے بھی نیا جوڑا لینے کی فرمائش کی ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا تو مشکور حسین ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"تو جانتی ہے بھلیے لوکے۔ جیب میں اک رپیہ (ایک روپیہ) نہیں ہے۔ نیا جوڑا کہاں سے لاؤں۔" اس نے دھیرے سے کہا کہ مبادا سفینہ سن نہ لے۔

"ہاں جانتی ہوں۔ پر دھی رانی نے بڑی آس سے مانگا ہے۔ بہت عرصے بعد اس نے اپنے منہ سے کسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اب تو کسی نہ کسی طرح بندوبست کردے نہیں تو دھی رانی کے ارمان بکھر جائیں گے۔" مشکور حسین کی نگاہ دروازے میں کھڑی سفینہ پر پڑی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔ شاید اس نے مشکور حسین کی بات سن لی تھی۔

"ارے میری دھی رانی۔ ادھر آ میرے پاس۔" مشکور حسین نے اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے محبت سے پکارا تو آنسو ٹپاٹپ اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"رو کیوں رہی ہے۔ جھلی نہ ہو تو۔ ابھی تیرا ابا جیوندا ہے (زندہ ہے) کل کہیں نہ کہیں سے لے آؤں گا تیرے لیے سوٹ۔ چل اب آنسو پونچھ اور ہنس کے دکھا۔" مشکور حسین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اور ابا ایک جھنڈا بھی۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کھلکھلا کر کہا تو مشکور حسین نے اس کا ماتھا چوما۔ اس کی ہنسی میں ہی ان دونوں کے لیے زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀
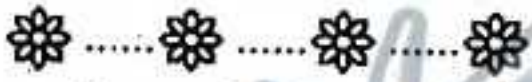
"دھی رانی بیٹھ جا آرام سے آجائے گا تیرا ابا ابھی کچھ دیر میں۔ اتاؤلی کیوں ہورہی ہے؟" سکینہ نے اسے دیکھ کر ہانک لگائی جو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے صحن میں چکر کاٹ رہی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دروازہ کھول کر باہر گلی میں جھانکتی' شاید ابا دور سے آتا نظر آجائے مگر بے سود۔

"اماں اس وقت تک تو ابا آجاتا ہے آج تو مغرب بھی ہوگئی۔ تب بھی نہیں آیا۔ پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" سفینہ نے فکرمندی سے کہا۔

"اللہ خیر کرے۔ آج پتا نہیں کیوں دیر ہوگئی۔ شاید کسی دوست کے پاس ہو۔ تو فکر نہ کر دھی رانی آجائے گا ابھی۔" سکینہ نے چارپائی کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے بظاہر اسے تسلی دی لیکن اندر سے دل لرز رہا تھا۔ "اللہ خیر کرے۔" اس نے دل ہی دل میں

ایک دفعہ پھر خیر مانگی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ سفینہ نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ مشکور حسین گرتا پڑتا جا کر چارپائی پر ڈھیر ہوگیا۔

''کیا ہوا ابا...... تیری سائیکل کہاں ہے؟'' اور یہ تیرے چہرے پر نشان کیسا ہے۔'' سفینہ نے مشکور حسین کو خاموش دیکھ کر سوال کیا تو سکینہ نے چونک کر مشکور حسین کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جو اکثر جگہوں سے نیلگوں تھا اور دانتوں سے خون بھی بہہ رہا تھا۔

''کیا بات ہے سفینہ کے ابا۔ بولتا کیوں نہیں۔ تو تو دھی رانی کے لیے سوٹ لینے گیا تھا پھر یہ کیا۔'' سفینہ دوڑ کر پانی لے آئی۔ پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے مشکور حسین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مجھے معاف کردے دھی رانی میں تیری خواہش پوری نہیں کرسکا۔''

''پر ابا ہوا کیا...... اور تیری سائیکل کہاں ہے کیا بیچ دی تو نے؟''

''ہاں دھی رانی بیچ دی تھی۔ اپنی دھی رانی کے ارمان پورے کرنے کے لیے۔'' پھر وہ آج دن کی روداد انہیں بتانے لگا۔

سارا دن کام کرنے کے بعد شام کو وہ سائیکلوں والی دکان پر گیا اور وہ سائیکل مناسب قیمت سے کہیں کم داموں میں بکی۔ وہ پیسے لے کر خوشی خوشی مارکیٹ کی طرف جارہا تھا تاکہ اپنی دھی رانی کے لیے خوشیاں خرید سکے۔ 'خوشیاں' صرف چند داموں کے عوض۔ ایک سوٹ اور جھنڈا کی صورت میں۔ جنہیں پاکر اس کی لاڈلی ایسے خوش ہوجاتی جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو اور اس کے چہرے پر آنے والی مسکراہٹ دیکھ کر اس کے سارے دکھ، تکلیفیں، تھکن کچھ پل کے لیے ختم ہوجاتی تھی۔ بس وہ انہیں خوشی سے بھرپور لمحات کے لیے بھاگا جارہا تھا لیکن کبھی کبھی قسمت میں ایسے لمحات رقم نہیں ہوتے۔ اس کے نصیب میں بھی نہیں تھے تو کیسے پاتا؟ تبھی ایک بائیک زن سے اس کے قریب آ کر رکی۔ دو نقاب پوش سواروں میں سے ایک نے اس کی کنپٹی پر پستول رکھی، دوسرے نے اس سے رقم ہتھیائی اور دو چار لاتوں، گھونسوں کی بارش کر کے غائب ہوگئے اور وہ کتنی ہی دیر سڑک پر بے یارومددگار پڑا آنسو بہاتا رہا۔

''کوئی بات نہیں ابا۔ خدا کا شکر ہے تیری جان بچ گئی۔ ہمیں تیرے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔ کچھ نہیں۔'' سفینہ مشکور حسین کے گلے میں بازو ڈال کر روتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس کے آنسو باپ کے سینے میں جذب ہورہے تھے، باپ کے آنسو بیٹی کے بالوں میں اور سکینہ کے آنسو اس کے دوپٹے کے پلو میں۔ اس گھر کے تینوں افراد رو رہے تھے اور دل ہی دل میں فریاد کررہے تھے جبکہ آس پاس کے گھروں میں لوگ جشن منا رہے تھے۔ گھروں کو سجا رہے تھے۔ کل یوم آزادی یعنی چودہ اگست تھا۔ خوب جشن منایا گیا۔ جس کے آثار آج بھی نظر آرہے تھے۔ سڑک پر جابجا جھنڈیاں بکھری پڑی تھیں ایک شخص ان جھنڈیوں کو اکٹھا کر کے اپنی جھولی میں بھرنے لگا۔ پھر اس نے جھنڈیوں کے اس ڈھیر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

''میری دھی رانی...... میری دھی رانی۔'' وہ جھنڈیوں کو کبھی آنکھوں سے لگاتا۔ کبھی ہونٹوں سے کبھی دیوانہ وار اپنے سینے میں بھینچنے کی کوشش کرتا۔

''میری دھی رانی...... میری دھی رانی۔'' پاس سے گزرنے والوں نے یہ منظر حیرت سے دیکھا۔ پھر یہ سوچ کر کہ شاید کوئی پاگل ہے آگے بڑھ گئے۔

''نہیں......'' یہ کوئی پاگل نہیں تھا۔ یہ ایک باپ تھا۔ یہ مشکور حسین تھا۔ جس کی دھی رانی کو کل یوم آزادی کا جشن مناتے، شراب کے نشے میں دھت، میوزک میں مست چند منچلوں نے فاسٹ ڈرائیونگ کرتے ہوئے گاڑی کے نیچے کچل ڈالا تھا۔ آزادی کی شمع پر ایک اور پروانہ قربان ہوگیا تھا۔ سفینہ کی خون میں لت پت نعش دیکھ کر سکینہ کومے میں چلی گئی اور مشکور حسین اپنے حواس

رقیہ اصغر

پیارے آنچل وحجاب اسٹاف رائٹرز اور ریڈرز کو محبت و پیار بھرا اسلام قبول ہو۔آپ سب ٹھیک تو ہیں نا؟ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ سدرہ جی میں نے انٹری کیا دی آپ کا منہ کھل گیا مہربانی سے منہ بند کرو مجھے اپنا تعارف کروانے دو۔ تو جی میرا نام رقیہ اصغر ہے پیار سے گھر والے بلی کہتے ہیں۔ میرا تعلق لیلیٰ شہر سے ہے ہماری کاسٹ مغل ہے۔ 18 مارچ 2000ء کو اس دنیا میں تشریف لائی اور اپنے خاندان کو خوش کردیا کیونکہ میرے چار بھائی ہیں اور میں اکیلی بہن ہوں۔ ابھی میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہوئی ہوں میں نے 2013ء سے آنچل پڑھنا شروع کیا ہے جو کہ اب تک پڑھتی ہوں۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف خوبی ہر ایک سے مخلص جلد اعتبار کرلینا صفائی پسند اور پانچ وقت کی نماز ادا کرتی ہوں۔ خامی غصہ جلدی کرنا اور رو کر تار دینا بولتی بہت ہوں اور لڑائی کے لیے ہر وقت تیار رہنا۔ میرے فیورٹ کلر ریڈ بلیو اور بلیک ہیں۔ ڈریسنگ میں فراک اور چوڑی دار پاجامہ جیولری میں چوڑیاں اور ائر رنگز ہیں۔ کھانے میں ہر چیز کھاتی ہوں سوائے بھنڈی اور اروی کے۔ میرے آئیڈیل میرے بڑے بھائی ہیں اپنی امی سے اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتی ہوں۔ سب کی ناراضگی برداشت کرسکتی ہوں سوائے امی اور بھائی کے۔ گلاب کے پھول بہت اچھے لگتے ہیں میرا خواب اپنے چار بھائیوں میں سے ایک کو پاک آرمی میں دیکھنا چاہتی ہوں اپنے ملک سے بہت پیار کرتی ہوں۔ اپنے مخلص دوستوں کے لیے جان بھی قربان کرسکتی ہوں۔ پسندیدہ شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور میری ماں ہیں۔ پسندیدہ سنگرز راحت فتح علی خان ہیں وصی شاہ کی شاعری بہت پسند کرتی ہوں۔ دوستی کرنا اچھا لگتا ہے آج تک جتنی دوستیں بنائی ہیں سب چھوڑ گئی ہیں سوائے ایک دو کے۔ اگر کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم۔ اب اجازت چاہتی ہوں ایک اچھی بات کے ساتھ دوست وہ بناؤ جو تنہائی میں تمہیں تمہارے عیب بتائے اور محفل میں تمہاری تعریف کرے اور ہر مشکل میں ساتھ دے میری دعا ہے کہ آنچل ہمیشہ ترقی کی منزل حاصل کرے آمین سب کو سلام اللہ حافظ۔

کھو بیٹھا۔ یہ ایک غریب آدمی تھا۔ جو اپنی دھی رانی کی آخری خواہش بھی پوری نہ کرسکا۔ وہ تو اسکول گئی تھی غمزدہ سی رنجیدہ رنجیدہ لیکن واپس آنے کی بجائے اگلے جہان چلی گئی۔ کبھی نہ واپس آنے کے لیے۔ اس کے آنگن کا اکلوتا پھول مرجھا گیا۔ جس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ پھر کیسے اس کے مرجانے پر اپنے حواس نہ کھوتا...... کیسے؟ کیوں نہ دیوانہ ہوتا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ اس کی ہر ہر سسکی ہر ہر آہ اپنے ہم وطنوں سے چیخ چیخ کر پوچھ رہی تھی کہ بتاؤ۔

''کیا ایسے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اقبال نے؟ جہاں غریب سسک سسک کر روتا رہے اور امیر جشن مناتا رہے۔ کیا ایسے ہی پاکستان کی بنیاد رکھی تھی محمد علی جناح نے؟ جہاں جوئے شراب شباب کا بازار گرم ہو۔ جہاں چوری چکاری دھوکے بازی ڈاکہ زنی لوٹ مار عام ہو؟ جہاں انسان پر پیسے کو ترجیح دی جائے۔ جہاں ظاہری صورت اور دکھاوے کو معتبر جانا جائے۔ جہاں عزت سے زیادہ دولت کو اہم جانا جائے۔ بتاؤ مجھے۔ بتاؤ...... کیا ایسے ہی پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے ہزاروں جانیں قربان کی گئی تھیں؟ جہاں روز سینکڑوں انسانوں کو بے دردی سے قتل کردیا جاتا ہو۔ جہاں بھائی بھائی کی جان لیتا ہو۔ جہاں کا امیر لگژری بیڈ روم میں ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈک میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہو اور غریب بنا چھت کے کھلے آسمان کے نیچے تپتی دہکتی انگاروں جیسی زمین پر ننگے سر ننگے پاؤں بیٹھا...... سسکتا ہوا کسی معجزے کا انتظار کررہا ہو؟ بتاؤ جواب دو؟''

دادی اور میں

حمیرا نوشین

ہاتھی اور گھوڑوں پر بارات آئی تھی۔ تمہارے دادا نے سفید شیروانی اور حیدرآبادی پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا' چہرے پر سونے کی تاروں کا سہرا ڈالے ہاتھی پر سوار جب حویلی کے داخلی دروازے پر پہنچے تو سب ان کی وجاہت پر عش عش کر اٹھے تھے۔"

"کیا...... غش کھا کے گر پڑے تھے۔" میرے بیچ میں مداخلت کرنے پر دادی نے مجھے خشمگیں نگاہوں سے گھورا تو میں بھی ناک سکوڑ کر دوبارہ رسالے میں مگن ہوگئی مگر میرے کان دادی کی ارینج میرج بقول میرے "اسٹرینج میرج" کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔ جو اللہ جھوٹ نہ بلوائے کوئی سینکڑوں مرتبہ کے سنائے ہوئے قصہ عروس کو بلاکم وکاست اسی ذوق وشوق سے بیان کررہی تھیں جیسے آج ہی دادا ہاتھی پر سوار ان کو بیاہنے چلے آرہے ہوں۔ دادا کے ذکر پر چہرہ ایسے گلنار ہوجاتا کہ جیسے لال قندھاری انار جواب کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

"بارات کا شایان شان استقبال کیا گیا باراتیوں پر چاندی کے پھول برسائے گئے ایک ایک کے ہاتھ پندرہ میں پھول سے کم نہیں لگے ہوں گے۔"

"توبہ مبالغہ آرائی تو دادی پر ختم ہے۔" میں صرف سوچ کر رہ گئی اظہار کرنے پر جوتے کھانے پڑتے۔

"ہفتے دس دن سے پہلے بارات واپس نہیں جانے دیتے تھے۔ دیسی گھی کے کھانوں سے تواضع کی جاتی۔ اصلی گھی کھانوں میں ایسے تیر رہا ہوتا کہ انگلیاں ڈوب جائیں۔"

"ہاں جبھی آج ہم دیسی گھی کی خوشبو کو بھی ترس گئے۔ سارا ہضم کرگئے ہمارے لیے کچھ نہ چھوڑا۔" زبان میں ایک بار پھر کھجلی ہوئی مگر دادی نے توجہ نہ دی۔

"کئی اقسام کا ناشتہ ابا شریف کے ہاں ہوتا تو دوپہر کا پرتکلف کھانا چاچا کلو کے گھر۔ رات کو بوا جنت کے ہاں پلاؤ اور متنجن کا انتظام ہوتا۔ ابا مرحوم مشکل میں پڑ جاتے کہ کس کی دعوت قبول کریں اور کس کو منع۔ جس کی نہ مانو وہی منہ بسور کر بیٹھ جائے پورے دس دن میں فارغ کیا تمہارے دادا کے گھر والوں کو۔"

"بیچارے دادا مرحوم...... کتنا وقت دیا تھا سوچنے کو مگر پھر بھی پھنس گئے۔" زبان پھر پھسل گئی۔

"لیکن دادی واپسی پر تو ہاتھی گھوڑوں کا کباڑا ہوجاتا ہوگا دیسی گھی کے کھانے کھا کھا کر باراتی تو دو دو من کے ہوجاتے ہوں گے۔" عالیہ نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے اور میری ہنسی نکل گئی۔

"واہ میری پیاری بہنا میرے منہ کی بات چھین لی۔"

"ارے نہیں میری چندا خالص گھی موٹا تھوڑی کرتا ہے بدن میں چستی اور طاقت پیدا کرتا ہے اور ساتھ آئے جانوروں کی خوراک کا بھی پورا خیال رکھا جاتا تھا۔" دادی کے جواب سے عالیہ قدرے مطمئن ہوئی۔

"اچھا پھر واپسی کیسے ہوئی۔" اس کا اشتیاق ہمیشہ کی طرح دیدنی تھا۔

"واپسی پر سسرالی رشتہ داروں کو دوشالے دیئے گئے دو دو کلو چاندی نکلی ہوگی آخر کو نوابی خاندان تھا۔ مرحومہ ساس کو چھ جڑاؤ کنگن پہنائے۔ تمہارے دادا کی بہن کو سچے موتیوں کی مالا ڈالی۔ خود مجھے ابا نے اتنا زیور چڑھایا کہ اپنا وجود سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔"

"چہ...... چہ...... چہ...... چہ اے میرے رب میرے گناہوں کو بخش دے۔" میں باآواز بلند پکاری میرے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوچکا تھا۔

"میری پیاری دادی اگر آپ کی نوابی طبع پر گراں نہ گزرے تو میرے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں گی۔" دادی نے میری طرف استفہامی نگاہوں سے دیکھا۔

"نوابی خاندان سونے چاندی میں کھیلنے والے اس تنگ و تاریک گلی میں آکر کیوں آباد ہوگئے۔ وہ سارا دھن کہاں چلا گیا جب وہاں اتنا کچھ تھا تو دو چار مکان اور زمینیں کیوں نہیں اپنے نام الاٹ کروالیں۔"

"اری نادان وہاں سے جان بچا کر نکل آئے۔ یہی غنیمت تھا ہر کسی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ کیسا روپیہ

کون سازیور۔ تن کے کپڑے پہنے ہوئے رات کے اندھیرے میں اچانک گھر سے نکلنا پڑا۔ اس تنگ و تاریک گلی میں آ کر اس لیے آباد ہوئے کہ خوف و ہراس نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کھلی جگہوں پر بڑے بڑے گھروں سے خوف آتا تھا کہ کہیں کوئی آ کر حملہ نہ کردے۔ ساتھ ساتھ جڑے گھروں سے کچھ تحفظ کا احساس ہوتا تھا اور تمہارے سادہ طبیعت دادا تو یہی سوچتے رہے کہ جونہی حالات بہتر ہوں گے واپس اپنے گھر کو چل دیں گے۔ پھر کیا ضرورت ہے مکان اور زمینیں اپنے نام کروانے کی۔ اللہ کا دیا ہمارے پاس تو بہت کچھ ہے بس اسی سوچ میں مارے گئے۔'' دادی نے میرے سوال کا بڑا تفصیلی جواب دیا مگر میری تسلی پھر بھی نہ ہوئی۔

''کسی ایسی جگہ تو ٹھکانہ بناتے کہ بندہ کسی کو اپنے گھر کا پتہ تو آسانی سے بتا سکتا۔ آپ کو کیا پتا کیسی سبکی ہوتی ہے جو کوئی غلطی سے میری اسکول کی سہیلی اس گلی سے ہو کر ہمارے گھر میں آتی ہے۔ میں نے تو شرمندگی سے اپنی سہیلیوں سے رابطہ ہی ختم کردیا ہے۔''

''اے کیسی شرمندگی ایک گلی ہی تو تنگ ہے۔ یہ بڑا دالان بارہ چوکور کمرے باورچی خانہ غسل خانہ کس چیز کی کمی ہے اس گھر میں۔'' دادی فوراً برا مان گئیں۔

''زندگی ان بارہ کمروں سے بہت آگے چلی گئی ہے۔ میری بھولی دادی آپ کی اس پوتی کے بالوں میں چاندی جھلکنے لگی ہے مگر کوئی پڑھا لکھا بانکا سجیلا ان تاریک گلیوں میں نالیوں سے ابلتے پانی میں اپنے قدم اٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ابا کے نوابی خاندان کے پس منظر کے بارے میں کسی کو دلچسپی نہیں ہے اگر بتاؤ تو لوگ کیسی ہنسی اڑائیں گے۔ آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں اگر انہیں کوئی جانتا ہے تو عبدالجبار کریانہ والے کے نام سے۔ جس کی محدود آمدنی سے گزر بسر کھینچ تان کر ہورہا ہے۔ دال روٹی پوری کرتے کرتے بیٹیوں کو دس دس جماعتیں پڑھا کر اچھے رشتوں کے انتظار میں اپنی نیندیں گنوا رہا ہے۔ بیٹیوں کے جہیز کی لسٹ پوری کرنے کے لیے اپنے بیٹوں کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر دکانوں پر سیلز مین کی نوکری پر لگا دیا۔ ایسے میں جب آپ اپنے نوابی خاندان کے قصے سناتی ہیں تو انجانے میں ہمارے زخموں پر نمک پاشی کررہی ہوتی ہیں۔'' میں بولتے بولتے ہانپ گئی اور میری آواز رندھ گئی تو دادی میرے قریب چلی آئیں اور سر اپنے سینے سے لگالیا۔

''نہیں میری بچی ایسے ناامید مت ہو اللہ نے چاہا تو...... تو بھی عیش کرے گی۔ دیکھنا بہت اچھا رشتہ ڈھونڈوں گی اپنی لاڈو کے لیے۔''

''نہیں دادی اچھے رشتے کا خیال اپنے معصوم دل سے نکال دیں۔ لوگ ماضی نہیں کھنگالتے حال سامنے رکھتے ہیں اچھے اخلاق و آداب نیک اطوار اور عمدہ اخلاق پر روپے پیسے نے سبقت لے لی ہے مجھے نکڑ والے چاچا اقبال کے بیٹے زاہد سبزی والے کا رشتہ قبول ہے۔ جب میں نے ہار مان لی ہے تو آپ بھی میری قسمت سے سمجھوتا کرلیں۔'' میں نے دادی کے گلے لگ کر روتے ہوئے اپنے نصیب کا فیصلہ سنا دیا۔

دادی نے بھی میرے بالوں کی بڑھتی سفیدی دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور منہ پر دوپٹہ رکھ کر زاروقطار رو دیں۔

لوٹ کر نہیں آؤں گا

زارا رضوان

میں اپنی دھن میں چلتی جارہی تھی کہ کہیں سے رونے کی آواز سنائی دی میں نے سہم کر ادھر ادھر دیکھا۔ ایک درخت کے نیچے کوئی ہیولا سا دکھائی دیا میں خوفزدہ ہو کر جانے کو تھی لیکن اس کی ہچکیوں نے جیسے میرے پاؤں جکڑ لیے اور میں نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''آپ کون ہیں؟''

''بدقسمت!'' اس نے میری طرف دیکھ کر جواب دیا۔

میں نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر غور سے دیکھا تو پتہ چلا وہ انہتر سالہ ایک بوڑھا تھا چہرے کے خدوخال سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کبھی بہت وجیہہ اور خوب صورت رہا ہوگا لیکن اب جیسے وقت کی آندھی سب بہالے گئی ہو۔ میں نے اس کے چہرے پر شکست' خوف اور ناامیدی کے آثار دیکھے۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ سوال کیا۔

''بدقسمت کیا مطلب؟ کیا آپ کا خدانخواستہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے؟''

''ہیں سب ہیں میرے لیکن ایک ایک کرکے سب مجھے چھوڑ کر جارہے ہیں۔ میرا اثاثہ ختم ہورہا ہے۔ میں تباہ ہورہا ہوں۔''

''کیوں جارہے ہیں چھوڑ کر کیا ان کو آپ کا احساس نہیں ہے؟'' بوڑھے نے ایک سرد آہ بھری اور بولا۔

''آہ' احساس ان کو نہیں ہے جو ان کو مجھ سے چھین رہے ہیں مجھے تباہ کررہے ہیں۔ میں پل پل مرتا ہوں' سسکتا ہوں' لیکن کوئی میری فریاد نہیں سنتا' کوئی میرے' میرے بچوں کی فریاد نہیں سنتا۔''

''کون نہیں سنتا اور کون ہے جو آپ کا اثاثہ چھین کر آپ کو تباہ کررہا ہے؟ یہ انسانیت کے خلاف ہے آپ کو احتجاج کرنا چاہیے' اپنے حق کے لیے۔'' میں ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''میں کیسے لڑوں اپنوں سے؟ انسان سب سے لڑسکتا ہے مگر اپنوں سے نہیں۔ میں کیسے اپنوں سے لڑسکتا ہوں' کیسے آخر کیسے؟'' ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی کوئی بہت قیمتی چیز کھوگئی ہو۔

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھاگئی لیکن اس کے رونے کی آواز سکوت توڑ رہی تھی۔

''میں نے بہت سی جنگیں دیکھی ہیں جو انسانیت کے لیے' مذہب کے لیے' تہذیب و کلچر اور اسلام کے تحفظ کے لیے لڑیں گئیں لیکن اب بے مقصد چھوٹی چھوٹی جنگیں ہو رہی ہیں' جھگڑا فساد ہورہا ہے جس میں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ماردیتا ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا ہر طرف خوف و ہراس ہے' بے چینی و انتشار ہے۔ میں سب دیکھتا ہوں سب کچھ مگر کچھ کر نہیں سکتا' مجھے میرا وجود دھواں دھواں نظر آتا ہے لگتا ہے میں ایک دن ہوا میں تحلیل ہوجاؤں گا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یوں لگتا ہے میں دن بدن ختم ہورہا ہوں' ختم ہورہا ہوں' میں ختم ہورہا ہوں۔'' اس کے رونے میں شدت آگئی۔

بوڑھے نے دوبارہ سر گھٹنے میں دے دیا اور اس کی آہیں بلند ہوگئیں اور رونے میں مزید شدت آگئی۔ مجھے ان سے ہمدردی محسوس ہونے لگی لیکن تسلی کے لیے الفاظ کم پڑرہے تھے پر جتنے تھے وہ ان کی تشفی کے لیے ناکافی لگ رہے تھے۔ مجھے ان کی باتیں بہت دلچسپ لگیں اور میں ان کے بارے میں مزید جاننے کے لیے ان کے چپ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا ان کو کیسے تسلی دوں ابھی اسی کشش و پنج میں تھی کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کپڑے جھاڑے اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ میں ایک دم بوکھلاگئی اور پوچھا۔

''کہاں جارہے ہیں؟''

''کہاں جاسکتا ہوں؟''

''آپ کا نام کیا ہے' آپ کہاں رہتے ہیں اور کچھ بتائیں تو؟'' میں بولتی رہی سوال کرتی رہی اور وہ میری بات ان سنی کرکے چلتا رہا خود سے بڑبڑارہا تھا مگر اس کی بڑبڑاہٹ میری سمجھ سے باہر تھی۔ میرا دل کیا میں اس اداس و مایوس انسان سے دوبارہ ملوں جی کڑا کرکے ایک اور سوال کیا شاید اب کی بار وہ سن لیں۔

''بابا آپ کا نام کیا ہے؟ اور آپ یہاں دوبارہ کب آئیں گے؟ میں' میں آپ کی کچھ مدد کروں کیا؟'' وہ ایک دم پلٹا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے گویا ہوا۔

''مجھے سنبھال لو میرے بچو مجھے پکڑلو ابھی وقت ہے ایسا نہ ہو کہ دیر ہوجائے اور وقت کا تیز بہاؤ سب بہالے جائے۔ مت اپنوں کا خون بہاؤ' مت کھیلو خون کی ہولی' مت اپنے ہاتھوں مجھے تباہ و برباد کرو' مت اپنے ہاتھوں اپنا گھر اجاڑو۔ مجھ پر رحم کھاؤ' مجھ پر رحم کھاؤ' میرے شہیدوں کی قربانیاں رائیگاں مت جانے دو۔''

''میں آپ کی مدد کروں گی مگر کیسے' میں خود کچھ نہیں کرسکتی سب کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔ میں کل اپنے دوستوں کو بھی لے کرآؤں گی پھر ہم سب مل کرآپ کی مدد کریں گے۔ بس اتنا بتادیں کہ آپ کون ہیں اور یہاں کب آئیں گے؟''

''میں کون ہوں؟ اب تو مجھے بھی سب سے یہی پوچھنا ہے کہ میں کون ہوں؟ جیسے گزرا وقت کبھی واپس نہیں آتا' بندوق سے نکلی گولی واپس نہیں آتی' زبان سے نکلی بات خواہ اچھی ہو یا بری پر ہم واپس نہیں لے سکتے اسی طرح جانے والے کبھی واپس نہیں آتے۔ میرے اپنے میرے اپنوں کو ختم کررہے ہیں اگر آج مجھے نہ سنبھالا گیا تو میں بھی نہیں آؤں گا' کبھی نہیں بلکہ بدقسمتی اور غلامی کے دن آئیں گے۔'' میرا ان کو جاننے کا اصرار بڑھتا جارہا تھا اور ان کی باتیں مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہی تھیں لیکن وہ سب سے غافل چلتا جارہا تھا' پل پل مجھ سے دور ہورہا تھا۔ میری بے چینی کو جانتے ہوئے اس نے مڑکر مجھے غور سے دیکھا اور اداس لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

''میں پاکستان ہوں۔'' اتنا کہا اور آگے بڑھ گیا چار قدم چل کر پھر پیچھے مڑا۔

''سنو! اگر آج میں یہاں سے چلا گیا تو پھر کبھی واپس نہ آؤں گا کبھی نہیں۔'' اتنا کہہ کر پلک جھپکتے سب غائب ہوگیا اور میں کھڑی سوچتی رہ گئی کہ اگر خدانخواستہ سچ مچ ایسا ہوگیا تو...... آپ بھی سوچیے......

میٹھے موسم

صوفیہ سرور چشتی

ناشتے کی میز پر گھر کے پانچ افراد میں سے تین لوگ موجود تھے۔ گھر کے مطلق العنان قسم کے سربراہ آفتاب ہاشمی ان کی اہلیہ سونیا ہاشمی اور ان کا سب سے چھوٹا بیٹا معصم آفتاب۔ گھر کے سبھی افراد اپنے ناموں کے ساتھ ہاشمی استعمال کرتے تھے اور وہ ''آفتاب'' اور یہ اصولوں سے انحراف کی سب سے چھوٹی مثال تھی۔ یہ چند بے ضرر سے اصول تھے جو آفتاب ہاشمی کے وضع کردہ تھے اور جوان کے دونوں بڑے بیٹوں رضا ہاشمی اور ان سے چھوٹے اذان ہاشمی نے ہمیشہ فالو کیے تھے۔ ان کے کہنے پر رضا نے آئی بی اے سے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کی ڈگری لی اور اذان نے سی اے کیا تھا اب دونوں آفتاب ہاشمی کی لیدر فرم چلا رہے تھے دوسری طرف معصم ہمیشہ سے تکلیف دہ رہا تھا آفتاب ہاشمی اکثر کہا کرتے تھے۔

''بیٹے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم میں وہ جو ترقی وکامیابی میں باپ سے بھی آگے نکل جاتے ہیں ان کو سپوت کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو باپ کے برابر ہی رہتے ہیں وہ پوت اور جو کارکردگی میں باپ سے پیچھے رہ جائیں وہ کپوت کہلاتے ہیں۔''

اور اگر آفتاب ہاشمی کا بس چلتا تو وہ معصم ہاشمی یعنی معصم آفتاب کو اس سے بھی نچلی کیٹگری میں ڈالتے۔ ان کا موڈ رات سے ہی خراب تھا جب ایک مرتبہ پھر اس کے کاروبار میں شمولیت اختیار نہ کرنے پر بحث ہوئی تھی وہ ہمیشہ کی طرح اڑا رہا تھا اور یہی بات انہیں کھٹکتی تھی کہ رضا اور اذان ان سے اختلاف رکھنے کے باوجود بھی چپ سادھ لیا کرتے تھے مگر معصم وہ اپنی بات سمجھانے کے لیے منطقیں اور دلیلیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے لایا کرتا تھا۔

ابھی ناشتے کی میز پر روز کے برعکس جامد خاموشی چھائی تھی جو بٹر نائف کے اٹھانے رکھنے یا چائے کے کپ کو پیالی پرچ میں رکھنے سے ٹوٹتی تھی رات کی باتوں کا اثر اب تک باقی تھا۔ بات بحث تک بھی پہنچتی ہی نہ تھی وہ سرکش تھا بدتمیز نہیں۔ اس نے صرف یہ کہا تھا کہ وہ جو کررہا ہے وہی کرنا چاہتا ہے باپ کا بزنس جوائن کرنے میں اسے قطعی دلچسپی نہیں۔

''تمہیں پتہ ہے معصم جب میرے احباب میں کوئی رضا اور اذان کے بارے میں پوچھتے ہوئے تمہارے متعلق استفسار کرتا ہے تو میں شرمندہ ہوجاتا ہوں کہ کیا کہوں میرا بیٹا ماشاء اللہ سے پروفیشنل شیف ہے۔'' انہوں نے غصے سے کہا تو وہ بلبلا اٹھا۔

''لیکن میں شیف نہیں بیکری اونر ہوں۔'' وہ منمنایا۔

''ہاں اور جو اس وقت شدید قسم کے گھاٹے میں جارہی ہے۔'' انہوں نے بے حد طنزیہ انداز میں کہا اور معصم خاموش ہوکر رہ گیا۔ اس کی پیاری بیکری ونیلا ڈیلائٹس واقعی خسارے میں جارہی تھی۔ آج بھی اسے یاد تھا کہ اسے شروع کرتے وقت اسے کتنا بڑا اسٹینڈ لینا پڑا تھا اس کے اور آفتاب ہاشمی کے درمیان تعلقات بیکری کی جگہ کی خریداری سے لے کر تعمیر اور پھر افتتاح تک دونوں کی بول چال بند رہی تھی لیکن اس کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں جتنی کامیابی اس کے اس چھوٹے سے کاروبار نے کی تھی اس نے بہرحال اتنا ضرور کردیا تھا کہ آفتاب ہاشمی کی خود ساختہ ناراضگی اور خاموش جنگ کسی حد تک سرد پڑ گئی تھی مگر وہ بھی بیکری کو اس کی غلطی قرار دیتے تھے۔

ونیلا ڈیلائٹس ایک اچھی لوکیشن اور کشادہ جگہ پر بنی ایک اچھے انفرااسٹرکچر والی اسٹائلش بیکری تھی لوگ اس کی چمک دمک سے متاثر ہوتے تیزی سے لپکے تھے۔ ابتداء میں ملنے والا فیڈ بیک بھی ٹھیک ٹھاک تھا مگر اب وہ بس چل رہی تھی۔ وجہ ان کا بے حد قیمتی پیسٹری شیف تھا جو

اب ایک اور بیکری جوائن کرچکا تھا جس کی پیسٹریاں، کیکس، کریم رولز، کپ کیکس اور دیگر میٹھے بے حد مقبول تھے زیادہ لوگ صرف ان چیزوں کے لیے ہی آتے تھے۔

معصم نے اس شیف کو زیادہ معاوضے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن وہ اس جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا درمیانی عرصے میں چند اختلافات کی بنا پر وہ ونیلا ڈیلائٹس میں آیا تھا مگر اسے اپنی پرانی جگہ سے زیادہ لگاؤ تھا۔ اس کے بعد سے دو مزید پیسٹری شیف آئے لیکن وہ چند گھسی پٹی چیزیں بنا سکتے تھے جو ذائقے میں بے حد عام اور دیکھنے کے حوالے سے بہت ہی غیر پرکشش ہوتے تھے۔ اسے کوئی ایسا بیکر چاہیے تھا جو بیکری کو نئے سرے سے تقویت دے۔

رات اسے چھ ماہ کا وقت ملا تھا۔ اس عرصے کے اندر وہ بیکری کی حالت کو سنبھال سکتا تھا تو سنبھال لے تو ٹھیک وگرنہ اسے وہی کرنا تھا جو آفتاب ہاشمی کہتے اور جو وہ چاہتے تھے معصم کے لیے ناقابل قبول تھا۔ اس کے لیے ونیلا ڈیلائٹس اس کی زندگی، جنون اور اس کی توجہ کا محور بھی تھی۔

چائے کا آخری گھونٹ ختم ہوتے ہی وہ کرسی پیچھے کی طرف گھسیٹ کر اٹھا اور پاؤں پٹختے والے انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ شکنوں سے بھری مسلی ٹی شرٹ اتار کر اس نے الماری سے ایک صاف ستھری سفید ٹی شرٹ نکال کر پہنی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر سرسری سا جائزہ لیا۔ خفا خفا سی آنکھیں تراشیدہ نقوش کا حامل اجنبی سا چہرہ خود کو گھورتا ہوا محسوس ہوا۔

آفتاب ہاشمی کی تلخ اور سخت گفتگو کا اثر ابھی تک زائل نہ ہوا تھا اس نے سر جھٹکا۔ سیاہی مائل سرمئی گاگلز اٹھائے چابی پکڑی اور باہر آ گیا۔

''معصم......'' باہر نکلتے ہوئے اسے سونیا ہاشمی کی آواز سنائی دی تو اس کے قدم تھم گئے۔

''کہاں جارہے ہو؟'' جواب معلوم ہونے کے باوجود وہ قدرے اضطرابی انداز میں بولیں اپنے تینوں بیٹوں میں سے انہیں یہ سرکش سب سے زیادہ پیارا تھا۔

''کہاں جاسکتا ہوں مما؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں کہتے ہوئے مڑا۔

''سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا بیٹا۔'' کہتے ہوئے انہوں نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر پھونکا تو وہ مسکرادیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔

''ہنسو مت نظر لگ جاتی ہے اس لیے پھونکتی ہوں۔'' کچھ معاملوں میں تو وہ روایتی ماؤں کا سا برتاؤ کرنے لگتی تھیں۔

''اس کل کی پہنی سیاہ جینز میں اور پلین سفید شرٹ میں کیا نظر لگے گی مجھے۔''

''تم نہیں سمجھوگے۔'' وہ بولیں۔

معصم نے آگے بڑھ کر ماں کے ماتھے پر بوسہ دیا اور باہر نکل آیا۔ گاڑی کو دوڑاتا ہوا وہ بیس منٹ میں ونیلا ڈیلائٹس پہنچ گیا تھا چند لمحوں کے لیے اندر بیٹھے بیٹھے بیکری پر نظر ڈالی۔

شاندار سی اینٹرنس گلاس والز، گلاس ڈور اور دونوں اطراف میں رکھے قد آدم پلانٹس عمارت کی اوپر وائٹ اور ہلکے پرپل رنگوں میں بڑے بڑے حرف میں بڑے اسٹائل سے ونیلا ڈیلائٹس لکھا تھا حروف کے پیچھے لائٹس موجود تھیں جو شام ڈھلے ہی روشن ہوجایا کرتی تھیں اور یہ حروف بڑی تابناکی سے جگمگانے لگتے مگر اس وقت بند تھیں۔ حروف کے نیچے ہلکے پرپل رنگ کا ہی بورڈ تھا جس نے عمارت کا اگلا اور دائیاں بایاں حصہ گھیر رکھا تھا۔ اس کے اوپر بیکری آئیٹمز، مفنز، بریڈ، کپ کیک اور اس طرح کی دیگر اشیاء کی نہایت خوب صورت اشکال بنی ہوئی تھیں رات کے وقت یہ بورڈ بھی روشن ہوتا تھا۔

اس شان دار ظاہری خوب صورتی کو دیکھتے ہی اس کا اندر خوشی سے بھر جاتا تھا گاڑی سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا تو مسلح گارڈ نے سیلوٹ کیا، جس پر اس نے مسکرا کر سر خم کرتے ہوئے جواب دیا۔ وہ کئی مرتبہ اسے کہہ چکا تھا کہ محض ''السلام علیکم'' کہہ دینا کافی ہے یوں سیلوٹ کرنے کی ضرورت نہیں مگر وہ ماننا ہی کہاں تھا۔ معصم آفتاب اس کا ہیرو تھا۔ جس نے اسے یہاں اتنی اچھی

نوکری ولا کر اس پر اور اس کے خاندان پر احسان کیا تھا۔ بیکری کے اندر کی روشنیاں جل رہی تھیں اور شفاف فرش سے منعکس ہو رہی تھیں۔

"ڈی این اے ایک کسٹمر سے بات کر رہا تھا نام اس کا عبدالسمیع تھا مگر یہاں وہ صرف اپنے دوسرے نام سے پکارا جاتا تھا۔ غلطی اسی کی تھی یہاں آنے کے دو دن بعد ہی اس نے معصم اور اظفر کو بتایا کہ اسکول میں پھر کالج میں اس کے کلاس فیلوز نے اس کا نام ڈی این اے رکھا ہوا تھا بس اظفر کو تو موقع چاہیے تھا اس نے عبدالسمیع کو ڈی این اے ہی پکارنا شروع کر دیا۔ بیکری کے دوسرے ملازمین نے بھی یہی نام لینا شروع کیا تو ابتداء میں اس نے احتجاج کیا مگر پھر چپ سادھ لی۔

اس بیکری میں تیس فیصد کی شراکت داری اظفر کی تھی جو معصم کا بہت گہرا دوست تھا اور یہاں اکاؤنٹس وغیرہ کی ذمہ داری بھی اس کے سر تھی اگر کبھی آفتاب ہاشمی کی باتیں اس کے بیکری چلانے کے ارادے کو ڈانواں ڈول کرتی بھی تھی تو اظفر کا ساتھ اور ہمت بندھانے کا انداز اسے حوصلہ دیتا تھا۔ یونیورسٹی سے فراغت حاصل کرتے ہی دونوں نے اپنا یہ ذاتی کاروبار شروع کیا تھا چاہتا تو معصم یہ تھا کہ وہ جو بھی کام کرے اس کا تن تنہا مالک وہ خود ہی ہو لیکن اظفر اس کا دوست تھا اور جتنا سرمایہ اس کے پاس تھا معصم جانتا تھا اظفر اس کی طرح ایک امیر باپ کا بیٹا نہیں تھا لہٰذا اس نے اپنے دوست کو فیور دی تھی۔

یہ کم رش کا وقت ہوتا تھا لوگ ناشتے وغیرہ کی اشیاء لے کر جا چکے تھے کچھ پچھلے چھ ماہ سے کسٹمر کی تعداد میں کافی زیادہ کمی واقع ہوئی تھی پہلے کاؤنٹر پر زیادہ لوگ ہوتے تھے مگر اب صرف دو ہی ڈی این اے اور ایک اور لڑکا نبیل۔

"آ گئے تم۔" اظفر کے قریب پہنچا تو اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"نہیں ابھی میں گھر پر ہی ہوں ایک تو یہاں ہر بندے کو نجانے کیا مسئلہ لاحق ہے سامنے موجود بندے کو دیکھ کر بھی پوچھتے ہیں کہ وہ آیا ہے کہ نہیں لوگوں کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں۔" وہ چڑے ہوئے انداز میں بولا۔

"کیوں تپے ہوئے ہو؟" اظفر کا انداز ٹھنڈا ٹھار تھا۔

"کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ میں ایک گھر نما لیبارٹری میں رہتا ہوں جہاں ڈیڈی مجھے ایک جراثیم کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں آؤ ادھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" اظفر نے بیکری کے دوسری جانب رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا یہ حصہ کاؤنٹر کی حدود سے دور تھا اور کسٹمرز بھی اس طرف نہیں آتے تھے۔

"ڈی این اے دو کافی لے آؤ۔" اظفر نے آواز دی تو ڈی این اے پکارے جانے پر اس نے منہ بنایا اور سر ہلا دیا۔

اب اگلے آدھ گھنٹے میں معصم نے اپنے دل کا غبار نکالنا تھا مختلف تجویزوں کے بعد ایک مرتبہ پھر کچن اسٹاف تبدیل کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀
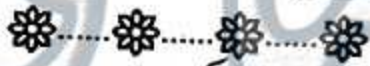
دو کمرو، ڈرائنگ روم، کچن اور ایک عدد برآمدے پر مشتمل وہ ایک سات مرلے پر مشتمل گھر تھا۔ جس کے صحن میں موجود ایک بڑے سے درخت کی پھیلی ہوئی شاخوں نے صحن کو مزید چھوٹا کر دیا تھا۔ کئی مرتبہ وصف نے عائشہ عالم سے اس کو کٹوانے کے متعلق بات کی تھی لیکن وہ راضی نہ تھیں نجانے کیوں یہ درخت انہیں بے حد پسند تھا۔ تین ہی تو فرد تھے اس گھر کے لہٰذا جگہ کم پڑتی ہوئی محسوس نہ ہوتی تھی یہ واحد جائیداد تھی جو عالم حبیب ان کے لیے چھوڑ کر گئے تھے اور عائشہ رب کا شکر ادا کرتیں کہ اور کچھ نہ سہی ان کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت تو تھی۔

پہلے پہل انہوں نے چھوٹی سطح پر کیٹرنگ کا کام شروع کیا تھا اس سے آمدنی بھی کچھ نہ کچھ ہو جاتی تھی گھر کے اخراجات پورے ہو جاتے تھے۔ بچوں کے تعلیمی اخراجات کے لیے پیسے نکل آتے۔ وصف نے سائیکالوجی میں آنرز کر کے انسٹی ٹیوٹ میں ایڈمیشن لیا تا کہ بیکنگ سیکھ سکے۔ ابتداء میں یہ صرف ایک شوق تھا مگر وقت کے ساتھ اسے

اندازہ ہوا کہ عائشہ عالم زیادہ عرصے تک کیٹرنگ کا کام نہیں کرسکیں گی تو اس نے بیکنگ کے ایڈوانس کورسز بھی جوائن کرلیے جہاں پروفیشنل سطح پر بیکنگ سکھائی جاتی تھی آنرز کرکے بھی اسے ایک اچھی ملازمت ملنے کی توقع نہ تھی لہٰذا اس کے پاس ایک ہی راستہ باقی رہتا تھا کہ وہ فری لانس بیکنگ شروع کردے۔ سیکھنے کے دوران ہی اس نے فیس بک پر سویٹ کری ایشن کے نام سے ایک پیج بنایا جہاں وہ اپنی بنائی گئی آئٹمز کی تصاویر لگاتی تھی۔ پیج جوائن کرنے والوں اور اس کی بنائی گئی اشیاء کو پسند کرنے والوں کی تعداد نے اسے خوش اور خود اعتماد کردیا تھا۔

تب اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا تھا ایک روز اس نے اپنے پیج پر لکھ دیا کہ اگر کوئی برتھ ڈے کیک ویڈنگ کیک یا دیگر خوشی کے مواقعوں کے لیے کپ کیکس وغیرہ بنوانا چاہتا ہے تو وہ اس فون نمبر پر رابطہ کرکے یا پھر آن لائن میسج کرکے آرڈر دے سکتا ہے۔

اس کی پوسٹ پر ''wahoo Shower'' ضرور آرڈر کریں گے جیسے کئی کمنٹس آئے تھے اور لگ بھگ بیس دن کے بعد اسے اپنا پہلا آرڈر موصول ہوا تھا۔ صدف اس کی کالج کے زمانے کی دوست تھی جس نے پیج پر پوسٹ دیکھ کر اپنے بھائی کی شادی کے لیے کیک بنانے کا آرڈر کیا تھا۔ وصف بہت خوش اور ایکسائیٹڈ تھی۔ جب عائشہ عالم کو بتایا تو وہ تھوڑی سوچ میں پڑ گئیں۔

''وصف تم یہ کرلو گی یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے۔'' فکرمندی سے بولتی ماں پر اسے پیار آیا تھا۔

''مما میں آپ کی طرح ہوں باہمت اور حوصلہ مند۔ میں چاہتی ہوں کہ میں یہ کام کروں تاکہ آپ کو مزید کیٹرنگ وغیرہ نہ کرنی پڑے۔''

''لیکن بیٹا یہ آرڈر ہم پہنچا کر کیسے آیا کریں گے؟''

''ہم نہیں پہنچایا کریں گے لوگ خود یہاں سے لے جایا کریں گے۔'' عائشہ عالم کے دل میں خدشات تھے مگر انہیں اپنی بیٹی پر بھروسہ بھی تھا۔ کچن میں بڑا سا اوون اور دیگر اشیاء ضرورت پہلے سے موجود تھیں کیک سے متعلق جو دیگر چیزیں چاہیے تھیں وہ بازار سے لے آئی تھی۔

شام چھ بجے کے لگ بھگ صدف نے کیک لینے آنا تھا اس نے صبح اٹھتے ہی تیاری شروع کردی۔ ویڈنگ کیک ایک بڑا کیک ہوتا ہے جسے بنانے میں زیادہ محنت اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔ بیکنگ کلاسز کے دوران انہیں ہر چیز بڑی تفصیل سے سکھائی گئی تھی اور خاص طور پر بنائی گئی چیز کی ظاہری صورت پر بہت زور دیا گیا تھا کیونکہ جب تک کوئی چیز دیکھنے میں اچھی نہیں لگے گی تو اسے کھانے کو کیونکر جی چاہے گا۔

''میں مدد کروں؟'' عائشہ عالم نے کچن میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں مما میں کرلوں گی اس کی ضرورت نہیں شکریہ۔''

وہ تین ٹائرز یعنی منزلوں والا کیک بنانے جارہی تھی۔ لہٰذا اس نے تین مختلف سائز کے کیک بیک کیے۔ سب سے بڑے کیک کو رکھا اس کی فلنگ کی اور ہموار دکھانے کے لیے فونڈنٹ کی لیئر احتیاط سے اس کے گرد چپکائی چونکہ اس کے اوپر کیک کا دوسرا قدرے چھوٹا ٹائر رکھا جانا تھا لہٰذا تین اسٹرا کو کاٹ کر اس کے اندر یوں ڈالا کہ ایک انچ کا محض چوتھائی حصہ باہر تھا۔ وصف نے دوسرا ٹائر رکھ کے پہلے والے کی طرح ہی سفید فونڈنٹ چپکائی اور تیسرا ٹائر بھی رکھ دیا۔ تینوں کے درمیان جو بدنما فاصلے تھے ان کو ہم رنگ فروسٹنگ سے کور کیا تو صاف خوب صورت اور ہموار سادہ کیک وجود میں آگیا۔ ابھی اس پر مزید کام کرنا باقی تھا۔

گلابی رنگ کی فونڈنٹ سے اس نے ایک ربن بنایا اور سب سے نچلے ٹائر کے گرد باندھا اور پھر بٹر فلائی ناٹ لگائی۔ پیسٹری بیگ جس میں ہلکے گلابی رنگ کی کریم بھری تھی سے تینوں ٹائرز کی بنیادوں میں بڑی مہارت سے ہاتھ گھما کر پھول بنائے جو بالکل حقیقی محسوس ہورہے تھے۔ اسے مسلسل کام کرتے ہوئے چار گھنٹے ہوگئے تھے تھکن اس کے جسم میں اتر آئی تھی لیکن کیک کی مزید سجاوٹ باقی تھی۔ پیسٹری بیگز سے اس نے کیک کے اوپر کناروں پر سفید اور گلابی Swirls بنائے اور

سلور رنگ کے Eatable Pearls جو اس نے ایک دن پہلے بنا کر رکھے تھے وہ ان میں موتیوں کی طرح بکھیر دیئے اور اختتام میں گلابی کریم سے سب سے اوپر ٹائر پر ہیپی ویڈنگ مسٹر اینڈ مسز ساجد لکھ دیا۔

"واؤ آپی یہ آپ نے بنایا ہے۔" وہ کچن میں کیک کے پاس کھڑی آخری ٹچ دے رہی تھی جب افنان کی چیخ سے مشابہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

کیک واقعی نہایت خوب صورت لگ رہا تھا ایسا کے دیکھنے کے بعد فوراً کھانے کو جی چاہیے۔ چھ بجے کے لگ بھگ نیلے رنگ کے فینسی سوٹ میں تیار صدف نے جب کیک دیکھا تو خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبوں سے مغلوب ہوتے ہوئے وہ لگ بھگ چیخی تھی۔

"وصف مجھے یقین نہیں آرہا تم اتنا اچھا کیک بناسکتی ہو بھائی سرپرائزڈ ہوجائیں گے۔ کتنا چارج کروگی؟" وہ معاوضہ دریافت کررہی تھی اور یہ آخری چیز تھی جس متعلق وصف نے سوچا تھا۔ جاتے ہوئے وہ وصف کو تین ہزار تھما کرگئی تھی۔ اس کی پہلی کمائی وہ پیسوں کو پکڑ کر مطمئن سے انداز میں مسکرائی تھی کیونکہ یہ پیسہ بہرحال اس کی ماں کو آرام دینے والا تھا۔ اس کے بھائی کی تعلیم کے لیے کام آنے والا تھا۔

❀........❀❀........❀

رضا ہاشمی کی شادی کے کارڈ درمیان میں میز پر پڑے تھے وہاں موجود گھر کے سارے افراد شادی کے پلان بنانے میں مصروف تھے۔ سونیا ہاشمی اور آفتاب ہاشمی نے اپنے بیٹے کو اجازت دی تھی کہ وہ کسی بھی لڑکی کو اپنی شریک حیات کے طور پر منتخب کرسکتا ہے لیکن وہ لڑکی والدین کو بھی پسند آنی چاہیئے اور بصد شکر کہ رضا ہاشمی کی پسند عروبہ ان دونوں کو بھی اچھی لگی تھی لہذا کوئی رکاوٹ نہ آئی تھی۔

"رضا کی شادی کے بعد تم بھی اپنے لیے لڑکی کی تلاش شروع کردو۔ ہوسکتا ہے اگلے سال انہی دنوں میں تمہاری شادی کے کارڈ بھی اسی میز پر موجود ہوں۔" آفتاب ہاشمی نے اذان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر نجانے کیا کام کرنے میں مصروف تھا۔

"اور اگر میں نے پہلے ہی کوئی پسند کرلی ہو تو؟"

"کیا واقعی؟" سونیا ہاشمی نے حیرت سے پوچھا۔ باقی سب بھی تجسس بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"پہلے بتاتے بھائی تو ہوسکتا تھا کہ رضا بھائی کی گھوڑی کے ساتھ آپ کی گھوڑی بھی کھڑی ہوتی۔" معصم کے لہجے میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

رضا کو چائے پیتے پیتے چھولگا تھا باقی دونوں افراد مسکرائے تھے جب کہ آفتاب ہاشمی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"بیٹا تمہارے پاس پانچ مہینے مزید باقی ہیں بیکری کو کامیابی کی راہ پر لانے کے لیے۔"

"اف پھر وہی ذکر کم از کم آج تو......" سونیا ہاشمی اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"میں نے تمہارے اکاؤنٹس دیکھے تھے؟" وہ بولے تو معصم چونکا۔

"کب؟" دو تین روز سے ونیلا ڈیلائٹس نہیں گیا تھا۔

"کل اور وہ جو کاؤنٹر پر تمہارا ملازم ہے نا کیا نام ہے اس کا؟"

"ڈی این...... میرا مطلب ہے عبدالسمیع۔"

"ہاں وہی وہ کافی عجیب سا ہے۔ تھوڑا فاصلہ رکھا کرو اپنے ملازمین سے تمہاری عادت ہے ہر ایک سے گھل مل جانے کی۔"

"کیونکہ میں ہر تعلق کو ترازو میں نہیں تولتا۔"

"اوہ پلیز معصم اب تم مجھ سے بحث مت شروع کردینا کہ زندگی میں سب کچھ پیسہ ہی نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ انتہائی ایمان داری سے کہوں تو زندگی میں سب کچھ نہ سہی لیکن نوے فیصد اہمیت پیسے کی ہے۔" وہ سختی سے بولتے ہوئے لمحے کو رکے اور پھر مزید بولے۔

"تمہیں اپنے اردگرد کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے جو پیسوں کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے کام کررہا ہو۔ ایک مزدور سے لے کر ایک آئی ٹی فرم کا مالک تک سب لوگ

صبح سے شام تک اپنے کاموں میں گدھوں کی طرح اس لیے مصروف ہیں کہ روزی اور پیسہ کما سکیں تاکہ اپنے لیے اور گھر والوں کے لیے آسائشیں خرید سکیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ آپ صحیح کہہ رہے ہوں لیکن دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہیں جو محض اپنی تسلی کے لیے کام کرتے ہیں اور سب کچھ واقعی پیسہ نہیں ہوتا ذہنی سکون اور خوشی پیسے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔" معصم بڑے جوش سے بولا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اس دور میں سکون اور خوشی پیسے کے بغیر حاصل ہوجاتی ہے۔ تصور کرو بغیر گھر کے چیتھڑے پہنے کالی پیٹ لیے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو تو کون سا اطمینان تمہیں حاصل ہو رہا ہوگا اور یقین جانو تم اپنی اس بیکری کی وجہ سے کاسہ لے کر کھڑے ہوگے۔" آفتاب ہاشمی کچھ زیادہ ہی بول گئے تھے۔ معصم اٹھا اور باہر نکل گیا۔

شام اتر آئی تھی لان میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر وہ بیٹھ کر دوسری جانب موجود کیاری کو گھورنے لگا۔ ہلکی سی نرم گرم مست ہوا بھی اس کے موڈ کو خوش گوار کرنے میں ناکام رہی۔ پانچ منٹ بعد ہی اسے اپنے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

"معصم۔" رضا ہاشمی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جی!" اس کی "جی" ناراضگی سے بھرپور تھی۔

"تمہیں معلوم ہے تم مجھ سے اور اذان سے کہیں زیادہ باہمت ہو۔" ان کے فقرے نے معصم کو چونکایا۔ وہ ان کی طرف مڑ کر شک بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جیسے کہہ رہا ہو آپ مذاق کررہے ہیں ناں۔

"ہاں تم میں ہم سے زیادہ حوصلہ ہے۔ یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد میں نے بھی سوچا تھا اپنا الگ کاروبار شروع کروں گا تاکہ اپنی شناخت اپنے بل بوتے پر بنا سکوں۔ مجھے اذان کا معلوم نہیں لیکن یقیناً اس کی بھی ایسی کوئی خواہش رہی ہوگی مگر ہم دونوں کو معلوم تھا کہ ڈیڈ اپروو نہیں کریں گے۔ وہ یہی چاہیں گے کہ ہم ان کا بزنس جوائن کریں۔ ویسے بھی یہ بڑھتا ہوا کاروبار اکیلے ڈیڈ کے بس کی بات نہ رہی تھی لہٰذا میں اپنی خواہش پر عمل نہیں کرسکا۔

معصم نے "کیا واقعی" والی نظروں سے رضا کی طرف دیکھا۔

"ہاں نا...... خواہش کرنا ایک آسان عمل ہے مگر اس کو پورا کرنے کے لیے محنت کرنا، اس کی خاطر کھڑے ہونا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ جو بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے اور تم تو شروع سے بہت باہمت رہے ہو۔ اسکول کالج اور پھر یونیورسٹی میں جس طرح کے مسئلے کا سامنا تمہیں کرنا پڑا اس سے نبرد آزما ہونا ہی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات کو۔" انہوں نے معصم کے تاثرات دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔ پتہ نہیں اس کے گھر والے اس کے بارے میں کوئی بات کرتے ہوئے کیوں ہچکچاتے تھے۔

"میں صرف یہ کہوں گا کہ تم جو کررہے ہو وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ثابت قدم رہو مجھے یقین ہے ونیلا ڈیلائٹس اپنا کھویا ہوا مقام جلد ہی واپس مل جائے گا۔" رضا کا حوصلہ بڑھانے والا انداز معصم کو اچھا لگا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے والی ساری کلفت دور ہوگئی تھی۔

"ویسے میرے لیے ویڈنگ کیک بنانے کے لیے کتنا چارج کرو گے' کچھ رعایت تو کرو گے ناں؟" رضا ہاشمی نے ابرو اچکاتے ہوئے خالص بارگیننگ کے سے انداز میں کہا تو معصم ہنس دیا۔

"آپ کے لیے سو فیصد رعائیت لیکن یہ آرڈر دے کر آپ رسک لے رہے ہیں۔" رضا ہاشمی اس کی بات سن کر ہنس دیئے۔

"زندگی نام ہی رسک لینے کا ہے میرے بھائی۔" معصم بھی مسکرادیا۔

❀ ❀ ❀

تین دن مسلسل ہونے والی بارش آج رکی تھی۔ سورج کرنیں نچھاور کررہا تھا اور ہوا انہیں بکھیرنے میں مصروف

تھی سارا آنگن سنہری سنہری ہو رہا تھا۔ سرخ اینٹوں کے فرش میں ابھی تک نمی باقی تھی۔ گھر کا اکلوتا لمبا اور گھنا سایہ دار درخت مسلسل بارش کے بعد دھلا دھلا اور نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔ صبح ہی صفائی کی تھی لیکن ٹہنیوں سے گرنے والے پتے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ جیسے مصور نے منظر کی خوب صورتی بڑھانے کے لیے رنگ بکھیر دیے ہوں۔ وصف کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ سرخ رنگ کے مگ کو چائے سے بھرنے کے بعد وہ کمرے میں آ گئی جہاں دیوار کے ساتھ اس کا کمپیوٹر موجود تھا۔ اسے پچھلے ڈیڑھ مہینے میں بہت زیادہ آرڈرز ملے تھے۔ برتھ ڈے کیکس، بے بی شاور کیکس، ویڈنگ اور دیگر اہم مواقعوں کے لیے کیکس۔

افنان کا بارہواں برتھ ڈے آیا تو اس نے بارہ کپ کیکس بیک کیے تھے۔ یہ سب بنانے کے لیے کئی رنگوں کی فروسٹنگ اور کئی گھنٹوں کی محنت لگی تھی مگر اختتام میں افنان کے چہرے کی خوشی اور ایکسائٹمنٹ دیکھ کر ساری محنت وصول ہو گئی تھی۔

اس نے اپنی ہر تخلیق کی تصویریں کھینچ کر اپنے فیس بک پیج پر لگائی تھیں اور اس کے بعد ملنے والے آرڈرز کی تعداد میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ کسی نے اپنی ڈاکٹری کے پانچ سال پورے کیے تو سفید کیک جس پر فونڈنٹ اور فروسٹنگ سے اسٹیتھو اسکوپ اور دوائیوں کی نیلی پیلی نشانیاں بنی تھیں بیک کیا۔ کسی کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو کیک بنا کر اوپر بے بی شوز بنائے گئے یا چھوٹے چھوٹے کپڑے۔ وصف کو یاد نہیں تھا کہ اس نے ایک طرح کا کیک دوسری دفعہ بھی بنایا ہو۔

ملنے والے آرڈرز کی تعداد میں روز اضافہ ہو رہا تھا۔ آمدنی کافی اچھی تھی اب عائشہ عالم کو مزید کیٹرنگ کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی وہ چند مخصوص لوگوں سے آرڈرز لے لیا کرتی تھی۔ مزید تصاویر اپ لوڈ کرنے کے لیے ابھی اس نے کمپیوٹر کھولا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو۔'' ریسیور کان سے لگا کر اس نے کہا تو دوسری طرف سے ایک چبھتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''جی کیا آپ سویٹ کری ایشن، سے بول رہی ہیں؟''

''جی۔'' اس کا جواب مختصر تھا۔

''ہمیں کیک بنوانا ہے۔ فائف ٹائر ویڈنگ کیک کم از کم۔''

''ایک منٹ رکیں میں تفصیلات نوٹ کرلوں۔'' وصف نے بات کاٹی اور پاس موجود نوٹ بک اور پینسل اٹھالی۔

''جی بتائیں؟''

''فائف ٹائرز ویڈنگ کیک بارہ پونڈ اور کلر وائٹ اینڈ پرپل۔''

''اوکے اور اوپر لکھوانا کیا ہے؟'' وصف نے پوچھا۔

''مسٹر اینڈ مسز رضا ہاشمی وشنگ یو اے ویری ہیپی لائف اہی ہیڈ۔''

''اوکے اور کب تک چاہیے؟'' آخری اور بے حد اہم سوال۔

''آج شام تک۔'' دوسری طرف سے کہے گئے اس جواب نے اسے چونکا دیا۔ جی تو چاہا کہ بولے۔

''آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' مگر اس نے ضبط کیا۔

''اگر آپ کو آج شام تک کیک چاہیے تھا تو پہلے آرڈر کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت دن کے دس بج رہے ہیں اور آپ کو ایک بڑا ویڈنگ کیک درکار ہے۔ اندازاً چھ بجے کے قریب۔ بیک کرنے اور ڈیکوریٹ کرنے میں کافی وقت لگتا ہے سر۔''

''پلیز مس یہ ایک ایمرجنسی ہے اور آپ کو معلوم نہیں کہ یہ کیک وقت پر نہ مل سکا تو کتنا بڑا نقصان ہو جائے گا۔ قیمت کی آپ بالکل پروا نہ کریں بس کیک دیکھنے میں اچھا ہو اور مزیدار ہو۔'' دوسری طرف سے بڑے ملتجیانہ انداز میں کہا گیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ جواباً بولی۔

''پلیز ایسا مت کہیں میرے دوست کے بھائی کی شادی ہے اور کیک ہم بنا لیتے مگر ایک مسئلہ ہو گیا۔ خیر چھوڑیں اس بات کو مگر پلیز ہماری عزت کا معاملہ ہے۔''

آواز مزید عاجزانہ ہوگئی تھی۔ وصف کو ہنسی آ گئی مگر اس نے خود کو ہنسنے سے باز رکھا۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ کوئی اس سے اتنی منتیں کرے مگر وقت کی کمی ایک حقیقی مسئلہ تھا۔ بلآخر اس نے ایک چانس لینے کا فیصلہ کیا۔

''اوکے ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں۔''

''واقعی؟'' دوسری جانب سے بڑے پُرجوش انداز میں کہا گیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ کرسکتی ہیں۔ فیس بک پر آپ کا پیج دیکھا تھا اور آپ کی بنائی ہوئی چیزیں بہت پسند آئیں۔ خاص طور پر وہ چاکلیٹ حیرت انگیز اور وہ کارٹون کریکٹر کپ کیکس۔'' وہ بندہ شروع ہوگیا تھا مگر وصف نے مداخلت ضروری سمجھی۔

''تھینک یو لیکن اب مجھے کیک کی تیاری کرنی ہے۔'' انداز کافی تحمل والا تھا۔

''ٹھیک ہے میں ساڑھے چھ تک کیک پک کرلوں گا۔ پلیز ایڈریس بتادیں کیونکہ پیج پر لکھا نہیں ہوا۔'' جواباً اس نے ایڈریس بتا کر اور نام فون نمبر وغیرہ پوچھ کر ریسیور رکھ دیا۔

آرڈر قبول کرکے اس نے کوئی غلطی تو نہیں کی تھی۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے سوچا۔ کمپیوٹر آف کیا۔ تصاویر اب کسی اور وقت اپ لوڈ ہوتیں فی الحال تو اسے اس ویڈنگ کیک کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀
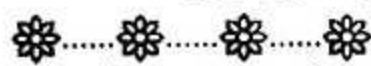
فون کا ریسیور رکھتے ہی اظفر نے اطمینان بھری گہری سانس لی اور مڑ کر ڈی این اے کی طرف دیکھا جو مسکرائے جارہا تھا۔

''کیوں مسکرا رہے ہو؟'' اظفر نے شک بھری نظروں سے دیکھا۔

''سوچ رہا ہوں اگر معصم بھائی کو پتہ چل جائے کہ آپ نے کیا کیا ہے تو ان کا ردعمل کیا ہوگا۔ انہوں نے دو ہفتے قبل آپ سے کہا تھا کہ وزیر کو کیک کا کہہ دیں تاکہ وقت پر تیار ہوجائے لیکن آپ سدا کے بھلکڑ ہیں۔ آج بھی اگر میں آپ کو یاد نہ دلاتا تو آپ کو کہاں یاد رہتا اور پھر وزیر کو بھی آج ہی چھٹی کرنا تھی۔ معصم بھائی کے بڑے بھیا کی شادی کا کیک ہو اور آپ بھول جائیں چچ چچ۔'' ڈی این اے چٹخارہ لینے کے سے انداز میں بول رہا تھا۔

''لیکن اب تو مسئلہ حل ہوگیا ہے نا سوئیٹ کری ایشن سے کیک بن کے آجائے گا۔'' اظفر نے خود کو تسلی دینے کے سے انداز میں کہا۔

''ہوسکتا ہے انہوں نے محض آپ کو ٹالنے کے لیے بولا ہو وگرنہ اتنے کم وقت میں تو واقعی کوئی بیکر کیک بنا کر نہ دے۔''

''ڈی این اے تو کبھی مثبت بھی سوچ لیا کر میرے بھائی۔'' اظفر نے کہا۔

''میں تو مثبت بعد میں سوچوں گا آپ وضو کرکے مصلہ ڈال کر بیٹھ جائیں۔'' کہتے ہوئے وہ کسٹمر کی طرف متوجہ ہوا جو دروازے سے داخل ہونے کے بعد اب اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دوسری جانب اظفر شش و پنج میں مبتلا ہوگیا تھا۔

اگر واقعی اس لڑکی نے ٹالنے کی غرض سے حامی بھری تو کیا ہوگا۔ معصم تو اس کا قتل کردے گا۔ اوہ میرے خدایا وہ حقیقتاً پریشان ہوگیا تھا۔ اف یہ ڈی این اے بھی اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتا تھا۔ آخر کیا ضرورت تھی اتنی منفی باتیں کرنے کی۔ وہ ان کا منہ چڑھا ملازم تھا جو اکثر صاف گوئی سے جو منہ میں آتا کہہ دیتا تھا مگر بدتمیز اور بدتہذیب ہرگز نہیں تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

ابھی اس نے کیک کے پانچوں ٹائرز بیک کیے تھے اور یہ دوسرا فون تھا جو اس اظفر نامی شخص نے اسے کیا تھا صرف ایک ہی بات پوچھنے کے لیے۔

''کیا واقعی وہ کیک بنا رہی ہے؟'' یہ کیا سوال ہوا ایک دفعہ اس نے حامی بھرلی تھی تو کیوں نہیں بناتی پہلی دفعہ اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ کیک بنا رہی ہے اور دوسری دفعہ دھمکی دی تھی کہ اگر اسے دوبارہ فون کرکے یہی سوال پوچھا تو وہ فوراً سے پیشتر کیک بنانا بند کردے گی۔

اس دھمکی کے بعد دوسری طرف سے فوراً معذرت کی گئی تھی۔ اگلے تین گھنٹے اس نے کیک کے پانچوں ٹائرز یعنی منزلوں کو فرنڈنٹ سے ہموار بنا کر ایک دوسرے کے اوپر رکھنے اور کیک کو سجانے میں گزارے۔ پرپل فونڈنٹ سے اس نے ڈھیروں پھول بنائے جو اس نے ایک بیل کی صورت میں کیک پر لگا دیئے یہ بیل نیچے والی سب سے بڑی منزل سے اوپر والے چھوٹے ٹائرز کے گرد بل کھاتی ہوئی گھومتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے سفید اور پرپل کریم سے کیک کے ہر ٹائر پر بیڈز بنائے جو کہ لٹکتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ پرپل کریم سے اس نے وہ تحریر سب سے اوپری منزل کی سطح پر لکھی جو اسے بتائی گئی تھی اور پھر ان ابھرے ہوئے حروف کو سلور رنگ کے موتیوں سے سجا دیا۔ کیک کو مکمل طور پر سجانے کے بعد اسے خود پر فخر محسوس ہونے لگا۔ مقررہ وقت سے بہت پہلے ہی وہ فارغ ہو گئی تھی۔ لیکن جسم تھکن سے چور تھا۔ اتنا بڑا کیک اس نے پہلی مرتبہ بنایا تھا اور اس کے لیے وہ اچھے خاصے پیسے چارج کرنے والی تھی۔

ساڑھے چھ بجے کے لگ بھگ گھنٹی بجی تھی آنے والے دونوں لڑکے پچیس چھبیس برس کے تھے ایک نے سیاہ ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا۔ جس کی آنکھوں کا رنگ اس کے کپڑوں سے میچ کرتا محسوس ہوتا تھا۔ چہرہ مکمل طور پر سنجیدگی کے پردے میں لپٹا محسوس ہوتا تھا اور وصف نے اندازہ لگایا کہ شاید اس سنجیدگی کے پیچھے ہلکا ہلکا غصہ بھی تھا۔ دوسرے نے گہرے رنگ کا ٹو پیس زیب تن کر رکھا تھا۔ چہرے پر تفکرات کا جال پھیلا ہوا تھا۔

''آپ میں سے اظفر کون ہیں؟'' وصف نے پوچھا۔

''میں اظفر ہوں۔'' گہرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس لڑکے نے جواب دیا۔ اوہ تو یہ وہ بندہ ہے جس نے فون پر اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

''یہ کیک آپ نے بنایا ہے؟'' کیک دیکھ کر دونوں نے حیرت بھری آواز میں پوچھا۔

''آپ کو شک کیوں ہے؟''

''نہیں کوئی شک نہیں ہے۔ ویسے اتنے شارٹ نوٹس پر کیک بنا کر دینے کے لیے شکریہ۔'' سیاہ سوٹ میں ملبوس لڑکے نے کہا۔ اس کی آواز ہموار اور گہری تھی۔ تھوڑی دیر قبل والی سنجیدگی حیرت انگیز طور پر کم ہو چکی تھی اور اب وہ وصف کو سراہنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کیک بنانا کوئی بہت انہونی سی چیز ہو اور وصف نے کوئی کارنامہ سر انجام دیا ہو۔

''اٹس آل رائٹ۔'' وہ قدرے عاجزی سے بولی۔

کیک ایک اسپورٹ پر موجود تھا جہاں سے پکڑ کر لے جانا اتنا مشکل نہیں تھا۔ کیک باہر گاڑی میں رکھنے کے بعد سیاہ سوٹ والے لڑکے نے عائشہ عالم کو پیسے تھمائے تھے اور دروازے سے نکل گیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ چہرے پر قدرے حیرت کے تاثرات لیے وصف کی طرف مڑی تھی۔

''تم نے ان سے تیرہ ہزار روپے چارج کیے؟''

''جی مما اتنی محنت کی میں نے وہ لوگ اگر اتنے شارٹ نوٹس پر کہیں باہر سے کیک بنواتے تو ڈبل قیمت مانگتے۔'' انہوں نے وصف کی بات سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ کو بالکل کام نہ کرنا پڑے۔'' وصف کے کہنے پر انہوں نے پیار سے اسے دیکھا اور اپنے ساتھ لگا لیا۔

❀ ❀ ❀ ❀
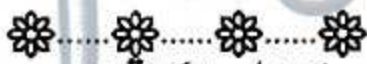
رضا کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی کیک والا مسئلہ بھی نہ رہا۔ سب کو بہت اچھا لگا تھا سونیا ہاشمی نے یہ تک کہہ دیا کہ اس بیکر کے ہوتے ہوئے تو بیکری کو نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن مسئلہ تب بنا جب چند روز بعد شام کی چائے پیتے ہوئے رضا کی بیوی عروبہ نے کہا کہ وہ اپنی بہن کی سالگرہ پر کیک ونیلا ڈیلائٹس سے بنوانا چاہتی ہے۔

''کیونکہ کیک بہت لذیذ تھا میں خود کو کھانے سے روک ہی نا پائی۔ ہے نا رضا۔ ڈیڈی آپ کو بھی اچھا لگا تھا ناں۔'' عروبہ نے روانی میں آفتاب ہاشمی سے پوچھا تو وہ چونکے کن اکھیوں سے معصم کو دیکھا جو خود

کو پوری طرح سے بے پروا ثابت کرنے کی کوشش کررہا تھا اور پھر سر ہلا دیا۔

معصم کا جی چاہا قہقہہ مار کر ہنس دے آج ڈیڈی کو عروبہ کے سامنے معصم کی بیکری کی برائی کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اگلے روز ونیلا ڈیلائٹس جا کر اس نے اظفر کو یہ بات بتائی تو وہ بہت محظوظ ہوا۔

''یار بھابی کی بہن کی سال گرہ کا کیک کہاں سے بنواؤ گے؟'' اظفر نے پوچھا۔

''وہیں سے جہاں سے ویڈنگ کیک آیا تھا۔'' معصم نے بڑے اعتماد اور اطمینان سے کہا۔

''ابھی بھابی کا آرڈر آیا ہے بہن کی سال گرہ کے لیے۔ اس کے بعد ان کی بہن کا آئے گا اپنی دوست کے لیے اور پھر ان کی دوست کا آئے گا اپنی دوست کے لیے تو معاف کیجیے گا معصم بھائی آپ کس کس کے لیے وہاں سے کیک بنوا کر ونیلا ڈیلائٹس کے نام پر کھلائیں گے۔ آپ کا بھانڈا تو پھوٹ جائے گا۔ پھر انکل آفتاب ہاشمی زیادہ خفا ہوں گے۔'' ڈی این اے جو دونوں کی گفتگو بڑے تحمل سے سن رہا تھا۔ اس نے اپنی رائے دی۔ اس تلخ صاف گوئی جو دراصل حقیقت تھی معصم اور اظفر دونوں کو سوچ میں ڈال دیا۔

''تو پھر اس لڑکی کو یہاں پیسٹری شیف کی جاب آفر کردیتے ہیں۔'' چند منٹ کے توقف کے بعد معصم بولا۔

''اور وزیر کا کیا بنے گا؟'' ڈی این اے نے ان کے موجودہ پیسٹری شیف کے متعلق پوچھا۔

''وزیر اتنا خراب بیکر ہے کہ اس کی بیک کردہ چیزیں کھا کر لوگوں کو اسپتال کا چکر لگانا پڑتا ہوگا اسے جاب سے نکالنا پڑے گا۔'' معصم نے کچھ روز قبل ہی اس کی بنائی پیسٹری کھائی تھی اور ان الفاظ کے پیچھے دراصل اس کا تجربہ بول رہا تھا۔

''لیکن وہ لڑکی یہاں کیوں آئے گی معصم جب وہ گھر پر ہی خاصا کما رہی ہے؟'' اظفر نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''اگر تنخواہ مناسب ہو اس سے زیادہ جتنا وہ وہاں کما رہی ہے تو کیوں نہیں۔'' معصم کی بات درست تھی۔

''لیکن وہ ایک لڑکی ہے اتنا کام سنبھال لے گی کیا؟'' اظفر نے ایک نیا نکتہ نکالا۔

''ویسے بھی اظفر بھائی دو تین دن پہلے تو آپ اس کی پھرتی مہارت اور ہنر کی بے حد تعریف کررہے تھے تو آج کیا ہوا؟ کچن میں مسز آئزک بھی تو ہیں جو خاتون ہونے کے باوجود اپنا کام وزیر سے بہتر اور جلدی کرلیتی ہیں۔''

''ڈی این اے کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم غلطی سے یہاں پر آگئے ہو تمہیں کاؤنٹر کے پیچھے ہونے کے بجائے کورٹ میں ہونا چاہیے تھا ایک سے بڑھ کر ایک دلیل ہوتی ہے تمہارے پاس۔'' اظفر تنک کر بولا تھا لیکن اتنا اسے بھی معلوم تھا کہ ڈی این اے کی بات اپنی جگہ سو فیصد درست تھی۔

''ٹھیک ہے تو پھر کوشش کرکے دیکھتے ہیں۔'' معصم بولا تو اظفر نے سر ہلا دیا۔ جب کہ ڈی این اے خلا میں موجود غیر مرئی نقطے کو گھورنے لگا تھا۔

❀.......❀.......❀.......❀

ڈرائنگ روم میں وہ اپنے سامنے موجود اظفر اور معصم کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اندازہ لگا رہی ہو کہ کیا واقعی ایک سنجیدہ آفر تھی یا کوئی مذاق جب عائشہ عالم چائے کے ساتھ گھر کے بنے ہوئے ڈھیروں بیکڈ لوازمات لیے اندر داخل ہوئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بس ایک آدھ چکھنے پر اکتفا کرتے لیکن اب ہر چیز کھا رہے تھے تاکہ اندازہ کرسکیں کہ وہ محض کیک ہی اچھا بناتی تھی یا باقی سب کچھ بھی۔ یہ ایک لحاظ سے وصف کی جاب سی وی تھی۔ وہ دونوں اس کی سی وی سے خاصے متاثر ہورہے تھے۔ اجزاء کا تناسب ذائقہ اور پریزنٹیشن ہر چیز بہترین تھی۔

''آپ میرے بجائے کسی بڑے جانے مانے بیکر کو کیوں نہیں ہائر کررہے ہے جو زیادہ تجربہ رکھتا ہو؟'' عائشہ عالم نے وصف کو یوں دیکھا جیسے یہ سوال پوچھ کر اس نے کوئی غلطی کرلی ہو۔

''تجربہ نہ سہی لیکن ساکھ تو آپ کی بھی ہے۔ ویسے بھی اگر مجھے چند گھسی پٹی چیزیں پرانے روایتی انداز میں ہی بنوانی ہوتی تو کوئی بھی چل جاتا۔ میں نے آپ کا پیج دیکھا ہے آپ کی تیار کردہ چیزوں میں ورائٹی ہے۔ کوئی کھانا نہ بھی چاہے تو دیکھنے کے بعد سب کا دل کرے گا چاہے کوئی میٹھے کا شوقین ہو یا نہ ہو۔ مجھے بیکری کے لیے ایک تخلیق کار بندے کی ضرورت ہے جو اس کو صرف کام سمجھتے ہوئے پورا نہ کرے بلکہ اپنے کام سے بھرپور لطف اندوز ہوتا ہو کیونکہ میرا ماننا ہے جب تک آپ کوئی کام سمجھ بوجھ کر کرتے ہیں تو اس میں نیا پن اور کاملیت نہیں لاسکتے اور مجھے لگتا ہے آپ کے لیے یہ کام سے بڑھ کر مشغلہ ہے۔'' معصم کی گہری آواز اس کے الفاظ اور دلائل نے وصف کو متاثر کیا تھا۔ اسے یہ بھی اچھا لگا تھا کہ وہ سمجھتا ہے کہ وصف کے لیے بیکنگ مشغلے کی طرح ہے۔ لیکن وہ جاننا چاہتی تھی کہ معصم نے واقعی اس کے پیج کو اچھی طرح سے دیکھا ہے یا محض جاب کی خاطر تعریف کررہا ہے۔ لہٰذا پوچھ بیٹھی۔

''آپ کو پیج پر سب سے اچھا کیا لگا؟'' معصم اس کے سوال پر مسکرایا تھا ایسے جیسے جان گیا ہو کہ وہ کیوں پوچھ رہی ہے۔

''میں نے وہاں کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو آئیڈیے کے لحاظ سے یا ڈیکوریشن یا دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتی ہو ہر چیز دوسری سے الگ انوکھی اور منفرد ہے اور یہ نیا پن ہے جو آپ کو دوسرے بیکرز پر ممتاز کرتا ہے۔'' سن کر وصف کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ جب کہ اظفر معصم کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں اپنے پرانے پیسٹری شیف کو تیس ہزار ماہانہ دیتا ہوں میں آپ کو چالیس ہزار کی آفر کرتا ہوں۔'' معصم کی بات پر وصف کے چہرے پر سنجیدگی در آئی تھی۔ عائشہ عالم جنہوں نے پوری گفتگو کے دوران ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ وصف سے کچھ کہنے کے لیے بے تاب تھیں۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ وصف کو جھٹ سے یہ آفر قبول کرلینی چاہیے۔ سر کے اشارے سے وہ کہہ بھی ڈالتیں اگر وصف ان کی طرف دیکھ رہی ہوتی لیکن وہ تو پوری طرح سے معصم کی طرف متوجہ تھی۔

''میرے پاس اس سے بہتر تجویز ہے۔ میں ونیلا ڈیلائٹس کے ماہانہ پرافٹ کا بیس فیصد حصہ وصول کروں گی۔'' اظفر اور معصم دونوں چونکے تھے دونوں کو اس بات کی توقع نہ تھی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ان دنوں بیکری برے حالات سے گزر رہی ہے۔ ہوسکتا ہے پرافٹ کا بیس فیصد اس سیلری سے کئی حصے کم ہو جو میں آپ کو آفر کررہا ہوں۔'' معصم نے بڑے تحمل سے کہا مگر دوسری جانب وصف کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''میں سوچ سمجھ کر ہی بول رہی ہوں کم پرافٹ کے ساتھ کم اور زیادہ کے ساتھ زیادہ۔''

''ٹھیک ہے بحث کی گنجائش ہی نہ بچتی تھی۔'' اظفر نے کانٹریکٹ فائل اس کے سامنے رکھی جس میں درج تھا کہ وہ کم سے کم دو سال وہاں کام کرے گی دو سال سے پہلے وہ جاب چھوڑنے کی مجاز نہ تھی اس کے علاوہ دیگر رولز و ریگولیشن بھی درج تھے۔

وصف نے وہ سارے پیپر بغور پڑھے پھر فائل عائشہ عالم کی طرف بڑھائی اور اختتام میں اس نے دستخط کردیئے تھے۔

❀ ❀ ❀ ❀
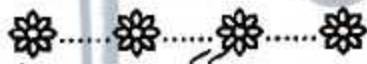
''تم جس طرح اس کے کیکس اور پیسٹریز کی تعریف کررہے تھے مجھے لگ رہا تھا جیسے خود وصف کی شان میں رطب اللسان ہو۔ ویسے مجھے اس کی بیس فیصد والی تجویز نے حیران کردیا۔'' اظفر گاڑی ڈرائیو کرتے معصم کی طرف دیکھ کر بولا اس کا انداز ایمپریسو تھا۔

''ہوسکتا ہے اسے خود پر اتنا بھروسہ ہو کہ اسے لگتا ہو ونیلا ڈیلائٹس میں کام کرنے کے بعد وہ یہاں کی حالت بدل کر رکھ دے گی۔ ویسے اب میں تمہاری پہلے والی بات کے متعلق سوچ رہا ہوں کہ ایک بائیس تئیس برس کی لڑکی اتنی سخت روٹین والا کام کرپائے گی یا نہیں؟'' معصم کو معلوم

نہیں تھا کہ وہ نازک وجود رکھنے والی بائیس تئیس برس کی لڑکی اسے حیران کرنے والی تھی۔

❁.......❁.......❁

سیلری کی بجائے بیس فیصد پرافٹ کا فیصلہ اس نے کر تو لیا تھا مگر اب فکر مند ہو رہی تھی' معصم نے اسے ونیلا ڈیلائٹس کی بگڑی ہوئی صورت حال سے کسی قدر آگاہ کیا تھا لیکن اسے خود پر اعتماد تھا کہ وہ شدید محنت کے بعد اس میں نیا پن جدت لے آئے گی جو لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے پر مجبور کردے گی۔ اگلے دن صبح چھ بجے کے لگ بھگ وہ بیکری میں داخل ہوئی تھی۔ بیکری کی عمارت کی خوب صورتی نے اسے حقیقت میں متاثر کیا تھا شیشے کے دروازے کو دھکیلتے ہی اس کی نظر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ایک بیس' بائیس برس کے لڑکے پر پڑی جو بڑی سستی سے ایک کہنی کاؤنٹر پر ٹکائے بڑی بے زاری سے داخلی دروازے سے اسے داخل ہوتا دیکھ رہا تھا۔ ایک اور لڑکا جو کافی کم عمر دکھائی دے رہا تھا دیوار کے ساتھ موجود ریکس میں چیزیں درست کرنے میں مصروف تھا۔ بیکری کی اندرونی دیواریں ہلکے پرپل رنگ میں پینٹ کی ہوئی تھیں چھت سفید تھی' جس میں بے تحاشا سفید روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ بیکری کے کاؤنٹر کے ساتھ بنے ریکس کھانے پینے کی اشیاء سے خالی تھے جو قطعی اچھا تاثر نہ چھوڑ رہے تھے۔ ہر چیز اتنی صاف ستھری تھی کہ چاہ کر بھی ایک چٹکی گرد نہ مل پائی۔ دیوار کے ساتھ رکھے فریج اور فریزر کے چلنے کی ہلکی سی آواز کے سوا مکمل خاموشی طاری تھی کیونکہ اس وقت ایک بھی کسٹمر موجود نہ تھا۔

"میں وصف ہوں۔" اس نے نیلی پرانی سی جینز کے اوپر ہلکے رنگ کی شرٹ پہنے اس فلسفی صورت لڑکے کے پاس جا کر کہا جو نجانے کائنات کے کون سے سربستہ راز سلجھانے میں مصروف تھا۔ جواباً اس نے بے زاری سے وصف کو یوں دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو۔ "تو میں کیا کروں۔"

"جی کیا چاہیے۔ ڈبل روٹی انڈے یا رسک؟" دوسرا لڑکا جو شلوار قمیص میں ملبوس جھاڑ پونچھ کرنے میں مصروف تھا نزدیک آ کر بولا تو وصف کو حیرانی ہوئی کیا لوگ ان تین چیزوں کے سوا یہاں سے کچھ بھی لینے نہیں آتے تھے۔

"میں یہاں بیکر کی جاب کے لیے آئی ہوں اظفر یا معصم نے بتایا نہیں۔"

"اوہ تو آپ ہماری نئی بیکر ہیں۔ میں ڈی این اے ہوں۔" وہ چونک کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا تھوڑی دیر پہلے والی بے زاری اور بے پروائی ہوا ہوگئی تھی۔

"ڈی این اے؟" وہ حیران ہوئی۔

"بائیولوجیکل ٹرمز میں نہیں بس نک نیم ہے۔ میرے دوستوں نے رکھ دیا اور اب سب اسی نام سے پکارتے ہیں عبدالسمیع نام ہے میرا۔"

"اوہ آئی سی۔" اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"ابھی کچن میں مسز آئزک کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے وہ بریڈ بیک کرتی ہیں آپ پلیز وہاں تشریف رکھیں۔ میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں میں کچن دیکھنا چاہوں گی۔"

"پلیز بیٹھیں معصم بھائی بہت ناراض ہوں گے اگر آپ کو ایسے ہی کچن میں بھیج دیا ویسے آپ چائے لیں گی یا کافی؟"

"میں چائے لوں گی شکریہ۔" کہہ کر وہ دوسری طرف کونے میں موجود سٹنگ ارینجمنٹ کی طرف بڑھی۔ گہرے پرپل اور جامنی رنگوں کے صوفے ایک گلاس ٹیبل کے گرد موجود تھے۔ سامنے سفید سیڑھیاں تھیں جو بل کھاتی ہوئی اوپر جا رہی تھیں۔ اس کے سامنے ونیلا ڈیلائٹس کا رنگین بہترین کاغذ پر چھپا پروموشنل بروشر تھا جس پر یہاں کی اسپیشل پراڈکٹس کی تفصیلات موجود تھیں جن کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ وصف کو حیرت نے آ گھیرا۔ اتنی اچھی لوکیشن پر موجود بیکری جو اتنی اچھی عمارت اور صاف ستھرا ماحول صرف پراڈکٹس میں جدت اور ورائٹی کی وجہ سے اپنے سے کہیں کمتر بیکریوں سے پیچھے تھی ڈی این اے نے چائے لا کر اس کے سامنے رکھی تو وہ چونکی۔ سیاہ کپ میں اسٹرانگ سی بھاپ اڑاتی چائے۔ اس سے بہتر شروعات

اس کے لیے کیا ہو سکتی تھی۔

"پلیز ادھر بیٹھ جاؤ اور مجھے یہاں کے متعلق بتاؤ۔ ویسے اوپر کیا ہے؟" وصف نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"پہلے اوپر ایک کیفے ٹیریا قسم کی جگہ تھی جہاں چائے کافی کے ساتھ یہاں کی پیسٹریز اور ڈونٹس وغیرہ سرو کیے جاتے تھے مگر پھر اسے بند کر دیا گیا۔ زیادہ چل نہیں سکا۔"

"اور یہاں کتنے لوگ کام کرتے ہیں؟" وصف نے چائے کی خوشگوار گرمائش کو اپنے اندر اتارتے ہوئے پوچھا۔

"باہر گارڈ اور میرے علاوہ تین لوگ نبیل وہاں کاؤنٹر پر میرے ساتھ ہوتا ہے۔ نیوٹن مسز آئزک کے ساتھ کچن میں مدد کرواتا ہے۔ اظفر بھائی اکاؤنٹس سنبھالتے ہیں اور یہاں پر بطور پیسٹری شیف کے طور پر کام کرتا تھا۔"

تبھی بیکری میں کوئی داخل ہوا آنے والا چودہ پندرہ برس کا گندمی رنگت والا لڑکا تھا جس نے سلیٹی رنگ کی استری شدہ شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ بال سلیقے سے جمائے ہوئے تھے ایک سائیڈ سے مانگ نکالی ہوئی تھی اور سیاہ جوتے جو پالش کے بغیر تھے مگر لگتا تھا کسی کپڑے سے رگڑ کر صاف کیے گئے تھے۔

"او نیوٹن آ گیا۔" ڈی این اے نے کہا تو لڑکے کی آنکھیں سکڑیں اور وہ سیدھا اسی طرف بڑھا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔

"یہ وصف ہیں ہماری نئی بیکر وزیر کی جگہ پر۔" ڈی این اے نے تعارف کروایا۔ نئی بیکر کا جان کر نیوٹن کے چہرے پر اشتیاق امڈ آیا۔

"السلام علیکم۔" بڑا باتمیز سا لہجہ تھا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ نرمی سے مسکرائی۔

"تو آپ میری نئی باس ہیں۔ آپ سے پہلے والے تو بہت سخت تھے اور پیسٹریوں سے بھی زیادہ جو وہ بناتے تھے اور ماتھے پر تیوریاں تو جیسے ان کا ٹریڈ مارک تھیں مگر...... مگر......"

"مگر کیا؟" وصف نے چائے کا کپ پرچ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ ویسی نہیں لگتیں۔" نیوٹن نے شرماتے ہوئے کہا تو وصف کو ہنسی آ گئی۔

"نیوٹن مجھے کچن کا راستہ دکھا دو۔" اس نے چائے ختم کرتے ہی کہا۔ کچن کا دروازہ کھلتے ہی ایک اور حیرت کا جہاں اس کا منتظر تھا یہ کسی بیکری کے کچن سے زیادہ کسی سائنسدان کی صاف ستھری جراثیم سے پاک لیبارٹری محسوس ہوتی تھی۔ بیک کی جانے والی بریڈ کی خوشبو کے سوا کوئی بو نہیں تھی۔ ایک طرف فریج موجود تھے جن میں بیکنگ اور کوکنگ وغیرہ کے لوازمات تھے دیوار کے ساتھ فکسڈ اوون تھے۔ سنک کے پاس ایک خاتون موجود تھیں جو یقیناً مسز آئزک تھیں۔

"ہیلو۔" وہ مسکراتے ہوئے خوشگواریت سے بولی۔

"ہائے۔" وصف نے انہی کے انداز میں جواب دیا۔

"آپ وصف ہیں نا...... سر اظفر نے بتایا تھا مجھے آپ کے بارے میں اور میں نے شکر ادا کیا کہ کوئی اور فی میل بھی آ رہی ہے کچن میں۔ وزیر بالکل ٹھیک سے کام نہیں کرتا تھا اور وہ پھیلاوا پھیلاتا جسے سمیٹنے کے لیے ایک بندہ درکار ہوتا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنی چھوٹی ہوں گی۔" مسز آئزک کے بولنے پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ہیلو ایوری باڈی۔ وصف میں اور معصم تو تمہارے ہاتھ کا بنا کیک کھا چکے ہیں لیکن باقی سب پر اپنے ہنر کی دھاک بٹھانے کا یہی موقع ہے تو تم اپنی کوئی زبردست پیسٹری یا کوئی اور چیز بنا کر کھلاؤ تاکہ سب کو اندازہ ہو سکے کہ تم کتنی اچھی بیکر ہو۔ ویسے سچ پوچھو تو میں آج بغیر ناشتہ کے یہاں آ گیا کہ تم نے کچھ مزیدار پیسٹریز بنا رکھی ہوں گی مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں بنا ہوا۔" اندر آتے اظفر کی فرینکنس حیران کن اور انداز قطعی مصنوعی تھا۔

"کیا ہوا کچھ نہیں ملے گا کیا کوئی بات نہیں، میں باہر ڈی این اے کی بدمزہ کافی اور سڑے ہوئے توس کھا لیتا

ہوں۔ اٹس اوکے۔" اس کی مایوسی قطعی مصنوعی تھی مگر اداکاری اتنی لاجواب کہ چند لمحوں کو وہ حیران رہ گئی تھی۔

"لیکن اظفر بھائی پچھلے ہفتے تو آپ ڈی این اے کی کافی کو زبردست بول رہے تھے۔" نیوٹن نے اس کا پول کھولا۔ اظفر نے اسے گھورا۔

"تم نیوٹن رہو سر آئزک نیوٹن بننے کی کوشش نہ کرو۔" وصف نے اپنی مسکراہٹ چھپائی اور کچن میں موجود کنٹینرز اور کپ بورڈز دیکھنا شروع کردیئے۔ جو بیکنگ کے مختلف اجزاء سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ سب سے پہلے سب کو کچھ اچھا بنا کے کھلانا چاہتی تھی۔ اوون کو پری ہیٹ کے لیے آن کردیا۔ مائیکرو ویو اوون میں ڈارک چاکلیٹ اور بٹر کو پگھلنے کے لیے رکھ دیا اور ایک سانچے پر زیتون کا تیل ہلکا سا لگا کر بیکنگ پاؤڈر چھڑکا۔ نیوٹن نے اسے تین انڈے پکڑائے جن کی زردی کو اس نے علیحدہ کرکے ان کے اندر براؤن شوگر مکس کی اور پگھلی ڈارک چاکلیٹ اور مکھن کا آمیزہ اندر ڈال دیا۔ مزید بیکنگ فلور ڈال کر اس نے اس سارے مکسچر کو چمچ کی مدد سے مکس کیا۔ اظفر باہر جاچکا تھا۔ جب کہ مسز آئزک اور نیوٹن نظریں جمائے کھڑے تھے۔ مکسچر کو سانچے میں ڈال کر اس نے اوون میں رکھا اور وقت نوٹ کرلیا۔ جب تک کیک بیک ہوتا اس نے اچھی طرح پھینٹی ہوئی کریم میں چند قطرے لیمن جوس کے ملا کر نیلا جوس ڈالا۔ پندرہ منٹ بعد اوون سے سانچہ نکالا جس میں کیک موجود تھا برتن میں نکال کر کریم' چاکلیٹ کے ٹکڑوں اور فریج میں رکھی سرخ سرخ چیریز سے سجاوٹ کی۔

یہ قدرے سادہ کم وقت میں تیار ہونے والا بلیک فاریسٹ کیک اس قدر خوبصورت اور ذائقے دار محسوس ہورہا تھا کہ وصف سمیت کچن میں موجود ہر شخص کا اسے کھانے بلکہ اس پر ٹوٹ پڑنے کو جی چاہ رہا تھا۔ تبھی اظفر کچن میں داخل ہوا اور وہ سوچنے لگی کیا یہاں کی ایڈمنسٹریشن یونہی ہر وقت کچن میں داخل ہوتی رہتی ہے۔

"یہ تم نے بیک کیا ہے واؤ۔" کیک پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے تعریفی انداز میں نکلا۔ وہ دھیرے سے مسکرائی اور نیوٹن کو پلیٹس نائف اور چمچ لانے کو کہا۔ اس نے بوتل کے جن کی طرح ساری چیزیں جھٹ سے لاکر رکھ دیں۔ وصف نے نائف سے کیک کے ٹکڑے کیے۔ اظفر کو پلیٹ تھمائی مسز آئزک اور نیوٹن کو دیا اور دو چھوٹی پلیٹس میں کیک کے سلائسز لے کر باہر کاؤنٹر کے پیچھے موجود نبیل اور ڈی این اے کو دینے آگئی۔

ڈی این اے نے کیک دیکھ کر ابرو اچکائی تھیں۔ وصف نے اس کی آنکھوں میں حیرت امڈتے دیکھی تھی شاید یہاں آتے ہی کیک کھلانے کی روایت آج تک کسی بیکر نے نہ ڈالی تھی۔ وصف کی بات الگ تھی وہ جلد گھل مل جانے والی فرینڈلی لڑکی تھی۔ یہاں کا ماحول ویسے بھی فرینک تھا اور اسے یہاں پر کانٹریکٹ کے مطابق لگ بھگ دو سال کام کرنا تھا تو کیوں نا سب کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آیا جائے۔

"اچھا ہے۔ میرا مطلب بہت اچھا ہے۔" ڈی این اے نے چمچ سے کیک منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی اتنی تعریف ہی وصف کے لیے کافی تھی۔ چند گھنٹوں کے اندر ہی اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ خود میں مگن رہنے والا شخص ہے قدرے کم گو اور صاف گو۔ واپس کچن میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک چیز نوٹ کی تھی اظفر سمیت سب کی پلیٹیں صاف تھیں۔

"وصف باجی کیک بہت مزیدار تھا۔" سب سے پہلے نیوٹن بولا۔

"یہ واقعی کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں سرو کرنے لائق تھا۔" اظفر نے خالی پلیٹ کو سلیب پر رکھتے ہوئے کہا تو وصف کا دل خوشی سے بھر گیا۔ مسز آئزک نے بھی تعریف کی اور اس نے تینوں کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"باقی بچ جانے والے کیک کا تم کیا کروگی؟" اظفر نے ایک بچ جانے والے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ وصف خوب سمجھ گئی تھی کہ کیک پر اس کی نیت خراب ہورہی ہے لیکن یہ اس نے بیکری کے ایک اور فرد کے لیے رکھا تھا

جو دروازے کے باہر قدرے پیش میں سائبان کے نیچے پنکھا لگائے بندوق لیے ان سب کی اور بیکری کی حفاظت پر مامور تھا۔ بیکری کا گارڈ محافظ خان۔

پلیٹ میں کیک کا آخری حصہ ڈال کر اس نے نیوٹن کو دیا تاکہ وہ باہر محافظ خان کو دے آئے۔ اس کی اس حرکت پر اظفر کے چہرے پر توصیفی تاثرات امڈ آئے جنہیں قطعی طور پر نظر انداز کرتے ہوئے وہ باآواز بلند مخاطب ہوئی۔

"محترم منتظم صاحب سے گزارش ہے کہ وہ یہاں سے تشریف لے جائیں تاکہ کچن اسٹاف بغیر کسی رکاوٹ کے امور جاری رکھ سکے۔" اظفر نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا اور ہلکی سی ہنسی ہنس کر وہاں سے چل دیا تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀
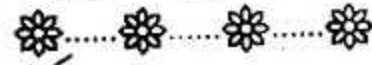
دو تین دن اس نے یہاں آنے والے کسٹمرز کا پوری طرح سے جائزہ لیا تھا کہ وہ یہاں سے زیادہ تر کیا خریدنے آتے ہیں اور اسے مایوسی ہوئی تھی کہ ڈبل روٹی انڈے، جوسز، ڈرنکس اور رسک کے علاوہ ونیلا ڈیلائٹس کی اپنی کوئی پروڈکٹ اتنی نہ بکتی تھی۔ نیوٹن اور ڈی این اے نے اسے بتایا کہ پہلے والا پیسٹری شیف وزیر صرف مخصوص چیزیں ہی بنایا کرتا تھا۔ پیسٹریز میں صرف چاکلیٹ اور کریم پیسٹری پیٹیز صرف چکن۔ ایک قسم کے کریم رولز اور چکن ویجی ٹیبل رولز کے سوا کوئی دوسری چیز بیک نہ ہوتی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ یہی اشیاء تو بیکری کی خاصیت ہوا کرتی ہیں باقی چیزیں تو عام اسٹورز وغیرہ پر بھی دستیاب ہوتی ہیں۔ لفظ بیکری خاص طور پر مخصوص ہی بیکڈ اشیاء کے لیے ہے مگر ہمارے یہاں بیکری میں چپس، بوتلیں وغیرہ سب کچھ ہی ہوتا ہے سوائے بیکڈ نمکین اور میٹھی چیزوں کے۔ مٹھائیاں وغیرہ بنانے کا شعبہ مسز آرزک کے پاس تھا اور وہ اپنے کام میں خاصی ماہر تھیں۔ اسے بیکری کے مالک یعنی معتصم سے ایک لمبی چوڑی میٹنگ کی ضرورت تھی بہت ساری تبدیلیاں لانی تھیں اور اس کے لیے سخت محنت چاہیے تھی اور یہ تب ہوتا ہے جب کام نبٹانے کے بجائے اسے اپنا سمجھ کر کیا جائے۔ مخلص اور ایماندار وہ پہلے ہی تھی لیکن یہاں آ کر اس کو مکمل طور پر بدل کر ترقی دینے کی خواہش نے وصف کو بے حد پرجوش کر دیا تھا۔

اس نے شہر کی اچھی بیکریز کا وزٹ کر کے وہاں سے ٹپس لیے تھے ان کی پراڈکٹس چکھی تھیں کچھ بیکری کی اشیاء بس گزارے لائق تھیں لیکن ایک دو کی اچھی ذائقہ دار بھی تھیں مگر ایک چیز کی کمی اسے ہر جگہ نظر آئی تھی وہ سجاوٹ اور پریزینٹیشن کی تھی جو چیز آپ کو دیکھنے میں اچھی نہیں لگے گی اسے آپ کھاؤ گے کیسے؟ اسے عام بیکریوں سے بڑھ کر چیزیں متعارف کروانی تھیں۔ جدت لانی تھی اور بیکڈ آئیٹمز کی نئی نئی اقسام متعارف کروانی تھیں۔ اس نے تنخواہ رد کر دی تھی اور اب بیکری کو نقصان ہوتا تو اس کے حصہ میں نقصان آتا پرافٹ ہوتا تو وصف کو اس حساب سے نفع ملتا یہ حقیقت اسے جوش دلانے کے لیے کافی تھی۔ اپنی تجویزات کی ایک لمبی لسٹ لے کر اس نے یہاں آنے کے تین دن بعد معتصم کے آفس کا دروازہ ناک کیا جو اوپری منزل جہاں پہلے کیفے ٹیریا موجود تھا وہاں تھا۔

"اندر آ جاؤ۔" معتصم کی آواز آئی۔

آفس میں ایئر کنڈیشنر کی وجہ سے خاصی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔ میز کے پیچھے معتصم فارمل پینٹ اور شرٹ میں ملبوس تھا جو دونوں سیاہ رنگ کی تھیں معتصم کی کھلی کھلی گندمی رنگت اس رنگ میں خاصی نمایاں ہو رہی تھی اس کے کلون کی مہک نے وصف کا استقبال کیا تھا اور ایک قسم کی خوشگواریت نے اس کا احاطہ کر لیا تھا۔

"بیٹھو۔" وہ پہلے اسے دیکھ کر چونکا مگر پھر دھیرے سے مسکرا کر بیٹھنے کو کہا۔

جامنی رنگ کی کرسی نما صوفے پر وہ بیٹھی تھی کہ دیوار پر فریم میں ایک تصویر نظر آئی ایک پچاس پچپن برس کا مرد تھری پیس پہنے ہوئے تھا۔ ساتھ ایک خاتون آف وائٹ ساڑھی میں تھیں اور تین خوش شکل لڑکے ان کے گرد کھڑے مسکرا رہے تھے جن میں سے ایک یقیناً معتصم تھا۔

''یہ میری فیملی ہے ممی ڈیڈی' رضا اور اذان بھائی اور آف کورس میں۔'' اس کی نظر فوٹو پر پڑتے دیکھ کر معصم نے بتایا۔ وصف نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''میں نے ونیلا ڈیلائٹس کے پچھلے بیکری کی بیکنگ کے متعلق اسٹاف سے دریافت کیا ہے اور تھوڑی مارکیٹ ریسرچ کی ہے اس کے بعد یہ چند تجاویز ہیں جس کے ذریعے سے بیکری بہتر ہوسکتی ہے۔'' اپنے سامنے گلابی رنگ کے سوٹ میں سفید دوپٹہ اپنے اردگرد پھیلائے اس پُراعتماد سی لڑکی کو معصم دلچسپی سے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''وہ تجاویز کیا ہیں؟''

''میں نے اپنے سارے آئیڈیاز اس پیپر پر لکھے ہیں آپ پڑھ لیجیے گا۔ ایک اور بات جو مجھے آپ سے کرنی تھی وہ یہ کہ مجھے چیزیں تخلیق کرنے کے لیے فری ہینڈ درکار ہے میں روایتی چیزوں سے ہٹ کر کچھ نئی چیزیں اور ذائقے متعارف کروانا چاہتی ہوں۔''

''کیا واقعی آپ کو لگتا ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں جو آپ تخلیق کریں گی وہ لوگوں کو پسند آئیں گی۔''

''جی مجھے یقین ہے کہ وہ سب چیزیں لوگوں کی قوت خرید کے اندر ہوں گی اور ہمارے لیے نفع بخش بھی اور چونکہ وہ باقی بیکریز کی بنائی اشیاء سے مختلف ہوں گی تو وہ سب کو پسند بھی آئیں گی ویسے بھی ہمارے ہاں کے لوگ کھانے پینے کی اشیاء میں کوئی جدت برپا ہو تو اسے انکار نہیں کرتے۔ باقی رسک کا ایک عنصر پھر بھی رہتا ہے تو پہلے ہم ان سب اشیاء کو بطور سیمپل اپنے مستقل گاہکوں کو دیں گے جن کو زیادہ پسند کیا گیا صرف وہی اشیاء کچن میں بنیں گی۔''

''آپ کو تو اسٹریٹجی میکر ہونا چاہئے تھا؟'' معصم کے جملے میں طنز کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ واقعی متاثر لگ رہا تھا معصم نے اسے بول دیا تھا کہ اسے جو اجزاء وغیرہ درکار تھے وہ اظفر کو کہہ سکتی ہے نیز جو بھی بنانا چاہتی ہے بنائے۔ وصف کے جانے کے بعد اس نے فائل میں لگے پیپرز پر نظر ڈالی۔ جس میں ونیلا ڈیلائٹس کے حوالے سے تجاویز لکھی ہوئی تھیں۔ اس نے پڑھنا شروع کیں۔

''جو نئی پیسٹریز ڈونٹس پیٹیز رولز اور کپ کیکس وغیرہ بنائے جائیں ان کی تصاویر لی جائیں اور ونیلا ڈیلائٹس کی ویب سائٹ اور فیس بک پیج پر ان کی تشہیر کی جائے۔ نیز نئے بروشر چھپوائے جائیں جن کے ذریعے بیکری کی اپنی چیزوں کو نمایاں کیا جائے۔ ونیلا ڈیلائٹس کا پیسٹری شیف اپنی جو بھی طریقہ استعمال کرنا چاہے کرے۔ نئی پراڈکٹس کو بنانے کے لیے جو اجزاء درکار ہوں فراہم کیے جائیں۔'' اس کی علاوہ بھی لسٹ میں مزید تجاویز تھیں جن کو معصم نے بڑے تحمل سے فرداً فرداً پڑھا۔ لیکن آخر پر تو وہ چونک گیا۔ کیفے ٹیریا کے متعلق اسے کس نے بتایا تھا۔ یقیناً اظفر یا ڈی این اے نے۔ اس پیپر پر جو وصف نے لکھا تھا اس کے مطابق کیفے ٹیریا کو کھولنا چاہئے۔ اس کے لیے نیا اسٹاف لیا جائے اور بیکری میں بننے والی کھانے پینے کی چیزیں سرو کی جائیں اور اس کے نیچے لکھا تھا کہ اگر کیفے ٹیریا پھر سے شروع کرنے کا سوچا جائے تو اس کے پاس اس حوالے سے مزید تجاویز ہیں۔ معصم پڑھ کر مسکرا دیا اس کے لفظ لفظ سے جوش ٹپکتا تھا۔ اس سے قبل وہ اسے محض ایک بیکر سمجھتا رہا تھا مگر اب اس کا وصف کے حوالے سے سوچ کا انداز بدل رہا تھا۔ وہ وہاں صرف پیسے کی خاطر کام نہیں کررہی تھی بلکہ حقیقت میں بیکری کو پھلتے پھولتے کامیاب اور ترقی کرتے دیکھنا چاہتی تھی اور جس طرح اس نے تنخواہ کی بجائے پرافٹ کا بیس فیصد مانگا تھا اس سے لگتا تھا وہ اس کے لیے عملی قدم اٹھانا چاہتی ہے ورنہ نقصان اسے بھی ہوتا۔ اسے ایک ایسی ہی باہمت اور پُرجوش بیکر کی ضرورت تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

اگلے چند روز نئی اقسام کی پیسٹریاں اور کپ کیکس بنانے میں گزرے۔ اسے تیزی اور پھرتی سے کام کرتے ہوئے دیکھ کر مسز آئزک کو بھی لگتا تھا کسی نے فاسٹ فارورڈ پر لگا دیے ہو۔ نیوٹن کے اندر بھی جوش بھر گیا تھا

وصف کے لیے وہ بہت مددگار ثابت ہورہا تھا۔ جو بھی چیز اسے نہ مل رہی ہوتی وہ نیوٹن جھٹ سے ڈھونڈ دیتا۔ اس کے نام کی طرح اس کی شخصیت بھی دلچسپ تھی۔ افنان سے کوئی ایک دو سال بڑا ہوگا لہٰذا وہ اسے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتی تھی۔

وصف نے ابتداء میں پانچ قسم کے کپ کیکس بنائے تھے۔ فریش اسٹرابری کپ کیک جس کا نام اس نے شارٹی رکھا۔ ڈارک چاکلیٹ کپ کیک جس کے اوپر کیرامل کی فروسٹنگ تھی مسٹر بلیک تھا۔ پستے کی فلنگ والا کپ کیک جس کے اوپر پائن ایپل کی فروسٹنگ تھی مس فروٹی تھی اور ایک چاکلیٹ چپ کپ کیک۔ جس پر میپل سیرپ کی فروسٹنگ تھی جس کا نام اس نے نیوٹن رکھا تھا۔

نیوٹن اپنے نام پر کپ کیک کا نام رکھے جانے پر پھولے نہ سمایا تھا۔ ریگولر کسٹمرز کو یہ کپ کیکس فری میں دیئے گئے اور گزرتے دنوں کے ساتھ یہ سیمپلز اپنا رنگ لانے لگے۔ مہینے کے اختتام تک یہ خوب بکنے لگے سب سے زیادہ ڈیمانڈ مس فروٹی نیوٹن اور مسٹر بلیک کی تھی۔

اس پہلے مہینے میں اس کے حصے میں آنے والا منافع کافی کم تھا۔ لیکن اسے یقین تھا جلد ہی بیکری شہر کی اچھی بیکریوں میں سے ایک شمار ہونے لگے گی۔ وہ ونیلا ڈیلائٹس کے بارے میں اس طرح سوچتی تھی جیسے وہ اس کی اپنی ملکیت ہو۔

نئے بروشرز تیار کروائے گئے تھے ویب سائٹ پر بھی تشہیر شروع کردی گئی تھی۔ دوسرے مہینے میں اس نے براونیز، کریم رول، ڈونٹس اور پیٹیز کی کئی اقسام دریافت کی تھیں جو سب ہاتھوں ہاتھ لی گئی تھیں اس کا کام بے حد بڑھ گیا تھا۔ بیشتر وقت کچن میں گزرتا اور مسلسل کام کرنا اسے تھکا دیتا لیکن یہ اس کا من پسند کام تھا لہٰذا وہ تھکن کو خود پر سوار نہ کرتی۔ مسز آئزک کی بنائی ہوئی چکن بریڈ بھی خوب پسند کی جانے لگی۔ دوسرے مہینے کے اختتام پر منافع قدرے بہتر ہوا تھا مکمل نہ سہی لیکن بیکری کی حالت قدرے سنبھلی تھی۔

عید نزدیک تھی لہٰذا عید ملن پارٹیوں کے لیے انہیں کیکس کے پیشگی آرڈرز ملنے لگے۔ وصف جب گھر پر کام کرتی تھی تو وہ اسے انجوائے ضرور کرتی تھی مگر اس قدر نہیں جتنا یہاں اب تو ایسا لگتا تھا کہ کام سے زیادہ وہ کوئی کھیل کھیل رہے ہوتے ہوں۔

"نیوٹن پانچ انڈے چاہئیں۔" وہ فوراً لے کر حاضر ہوتا۔ بیٹر سے کریم پھینٹی جارہی ہوتی کیکس کی آئسنگ اور ڈیکوریشن نئے نئے منفرد اسٹائل میں ہورہی ہوتی کہ لگتا جیسے وہ ابھی آرٹس کلاسز لے کر آرہی ہو۔

اتنے آرڈرز کو پورا کرنا مشکل کام تھا لیکن مسز آئزک نے اس کی بہت مدد کروائی تھی۔ عید سب کے لیے خوشیاں لے کر آئی تھی۔ معصم نے بیکری کی اوسط آمدنی کے باوجود سب کو بونسز دیئے تھے۔ نیوٹن اور نبیل تو بہت خوش ہوئے تھے جب کہ ڈی این اے نارمل ہی رہا تھا۔ وصف نے عائشہ عالم اور افنان کے لیے شاپنگ کی تھی اور اس کے لیے ایک بہترین سفید شلوار کرتا خریدتے ہوئے اسے ہمیشہ عام سے کپڑوں میں ملبوس ادھر سے ادھر تیزی سے لپکتا وصف کی ہمیشہ مدد کرواتا نیوٹن یاد آیا تھا۔ باقی بچ جانے والے پیسوں میں سے اپنے لیے ایک قدرے کم قیمت سوٹ کے ساتھ اس نے نیوٹن کے لیے بھی ایک سوٹ لے لیا تھا۔

اس نے کچھ دن قبل اس کا پتہ دریافت کیا تھا اور سوٹ خریدنے کے اگلے دن ہی وہ عائشہ عالم کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی۔ ایک چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ تھا جو ایک تنگ سے صحن میں کھلتا تھا ایک دس سال کی بچی ڈھیروں سفید، سرمئی اور بھوری مرغیوں کے پیچھے بھاگتی پھر رہی تھی جو انہیں دیکھتے ہی ٹھٹک کر مختصر سے برآمدے کی طرف بھاگ گئی تھی۔ شام کے سائے ابھی مکمل طور پر پھیلے نہ تھے لہٰذا اسے چارپائی پر کھانا کھاتا ہوا نیوٹن فوراً سے نظر آ گیا جو انہیں دیکھ کر اپنا لقمہ منہ میں ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"باجی آپ ادھر۔" اس کے چہرے پر حیرت اور مسرت کے تاثرات تھے دونوں کو سلام کر کے وہ وہیں بت

بنا کھڑا ہو گیا جیسے سمجھ نہ آرہا ہو کیا کرے۔ پیچھے کمرے سے ایک خاتون جو یقیناً نیوٹن کی ماں تھیں سادہ سے لان کے ملگجے شکنوں سے بھرپور سوٹ میں ملبوس برآمد ہوئیں جن کے چہرے پر الجھن کے تاثرات تھے۔ نیوٹن کے کچھ ادھورے سے تعارف کے بعد وہ کم از کم جان گئی تھیں کہ وصف کون تھی یقیناً وہ پہلے بھی گھر میں اس کا ذکر کرتا رہا ہوگا۔ ان کے بیٹھنے کے لیے نیوٹن جلدی سے گھر کے اکلوتے کمرے سے لکڑی کی دو کرسیاں اٹھالایا تھا۔

''ہم نے تمہیں پریشان کردیا بیٹا تم کھانا کھالو۔'' عائشہ عالم نے نیوٹن سے کہا جو حیران سا چارپائی کے پاس کھڑا تھا۔

جب کہ اس کی ماں نجانے کہاں غائب ہوگئی تھیں۔ چھت والا پنکھا ساکت تھا یقیناً لائٹ نہیں تھی۔ فوراً ہی اس کی امی اندر سے برآمد ہوئی تھیں ایک اسٹیل کا جگ دائیں ہاتھ میں ڈبا تھا اور پیچھے وہی بچی ہاتھ میں دو شیشے کے گلاس پکڑے باہر آئی۔

ٹھنڈا شربت پی کر انہیں گرمی سے کچھ سکون ملا تھا۔ عائشہ عالم نیوٹن کی ماں خالدہ سے گھریلو قسم کی گفتگو کرنے میں مصروف ہوگئیں جبکہ اس نے اپنے ساتھ لایا ہوا سوٹ کا پیک نیوٹن کے سامنے رکھ کر کھولا۔ ہلکے آسمانی رنگ کا وہ سادہ کاٹن کا ان سلا سوٹ تھا نیوٹن کی بہن بڑے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔

''باجی اس کی کیا ضرورت تھی یہ...... میرا مطلب آپ نے...... یہ کیوں لیا؟'' نیوٹن بولا جیسے سمجھ نہ آرہا ہو کیا کہے۔

''یہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کے لیے لیا ہے کیوں پسند نہیں۔'' وہ یونہی شرارت سے بولی۔

''نہیں نہیں، بہت اچھا ہے، بہت ہی اچھا۔''

''مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ تمہاری ایک چھوٹی سی پیاری سی بہن ہے تو میں اس کے لیے بھی کچھ لے کر آتی۔'' جاتے ہوئے عائشہ عالم نے نیوٹن کی بہن کے لیے چند سو روپے خالدہ کو تھمائے تو وہ منع کرنے لگیں مگر جب عائشہ عالم نے کہا کہ یہ ایک بہن اپنی بہن کو دے رہی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی اتر آئی اور چپکے سے انہوں نے پیسے پکڑ لیے۔ دروازے تک الوداع کہتے ہوئے بھی نیوٹن یوں خاموش اور حیرت زدہ تھا جیسے یقین نہ ہو وصف اس کے گھر آئی ہے۔

❀......❀......❀......❀

عید آئی اور گزر گئی۔ اس مہینے کا بیشتر منافع کیکس کے آرڈرز کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ اب انہیں برتھ ڈے اور ویڈنگ کیکس کے آرڈر بھی ملنے لگے تھے۔ کام بڑھا تو کچن میں بھی ایک فرد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ سبرینہ تینتیس چونتیس برس کی خوش شکل اور ایک بچے عالی کی ماں تھیں۔ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہنا یقیناً اس کی عادت تھی۔ ہنسنا ہنسانا اور بیکنگ کرنا سبرینہ کے پسندیدہ کام تھے پھرتی میں وہ وصف سے بھی آگے تھی۔ ایک بڑے ریسٹورنٹ میں اس کا تین سالہ بیکنگ کا تجربہ تھا۔

نیوٹن پہلے سے زیادہ مؤدب ہو گیا تھا۔ کچن ٹیم بے حد محنت کر رہی تھی اور بیکری اس حساب سے ترقی کر رہی تھی۔ ریکس ہر قسم کی چیزوں سے بھرے ہوئے تھے جو تازہ، خوشنما اور ذائقہ دار ہوتی تھیں۔ پانچ ماہ کے اندر ہی بیکری کہیں کی کہیں پہنچ چکی تھی۔

لیکن اصل خوشی ٹیم ونیلا ڈیلائٹس کو تب ہوئی جب ایک روز معصم اخبار پکڑے داخل ہوا جس کے اسپیشل ایڈیشن میں پانچ بہترین بیکریز میں سے ایک اسے گردانا گیا تھا۔

سب لوگ اس کے گرد کھڑے اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ اگرچہ ونیلا ڈیلائٹس پانچویں نمبر پر تھی مگر بہترین بیکریز میں سے ایک شمار کیا جانا ان کے لیے بہت بڑی چیز تھی خاص طور پر جب اس کی ایک ہی برانچ تھی۔ نمبرون تک آنے کا سفر خاصا لمبا تھا۔

❀......❀......❀......❀

معصم آج کل کافی خوش تھا۔ پانچ ماہ قبل وصف نے کیفے ٹیریا بہتر کرنے کی جو تجاویز پیش کی تھی وہ ان پر عمل

کرتے ہوئے اوپری حصے کا انٹیریئر بدلوا رہا تھا۔ اسے ایک خوش گوار سٹنگ پلیس اور کیفے ٹیریا کی شکل دی جارہی تھی۔ شیشے کی میزوں کے ساتھ کرسیوں کے بجائے نرم آرام دہ صوفے رکھے گئے تھے۔ شیشے کے کاؤنٹر کے نچلے خانوں میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی جانی تھیں۔ کافی میکرز اور چائے کی مشین اطراف میں لگی تھیں۔ فرش اتنا صاف شفاف کے چہرے کا عکس دکھائی دے۔ دیواروں کا پینٹ ملکے رنگوں پر مشتمل تھا۔ پروں سے بنا خوب صورت شوپیس بائیں طرف لگا تھا اور ایک گلاس وال سے باہر کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔

کچھ ہی دنوں کے اندر اس کا افتتاح کیا جانا تھا۔ ان دنوں وہ مسرور رہا کرتا تھا۔ کیونکہ پچھلے دنوں ڈیڈی نے جب اس سے بیکری کی رپورٹ طلب کی تو ہمیشہ کی طرح شرمندہ ہونے کے بجائے اس نے پچھلے چند ماہ کی پراگریس رپورٹ سامنے رکھی تھی۔ آفتاب ہاشمی نے پہلے کی طرح اسے لمبا سا لیکچر تو نہیں دیا تھا مگر وہ تعریف بھی نہیں کی تھی جس کی وہ توقع کررہا تھا۔ بیکری کی حالت میں بہتری اس سے کم وقت میں وقوع پذیر ہونے لگی تھی۔ جتنے کہ اس نے توقع کی تھی اور اس کا بیشتر کریڈٹ اس لڑکی کو جاتا تھا جس کو یہاں لاکے بھی وہ گومگو کی کیفیت میں رہا تھا کہ وہ اتنا کام سنبھال پائے گی یا نہیں۔ لیکن اس نے اپنی آمد کے تین چار روز بعد ہی تجاویز کی ایک لمبی لسٹ پیش کرکے چونکا دیا تھا۔ ظاہری بات تھی کہ وہ ونیلا ڈیلائیٹس کی حقیقی فکر رکھتی تھی۔ آنے والے دنوں میں اس نے یہ ثابت کردیا تھا۔ پہلے ماہ بیکری کے تمام ورکرز کی تنخواہیں بلز اور اخراجات نکال کر جو منافع ہوا تھا۔ اس کا بیس فیصد معصم کا آفر کردہ تنخواہ سے کم تھا۔ لیکن وہ ڈٹی رہی تھی۔ اسے وصف جیسی نازک اور کم عمر لڑکی کی قوت ارادی اور حوصلے پر حیرانی ہوتی تھی لیکن ابھی گاڑی کو ونیلا ڈیلائٹس کی طرف لے جاتے ہوئے اس کے چہرے پر شدید قسم کے فکر کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔ دس پندرہ منٹ پہلے ہی اسے اظفر کی کال موصول ہوئی تھی جس میں اسے فوراً سے پہلے بیکری پہنچنے کو کہا گیا تھا۔ اس نے بہت پوچھنے کی کوشش کی کہ آخر ہوا کیا ہے۔ مگر دوسری جانب سے جیسے جلدی میں فون رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے بیکری کے نمبر اور اظفر کے موبائل نمبر پر کئی مرتبہ کوشش کی لیکن ایک انگیج تھا اور دوسرا بند۔ گاڑی کو فل اسپیڈ سے دوڑاتا ہوا وہ چند منٹ میں بیکری کے سامنے پہنچ گیا اور معمول کے برعکس بیکری مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سوائے اوپری منزل کے شیشے کے پار ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی تھی جو ہرگز بلب کی نہ تھی اور پھر لمحوں کے اندر وہ بھی غائب دروازے کے آگے سے محافظ خان بھی غائب تھا۔ کیا ہوسکتا ہے کیا بیکری میں چور ڈاکو گھس آئے تھے اگر ایسا تھا تو لوٹ کر چلتے بنتے اسے کیوں اظفر نے بلایا تھا اور اگر وہ پہلے ہی لوٹ کر جاچکے تھے تو اظفر نے اسے فون پر کیوں نہیں بتایا تھا اور بیکری اندھیرے میں کیوں تھی۔

اپنی گاڑی کے سے اس نے پستول نکال لیا جو لائسنس شدہ تھا اور باہر آگیا۔ شیشے کے دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کلوزڈ کا بورڈ بھی نظر آگیا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے پر اسے نجانے کیوں ہلچل کی توقع تھی۔ اس کے برعکس وہاں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سوئچ بورڈ کے پاس جاکر اس نے بٹن دبا کر لائٹس جلادیں۔ لمحوں میں اندر کا منظر جگمگانے لگا وہاں کسی قسم کی بے ترتیبی نہ تھی۔ لیکن کاؤنٹر کے پیچھے کسی کی موجودگی کے آثار بھی نہ تھے۔ پستول کو اچھی طرح سے ہاتھ میں پکڑ کر اس نے اوپر جانے سے قبل کچن دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھی خالی تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر ابھی اس نے قدم رکھا ہی تھا کہ روشنیوں کا سیلاب امڈ آیا اور اس کے ساتھ ہی کیمرے کے فلیش نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں اور ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کے گانے نے اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے۔

چہرے پر کچھ نہ سمجھ آنے والے تاثرات لیے وہ اوپری منزل کو مکمل طور پر سفید اور پر پل غباروں سے ڈھکا ہوا دیکھنے لگا۔ وہاں سب موجود تھے کچن ٹیم اظفر، نبیل، ڈی

این اے اور مونچھوں کو تاؤ دیتا محافظ خان۔ تقریباً سب ہی اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر مسکرانے لگے۔ جو ابھی تک اس نے سیدھا تان رکھا تھا۔

''نیچے کرلو یار کہیں چل وَل گئی تو......'' اظفر نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی اور معصم نے پستول والا ہاتھ نیچے کرتے ہوئے ایک زوردار گھونسا اسے جڑ دیا۔

''اوئی۔'' اظفر کی ایکٹنگ قدرے زنانہ تھی۔

''آپ لوگوں نے اتنا تردد کیا۔ اس کے لیے بہت شکریہ۔'' معصم کی سمجھ میں نہ آسکا کس طرح شکریہ ادا کرے ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے سارا دن ہال سجانے میں لگا دیا تھا۔ چھت سے لٹکتے سفید اور کاسنی غباروں کے درمیان چھوٹی چھوٹی لائٹوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ دیوار پر کارڈ بورڈ کو اے بی سی کی صورت میں تراش کر انگلش میں ہیپی برتھ ڈے لکھا تھا اور حروف کے کناروں کو چھوٹی چھوٹی بتیوں سے نمایاں کیا گیا تھا۔ یہ منظر نہایت خوب صورت تھا۔ اس کے لیے ایک سے زیادہ بندوں نے کافی زیادہ محنت کی تھی۔

''غبارے ڈی این اے اور نبیل نے لگائے محافظ خان نے ان کی مدد کی ہے۔'' اظفر نے معصم کو بتایا۔

''اور یہ کیک وصف نے بیک کیا ہے۔'' معصم نے دائیں طرف دیکھا جہاں ایک چوڑا اور اونچا کیک موجود تھا۔ اس طرح لگ رہا تھا جیسے کسی کریم کیک پر پگھلی ہوئی بھوری چاکلیٹ کا ٹب الٹا دیا ہو۔ نیچے سے فل کریم اور اوپر سے مکمل طور پر چاکلیٹ کیک تین ٹائر کیک کے اوپری دونوں ٹائر مکمل چاکلیٹ تھے اور نیچے والا سب سے چوڑا اور بڑا ٹائر آدھا چاکلیٹ اور آدھا کریمی تھا۔ کنارے بے حد سرخ سرخ اسٹرابریز سے سجے تھے۔ جن کے اوپر بھی پگھلی چاکلیٹ ڈالی ہوئی تھی۔

معصم کے منہ میں پانی بھر آیا اندر کا بچہ مچلا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا سب ہی ٹیبلز کو جوڑنے اور صوفوں کو موڑنے میں مصروف تھے۔ اظفر ان سب کو گائیڈ کررہا تھا۔ وہ چپکے سے کیک کی طرف بڑھا اور نچلے ٹائر سے ایک اسٹرابری اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ چاکلیٹ اور رس بھری اسٹرابری کا ذائقہ اس کے ہر ٹیسٹ بڈ میں گھل گیا۔ معصم نے پوری طرح محسوس کرنے کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔

اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ دور کھڑی وصف نے اسے اپنی طرف دیکھتے ہی نظریں ہٹالیں تو وہ ذرا سا ہنس دیا۔

''آہم آہم۔'' اظفر اس کے پیچھے سے بولا تو ہمیشہ کی طرح اسے جھڑکنے کے بجائے وہ مسکرادیا۔

''معاملہ کیا ہے؟''

''کوئی معاملہ نہیں۔'' وہ آرام سے بولا۔

''تم اتنا جو مسکرا رہے ہو
کچھ تو معاملہ ہے جس کو چھپا رہے ہو۔''

اظفر نے شعر کی ٹانگ توڑی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا نیوٹن ان کی طرف بڑھا۔

''سر جی کیک کاٹیں نا۔'' نیوٹن کا بھی معصم کی طرح جلد از جلد کیک کھانے کا دل کررہا تھا تب ہی قریب آکر بولا۔

سب ان کے اور کیک کے اردگرد صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ معصم نے کیک کاٹنے کے لیے چھری اٹھالی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁
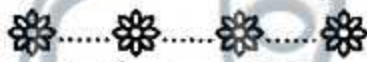
سال گرہ منانے کے بعد وہ کافی دیر تک سب کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا۔ اس نے ریسٹورنٹ سے سب کے لیے کھانا منگوایا اور اس دوران اظفر، نیوٹن اور سرینہ لطیفے سنا سنا کر سب کو ہنساتے رہے تھے۔ اتنا سارا وقت معصم نے پہلی مرتبہ اپنی بیکری کے ورکرز کے ساتھ گزارا تھا۔ سب کی طرف سے ملنے والی اپنائیت نے اسے حیران کرنے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ خوش کردیا تھا۔ کچن ٹیم نے مل کر اس کے لیے پرفیوم خریدا تھا اور باقی سب نے مل کر اسے اسپورٹس کٹ گفٹ کی تھی۔ پہلے اس قدر انتظام کرنا غبارے، لائٹس، کیکس اور پھر یہ تحائف یہ سب بہت زیادہ تھا وہ خود کو اس سب کا مستحق نہیں سمجھتا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تھا۔ مگر دل سے ان سب کا شکر گزار تھا۔

گیارہ بج گئے تھے۔ کچن ٹیم عام طور پر چار پانچ بجے تک چلی جایا کرتی تھی۔ لیکن سب آج خصوصی طور پر اس سیلیبریشن کے لیے رکے ہوئے تھے۔ مسز آ ئزک کا بھتیجا انہیں لینے آیا تو وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ باقی سبرینہ، نیوٹن اور وصف بچے تھے۔ نیوٹن اندرون شہر چلنے والی بس پکڑ لیا کرتا تھا۔ سبرینہ اور وصف رکشہ لے لیا کرتی تھیں مگر اس وقت دونوں کام مشکل تھے۔

''میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' معصم نے ایک نظر وصف کو دیکھتے ہوئے آفر کی۔

''نہیں معصم تم گھر جاؤ آج تمہارا برتھ ڈے ہے ہوسکتا ہے گھر پر بھی کوئی سرپرائز تمہارا انتظار کر رہا ہو۔'' یہ کہہ کر اظفر نے معصم کے اندر ابھرنے والا خوشی کا بلبلا پھوڑ دیا تھا۔ اس نے کہا کچھ نہیں بس سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

وصف کے اندر کچھ ایسا تھا جو ہر مرتبہ اسے دیکھنے کے بعد معصم کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ دو تین مرتبہ وہ آفس سے نکل کر کسی بہانے سے کچن میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے خاص دوست آ رہے ہوتے تھے۔ جن کے لیے وہ چیز پیسٹریز بنوانا چاہتا تھا یا پھر بیکری کے نئے ایڈورٹائزمنٹ بروشرز کا ڈیزائن وصف کو دکھانے کے لیے اور ایک مرتبہ تو جب وہ کچن میں آیا تو مکمل طور پر بھول گیا کہ اس کے ذہن میں کیا بہانہ تھا اور اظفر وہ اسے بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔

''دل ناداں کی خبر رکھنا
پھول کھلتے ہیں انہی موسموں میں''

وہ بظاہر انجان بنتے ہوئے شعر پڑھ رہا تھا اور معصم اسے گھور کر رہ گیا۔

کیفے ٹیریا کا افتتاح ہو گیا تھا جو خود آفتاب ہاشمی نے کیا تھا۔ سبرینہ اور وصف نے پہلی مرتبہ انہیں دیکھا تھا۔ اس عمر میں بھی اچھے خاصے فٹ تھے۔ بارعب شخصیت جو مقابل کو مرعوب کر کے رکھ دیتی تھی۔ معصم کے بھائی والدہ اور چند قریبی دوست بھی مدعو تھے۔ فیتہ کاٹنے سے قبل آفتاب ہاشمی نے ایک چھوٹی سی خطاب نما تقریر کی تھی جس میں انہوں نے بیکری کو اپنے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کا مشغلہ قرار دیا تھا۔ ان کی باتوں سے ایسا لگتا تھا جیسے معصم جلد ہی اس مشغلے سے اکتا کر ان کا بزنس جوائن کرنے والا ہے۔ معصم نے اس چھوٹی سی تقریب کے لیے باہر سے کھانے کی کیٹرنگ کروائی تھی۔ لیکن اسنیکس وغیرہ یہیں سے سرو کیے گئے تھے۔ آفتاب ہاشمی اور ان کی اہلیہ سونیا ہاشمی کھانے کے فوراً بعد چلے گئے تھے۔ لیکن معصم کے دونوں بھائی اور دوست احباب رکے گئے تھے۔ دوسرے دن وصف نے اظفر سے پوچھا۔

''کیا آفتاب ہاشمی اپنے بیٹے کے اس کام سے خوش نہیں ہیں؟''

''کیوں تمہیں ایسا لگا؟'' جواباً اظفر نے پوچھا۔

''ان کی تقریر سے اور پھر فیتہ کاٹتے ہوئے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ کوئی ناپسندیدہ کام کر رہے ہوں۔'' اظفر ہنس دیا۔

''ہاں ہر وہ کام جو معصم کرتا ہے وہ ان کے والد صاحب کو ناپسند ہوتا ہے۔ تم یوں بھی کہہ سکتی ہو کہ وہ کام جو آفتاب ہاشمی کو ناپسند ہو معصم کرتا ہے۔ اس کے رویہ نے پہلے گھر والوں کو خوب تنگ کیا۔ اس کے اسکول تبدیل ہوئے۔ نئے نئے ٹیوٹر رکھوائے گئے پھر گھر والوں کی مخالفت کے باوجود اس نے اپنی من پسند فیلڈ کا انتخاب کیا۔ مجھے تو آگے بھی آثار ٹھیک نہیں نظر آ رہے۔'' آخری فقرہ اس نے قدرے آہستگی سے کہا تھا۔

''اوہ۔'' وصف کا جواب اکلوتے لفظ پر مشتمل تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

روز سبرینہ سات بجے تک بیکری پہنچ جاتی تھی۔ مگر آج اسے دس بج گئے تھے۔ چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ آنکھیں قدرے سرخ تھیں۔ تبدیلی اتنی معمولی نہ تھی کہ کوئی محسوس نہ کرتا۔ وصف تیزی سے بیکنگ پاؤڈر، پگھلی چاکلیٹ اور انڈوں کی زردی کو مکس کرنے میں مصروف تھی۔ جب

اسے سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ اس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ سبرینہ پاس ہی سنک پر جھکی آنسو بہانے میں مصروف تھی۔ مسز آئزک کے چہرے پر ہمدردی کے آثار تھے۔ وصف نے سبرینہ کو کندھے سے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا مسز آئزک اس کے لیے پانی کا گلاس لے کر آ گئیں۔ دونوں تحمل سے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے چپ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اگر وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کچھ شیئر کرنا چاہتی تھی تو ٹھیک تھا ورنہ خود سے پوچھنا مناسب نہ ہوتا۔

"مجھے عدالت سے نوٹس ملا ہے۔ ضیغم کا کہنا ہے میں چونکہ یہاں کام کر رہی ہوں۔ لہٰذا بچے کی دیکھ بھال صحیح طرح سے نہیں کر رہی۔ وہ...... وہ مجھ سے میرے عالی کو چھیننا چاہتا ہے وصف۔" سبرینہ کے آنسو پھر ٹپ ٹپ بہنے لگے۔

"تم بتاؤ وصف ایک ماں سے بہتر دیکھ بھال کون کر سکتا ہے۔ عالی سارا دن میری ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو اس کا خیال کرتی ہیں اور مجھے گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کمانا پڑتا ہے۔" سبرینہ سسکیاں لے رہی تھی اور وصف خاموشی سے بات سنتے ہوئے اس کا ہاتھ سہلا رہی تھی۔ یہ غبار جو اس کے اندر جمع تھا نکل ہی جاتا تو بہتر ہوتا۔

"مجھے اس کی تعلیم کے اس کے کھانے پینے رہنے سہنے کے اخراجات پورے کرنے کے لیے گھر سے سارا دن باہر رہنا پڑتا ہے۔ کیا یہ خیال رکھنا نہ ہوا۔ مجھ سے زیادہ پروا اور کس کو ہو سکتی ہے میں ماں ہوں اس کی۔"

"سبرینہ تم اپنے لیے کوئی اچھا وکیل کیوں نہیں کرتیں؟" وصف نے صلاح دی۔

"مسئلہ تو یہی ہے مجھے کورٹ کچہری کے معاملات کا کچھ علم نہیں سوائے بیکنگ کے مجھے کوئی دوسرا کام بھی نہیں آتا۔ میرا باپ ہے نہ کوئی بھائی میں کس سے مدد مانگوں وصف؟" وہ کمزور سے لہجے میں بولی اس پل وہ خوش باش رہنے والی سبرینہ نہیں بلکہ بھربھری مٹی سے بنا وجود محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ماں جسے اپنے بیٹے کے چھن جانے کا خوف تھا۔ وصف نے اس کا درد اپنے دل میں محسوس کیا۔ کاش وہ اس کے لیے کچھ کر سکتی۔

"تم معصم صاحب سے کیوں بات نہیں کرتی؟" مسز آئزک کی بات پر وصف اور سبرینہ دونوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں ایک دفعہ مجھے بھی چند قانونی معاملات میں دشواری درپیش تھی میرے پاس تو وکیل کو دینے کے لیے پیسے بھی نہ تھے۔ مگر معصم سر نے بغیر کسی جان پہچان کے میری بہت مدد کی۔ آئزک ان دنوں بیمار تھا۔ ہمارے گھر کی ملکیت کا مقدمہ چل رہا تھا اور روزگار کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ معصم صاحب نے مجھے یہاں نوکری دی۔ تب یہ بیکری بنے بس دو ماہ ہوئے تھے۔ آئزک کے علاج کا خرچہ اٹھایا اور ایک وکیل بھی کر کے دیا۔" مسز آئزک جذباتی ہو گئی تھیں۔

"آئزک تو دنیا میں نہ رہا مگر مکان بچ گیا آج اگر میرے سر پر چھت ہے اور میرے پاس روزی روٹی کا ذریعہ ہے تو یہ معصم سر کی وجہ سے ہے۔" سبرینہ اپنا غم بھول کر مسز آئزک کا ہاتھ سہلانے میں مصروف تھی۔

معصم کا یہ ہمدردانہ روپ اس کے سامنے پہلی مرتبہ آیا تھا۔ اس سے پہلے وصف کے ذہن میں اس کا جو اسکیچ تھا وہ ایک نڈر اور حوصلہ مند شخص کا تھا جو باپ کے سامنے اس وجہ سے کھڑا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے لیے ایک مختلف فیلڈ کا چناؤ کرنا چاہتا تھا اپنا ایک الگ چھوٹا سا کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا جو اس کے گھر والوں کی نظر میں انتہائی معمولی تھا۔ لیکن اس معمولی کاروبار نے کتنے گھروں کو سہارا دے رکھا تھا۔ کچھ دن قبل نیوٹن نے یونہی باتوں کے درمیان اسے محافظ خان کے متعلق بتایا تھا جو کہ ونیلا ڈیلائٹس کا گارڈ تھا۔

"وہ ناحق کسی جھگڑے میں پڑ کر پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ معصم نے اپنے کسی دوست جو پولیس میں تھا کہہ کر اسے چھڑوایا تھا تب سے وہ معصم سر کی بہت عزت کرتا ہے اور انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھتا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا نیوٹن؟" بیٹر استعمال کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"خود محافظ خان نے۔" اس نے جواب دیا تھا۔

اور اب وصف سوچ رہی تھی محافظ خان کو بھی وہ مصیبت سے نکال کر لایا تھا۔ مسز آئزک جو اپنے دو چھوٹے یتیم بھتیجوں کے ساتھ رہتی تھی ان کو بھی اس نے خود نوکری دی تھی۔ نیوٹن اور سبرینہ بھی اپنے گھر کے اکلوتے کمانے والے فرد تھے۔ ہو سکتا ہے نبیل اور ڈی این کو بھی یہاں نوکری ایک قسم کی فیور میں ملی ہو۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بیکری میں ستر فیصد معصم اور تیس فیصد اظفر کا تھا۔ جو ستر فیصد سرمائے کا انتظام کر سکتا ہے کیا وہ باقی تیس فیصد نہیں کر سکتا؟ کیا اس نے اپنے دوست کو فیور دی تھی۔ اس کے ذہن میں معصم کا جو امیج تھا وہ تبدیل ہو رہا تھا۔ کیا بظاہر لاابالی نظر آنے والا شخص اتنا نرم دل مہربان اور ہمدرد بھی ہو سکتا تھا۔

وصف سوچ رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ انجانے میں اس کے دل میں معصم کے لیے نرم گوشہ بیدار ہو گیا تھا جو اسے ان جان راہوں پر لے جانے والا تھا جسے محبت کہتے ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

چند دنوں سے معصم وصف کے اندر تبدیلی سی محسوس کر رہا تھا۔ اول تو دونوں کا زیادہ سامنا نہ ہو پاتا تھا۔ وہ زیادہ تر کچن میں ہوتی تھی یا کبھی کبھار ریکس اور کاؤنٹر کے نیچے بنے خانوں میں اپنی بنائی اشیاء کو بہتر طریقے سے رکھوا رہی ہوتی یا ڈی این اے اور نبیل کو چیزیں زیادہ اچھے انداز میں پیش کرنے کے گر بتا رہی ہوتی۔ معصم اپنے کیبن نما آفس میں بیٹھنے کی بجائے نیچے اظفر کے پاس آ جایا کرتا تھا جس کا کاؤنٹر کے پاس ڈیسک تھا۔

اب جب جب دونوں کا سامنا ہوتا تھا وہ ٹھٹھک جاتی تھی۔ کسی سے کوئی بات کر رہی ہوتی تو وہیں رک جاتی اور کئی مرتبہ تو معصم نے نوٹ کیا تھا کہ وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی ہوتی تھی۔ اس کا یہ بدلا بدلا انداز معصم کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ لیکن نجانے کیوں اسے یہ چیز اچھی لگ رہی تھی کہ وہ معصم کی موجودگی کو اچھی طرح سے محسوس کرتی تھی۔ وصف کا کانٹریکٹ ختم ہونے میں محض چھ ماہ باقی تھے۔ اس کے بعد وہ جاب چھوڑنے کی پوری طرح مجاز تھی۔ وہ بیکری کو کہیں کا کہیں لے جا چکی تھی۔ کیفے ٹیریا کو پھر سے شروع کرنے کی صلاح اس کی ہی تھی اور اب وہاں آنے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اکیلا کیفے ٹیریا ہی ان کے سارے اخراجات کور کرتے ہوئے اتنا پرافٹ دے رہا تھا۔ جتنا شروعات میں بیکری دیا کرتی تھی۔

معصم کو معلوم تھا کہ اگر اسے بیکری کی مزید برانچز کھولنی ہوئیں تو بیک ڈور کچن سسٹم ختم کر کے ایک مرکزی جگہ جہاں پر ونیلا ڈیلائٹس کی اشیاء تیار ہوتی ہوں سے برانچز کو یہ چیزیں روزمرہ پر سپلائی کرنا ہوں گی تب وہ چیزوں کا یہی معیار برقرار رکھنے کے لیے مسز آئزک، سبرینہ اور وصف کو کچن سپروائزر رکھنے کے طور پر جاب دے سکتا ہے۔ وہ اپنی کچن ٹیم کو کھونا نہیں چاہتا تھا بلکہ یہاں کے سب ہی افراد اس کے لیے ایک فیملی کی حیثیت رکھتے تھے۔ جنہوں نے اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے ہوئے بیکری کو اپنی پوری صلاحیتوں سے اس مقام پر پہنچایا تھا۔ لیکن کیا وصف کانٹریکٹ ختم ہونے کے بعد بھی یہاں پر کام کرنا پسند کرتی؟ شاید ہاں شاید نہیں؟ ونیلا ڈیلائٹس اس کے بنا کتنی ادھوری سی لگتی ناں۔ ڈونٹس میں وہ ذائقہ ہوتا نا پیسٹریوں میں وہ رنگ۔ ہر چیز اپنا ذائقہ کھو دے گی نا! معصم نے اپنے دل میں تائید چاہی تھی۔

"بس ایک بیکر کی حیثیت رکھتی ہے وہ تمہارے نزدیک؟" دل نے جواباً سوال داغا۔

وہ کیا جواب دیتا۔ "ہاں" کہہ دینا زیادتی ہوتی وصف کے ساتھ نہیں بلکہ خود اس کے جذبوں کے ساتھ جو وصف کو دیکھتے ہی مچلنے لگتے تھے۔

"نہیں...... وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔" اس نے دل کو جواب دیا اور جواب سنتے ہی دل نے نیلی پیلی لال ہری پتنگ کی طرح ایک لمبی خوش گوار اڑان بھری تھی جیسے لہرا

کے بل کھا کے محبت کا اعلان کردینا چاہتی ہو۔

❀......❀......❀......❀

مدرز ڈے میں تین دن باقی تھے اور معصم سونیا ہاشمی کے لیے کچھ خاص بنوانا چاہتا تھا۔ اس نے وصف سے ڈسکس کیا کہ وہ اپنی ماں کے لیے ایک کیک بنوانا چاہتا ہے۔ جس کے اوپر فروسٹنگ سے پھولوں کا ایک گلدستہ سا بنا ہوا ہو اور پھول پینٹنگ کی طرح محسوس نہ ہو بلکہ ابھرے ہوئے ہوں۔ معصم نے اسے نیٹ سے ڈاؤن لوڈ کی ہوئی اور پرنٹ شدہ تصویر دکھائی اور پوچھا تھا کہ وصف یہ کیک تم بنا سکتی ہو۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

لیکن اس دن وہ صبح صبح کچن میں وارد ہوا تھا۔ عام دنوں کے برعکس اس نے سیاہ فارمل پینٹ کے ساتھ سفید کاٹن شرٹ پہن رکھی تھی۔

''میں نے اپنا کیک والا آئیڈیا کینسل کردیا ہے کیا تم مجھے ستائیس کپ کیکس بیک کر کے دے سکتی ہو؟''

''ہاں مگر ستائیس ہی کیوں؟'' وہ پوچھے بنا رہ نہ سکی۔

''کیونکہ انہوں نے پچھلے ستائیس برس سے میری ماں ہونے کا عہدہ سنبھال رکھا ہے۔ اس لیے ہر کپ کیک ایک سال کو ظاہر کرے گا اور میں چاہتا ہوں کہ ان کپ کیکس کو میں خود سجاؤں ظاہر ہے اگر اپنی ماں کو دیئے جانے والے گفٹ میں میری اپنی کوشش شامل نہ ہوگی تو کیا فائدہ۔'' معصم کی سیاہ آنکھیں جوش اور جذبات سے چمک رہی تھیں۔ جب کہ وصف اس کی بات سن کر چند لمحوں تک کچھ نہ بولی۔ معصم کے اپنی ماں کے لیے جذبوں نے اسے متاثر کیا تھا۔ مگر یہ بات ایک حقیقت تھی کہ اس کے اندر ایک بیکر بننے کی صلاحیت صفر تھی۔ کپ کیکس کو ڈیکوریٹ کرنا ایک مہارت کا کام ہے جو ایک اناڑی قطعی طور پر نہیں کرسکتا۔

''کیا ہوا؟'' وہ ابرو اچکا کر بولا۔

''اگر کپ کیکس آپ ڈیکوریٹ کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی والدہ پر اچھا تاثر نہیں چھوڑیں گے۔'' وصف نے بڑے رسان سے اور صاف گوئی سے کہا۔ بجائے برا ماننے کے وہ ہنس دیا۔

''کوئی مرد اتنی خوب صورتی سے بھی ہنس سکتا ہے کیا؟'' اس نے دل میں سوچا۔

''آف کورس میں اکیلے ڈیکوریٹ نہیں کروں گا۔ تم میری مدد کرو گی۔'' معصم نے دانستہ ''تم'' پر زور دیا تھا۔ وصف نے تیزی سے پلکیں جھپکائیں۔ معصم کے لہجے کی آنچ اس نے بھی محسوس کی تھی۔

''ٹھیک ہے میں کپ کیکس بیک کرتی ہوں تو جب فروسٹنگ کرنا ہوئی بتادوں گی بیکنگ میں ہی کافی وقت لگے گا۔'' وصف کو معصم کی موجودگی میں کھڑا ہونا ہی دشوار لگنے لگا تھا۔ لہٰذا وہ جلدی سے بولی تاکہ وہ وہاں سے چلا جائے۔

''کوئی بات نہیں میں مدد کرواتا ہوں جیسا کہ میں نے پہلے کہا مما کو دیئے جانے والے گفٹ میں میرا حصہ تو ہونا ہی چاہیے ناں۔'' وہ شرارت سے بولا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اگلے چند گھنٹوں تک کے لیے اپنے حواس پر قابو رکھے۔

❀......❀......❀......❀

تمام کپ کیکس بیک ہو چکے تھے۔ بس ان کی فروسٹنگ باقی تھی۔ وصف نے سفید کریم میں حسب ضرورت گلابی رنگ کا فوڈ کلر ملایا تھا۔ کپ کیکس کو اس سے خوب صورت رنگ اور کون سا دے سکتی تھی۔ پیسٹری بیگ کے اندر کریم بھر کر اس نے ایک کپ کیک کے اوپر اندر سے باہر کی طرف گھما کر ایک چھوٹا سا swirl بنایا اور تھوڑی دیر قبل فونڈنٹ سے جو اس نے گول چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر اسمائلی بنائی تھی وہ اوپر لگادی اور کھائے جانے والے سفید اور سلور موتی سجادیے۔

''مجھے دو۔'' معصم نے پیسٹری بیگ وصف سے لیا اور دوسرے کپ کیک پر ویسے ہی swirl بنانے کی کوشش کی جیسے وصف نے تھوڑی دیر قبل بنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کے اتنا نزدیک کھڑا تھا کہ وصف کو عجیب سا لگنے لگا۔ وہ دانستہ طور پر پیچھے ہٹ گئی۔

"اسے یوں گھمانا ہے اس طرح نہیں۔" وہ غلط طریقے سے پیسٹری بیگ کو دبا کر گھما رہا تھا۔ وصف نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے تصحیح کی۔

"کس طرح؟" معصم نے پیسٹری بیگ واپس وصف کو تھمایا جو اس نے پکڑ کر کپ کیک کے اوپر رکھتے ہوئے اندر سے باہر کی طرف گھمایا ایک خوب صورت سا گلابی کریم کا swirl بن گیا تھا۔

اب اس کے اوپر وہ گلابی سفید اور ہلکی نیلی اسمائلی اور پرلز کو اس طرح کپ کیک کے swirl پر سجا دیا۔ جیسا کہ وصف نے پہلے والے کو سجایا تھا۔

تھوڑی سی پریکٹس اور دو تین کپ کیکس کے swirl بنانے کے بعد اسے کسی حد تک ایک اچھا swirl بنانا آ گیا تھا۔ تیرہ کپ کیکس کے اوپر سفید کریم کے swirl بنا کر ان پر فونڈنٹ سے کاٹی ہوئی مختلف اشیاء لگائی گئی تھیں جیسا کہ ایک کپ کیک پر فونڈنٹ سے بنا فیڈر چھوٹے چھوٹے جوتے اور چھوٹے بچے کی شرٹ لگی تھی جو کہ معصم کے بچپن کو ظاہر کرتی تھی جب سونیا ہاشمی نے اپنے لاڈلے کے پیچھے بھاگتے' نخرے اٹھاتے' فیڈر پلاتے خیال رکھا ہوگا۔ اس طرح ایک کپ کیک کے اوپر کچن کے چھوٹے برتن بنے تھے۔ ایک پر کتابیں رکھی تھیں' کیونکہ سونیا ہاشمی کتابوں کی رسیا تھیں۔ ایک کپ کیک کے اوپر لپ اسٹک رکھی تھی جو فونڈنٹ کے اندر مطلوبہ کلرز ڈال کر بنائی ہوئی تھی۔ وصف محسوس کر رہی تھی کہ معصم کپ کیکس کے اوپر swirl بناتے اور ان کو سجاتے ہوئے بچوں کی سی خوشی محسوس کر رہا تھا۔ اختتام میں وصف نے ایک کانچ کی خوب صورت سی ٹرے میں جو اسے کچن کی ایک کیبنٹ سے مل گئی تھی۔ اس میں چھبیس کپ کیکس درمیان والے کپ کیک پر مدرز ڈے کے حوالے سے وشز لکھی تھیں۔

"یہ کتنا خوب صورت لگ رہا ہے ناں؟ مام بہت خوش ہوں گی۔" معصم ٹرے میں موجود کپ کیکس کو دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کی بات پر سبرینہ نیوٹن' مسز آئزک بھی چونک کر ٹرے دیکھنے کے لیے آگے بڑھے۔ وہ کپ کیکس واقعی میں بہت کیوٹ لگ رہے تھے۔

"تھینک یو سو مچ وصف تمہاری وجہ سے یہ ممکن ہوا۔" اس کی آواز میں خالص پن تھا جو وصف کے دل کو چھو گیا۔

"فائن مائی پیلیزر۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

❀....❀....❀....❀

سونیا ہاشمی خود کو نہایت خوش قسمت تصور کرتی تھیں ان کے تینوں بچے ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور اس کا عملی اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔ ان کی سال گرہ ہوتی یا ویڈنگ اینورسری ہمیشہ خاص طور پر منائی جاتی تھی اور ان کے شوہر آفتاب ہاشمی کے ساتھ ساتھ تینوں بچوں کے تحائف بہت اعلیٰ ہوتے۔ مگر نجانے کیوں معصم ہر مرتبہ رضا اور اذان دونوں پر سبقت لے جاتا تھا اور یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ چونکہ معصم سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے زیادہ محبت کرتی تھیں تو اس لیے اس کا تحفہ بھی انہیں زیادہ پسند آتا تھا۔ بلکہ ایسا تھا کہ وہ ان کے لیے جو بھی چیز لاتا وہ انمول ہوتی نہایت منفرد بہت خاص ورنہ بیش قیمت تحائف تو رضا اور اذان بھی دیتے تھے اور آج جب مدرز ڈے پر رضا ان کے لیے نہایت خوب صورت طلائی بریسلیٹ لایا تھا اور اذان نہایت قیمتی ساڑھی تو معصم ان کے لیے کپ کیکس لایا تھا۔ گلابی پولکا ڈاٹس والے ریپرز میں لپٹے۔ ترتیب سے سجے گلابی اور سفید کریم والے وہ کپ کیکس نہایت خوب صورت تھے۔ قیمت میں رضا کے دیئے ہوئے بریسلٹ اور اذان کی دی ہوئی ساڑھی سے کئی حصے کم لیکن ان کی سجاوٹ اور swirls سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی اناڑی نے بنائے ہیں اور وہ جان گئی تھیں کہ انہیں بنانے والا اناڑی خود معصم تھا۔

"آپ کو پسند نہیں آئے؟" وہ کپ کیکس کو ان کے سامنے کیے پوچھ رہا تھا اور وہ کیا کہتیں پسند آنا بہت چھوٹا سا لفظ تھا۔

"آئی جسٹ لو دِس کپ کیک۔" ان کے کہنے پر معصم کی سیاہ آنکھوں میں ستاروں کی سی روشنی بھر گئی ماں

کے کہے گئے یہ الفاظ اس کے لیے بہت انمول تھے۔ وہ ہمیشہ باپ سے دور اور ماں کے نزدیک رہا تھا۔ جب باپ اسے نصیحت کرتا یا ڈانٹتا تو صرف ماں کا لمس ہی اس کی ہمت بندھاتا تھا۔

"مجھے پتہ تھا میں نے وصف سے بھی بولا تھا کہ آپ کو یہ کپ کیکس بہت پسند آئیں گے۔"

"یہ اس نے بنائے ہیں؟" سونیا ہاشمی نے پوچھا۔

"اس نے بیک کیے اور مجھے انہیں ڈیکوریٹ کرنا سکھایا اور میں نے سجایا۔ ویسے میں اچھا بیکر بن سکتا ہوں ہے نا مام؟" وہ شرارت سے بولا۔

"ہاں بہت اچھے۔"

"لیکن وصف سے اچھا نہیں اس جیسے کیک کوئی بھی بیک نہیں کرسکتا۔"

"آہاں اتنی اچھی ہے وہ؟" سونیا ہاشمی نے دھیرے سے پوچھا۔

"جی بہت اچھی ہے۔ میرا مطلب ہے بہت اچھی بیکر ہے۔" شکار پھندے میں پھنس گیا تھا اور اب سر جھکا کر مسکرا رہا تھا۔

"میں تمہاری ماں ہوں معصم اس سے کہیں زیادہ تمہیں جانتی ہوں۔ جتنا تم سمجھتے ہو، محسوس تو میں نے تمہارے کیفے ٹیریا کے افتتاح کے روز ہی کرلیا تھا۔"

"پتہ نہیں مما بس اچھی لگتی ہے وہ مجھے۔" معصم نے اپنا سر سونیا ہاشمی کی گود میں رکھ دیا۔ ممتا کی پیار بھری خوشبو نے اس کا احاطہ کرلیا تھا، مما کو سب پتہ تھا اس احساس نے اسے قدرے ہلکا پھلکا کردیا تھا۔

"تم سنجیدہ ہو؟"

"جی...... لیکن پاپا کا مسئلہ ہے۔ وصف اتنی ہی عام لڑکی ہے جتنا کہ میرا بیکری کا بزنس جو آج تک انہیں نہیں بھاسکا۔" اس کے لہجے میں خدشات تھے۔

"اگر وصف اچھی ہے جو کہ یقیناً ہے تو انہیں بہت پسند آئے گی تم پوری ونیلا ڈیلائٹس ٹیم کو چائے پر کیوں نہیں بلاتے اتنی محنت کی ہے ان لوگوں نے یہ تو تمہاری طرف سے بنتا ہے۔"

"سب کو تو نہیں لیکن کچن ٹیم اور ڈی این اے اظفر کو بلایا جاسکتا ہے۔" وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے پھر اگلے اتوار کو رکھتے ہیں سب گھر پر موجود ہوں گے۔"

"تھینک یو مما۔"

"یو آر ویلکم بیٹا۔" آخر ان کے لاڈلے بیٹے کی خوشی میں ان کی خوشی تھی۔

❁......❁......❁......❁
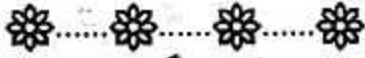
معصم نے ان سب کو اپنے گھر چائے پر بلایا تھا۔ یہ سب کے لیے حیرت اور خوشی کی بات تھی لیکن یہ بات سن کر تقریباً سب ہی خائف ہوگئے تھے کہ چائے پر آفتاب ہاشمی بنفس نفیس موجود ہوں گے۔ وصف نے محسوس کیا تھا کہ سب ان کی شخصیت کے رعب میں مبتلا تھے۔ اظفر کے پاس تو بچپن سے لے کر اب تک کے سینکڑوں قصے تھے جو کہ وہ صبح سے ڈی این اے اور کچن ٹیم کو باری باری سنا رہا تھا اور ہر قصے میں یہی ظاہر ہوتا تھا کہ آفتاب ہاشمی ایک سخت گیر انسان ہیں جو اپنے چھوٹے بیٹے سے نالاں رہتے ہیں۔

مقررہ روز اس نے اپنے لیے زرد رنگ کے سوٹ کا انتخاب کیا جو اس نے چند روز قبل ایک بوتیک سے خریدا تھا اور اس کی گلابی سفید رنگت پر خوب اچھا لگا تھا۔ بالوں کو اوپر سے کیچر لگا کر نیچے سے کھلا رہنے دیا۔ آئی لائنر سے بڑی بڑی روشن آنکھوں پر winged style میں آئی لائن لگایا۔ مسکارے سے پلکوں کو خمیدہ کیا اور لبوں پر قدرتی گلابی رنگ کا گلوس لگا کر وہ تیار ہوگئی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر اس نے اپنے سراپے پر ایک بھرپور تنقیدی نظر ڈالی تھی۔ اسے کبھی اس کی پروا نہیں رہی تھی کہ وہ خوب صورت نظر آئے لیکن آج وہ بہت اچھی لگنا چاہتی تھی۔ وہ خود پر پرفیوم چھڑک رہی تھی جب عائشہ عالم اندر داخل ہوئیں۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی لگ رہی ہے میری بیٹی۔" وہ بڑے پیار سے بولی تھیں۔

''تھینک یو۔'' وہ دلکشی سے مسکرائی۔ اسے آفتاب ہاؤس پہنچنے میں آدھا گھنٹا لگ گیا تھا۔ چائے کا انتظام لان میں کیا گیا تھا۔ سونیا ہاشمی اس سے اتنے تپاک سے ملی تھیں کہ وصف کو ان کی گرم جوشی پر حیرت ہونے لگی۔

سب سے ہیلو ہائے کرتے ہوئے وہ سبرینہ کے ساتھ خالی نشست پر بیٹھی تھی کہ اسے لان کی طرف آتا معصم دکھائی دیا۔ جس نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا۔

''مما میں؟'' وہ اتنا ہی بولا تھا کہ اس کی نظر وصف پر پڑی اور الفاظ جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔ دونوں کی نگاہیں چند لمحوں کے لیے ملی اور بجلی سی کوندی تھی۔ معصم اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہو اور تب تک وہ پلکیں جھپکے بغیر دیکھتا رہا جب تک کہ وصف نے نظریں نہ ہٹالیں۔

آفتاب ہاشمی اور سونیا ہاشمی سب سے فرداً فرداً مختصر تعارف کے بعد اب ہلکی پھلکی باتیں کرنے میں مصروف تھے اور یہ وصف کا وہم تھا یا حقیقت کہ آفتاب ہاشمی تھوڑے وقفے سے اسے غور سے دیکھتے تھے نجانے کیا وجہ تھی؟

''ہوسکتا ہے وہ سب ہی کو اس طرح دیکھ رہے ہوں۔'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے سوچا۔

موضوع گفتگو ونیلا ڈیلائٹس کی حالیہ ترقی کی طرف مڑ چکا تھا۔ تقریباً دو ہفتے قبل ایک اسٹوڈنٹ میگزین نے اسے ایک بہترین فوڈ پوائنٹ اور اسٹوڈنٹس کی زبان میں مکمل چیلنگ پوائنٹ قرار دیا تھا۔

''میرے دونوں بڑے بیٹوں نے ہمیشہ زندگی کے ہر موڑ پر مجھ سے مشورہ لیا اور آج وہ میرے بزنس کو کہیں سے کہیں لے جاچکے ہیں۔ جب کہ معصم ہمیشہ سے خود سر رہا ہے اور خود سری ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے۔'' آفتاب ہاشمی کی بات انتہائی غیر متوقع اور موقع کے حساب سے انتہائی غیر مناسب تھی۔ وصف کا سفید چاکلیٹ اور بادام سے بنا کرنچی ٹی کیک کا ٹکڑا اٹھاتا ہاتھ وہیں رکا تھا۔ باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔ یوں اتنے لوگوں کے سامنے اپنے بیٹے کو ڈی گریڈ کرنا کہاں کی دانش مندی تھی۔

وصف نے معصم پر ایک نظر ڈالی جس کا چہرہ تاریک ہوگیا تھا۔ وہاں سختی کے سوا کوئی تاثر موجود نہ تھا۔ وصف کے دل کو کسی نے جیسے مٹھی میں لے کر جکڑا تھا۔

''کتنا برا محسوس ہورہا ہوگا معصم کو اس وقت۔'' وصف نے سوچا اور تب ہی اس کے منہ سے وہ نکلا جو شاید نہیں نکلنا چاہیے تھا۔

''بڑے بیٹے ہمیشہ باپ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ وہ پلیزرز ہوتے ہیں اس وجہ سے کامیاب رہتے ہیں جب کہ چھوٹے بچے کے لیے والدین کی توجہ حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا لہٰذا وہ بڑے بھائیوں کو فالو کرنے کے بجائے رولز توڑتے ہیں اور منفرد کام کرتے ہیں جس سے وہ باپ کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔'' بول کر اس نے کن اکھیوں سے سب کی طرف دیکھا۔ سبرینہ، مسز آئزک اور وہاں موجود دیگر افراد اسے اس طرح دیکھ رہے تھے کہ جیسے اس نے کوئی بہت بڑی غلطی کردی ہو۔ دوسری جانب سے آفتاب ہاشمی کی نگاہیں سختی سے اس پر یوں جمی تھیں جیسے کسی نے گلو لگادی ہو۔ ان کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کی تحریر صاف پڑھی جاسکتی تھی۔

''مجھے نہیں لگتا آپ کی رائے ایک پروفیشنل سائیکلوجسٹ کے برابر ہوسکتی ہے۔'' اس بات پر خفت سے اس کے گال سرخ ہوگئے۔ مگر اب پیچھے ہٹنا بزدلی ہوتی لہٰذا وہ اپنی پوری ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

''آپ کی بات درست ہے سر، لیکن چھوٹے بیٹے میں الگ راہ اپنانے کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے اسی وجہ سے معصم سر نے اپنا الگ کاروبار شروع کرنے کا سوچا ہو۔ ان کے لیے ویسے بھی اعداد و شمار سے متعلق جاب اور بزنس غیر مناسب ہے اس کی وجہ ان کا Dyslexia ہے۔'' الفاظ تو گولیوں کی طرح برس رہے تھے مگر آخری فقرہ تو گویا بم ثابت ہوا تھا۔ ایسی خاموشی طاری ہوگئی تھی کہ سوئی گرتی تو آواز سنائی دیتی سب کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ آفتاب ہاشمی کے غصہ بھری، سونیا ہاشمی کی بے چین اور معصم کی حیران نظریں۔

اذان، رضا اور عروبہ بھی اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہوں۔ جب کہ اس کی ونیلا ڈیلائٹس سے منسلک افراد کے تاثرات بھی لگ بھگ ایسے ہی تھے۔ مسز آئزک کی حالت قابل رحم تھی جیسے کسی نے انہیں نوکری سے نکال دیا ہو اور ڈی این اے وہ اس طرح ظاہر کررہا تھا جیسے اس نے کچھ بھی نہ سنا ہو یا پھر سرے سے وہاں موجود ہی نہ ہو۔ واحد سبرینہ تھی جو نارمل تھی اور یہ دیکھ کر وصف کی تھوڑی ہمت بندھی۔

''ہم معصم کے اس ہینڈی کیپ کے متعلق بات نہیں کرتے۔'' مسز ہاشمی کی آواز آئی۔

''آئی ایم سوری میم مگر یہ تو بالکل ایسا ہوا جیسے ہمارا کوئی عزیز اچھوت کی بیماری میں مبتلا ہو اور ہم اسے لوگوں سے چھپاتے پھریں۔'' وصف کو معلوم تھا کہ اس کی باتیں انہیں چبھ رہی تھیں مگر وہ پھر بھی بولتی گئی۔

''یہ ایسی چیز نہیں ہے جس پر شرمندہ ہوا جائے۔ دنیا کی کل آبادی میں سے دس فیصد لوگ Dyslexic ہیں اور ایسا نہیں کہ آپ کا بیٹا کوئی نالائق اور لو آئی کیو شخص ہے۔ Dyslexia کے شکار بچوں کو mis understand کیا جاتا ہے۔ ذہانت اور ذہنی صلاحیتوں کے حوالے سے وہ عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے یہ موقع اس گفتگو کے لیے غیر مناسب ہے۔'' آفتاب ہاشمی نے سختی سے کہا تو وصف کا جی چاہا کہے۔

''شروع کس نے کیا تھا۔'' موضوع گفتگو اپنے اختتام کو پہنچا تو سب نے جیسے سکون کا سانس لیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی آفتاب ہاشمی اور سونیا ہاشمی ایکس کیوز کرکے اٹھ کر چلے گئے۔ مسز آئزک کو ان کا بھتیجا لینے آ گیا تھا۔ سبرینہ اور وصف فریش ہونے کے لیے ملازمہ کے ساتھ اندر چلی گئیں۔ واش روم میں بند ہوکر اتنی دیر میں اس نے سکون کا سانس لیا۔

''یہ میں نے کیا کیا۔ کیوں اتنا بول گئی؟'' آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے وہ بولی۔ اس نے جو بھی کہا تھا بہر حال اس پر وصف کو قطعی کوئی پشیمانی نہ تھی۔ پانچ منٹ بعد وہ باہر آئی تو کافی حد تک پُرسکون تھی۔ آفتاب ہاشمی کی چبھتی ہوئی سخت نظروں کا اثر زائل ہوچکا تھا۔

''میں بھی ذرا فریش ہولوں۔'' سبرینہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ وصف گیلری میں آگے کی طرف بڑھنے لگی۔ جس کے اختتام پر گھر کی پشت تھی اور ایک چھوٹا سا لان گھر کا پچھلا چھوٹا سفید گیٹ۔

''گھر میں ایک باغی ہی کافی ہے میں دوسرا لاکر توازن مزید خراب نہیں کرنا چاہتا۔'' آواز اتنی آہستہ نہیں تھی کہ وصف کے کانوں تک نہ پہنچتی۔ سر اٹھا کر اس نے اوپر دیکھا پچھلی طرف کھلنے والی کمرے کی کھڑکی کے پیچھے آواز کا منبع موجود تھا۔ آفتاب ہاشمی کس باغی کو گھر نہ لانے کی بات کررہے تھے۔

''آفتاب یہ معاملہ مختلف ہے۔ اسے باقی تمام چیزوں کی طرح مت ڈیل کریں اور مجھے تو وہ لڑکی کہیں سے بھی باغی نہیں لگی بلکہ مجھے لگتا ہے وہ معصم کے لیے بالکل موزوں ہے۔'' سونیا ہاشمی کی بات پر وصف کا دل زور سے دھڑکا وہ لوگ کس لڑکی کی بات کررہے تھے کون سی لڑکی معصم کے لیے موزوں تھی۔

انجانے خدشات سانپوں کی طرح ڈسنے لگے کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی بجائے کسی اور لڑکی کے متعلق بات کررہے ہوں۔ وصف کو اپنے احساسات ہی سمجھ میں نہ آرہے تھے۔

''تم نے دیکھا وہ کس طرح سے بات کررہی تھی آج جیسے وہ سب کچھ جانتی ہو اور ہم سے زیادہ جاہل دوسرا کوئی نہ ہو۔ مجھے اس طرح بغیر سوچے سمجھے بولنے والے لوگ پسند نہیں۔ اس نے معصم کو بھی ایسی باتوں سے متاثر کیا ہوگا جو وہ اچانک کسی لڑکی میں اتنا انٹرسٹڈ ہوگیا ہے۔ اسے وصف کے روپ میں ایک حمایتی نظر آ گیا ہوگا۔'' آفتاب ہاشمی کی الزام دیتی آواز اور زہریلے الفاظ اس کے کانوں میں سیسہ بن کر اترے تھے۔

''کسی نے سچ کہا ہے ساری دنیا کا شہد جمع کرلو۔ زبان

کا شہد اس سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے اور ساری دنیا کا زہر جمع کرلو زبان کا زہر سب سے زیادہ کڑوا ہوگا۔" اس میں مزید سننے کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ وہ واپس جا کر کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا پچھلے گیٹ سے باہر نکل آئی۔ کتنی ہی گلیوں کے چکر کھانے کے بعد اسے مین روڈ اور رکشہ مل سکا تھا۔

سارا سفر آفتاب ہاشمی کے فقروں کی گونج سنتے سنتے گزر گیا تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کی نئی نئی محبت کا گلا گھونٹ ڈالا ہو۔ وہ معتصم کو کیوں متاثر کرنے کی کوشش کرنے گی۔ یہ تو بالکل ایسا ہوا جیسے کوئی جان بوجھ کر ڈورے ڈال رہا ہو۔ شاید آفتاب ہاشمی کا کہنے کا در پردہ یہی مقصد تھا کہ وصف معتصم کو پھنسانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

اسے بے حد دکھ ہوا آنسو بھل بھل آنکھوں سے بہنے لگے۔ گھر کے قریب رکشہ کا تو پیسوں کی ادائیگی کے بعد اس نے اندر داخل ہونے سے قبل اچھی طرح سے آنکھیں صاف کیں۔ وہ گھر میں موجود دونوں بے حد پیارے لوگوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ساری رات بے چینی اور دکھ میں گزر گئی تو معتصم نے وصف سے کچھ بھی کہنے سے قبل گھر میں بات کی تھی اور گھر میں یوں چائے پر بلایا جانا بھی شاید اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ وہ جس طرح سب کے سامنے معتصم کی حمایت میں بولی تھی وہ آفتاب ہاشمی کو خوب کھلا تھا۔ اس نے کچھ غلط نہیں بولا تھا مگر ان کی توقع کے برعکس بولا تھا اور باغی قرار پائی تھی۔ آفتاب ہاشمی کو اپنے گھر میں ایک اور ایسے بندے کی ضرورت نہیں تھی جو ان کے غلط کو غلط قرار دے۔

اگلے روز اس کا بیکری جانے کا قطعی دل نہیں تھا مگر پہلے سب کو بغیر بتائے ٹی پارٹی سے غائب ہو جانا اور آج یوں چھٹی کر لینا سب کے اندر سوالات کو جنم دیتا ویسے بھی وہ کمزور دبو قسم کی لڑکی تھی نہیں۔ آفتاب ہاشمی کی باتوں کو ذہن سے نکال کر اسے اپنی جاب کرنا ہی تھی۔ سارا دن وہ کچن تک محدود رہی تھی۔ سبرینہ کے پوچھنے پر کہ وہ پارٹی سے اچانک کہاں غائب ہوگئی تھی اس نے بتایا کہ گھر سے

کال نے پر وہ فوراً بغیر کسی کو بتائے نکل گئی تھی۔ یہ سن کر سبرینہ کے چہرے پر بے یقینی کے سے تاثرات آ گئے۔ مگر اس نے کہا کچھ نہیں۔

اگلے چار پانچ روز ایسے ہی گزر گئے۔ چھٹے روز وہ کیک کی فیلنگ کرنے میں مصروف تھی جب مسز آ ئزک اور سبرینہ کی گفتگو اس کے کانوں میں پڑی۔

''جج نے مقدمہ خارج کر دیا ہے۔ معصم سر کا وکیل بہت قابل ثابت ہوا۔''

''اچھا ضیغم نے کوئی ردعمل ظاہر تو نہیں کیا؟'' مسز آئزک نے پوچھا۔

''نہیں اب وہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ مجھے معصم سر کا شکریہ ادا کرنا تھا مگر پچھلے ایک ہفتے سے وہ بیکری آ ہی نہیں رہے۔'' وصف نے بس اتنا سنا تھا اور سوچ میں پڑ گئی۔ معصم بیکری کیوں نہیں آ رہا۔

کیا وہ بھی اس کی طرح سامنا کرنے سے جھجک رہا تھا؟ مگر وہ تو اس گفتگو سے لاعلم تھا جو وصف نے اتفاقاً سنی تھی۔ یا ہوسکتا ہے ٹی پارٹی کے روز اس نے آفتاب ہاشمی کے ساتھ جو بحث کی تھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہو آفتاب ہاشمی نے اسے ڈانٹ پلائی ہو کہ اس نے ایک لڑکی کا انتخاب کیا بھی تو کس کا۔ جس کو بڑوں کے سامنے بلا سوچے سمجھے بولنے سے احتراز کرنے کا بھی نہیں پتہ۔ ہوسکتا ہے انہوں نے اسے وصف کی حیثیت کا بھی بتایا ہو کہ وہ اس کی بیکری میں کام کرنے والی محض ایک ملازمہ ہے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے معصم کو اسے بیکری سے نکال دینے کا حکم دیا ہو۔ ''خس کم جہاں پاک۔'' ساری سوچیں اسے ناگوں کی طرح ڈسنے لگیں کیک کی فروسٹنگ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔

بس وہ خود ہی اس جگہ کو چھوڑ دے گی۔ کل سے یہاں نہیں آئے گی۔ کانٹریکٹ گیا بھاڑ میں۔ عزت نفس سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ معصم کے لیے اپنے دل میں جذبات بھی اس نے نکال کر پھینکنے تھے اپنے دل کو کچل کر اسے آگے بڑھنا تھا۔ سہ پہر ڈھلے پونے پانچ بجے کے لگ بھگ وہ بوجھل دل لیے گھر پہنچی تھی جب گھر کے سامنے اسے ایک غیر مانوس گاڑی کھڑی نظر آئی۔ ان کے چند جان پہچان والوں میں سے تو کسی کے پاس ایسی گاڑی نہ تھی۔ کیا ان کے گھر میں آفتاب ہاشمی تو نہیں آئے تھے وصف کی شکایت لے کر۔ خوف زدہ سی وہ گھر میں داخل ہوئی تو ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے سے اس کے خدشات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ آفتاب ہاشمی اور سونیا ہاشمی صوفے پر موجود تھے۔ انہوں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا چھپ کر دوسرے کمرے میں جانے کی تک نہ بنتی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' سونیا ہاشمی اور آفتاب ہاشمی کی مشترکہ آواز سنائی دی۔ آفتاب ہاشمی کے چہرے کے تاثرات اتنے نرم تھے کہ اسے حیرت ہوئی یہ وہی ہیں۔

''وصف کیسا رہا تمہارا دن؟'' سونیا ہاشمی نے رسمی سا سوال پوچھا۔

''جی اچھا۔'' اس نے آواز کو ہموار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''مسز عالم آپ کی بیٹی بہت بہادر ہے۔'' آفتاب ہاشمی بولے۔ شاید یہ کوئی طنز تھا۔ جو وہ اس دن کی بدتمیزی کو بہادری قرار دے رہے تھے۔ وہ سب کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی مگر کہیں بھی سختی، درشتگی یا غصے وغیرہ کے آثار اسے نظر نہ آئے۔ سب مسکرا رہے تھے اسے حیرت ہوئی۔ محض دس منٹ بعد ہی انہوں نے رخصت چاہی جاتے ہوئے سونیا ہاشمی نے اسے ساتھ لگا کر سر پر بوسہ دیا تو اس کی حیرت دو چند ہوگئی۔ آفتاب ہاشمی نے بھی مسکرا کر وصف کو خدا حافظ کہا تو وہ بے ہوش ہو کر گرنے کو تھی۔

''میری بیٹی بڑی خوش قسمت ہے۔'' مہمانوں کے نکلتے ہی عائشہ عالم نے اسے اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا۔

''کیوں آئے تھے یہ لوگ؟'' اس نے مما کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''میری بیٹی کو اپنے گھر کی بہو بنانے کے لیے۔'' وہ پورے دل سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھیں جب کہ

وصف حیرت سے گنگ ان کی شکل دیکھنے میں مصروف تھی۔ کیا یہ واقعی عائشہ عالم بول رہی تھیں یا پھر اسے سنائی دے رہا تھا کیونکہ وہ کچھ ایسا سننا چاہ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ معصم اچھا لڑکا ہے وہ بھی آیا تھا مگر جلد ہی چلا گیا بالکل ایسا ہی داماد چاہیے تھا مجھے۔ مہذب مؤدب باتمیز اور پتہ ہے آفتاب ہاشمی کیا کہہ رہے تھے کہ تی پارٹی پر تمہاری گفتگو سے وہ بہت متاثر ہوئے اور اسی روز انہوں نے تمہیں اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔"

"جھوٹے کہیں کے۔" اس نے دل میں سوچا مگر یہ مما کیا کہہ رہی تھیں اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ بے حد حسین خواب۔ تو کیا پچھلے ایک ہفتے میں معصم آفتاب اپنے والد کو آمادہ کرنے میں لگا ہوا تھا اور آج وہ لوگ وصف کا ہاتھ مانگنے آئے تھے بجائے کوئی شکایت کرنے کے۔

"اوہ واؤ" وصف کا جی چاہا وہ خوشی سے چیخ پڑے مگر اس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا۔ لیکن مسکراہٹ روکنا اس کے بس میں نہ تھی۔

"تمہیں معصم پسند ہے نا؟" اس کی مسکراہٹ دیکھتے ہی وہ بولیں۔

"جی۔" وہ نظریں جھکا گئی۔ سب کچھ ٹھیک ہوگیا تھا کچھ دیر قبل والی پریشانی الجھن ہوا ہوگئی تھی۔

❀ ❀ ❀

گلابی ہلکے سے کام والے سوٹ میں ملبوس وہ ٹیرس پر موجود کرسی پر بیٹھی گلابی شام کا حصہ لگ رہی تھی۔ اس کے ہمیشہ کیچر میں مقید رہنے والے بال آج کھلے اور کمر پر آبشار کی صورت گرے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں چائے کا مگ تھا۔ ہلکی سی چلنے والی ہوا اس کے بالوں میں سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ آسودگی اور اطمینان اس کی نس نس میں دوڑ رہی تھا۔ چائے کا کپ ختم کرکے اس نے میز پر رکھا تھا جب ٹیرس پر کھلنے والے دروازے سے اس نے مسکراتے ہوئے سیاہ جینز اور کیمل براؤن شرٹ میں ملبوس اپنے ہینڈسم اور محبت کرنے والے شوہر معصم آفتاب کو نکلتے دیکھا۔

"آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں......!" شاید یہ خوب صورتی اسے اس اطمینان نے عطا کی تھی جو اسے معصم کے ساتھ سے ملا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"سوچ رہی ہوں کہ ہمیشہ میں نے سنا تھا کہ لڑکے پہلے لڑکی کے سامنے محبت کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر اپنے والدین کو رشتہ کے لیے بھیجتے ہیں مگر تم نے مختلف کیا۔"

"ہاں نا مجھے لمبے لمبے افیئرز چلانے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔ میں ڈائریکٹ رشتہ بھجوانے پر یقین رکھتا ہوں۔"

"اور اگر میں انکار کردیتی تو۔" وہ شرارتاً بولی۔

"ہو ہی نہیں سکتا تھا۔" وہ بھرپور یقین سے بولا۔

"جو لڑکی میرا برتھ ڈے پلان کرے اور کیک بنانے کے علاوہ ہال سجانے میں پورا دن لگادے۔ میرے نک نیم صامی پر پیسٹری کا نام رکھے۔ اظفر سے میرے متعلق کرید کرید کر پوچھے اور میرے باپ سے میرے لیے ٹکرلے جو کہ آج تک کسی نے نہیں لی وہ میرا پروپوزل ریجیکٹ کیسے کرسکتی تھی۔"

"اوہ......مگر ان سب چیزوں سے یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ میں تم سے محبت بھی کرتی ہوں۔" وہ مصنوعی انداز میں بولی۔

"جاننے کے لیے تمہاری آنکھوں میں جھانک لینا کافی ہے۔ ذرا دیکھو میری طرف کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔" وہ بولا تو وصف نے پلکیں جھکالیں معصم کی نظروں کی تپش اسے پگھلائے دے رہی تھی۔

اس شام محبت کے میٹھے موسم کی ابتداء ہوگئی تھی۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

ایف ایم حسین

ان کا نام بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں، ہمارا ان کے ساتھ نہ تو میل جول تھا نہ ہی کبھی بات چیت کرنے کا موقع ملا تھا۔ ہم انہیں دیکھنے کا شرف کئی بار حاصل کر چکے تھے وہ ہر محفل میں ننگے پاؤں اور ایک جواں حسینہ کے ساتھ پائے جاتے تھے۔ ہمیشہ ہونٹوں پر خاموشی کی چھاپ اور چہرے پر سوچ کا راج ہوتا تھا۔ پروین ان کی خداداد صلاحیت سے بہت متاثر تھی، اس لیے ان سے ملاقات کیے بغیر واپس چلے جانا ناممکنات میں سے تھا۔ پروین کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے جاوید ان کی شیدائی ساتھی خاتون (جس کا تعلق بھی اسلام سے تھا، وہ جسے کئی نک ناموں سے پکارا کرتے تھے) سے ملاقات کا وقت لینے میں کامیاب ہو گئے۔ دو بجے ہم ملاقات کا شرف حاصل کرنے پہنچ گئے، وہ اپنے گھر کے مین ڈور سے باہر کھڑے تھے۔

دراز قد و قامت اور چوڑے ہاتھ اور لمبے پاؤں جو آج بھی جوتے کے بغیر ہی تھے۔ سفید رنگ کی دھوتی اور کرتے میں ملبوس ہمیں محو انتظار لگے۔ پروین کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ ہم دونوں میں سے پروین کون ہے' آداب عرض کہنے کے بعد ہمیں اپنے گھر کے اندر لے گئے۔ اسی جانی پہچانی حسین ترین خاتون نے ہمارا والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا اور تیزی سے سادہ پانی کے گلاس ٹرے میں رکھ کر لے آئی بعد میں اس نے ہمیں چائے کے ساتھ اچار اور مٹھیاں کھلائیں اور نہایت خوش دلی سے حسین صاحب کی پسند کا انکشاف کیا جو اس نے ان کے لیے اپنے مبارک ہاتھوں سے بنا رکھی تھی۔ پروین اسے ان کی بیگم تصور کرتے ہوئے اس کے لگاؤ و احترام سے مرغوب نظر آنے لگی تھی۔ بہت عرصے تک میں بھی یہی سمجھتی تھی بعد میں پتا چلا کہ محترمہ کی ان سے اس قدر عقیدت ہے کہ وہ صبح و شام اور دن رات انہی کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ وہ جونہی باہر نکلی میں نے موقع غنیمت جانا اور میں نے عورت کا رول ادا کرنے میں دیر نہ لگائی اور سرگوشی کے انداز میں پروین کو ان کے رشتے سے روشناس کروا دیا تو پروین مزید سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

اب پروین کی نظریں ان کے پاؤں پر جمی ہوئی تھیں جن کی ناگفتہ بہ حالت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ ننگے پاؤں پیدا ہوئے تو انہوں نے پیدا کرنے والے کی عقیدت و احترام میں جوتا پہننے کو گناہ کبیرہ تصور کرتے ہوئے گستاخی کا ارتکاب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے حسین صاحب گھر سے لے کر تمام محفلوں، گلی کوچوں اور بازاروں میں ہمیشہ ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے۔ ان کے منفرد انداز سے لوگ انہیں دور سے ہی پہچان لیا کرتے تھے یہی ان کی شناخت تھی اور اسی پر انہیں کبر و پندار تھا۔

حسین صاحب! اپنے دوست واحباب اور اپنے حلقے کے لوگوں میں نجانے کیسے مزاج کے واقعہ ہوئے تھے ہمیں اس کی خبر نہیں۔ محفلوں میں ہمیشہ مجھے طبعاً! بے حد سادہ' شریف النفس اور کم گو لگا کرتے تھے۔ آخر پروین خاموشی سے تنگ آ کر قدرے کسمسائی اور پھر ملائم اور دھیمے لہجے میں ان کی پینٹنگز کی تعریفیں کرنے لگی۔ آج وہ بہترین سامع تھے' چائے کے بعد ہم واپس جانے لگے تو وہ ننگے پاؤں ہمارے ساتھ باہر نکلے اور گلی کے نکڑ تک خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتے رہے اور خدا حافظ کہہ کر پلٹ گئے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی پروین نے شوخی سے کہا' رف یہاں کچھ مشترک ہے میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے ذرا سا مسکرائی تھی۔ بڑے لوگوں کو انفرادیت کی محتاجی زیب نہیں دیتی۔ وہ تو اپنی پہچان آپ ہوتے ہیں میرے اس جواب پر وہ ہنستی چلی گئی۔ مجھے اس کی ہنسی اور آنکھوں میں رقصاں شرارت کی قطعاً سمجھ نہ آئی تھی بس سوچتی رہی کہ اسے حسین صاحب میں مشترک کیا لگا تھا بعد میں مجھ پر یہ راز افشاں ہوا کہ پروین کو بھی جوتوں کی پابندی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ جب کبھی میرے پاس آتی تو غیر ارادی طور پر ننگے پاؤں پھرنے لگتی تھی۔ پہلے تو میں اس خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ وہ وال ٹو وال میٹنگ کی وجہ سے جوتا پہننا مناسب نہیں سمجھتی لیکن جب میں نے اسے صبح سویرے لان کی سرسبز گھاس پر ننگے پاؤں چلتے دیکھا اور ننگے فرش پر بھی جوتے کی ضرورت محسوس نہ کیا کرتی تھی تو مجھے تھوڑا شک ہوا اور حسین صاحب سے ملاقات کے بعد کا ایک فقرہ میرے کانوں میں گونجنے لگا اور حقیقت مجھ پر عیاں ہوگئی۔

گاڑی چلاتے وقت وہ سب سے پہلے جوتا اتارا کرتی تھی' ایک دن میں نے اس سے یہ ذاتی سوال کر ہی ڈالا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی پھر اس نے بتایا کہ وہ بچپن سے ہی مہینے کے تیس دنوں میں پندرہ دن جوتے کے بغیر گھر آیا کرتی تھی۔ والدہ سے خوب ڈانٹ ڈپٹ بھی پڑتی مگر مجھ پر خاطر خواہ اثر نہ ہوتا تھا۔ یہی عادت عمر کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتی چلی گئی اور خصوصاً امی کے ساتھ مجلس میں جاتے ہی اپنا جوتا اتارتی تو پھر واپس پہننا بھول جاتی۔ کئی بار مشاعروں میں اسٹیج کے عقب میں جو جوتا اتارا تو تمام فنکشن ختم ہونے کے بعد بھی جوتے کی کمی کا احساس نہ ہوتا۔ مجھ پر جوتا گمشدگی کا ترس کھاتے ہوئے دوسروں کے کہنے پر کام کرنے والے جوتے کی تلاش میں سرگرداں ہوجاتے اور کبھی کامیاب ہوجاتے اور کبھی مجھے گاڑی میں ننگے پاؤں بیٹھنا پڑتا۔ وہ مجھے اپنی معصومیت بھری سچی داستانیں سناتے ہوئے ہنسے جارہی تھی۔ ایک بار پیٹرول لینے کی غرض سے رستے میں رکی تو ایک جوتا بے خیالی میں وہیں گر گیا۔ لنچ کے لیے میریٹ جانے کی جلدی بھی تھی' وہاں جا کر جب جوتا پہننا چاہا تو جوتا ندارد' تیزی سے شاپ پر گئی اور جوتا خریدا مگر میں نے سبق پھر بھی نہ سیکھا۔

اس کا بس چلتا تو وہ حسین صاحب کی طرح ہر جگہ دھڑلے سے جوتے کے بغیر نظر آتی اور بے باکانہ فخریہ انداز میں گھومتی ہوئی پائی جاتی مگر وہ مجبور تھی۔ اسے صنفِ نازک ہونے کا پاس تھا اور اس طریقے سے منفرد نظر آنے کا شوق بھی نہیں تھا۔ اس لیے اس نے اپنی عادت کے نرالے پن پر جبر کرنے میں ہی عافیت جانی کیونکہ صنف قوی کو تو ہر انداز زیب دیتا ہے ناں۔

ہم راستے بھر حسین صاحب اور قرۃ العین حیدر کی ایک دوسرے سے مختلف شخصیات کا موازنہ کرتے رہے تو آخر میں پروین نے انتہائی فخر سے کہا تھا کہ مجھے ان کے مقابلے میں ایک تنہا عورت جو بیمار بھی ہے بڑھاپے کی گرفت میں بھی ہے پھر بھی بہت مضبوط لگی۔ کیونکہ اس کی انا' خودداری اس کی ہم سفر ہے جس کے پاس یہ خزانہ موجود ہو وہ عورت کبھی لاغر اور مفلس نہیں ہوسکتی جبکہ حسین صاحب مجھے ایک بے بس و بے دم انسان لگے ہیں جو سہاروں کے محتاج ہیں۔

بزمِ سخن

ثناء ریاض چوہدری...... بوسال سکھا

گزرے ہوئے وصال کے دن رات بھول جا
ملنے نہ دیں گے اب ہمیں حالات بھول جا
موسم بدل گیا' زمانے گزر گئے
اے دوست تو بھی عید ملاقات بھول جا

سمعیہ غزل...... بستی ملوک

سنا تو ہے وہ آئے گا عید پر ملنے
اگر یہ سچ ہے تو پھر ہم عید منالیں گے

کوثر خالد...... جڑانوالہ

منصب جنوں کو پانے کے لیے
بے قدروں کے شہر سے گزرے
بارش کی طرح برسنے کو
گھٹا ٹوپ ابر سے گزرے

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

دیکھا زخمی ہوا جاتا ہے دو عالم کا خلوص
ایک انسان کو تری ذات سے دکھ پہنچا ہے

راجہ احمد...... راولپنڈی

جیسے چاند سجتا ہے ستاروں کے ساتھ
ٹھیک ویسے ہی ہم سجتے ہیں ساجن تمہارے ساتھ

ریما نور رضوان...... کراچی

برسات کے موسم بیاں ہونے لگے تھے
آنسو مرے جذبوں کی زباں ہونے لگے تھے
محفل کا اکھڑنا اچھا ہوا مرے حق میں
حال تفصیل سے بیاں ہونے لگے تھے

پاکیزہ علی...... جتوئی

وہ حیراں ہیں ہمارے ضبط پہ کہہ دو قتیل ان سے
جو دامن پہ نہیں گرتا' وہ آنسو دل پہ گرتا ہے

شمع مسکان...... جام پور

رات گہنایا ہوا چاند جو دیکھا میں نے
یاد آئی ہے بہت دیر اداسی تیری

اقصیٰ شوکت...... گگومنڈی

بھر دے دامن ان کا خوشیوں سے اے مولا
جو رہ جاتے ہیں ہر سال عید پہ خالی

نبیلہ ناز...... ٹھینگ موڑ الہ آباد

عید کا دن بھی یہ سوچتے گزر جاتا ہے
ہمارے واسطے یہ عید بھی پچھلی عید جیسی ہے
دل میں احساس جدائی کا اندھیرا ہے ابھی
چاند دیکھا ہی نہیں عید منائیں کیسے

انم...... برنالی

اسے میرا مقدر بنایا رب
بس ایک بار ملا یا رب
بند کروں یا کھولوں آنکھیں
ہر سمت اسی کو دکھا یا رب

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

وعدے فقط وعدے ہی رہتے ہیں
گر ایسا نہ ہوتا سب ایک دوسرے کے ہوتے

اقراء ماریہ...... برنالی

لفظ وفا سنا تو تھا
ڈھونڈا بہت ملا نہیں

منیبہ نواز...... صبور شریف

عشق قاتل سے بھی' مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟
سجدہ خالق کو بھی' ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟

رضا گل...... درابن کلان

یہی سزا ہے میری جو اکیلا ہوں میں
کہ میرا سر تیرے آگے بھی خم نہیں ہوتا
وہ بے حس ہے مسلسل شکست دل سے منیر
کوئی بچھڑ کے چلا جائے غم نہیں ہوتا

جی کنول خان...... موسیٰ خیل

جنہیں سلیقہ ہے تہذیب غم سمجھنے کا
ان ہی کے رونے میں آنسو نظر نہیں آتے
خوشی کی آنکھ میں آنسو کی بھی جگہ رکھنا
بُرے زمانے کبھی پوچھ کر نہیں آتے

حمیرا قریشی...... حیدرآباد

گزرتا وقت پہلو میں آ کر فقط اتنا بولا
میں بھی جارہا ہوں تو بھی ساتھ چل

عادل مصطفیٰ...... طور جہلم

کبھی سوچا بھی ہے تم نے کہ ایک ضدی سا شخص
نہ جانے کیوں؟ تیرے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

میں ہر روز گناہ کرتی ہوں
وہ اپنی رحمت سے چھپاتا ہے
میں مجبور ہوں اپنی عادت سے
وہ مشہور ہے اپنی رحمت سے

بنت عبدالستار رحمانی...... ملتانی

ماضی کے چار دنوں نے چھین لی میری ہنسی
اب حال میں میرا حال فی الحال نہ پوچھو

معظمہ منور بٹ...... سمندری

رسم الفت ہی اجازت نہیں دیتی
ورنہ ہم تمہیں ایسا بھولیں زمانہ یاد کرے

تسلیم شہزادی...... کمالیہ

میں پوچھ پوچھ ہاروں ہزاروں سوال کرکے
تم کچھ جواب نہ دو ایسا کبھی نہ کرنا
تم چاند بن کے نکلو میں دیکھتی رہوں گی
ایک روز تم نہ نکلو ایسا کبھی نہ کرنا

شبنم کنول...... حافظ آباد

مناؤں گی کیسے تیرے بغیر یہ حسین عید کا دن
بہت تڑپے گا تیرے بغیر یہ حسین عید کا دن
کیسے بناؤں اپنے سادہ ہاتھوں پر مہندی کی لکیریں
کیا تم آؤ گے دیکھنے آج حسین عید کا دن

لاڈو رونی...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

یہ جو ہم ہیں نا احساس سے جلتے ہوئے لوگ
ہم زمین زاد نا ہوتے تو ستارے ہوتے

اسماء نور عشاء...... بھوج پور

خواہشوں کا کوئی معیار ہوا کرتا ہے
کیسی خواہش ہے مٹھی میں سمندر ہوتا

پارس شاہ...... چکوال

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
کانٹوں سے بھرا ہے دامن دل، شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

سید کاشف کاظمی...... سہنسہ کوٹلی آزاد کشمیر

اب موت سے کہو کہ ناراضگی ختم کرلے
وہ بہت بدل گیا جس کے لیے ہم زندہ تھے

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

خیرات میں ملی خوشی ہمیں اچھی نہیں لگتی
ہم اپنے دکھوں میں بھی رہتے ہیں نوابوں کی طرح

شاعر ریاض چوہدری...... بوسال سکھا

اٹھا کر چوم لی ہیں چند مرجھائی ہوئی کلیاں
تم نہ آئے تو یوں جشن بہاراں کرلیا ہم نے

شازیہ اختر شازی...... نور پور

مسلسل چبھتے ہیں مجھے کانچ کے ٹکڑے
خوابوں کو آنکھوں میں توڑا ہے کسی نے شازی

عظمیٰ ایوب...... تلہ گنگ

کس رات کی آنکھوں میں پیمان سحر ہوگا
یہ خواب جو کونپل ہے کس رُت میں سحر ہوگا
سہمے ہوئے پنچھی کی آواز بتاتی ہے
اس کا بھی یہاں کوئی جلتا ہوا گھر ہوگا

عبدالرحمٰن...... اکبر روڈ کراچی

تم جیسی حسین آنکھوں والے جب آتے ہیں ساحل پر
لہریں بھی شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوبے گا

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

سبزیوں کے کوفتے

اجزا:۔

آلو	تین عدد
مٹر	آدھا کپ
انڈا	ایک عدد
گوبھی	آدھا کپ
گاجر	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	تلنے کے لیے
لال مرچ	آدھا چائے کا چمچ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ

گریوں کے لیے ضروری اجزا:۔

پیاز (درمیانی پسی ہوئی)	ایک عدد
لال مرچ	حسب منشا
ادرک	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	ایک چائے کا چمچ
کوکنگ آئل	1/4 کپ

ترکیب برائے کوفتے:۔

تمام سبزیوں کو ابال کر میش کرلیں پھر تمام مصالحے مکس کرلیں اور کوفتے بنالیں انڈا لگا کر کوکنگ آئل میں ڈیپ فرائی کرلیں۔

ترکیب برائے گریوی:۔

کوکنگ آئل گرم کریں اس میں پیاز ادرک لہسن اور تمام مصالحے ڈال کر بھون لیں تلے ہوئے کوفتے شامل کرکے سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء.....کراچی

بارہ مصالحے کا مرغ

اجزا:۔

مرغ	ایک عدد
بناسپتی گھی	ایک پیالی
دہی	ایک پاؤ
پیاز	آدھا پاؤ
ادرک اور لہسن (پسا ہوا)	دو چائے کے چمچ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچ
بادام کھوپرا تل خشخاش	یہ سب مصالحے تین تین
دھنیا سفید زیرہ	چائے کے چمچ

ترکیب:۔

پہلے مرغ کو صاف کرکے اس کے ٹکڑے کاٹ لیں سارے مصالحے بھون کر پیس لیں اور دہی میں ملادیں۔ دہی اور مصالحوں کو مرغ میں ملا کر دس یا پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں ایک دوسری دیگچی میں گھی گرم کرکے پیاز لچھوں میں کاٹ کر بادامی رنگ پر تل لیں۔ جب پیاز لال ہوجائے تو مرغ اس میں بگھار دیں اور اتنا بھونیں کہ سرخی آجائے ایک پیالی پانی میں ڈال کر مرغ کو گلنے کے لیے چھوڑ دیں جب مرغ گل جائے اور پانی خشک ہوجائے تو تھوڑا سا بھون کر پسی ہوئی زعفران ڈال دیں اب اس کو اوون میں دم کے لیے رکھ دیں تاکہ گھی اوپر آجائے۔

نوٹ:۔ مرغ بھونتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ مصالحہ بالکل سوکھ نہ جائے۔

صباء عیشل......بھگووال

باربی کیو چکن

اجزاء:۔

مرغی کے سینے	چار عدد (آدھے آدھے)
لیموں	ایک عدد
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
(تازہ کٹا ہوا Marinade کے لیے)	
لیمن جوس	تہائی کپ
لہسن	ایک جوا (کش شدہ ادرک)

سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ	
تازہ لال یا ہری مرچ	ایک یا دو عدد (باریک کٹی ہوئی)	
نمک وسیاہ مرچ	حسب ضرورت	
ہری پیاز	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)	

ترکیب:۔

لکڑی کے ہتھوڑے کے ساتھ مرغی کے سینوں کو کوٹ کر ہموار کرلیں۔ میرینیٹ کے تمام اجزا ایک پیالے میں ملا کر گوشت میں ڈالیں اور ڈھانپ کر فریج میں رکھ دیں (رات بھر یا چند گھنٹے)۔ خاص قسم کا باربی کیو پین اگر ہے تو درست ورنہ عام پین میں ہلکا سا چکنائی لگا کر گوشت کو میرنیشن سے نکال کر رکھیں یا کوئلوں پر جالی رکھ کر باربی کیو کرلیں یا پھر گرل کرلیں۔ دونوں جانب سے پکا کر سرخ اور نرم کرلیں۔ ہرا دھنیا چھڑک کر لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں، ساتھ جو کی روٹی لیں تاکہ نشاستے کی ضرورت پوری ہوسکے۔

آنچل قریشی......کراچی

سپر رائس

اجزاء:۔

چاول	دو کپ
سویا سوس	ایک چائے کا چمچ
چلی سوس	چوتھائی چائے کا چمچ
تیل	ایک کپ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
چینی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
سرکہ	ایک چائے کا چمچ
گاجر	دو عدد

(چھوٹی ٹکڑوں میں کاٹ لیں)

ہری پیاز	چوتھائی کپ
ہری مرچ	تین عدد

(لمبائی میں کاٹ لیں۔

ترکیب:۔

چاولوں کو نمک اور سرکہ ڈال کر ابال لیں، ایک پین میں تیل ڈالیں گرم ہو تو لہسن پیسٹ ڈالیں۔ ہلکا بھون کر سویا سوس، چلی سوس، کیچپ، نمک، چینی ملا کر تھوڑا بھونیں۔ ساتھ ہی سبزیاں ملا کر اسٹر فرائی کریں پھر چاول ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ہاٹ چکن جنجر کے ساتھ سرو کریں۔ دعوت کے لیے بہترین ڈش ہے۔

طلعت نظامی......کراچی

مٹن بند گوبھی

اشیا:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا کھانے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
کالی مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
تیل	ایک کپ
پیاز (چوپ کی ہوئی)	دو کپ
بند گوبھی (باریک کاٹ لیں)	250 گرام
ٹماٹر (کاٹ لیں)	تین عدد
ہری مرچ	چھ عدد
ہرا دھنیا (گارنش کے لیے	حسب ضرورت

ترکیب:۔

تیل گرم کریں، نمک، لال مرچ، دھنیا پاؤڈر، لہسن ادرک کا پیسٹ، کالی مرچ، پیاز ڈال کر مسالا بھون لیں۔ گوشت ڈال کر چار منٹ بھون لیں، بھوننے کے بعد دو کپ پانی ڈال کر گلنے کے لیے رکھ دیں۔ پانی خشک ہونے پر بند گوبھی، ٹماٹر، ہری مرچ، کالی مرچ، ہرا دھنیا ڈال کر پندرہ منٹ تک دم پر رکھیں۔ سرو کرتے ہوئے نان یا چپاتی کے ساتھ سرو کریں۔

نادیہ احمد...... دبئی

چھوہاروں کا حلوہ

اشیا:۔

چھوہارے	آدھا کلو
دودھ	ایک لیٹر
بالائی	ایک پاؤ
چینی	تین پاؤ
لونگ	دو عدد
کیوڑا	ایک بڑا چمچ
بادام کی گری	ایک چھٹانک
سبز الائچی	چند دانے
گھی	ایک پاؤ
زعفران	آدھی چٹکی

ترکیب:۔

چھوہاروں کو دھو کر ٹکڑے کرلیں اور گٹھلیاں نکال پھینکیں' انہیں ایک دو گھنٹے تک دودھ میں بھگو دیں پھر اسی دودھ میں پکالیں' گل جائے تو اتارلیں اور ٹھنڈا ہونے پر دودھ سے نکال کر پیس لیں' پتیلے میں گھی گرم کریں اور سبز الائچیاں اور لونگ ڈال کر بھونیں اسی میں پسے ہوئے چھوہارے بھونیں اور دودھ بھی ڈال دیں۔ بالائی کو پھینٹ کر چینی سمیت ڈال دیں' بادام اور چینی کا شیرہ جب گاڑھا بن کر جذب ہونے لگے تو زعفران کو کیوڑے میں ملا کر ڈال دیں' حلوہ گاڑھا ہوجائے اور گھی چھوڑنے لگے تو اتارلیں' چند منٹ تک ڈھکا رہنے دیں۔ ایک ڈش میں حلوہ نکال لیں' چاندی کا ورق' بادام کی باریک گریاں اور گلاب کی پتیاں چھڑک لیں۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو

مکس فروٹ اسکوائش

اجزاء:۔

سنگترے کا رس	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کپ
انناس کا رس	ایک کپ
انگور کا رس	ایک کپ
پانی	تین کپ
چینی	آٹھ کپ
نمک	آدھا چھوٹا چمچ
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	چوتھائی چھوٹا چمچ

ترکیب:۔

لیموں، سنگترے، انناس اور انگور کے رس کو ایک ساتھ ملا کر باریک کپڑے سے چھان لیں۔ چینی کو پانی میں حل کریں۔ پانی کو بھی باریک کپڑے سے چھان لیں چینی والے پانی سے ایک تار کی چاشنی بنائیں چاشنی ٹھنڈی کرلیں۔ رس، چاشنی اور نمک کو اچھی طرح سے ملائیں۔ ٹھنڈے مرکب میں آدھا کپ پانی میں پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ گھول کر ملائیں۔ تیار اسکوائش کو بوتلوں میں بھریں برف ڈالیں اور پانی ڈال کر پئیں۔

نداحسنین...... کراچی

آلو کی بھجیا

اجزاء:۔

آلو	ابلے ہوئے 4 سے 5
کٹی ہوئی لال مرچ	2 کھانے کے چمچ
ٹماٹر پیاز	ایک ایک عدد
نمک	حسب ضرورت
دھنیا	حسب ضرورت
انڈے	2 عدد
گھی	آدھا کلو

ترکیب:۔

آلوؤں کو ابال کر پیس لیں۔ اس میں لال مرچ' ٹماٹر' پیاز' نمک' دھنیا ڈال کر مکس کرلیں۔ جب یہ سب مکس ہوجائیں تو کباب کی طرح شکل بنالیں۔ یہ جو مکس کیا ہوا ہے پھر اسے انڈے میں ڈال کر گھی میں تل لیں اور پلیٹ میں نکال کر پیش کریں۔ آلو کی بھجیا تیار ہے۔

رخسانہ اقبال...... قائد آباد خوشاب

آئی میک اپ

مشہور بات ہے کہ آنکھیں دل کی کھڑکی ہوتی ہیں مگر جب ان کو میک اپ کر کے خوب صورت بنانے کی بات آتی ہے تو اکثر خواتین اس میں ناکام رہتی ہیں۔ تقریب چھوٹی ہو یا بڑی آنکھیں بہر حال توجہ کا مرکز ہونی چاہئیں کیوں کہ ہمارے چہرے پر سب سے پہلے جس چیز کا نوٹس لیا جاتا ہے وہ ہماری آنکھیں ہی تو ہیں آنکھوں کا ہلکا سا میک اپ بھی جادوئی اثر دے سکتا ہے اور آپ کے لُک میں اضافہ کر سکتا ہے۔

آئی میک اپ کا اہم مقصد ہوتا ہے آپ کی آنکھوں کو ایک گلیمرس لُک دینا مگر اس کے لیے آپ کے پاس آئی میک اپ کو استعمال کرنے کا ہنر بھی ہونا چاہیے۔ ہم سب شام کی پارٹی کے لیے ایک پُرکشش آئی میک اپ چاہتے ہیں مگر اکثر خواتین کو آئی میک اپ کی تکنیک کا پتا نہیں ہوتا ہے۔ ذیل میں اس سلسلے میں سات اقدامات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو آپ کے آئی میک اپ میں کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔

تیاری

آئی میک اپ کرنے سے قبل کنسیلر کا استعمال کر کے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے یا کوئی دانے وغیرہ کا نشان ہے تو اسے خفیہ کرلیں۔ ہر آنکھ کے نیچے کنسیلر کے تین ڈاٹ لائیں اور ان کو بیرونی کنارے سے بلینڈ کرتے ہوئے بیرونی کنارے تک آجائیں تاوقت یہ کہ یہ برابر ہوجائے اور بالکل نظر نہ آئے۔

آئی بیس

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آئی میک اپ کئی گھنٹوں تک اصل حالت میں برقرار رہے تو دونوں پپوٹوں پر آئی بیس لگائیں اور ان کو اچھی طرح سے بلینڈ کرلیں۔

آئی شیڈو

آئی میک اپ کرتے وقت یہ بہت ضروری ہے کہ آپ درست کلر اور شیڈز کا انتخاب کریں اور ان کو اپنے ڈریس کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔ آنکھوں کو پُرکشش بنانے کے لیے عموماً تھری ٹونڈ آئی شیڈو کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ لائٹ کلر سے میک اپ کا آغاز کریں جو آپ کی جلد کے ٹون سے میچ کرتا ہوا ہو۔ اسے پپوٹوں پر اس طرح استعمال کریں کہ اسٹروک بھنوؤں کی طرف جاکر ختم ہو اس کے بعد پپوٹوں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک میڈیم کلر آئی شیڈو لگائیں اور کریز میں اس سے تھوڑا ڈارک استعمال کریں۔ آئی میک اپ کو نیچرل لُک دینے کے لیے ہر کلر کو اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔

آئی لائنر

بہترین آئی میک اپ ٹپس یہ ہے کہ ڈارک شیڈو کو بطور آئی لائنر کے ذریعے بھی ایک شان دار آئی لائنر تخلیق کرسکتی ہیں۔ آئی لائنر تبھی زیادہ تاثر انگیز بنتی اور نظر آتی ہیں جب ان کو پلکوں سے قریب تر لگایا جاتا ہے اور اندرونی کنارے سے بیرونی کنارے کی طرف لگایا جانا چاہیے۔

ہائی لائٹر

ہائی لائٹر کے ذریعے آئی میک اپ کو مزید زندگی ملتی ہے اور یہ اور واضح ہوجاتا ہے۔ بطور ہائی لائٹ شیڈو کا استعمال کیا جائے اور اسے اندرونی کنارے پر زیادہ نمایاں کیا جائے اسی شیڈ کو بھنوؤں کی ہڈی پر بھی تھوڑا سا لگالینا چاہیے۔

کرلنگ

آئی میک اپ اور زیادہ پُرکشش پلکوں کو کرل کر کے بنایا جاسکتا ہے اور ان کو اور زیادہ نمایاں بھی کیا جاسکتا ہے۔ کرلر کو چند سیکنڈ کے لیے بلو ڈرائر سے گرم کریں اور احتیاط سے اسے پلکوں کو کرل کرنے کے لیے استعمال کریں۔

مسکارا

آئی میک اپ کا آخری مرحلہ مسکارے کا استعمال ہے اور اسے اوپر اور نیچے دونوں پلکوں پر لگانا ہے۔ مسکارے کی ڈنڈی کو بہت ہوشیاری سے آگے پیچھے کر کے استعمال کریں اور اپنا

- آئی میک اپ مکمل کریں۔

آئی میک اپ اتارنے کے ٹپس

ہم خوب صورت نظر آنے کے لیے ہر طرح کے جتن کرتے ہیں۔ اچھے سے اچھا لباس پہنتے ہیں، قیمتی میک اپ پروڈکس اور جیولری استعمال کرتے ہیں اور شان دار آئی میک اپ بھی کرتے ہیں مگر جب ہم پارٹیوں سے لوٹتے ہیں تو ہمارے اندر اتنی جان نہیں رہتی ہے کہ میک اپ کو اتار لیں۔ میک اپ اتارنے کی بات ہو تو سب سے مشکل اور صبر آزما مرحلہ آئی میک اپ کو اتارنا ہوتا ہے کیوں کہ یہ ہمارے جسم کا سب سے نرم و نازک حصہ ہوتا ہے۔

آئی میک اپ اتارنا بہت ضروری ہے تاکہ آپ کی آنکھیں اور اس کے اطراف کی جلد کاسمیٹکس کے مضر اثرات سے محفوظ رہے عموماً خواتین آئی میک اتارنے کے لیے پانی اور کچھ ٹشو پیپرز استعمال کرتی ہیں مگر آئی لائنر اور مسکارا کو صاف کرنے کے لیے پانی ناکافی ہوتا ہے۔ اگر آئی میک اپ کو رات بھر لگا رہنے دیا جائے تو میک اپ آپ کی آنکھوں میں جاسکتا ہے اور جلن اور پانی نکلنے کی شکایت ہونے کے ساتھ ساتھ انفیکشن بھی ہوسکتا ہے۔ آئی میک اپ اتارنے کے لیے بازار میں مختلف میک اپ ریموور موجود ہیں ان میں سے آپ کو اس کا انتخاب کرنا ہے جو سب سے زیادہ نرم ہو۔ اس کے انتخاب میں بہت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے کیوں کہ اگر ان میں موجود کوئی جزو آپ کی جلد کو موافق نہیں آیا تو آپ کی آنکھوں کے گرد کی جلد متاثر ہوسکتی ہے۔

ان سب باتوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ آئی میک ریموور گھر میں ہی تیار کرلیں۔ ذیل میں اس حوالے سے معلومات فراہم کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

☆ **زیتون کا تیل:** اسے آپ آئی میک اپ ریموور کے طور پر استعمال کرسکتی ہیں۔ یہ بہت آسان ہے اور قدرتی بھی۔ اس سے پلکوں کا میک اپ اتر جاتا ہے اور ان کو جلا بھی ملتی ہے۔

☆ **ویسلین:** روایتی طور پر اسے موئسچرائزر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر اسے آپ آئی میک اپ ریموور کے طور پر بھی استعمال کرسکتی ہیں کم خرچ بالانشین ہے اور آسانی سے گھر پر ہی استعمال کرکے آئی میک اپ صاف کیا جاسکتا ہے۔

ہدایات: انگلیوں کی مدد سے آنکھوں کے میک اپ پر ویسلین کو لگایا جائے اور میک اپ اتار لیا جائے بعد میں گرم پانی میں کپڑا گیلا کرکے صاف کرلیا جائے۔

موئسچرائزنگ کریم: موئسچرائزر اور کولڈ کریم کی بہت ساری اقسام ہیں یہ دونوں بہترین آئی میک اپ ریموور ثابت ہوسکتی ہیں ان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ مطلوبہ حصے کی جلد کو کنڈیشن میں بھی لے آتی ہیں۔

ہدایات: آئی میک اپ ایریا پر انگلیوں کی مدد سے اسے لگائیں، بعد میں ٹشو سے صاف کرلیں۔

تولیہ: بازار میں ایسے تولیے دستیاب ہیں جن کو آئی میک اپ ریموور ٹاول کہا جاتا ہے اور جن کو استعمال کرنے کے بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ بہت کارآمد ہیں اور ان سے فٹافٹ کام ہوجاتا ہے کیوں کہ ان کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ہدایات: یہ تولیے پہلے سے موئسچرائزڈ ہوتے ہیں بس ان کے ذریعے میک اپ کو پونچھ لیں اور کام ہوگیا۔

بے بی شیمپو: بے بی شیمپو اور بے بی آئل یہ دونوں بہترین آئی میک اپ ریموور ہیں۔ یہ نرم ہوتے ہیں لہٰذا جلد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے اور میک اپ آسانی سے اتر جاتا ہے اور پلکوں کو کنڈیشننگ بھی مل جاتی ہے۔

ہدایات: بے بی شیمپو، بے بی آئل میں کاٹن بال بھگو کر آئی میک اپ ایریا میں لگائیں بعد میں نیم گرم پانی سے اس حصہ کو اچھی طرح دھولیں۔

غزل

یوں بھی نہیں کہ میرے بلانے سے آ گیا
جب رہ نہیں سکا تو بہانے سے آ گیا
ہم کر کے بات پھنس گئے اپنے ہی جال میں
کیا پلٹ کے تیر نشانے سے آ گیا
آتا نہ تھا کبھی ہمیں اپنا خیال کچھ
اتنا بھی اس کو پاس بٹھانے سے آ گیا
لاتعلقی سے ہوا فائدہ ہمیں
کیا اس کے ہاتھ بات بڑھانے سے آ گیا
کچھ اور بھی سنپولیے حق دار تھے ظفر
میں اپنے آپ اٹھ کے خزانے سے آ گیا

شاعر......ظفر اقبال

انتخاب: مدیحہ نورین مہک......گجرات

نظم

جون جولائی کی گرم دوپہر میں
دیواروں پر رینگتے سائے
صحن کی جانب گھسیٹ رہے ہیں
دھوپ میں اچھلتی پیاسی چڑیا
دم لینے کو ذرا رکی ہے
کمرے کی ٹھنڈک میں پھیلی
گھڑی کی ٹک ٹک اونگھ رہی ہے
میری آنکھ کے آنگن میں کچھ
بے خوابی کا پہرا ہے
لوہے کے صندوق سے نکلی
گھن کھائیں بے رنگ گڑیاں
سامنے رکھ کر سوچ رہی ہوں
ان گڑیوں سے کھیلنے والی
نازک نازک پیاری گڑیاں
ماں کی آنکھ کا تارا گڑیاں
باپ کے دل کی ٹھنڈک گڑیاں
گھر کا راستہ بھول گئی ہیں
اب کے ساون برسا بھی تو
اس جھولے پر کون سجے گا
کون فضا کی بے رنگی میں
اپنی ہنسی گاڑے گا
کس کے ہاتھ کی خوشبو
کن من کی ہر تال میں بھیگے
کس کے نغمے گونجیں گے
وہ گڑیاں تو دور دیس کے
آنگن میں جا بیٹھی ہیں
اپنے دھندوں میں الجھی ہیں
اپنا ساون مہکاتی ہے
گھر کا راستہ بھول گئی ہے
اب کے ساون برسا بھی تو
میرا آنگن خالی ہوگا
میرا ساون سونا ہوگا
ٹھک سے کوئی چیز گری ہے
میں ذرا سا چونک گئی ہوں
دروازے کی آہٹ پر
ننھی سی اک یاد کھڑی ہے
اس کو دیکھ کر نجانے کیوں
بھولی بسری ماں کا چہرہ
آنکھوں میں اب گھوم رہا ہے
دھندلی سی تصویر کو تھامے
میں کچھ دیر سے سوچ رہی ہوں
گزرے وقت کی کسی دوپہر میں
ان گڑیوں کو سامنے رکھ کر
میری ماں بھی......
میرے جیسا سوچتی ہوگی

شاعرہ: فاخرہ جبیں

ریما نور رضوان...... کراچی

نظم

کبھی ہم خوب صورت تھے
کتابوں میں بسی خوشبو کی مانند
سانس ساکن تھی
بہت سے ان کہے لفظوں سے تصویریں بناتے تھے
پرندوں کے پروں پر نظم لکھ کر
دور جھیلوں میں بسنے والوں کو سناتے تھے
جو ہم سے دور رہتے تھے لیکن
ہمارے پاس رہتے تھے
نئے دن کی مسافت جب کرن کے ساتھ آنگن میں
اترتی تھی
تو ہم کہتے تھے
امی! تتلیوں کے پر بہت ہی خوب صورت ہیں
ہمیں ماتھے پر بوسہ دو
کہ ہم کو تتلیوں کے، جگنوؤں کے
دیس جانا ہے
ہمیں رنگوں کے جگنو روشنی کی تتلیاں
آواز دیتی ہیں
نئے دن کی مسافت رنگ میں ڈوبی ہوا کے ساتھ
کھڑکی سے بلاتی ہے
ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو
ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو!

شاعر...... احمد شمیم

کرن شہزادی...... مانسہرہ

غزل

ہم تو نازک ہیں بالکل کسی احساس کی طرح
تم نہ سوچو گے ہمیں تو مرجائیں گے
پاس رہو یا دور رہو اتنا خیال رکھنا کہ
تم نہ دیکھو گے ہمیں تو مرجائیں گے
تتلیوں میں اور ہم میں یہی بات ہے مشترک
پکڑ کر جب چھوڑو گے ہمیں تو مرجائیں گے
دل کی ٹہنی پر یونہی کھلا رہنے دو ہماری محبت کا پھول
جب بھی ٹہنی سے توڑو گے ہمیں تو مرجائیں گے
کبھی نہ ملنا ہم سے موج دریا بن کے وصی
مل کر بچھڑو گے ہم سے تو مرجائیں گے

شاعر...... وصی شاہ

انتخاب: عادل مصطفیٰ...... طور جہلم

غزل

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تھا تیرا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی
بات وہ آدھی رات کی، رات وہ پورے چاند کی
چاند بھی عین چیت کا، اس پر تیرا جمال بھی
سب سے نظر بچا کے وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردشِ ماہ وسال کی
اس کو نہ پاسکے تھے جب دل کا عجیب حال تھا
اب جو پلٹ کے دیکھئے بات تھی کچھ محال بھی
میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا، بھول گیا سوال بھی
اس کی سخن طرازیاں میرے لیے بھی ڈھال تھیں
اس کی ہنسی میں چھپ گیا اپنے غموں کا حال بھی
اس کے ہی بازوؤں میں اور اس کو ہی سوچتے رہے
جسم کی خواہشوں پر تھے روح کے اور جال بھی
شام کی ناسمجھ ہوا پوچھ رہی ہے ایک پتا
موج ہوائے کوئے یار، کچھ تو میرا خیال بھی

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: دلکش مریم...... چنیوٹ

غزل

خامشی میں شور تھا میں نے سنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کہا کچھ بھی نہیں
تجھ کو کیا معلوم اے جانے جاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں
حکم یہ ہم کو ملا اس کے سوا کچھ مانگیں

اٹھ گئے دستِ دعا‘ لب پر دعا کچھ بھی نہیں
تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں
پیار سے دیکھا مجھے لب بھی ملے اس کے خلیل
دل دھڑک اٹھا میرا مگر ہوا کچھ بھی نہیں
شاعر......خلیل احمد

انتخاب: جمیرا قریشی......حیدرآباد

غزل

بچپن کی تصویر کو پاکر روئی ہوں
آنکھوں سے میں نیر بہاکر روئی ہوں
میرے عشق کا صدمہ گہرا کتنا تھا
ہر ایک کو یہی حال سنا کر روئی ہوں
مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے حاکم نے
عدل کی زنجیر ہلاکر روئی ہوں
صحراؤں میں سسی بن کر آئی تھی
سپنوں کے کچھ خواب سجاکر روئی ہوں
کاغذ پر کچھ نقش اتارے ہاتھوں سے
پھر اس کی تصویر بناکر روئی ہوں
کل شب اس نے لوٹ کے واپس آنا تھا
کمرے میں کچھ پھول سجا کر روئی ہوں
اس نے فری لوٹ کے ہی کب آنا تھا
گھر کا ہر ایک دیپ بجھا کر روئی ہوں
شاعرہ......فریدہ جاوید فری

انتخاب: پروین افضل شاہین......بہاولنگر

غزل

یہ کب کہتی ہوں‘ تم میرے گلے کا ہار ہوجاؤ
وہیں سے لوٹ جانا‘ تم جہاں بے زار ہوجاؤ
ملاقاتوں میں وقفہ اس لیے ہونا ضروری ہے
کہ تم ایک دن جدائی کے لیے تیار ہوجاؤ
بہت جلد سمجھ میں آنے لگتے ہو زمانے کو
بہت آسان ہو‘ تھوڑے بہت دشوار ہوجاؤ
بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو
بس اب ایسا کرو تم‘ سایہ دیوار ہوجاؤ
ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ لینا حال دل اپنا
مگر لکھنا تبھی جب لائق اظہار ہوجاؤ
شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: جویریہ وسیمی......ڈونگہ بونگہ

نظم

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کئی طرح سے جی دیکھا ہے
کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں
لیکن جاناں!
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر نہیں دیتے

شاعر......وصی شاہ

انتخاب: فریدہ فری......لاہور

غزل

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا‘ پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت جاگے تھے‘ صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا
سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ‘ کیسا کلیسا‘ کون حرم ہے‘ کیا احرام
کوچہ کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا
یاں کے سپید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا
شاعر......میر محمد تقی

انتخاب:......جویریہ ضیاء

غزل

ہے جستجو کہ خوب سے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں
اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیش عمر
رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی' تُو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں
حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

شاعر: خواجہ الطاف حسین حالی

انتخاب...... سمیہ عثمان کراچی

غزل

بات ساقی کی نہ ٹالی جائے گی
توبہ کرکے توڑ ڈالی جائے گی
آتے آتے آئے گا ان کو خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی
بے سبب اپنی جگر کاوی نہیں
عشق کی بنیاد ڈالی جائے گی
اے تمنا! تجھ کو رولوں شامِ وصل
آج تُو دل سے نکالی جائے گی
فصل گل آئی جنوں اُچھلا جلیل
اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

شاعر: جلیل مانکپوری

انتخاب...... اریبہ منہاج' کراچی

غزل

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے' خواب ہے دیوانے کا
زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لاکے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مرجانے کا
تُو نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نا' تماشا مرے غم خانے کا
اب اسے دار پہ لے جاکے سلادے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے دیوانے کا
دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا
ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مرمر کے جئے جانے کا

شاعر: فانی بدایوانی

انتخاب...... انعم فاطمہ، لاہور

غزل

غم عاشقی سے کہہ دو رہِ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے
میں نظر سے پی رہا تھا کہ یہ دل نے بددعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
نئی صبح پر نظر ہے مگر آج یہ بھی ڈر ہے:
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے
یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے
جو نقابِ رخ اٹھادی تو یہ قید بھی لگادی
اٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے

شاعر: شکیل بدایوانی

انتخاب...... ام عائشہ، خانیوال

alam@aanchal.com.pk

شوخئ تحریر

ہما ذوالفقار

خود درستگی

حضرت علیؓ سے ایک شخص نے کہا۔
''میں اپنے گھر والوں سے محلے والوں سے' دوستوں سے سب سے بہت تنگ ہوں' کوئی میری بات نہیں مانتا کوئی صحیح کام نہیں کرتا' میں کیا کروں؟''
حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''تم بس اپنے آپ کو صحیح کرلو یہی کافی ہے کم از کم روز محشر اللہ کو حاضر و ناظر ہو کر یہ کہنے کے قابل تو ہو گے کہ تم نے ایک انسان کو درست کیا ہے۔''

فرحت اشرف گھمن...... سیدوالا

بے چارگی

لڑکی اپنے بوائے فرینڈ سے۔ ''تم مجھے پسند کرتے ہو نا۔''
لڑکا...... ''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے' پسند کرتا ہوں تو تمہارے ساتھ ہوں۔''
''لڑکی نے پُر اسرار طور پر دوبارہ تصدیق چاہی۔ ''پھر بھی تم کتنا پسند کرتے ہو؟''
لڑکا...... ''بس یوں سمجھ لو جب سے تم کو پسند کیا ہے میری پسند ہی ختم ہوگئی ہے۔''

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

دوست

دوست ''سفید'' رنگ کی طرح ہوتا ہے ''سفید'' رنگ میں کوئی بھی رنگ مکس کرو تو نیا رنگ بن سکتا ہے پر دنیا کے سارے رنگ مکس کرکے بھی سفید رنگ نہیں بنتا سو پلیز اپنے دوستوں کا ہمیشہ خیال رکھیں۔

اقراء ماریہ...... برنالی

موتی مالا

⌘ جسمانی اذیت سے کہیں زیادہ خطرناک ذہنی اذیت ہوتی ہے جو انسانی ذہن کو مفلوج بنا کر رکھ دیتی ہے۔
⌘ جذباتی لوگ نہ تو خود خوش رہ سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو رکھ سکتے ہیں۔
⌘ اپنی زندگی کا اصول بنالیں کہ کسی سے برا کرنے میں کبھی بھی آپ پہل نہیں کریں گے یقین مانئے آپ ہمیشہ سرخرو رہیں گے۔
⌘ دیوار خواہ کتنی ہی بڑی اور چوڑی کیوں نہ ہو اس کے پار دیکھنے کے لیے ایک چھوٹا سا سوراخ ہی کافی ہوتا ہے۔

جی کنول خان...... موسیٰ خیل

محبت کی سالگرہ ہے

سماعتوں میں
ہوا نے سرگوشی کی
بصارت کو تحیر کے
پتوں نے جھوم جھوم کر
اشارہ دیا
ہارٹ نے چپکے سے
بیٹ مس کی
ذہن میں ایک
خوش کن خیال ابھرا ہے
آج ہماری محبت کی
سالگرہ ہے......!!

شمع مسکان...... جام پور

خوب صورت باتیں

⌘ دنیا میں دو آدمیوں سے ملنا مشکل ہے' ایک وہ جو خود کو پہچان لے' دوسرا وہ جو خود سے بچھڑ جائے۔
⌘ انسان کی پہچان اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے ہوتی ہے کیونکہ بڑے کام وہ سوچ سمجھ کے کرتا ہے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ۔
⌘ لوگوں سے ملتے وقت اتنا مت جھکئے کہ اٹھنے کے لیے کسی کا سہارا لینا پڑے۔
⌘ سمجھوتے میں زبردستی کا عنصر ہوتا ہے مان لینے کی کیفیت نہیں ہوتی۔ سب کچھ جانتے ہوئے سمجھوتا کرنا پڑا'

کرب ناک ہے مگر ماننے کے لیے جاننا ضروری نہیں ہوتا۔

پاکیزہ علی...... جتوئی

باتوں سے خوشبو آئے

❖ دوستی ایک بہترین رشتہ ہے۔
❖ ایمان کا ثمر قرآن کی تلاوت ہے۔
❖ راستے میں چلنے سے پہلے اپنے ساتھی کا ہمراہی کا خیال دریافت کر۔
❖ زبان کا زخم نیزے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔
❖ علم کی زبان صداقت اور جہل کی زبان حماقت ہے۔
❖ نماز دین کی جڑ اور سچائی پرہیز گاروں کا لباس ہے۔
❖ تنہائی عابدوں کے لیے آرام سکون کا موجب ہوتی ہے۔

نبیلہ ناز...... ٹھینگ موڑ الہ آباد

دل کے معاملے

ہماری زندگی میں ایسے لمحے بھی آتے ہیں جب ہمارے جذبے ہمارے دل کے ہاتھوں مجبور ہوجاتے ہیں اور ہم کسی ایسے شخص کو چاہنے لگتے ہیں جو ہمارے لیے اجنبی ہوتا ہے پھر یہی شخص ہمیں زندگی میں سب سے زیادہ آشنا‘ حسین اور مکمل نظر آتا ہے۔ ہم اس کی ہر خواہش اور بات کا احترام اپنے لیے لازمی سمجھتے ہیں۔ ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اس شخص سے بہت سی توقعات وابستہ کرلیتے ہیں کہ اگر ہم بھی اس کی جگہ ہوتے تو شاید وہ ساری توقعات پوری نہ کرپائیں۔

یہ دل کے معاملے بھی بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں‘ دل ناداں ہمیں مجبور کرتا ہے کہ اس شخص سے دل لگائیں اور توقعات وابستہ کریں لیکن جب یہی توقعات ٹوٹتی ہیں تو ہم بھی اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم لوگوں پر اپنا بھرم رکھنے کے لیے مسکراتے رہتے ہیں۔

ہمارے دل کی کرچیاں ہمارے وجود میں اس شدت سے پیوست ہوجاتی ہیں کہ ہم لہولہان ہوجاتے ہیں اور ہم تنہائیوں میں ان توقعات کے ٹوٹنے کا ماتم کرتے ہیں کاش...... ہم اس شخص کو بھولنے کی بھی طاقت رکھتے ہوں جو ہمیں غموں کے پہاڑ بے وفائی کی صورت میں دے گیا ہو۔

عادل مصطفیٰ...... طور جہلم

ظاہر مت کر......

☆ کسی کا عیب
☆ دل کا بھید
☆ سفر کرنے کی سمت
☆ اپنی تجارت کا فائدہ اور نقصان
☆ امانت کی بات
☆ پوری طاقت
☆ زیادہ ضرورت......

عائشہ رحمن ہنی...... ریالی‘ مری

عظیم ہستی ماں کے نام

ابا جی مارتے تھے تو امی بچالیتی تھیں‘ ایک دن میں نے سوچا امی پٹائی کریں گی تو ابا جی کیا کریں گے؟ یہ دیکھنے کے لیے میں نے امی کا کہنا نہ مانا۔ انہوں نے کہا ”بازار سے دہی لادو“ میں نہ لایا‘ انہوں نے سالن کم دیا میں نے زیادہ کا اصرار کیا۔ انہوں نے کہا ”پٹری کے اوپر بیٹھ کر روٹی کھاؤ“ میں دری بچھا کر بیٹھ گیا‘ لہجہ بھی گستاخانہ...... مجھے پوری توقع تھی کہ امی ضرور ماریں گی مگر...... انہوں نے مجھے سینے سے لگا کر کہا۔ ”ماں صدقے پتر! تو بیمار تو نہیں؟“ اس وقت میرے آنسو تھے کہ رکتے ہی نہیں تھے۔

مرزا ادیب کی کتاب ”مٹی کا دیا“ سے انتخاب

ریما نور رضوان...... کراچی

قہقہہ

ایک چوہا شراب کے گلاس میں ڈوب رہا تھا۔ وہاں سے بلی گزری تو اسے دیکھ کر چوہا بولا۔

"مجھے نکال دو پلیز بھلے تم بعد میں مجھے کھالینا۔" بلی نے گلاس گرادیا' چوہا بھاگ گیا۔

بلی...... "دھوکا دیا' جھوٹ بولا اپنے وعدے سے مکر گئے تم۔" چوہے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جان اس وقت میں نشے میں تھا۔"

حمیرا قریشی...... حیدرآباد

پانی کی حقیقت

❖ پانی اس کا رنگ نہ ذائقہ پھر بھی اللہ کی قدرت ہے پانی۔

❖ اوپر اٹھے تو بھاپ اوپر سے گرے تو بارش' جم کے گرے تو اولہ...... گر کے جمے تو برف۔

❖ پھول پر گرے تو شبنم' پھول سے نکلے تو عرق۔

❖ آنکھ سے نکلے تو آنسو' بہے تو دریا۔

❖ قدم اسماعیل سے نکلے تو زم زم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے تقسیم ہو تو آب کوثر اور اگر نہ ملے تو کربلا۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

خوب صورت باتیں

❖ موم بتی کے اندر جلتے ہوئے دھاگے نے موم بتی سے کہا کہ جلتا تو میں ہوں پر تیرے آنسو کیوں نکل آتے ہیں۔ موم بتی نے کہا کہ جس کو دل میں جگہ دی ہو اگر وہ تکلیف میں ہو تو آنسو نکل آتے ہیں۔

❖ ایک دعا ہے میری اللہ سے کسی کا دل نہ دکھے میری وجہ سے اے اللہ! کردے کچھ ایسی عنایت مجھ پر کہ صرف خوشیاں ہی ملیں سب کو میری وجہ سے۔

صائمہ ذوالفقار کوثر شریف...... اقبال نگر

غائب دماغ

ایک پروفیسر صاحب اپنے دوست سے ملنے گئے اور سارا دن وہیں بیٹھے رہے۔ دوست نے اخلاقاً کچھ نہ کہا جب زیادہ رات ہوگئی تو پروفیسر کا نوکر انہیں بلانے آیا تو پروفیسر نے اپنے دوست سے معافی مانگتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا بھئی! میں یہ سمجھا کہ میں اپنے ہی گھر میں بیٹھا ہوا ہوں اور آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔"

عیشا نور...... بھیر کنڈ' مانسہرہ

زندگی

زندگی ایک کھلونا ہے آخر اس کو ٹوٹ ہی جانا ہے کیوں نہ اچھا ہو کہ یہ کسی کے کام آ کر ہی ٹوٹ جائے۔ اپنی زندگی کے لمحے کو حسین و دلکش بنائیے' اس کے ہر لمحے کو انجوائے کریں مگر ہمیشہ یہ خیال رکھیں کہ زندگی کو عذاب میں نہ ڈالیں۔ ناجائز بھی کسی کو تکلیف نہ دیں' ظاہر سی بات ہے کہ انسان اپنی زندگی میں بہت کچھ کھوتا ہے تب اس کو جا کر کچھ ملتا ہے اس کھونے اور پانے کی حسین و دلکش کشمکش کو زندگی کہتے ہیں۔

مشی خان...... مانسہرہ

قدم قدم تابندگی

۞ دبیز قالینوں میں پیر اکثر چھپ جایا کرتے ہیں۔

۞ قد کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو سیدھا کھڑا رہنے کے لیے پیروں کا احسان اٹھانا ہی پڑتا ہے۔

۞ مجھے اپنے سر سے زیادہ اپنے پیروں سے محبت ہے کیونکہ سر مجھے دور خلاؤں میں منتشر کردیتا ہے اور پیر مجھے میری بنیاد سے پیوستہ رکھتے ہیں۔

۞ میری سوچ میری ذات میں بند ہے اور میرے پیر کئی نسلوں کے لیے نشانِ راہ ہیں۔

طیبہ طفیل طیبی...... گجیانہ نو

چاند اور رات

چاند رات آئے تو سب دیکھیں ہلال عید
ایک ہمارا ہی نصیب ہڈیاں تڑوا گیا
چھت پر تھے ہم چاند کے نظارے میں کھوئے کھوئے
بس اچانک چاند کا ابا وہاں پر آگیا

عائشہ پرویز...... کراچی

میں کیوں تنہا ہوں

میں کیوں تنہا ہوں......
شاید اس کا جواب
مجھے سورج دے دے

وہ تو خود جل رہا ہے
شاید چاند دے دے......
نہیں نہیں......
وہ تو خود بھی تنہا ہے
ندی......
اُف......
وہ بھی تنہا
بلبل تو دے......
تو خود بھی زخم خوردہ
اور تنہا ہے
پھر دوستو تم ہی بتاؤ
جواب آیا......
کہ سب تیرے سسرال میں
پنکھے کی ہوا کھانے گئے
پاگل......
گرمی نظر نہیں آ رہی؟
افوہ......تم جا نہیں سکتیں
آخر سسرال جو ہے
تم تبھی تنہا ہو......!!

آمنہ رحمٰن مسکان......ریالی مری

ایک عجیب مثال

ایک بزرگ جا رہے تھے کچھ بچے آپس میں بحث کر رہے تھے جب قریب سے گزرے تو وہ بچے کہنے لگے۔ "بابا جی! ہم آپس میں کسی مسئلے پر بحث کر رہے ہیں آپ ذرا فیصلہ کریں۔" انہوں نے کہا "بیٹا کیا مسئلہ ہے؟" ایک بچے نے کہا۔ "ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ ایک آدمی بڑا نیک ہو کبھی گناہ نہ کیا ہو اس کے دل پر اللہ کی خاص نظر رہتی ہے یا ایک آدمی جو بڑا ہی گناہ گار ہو اور پھر سچی توبہ کرے اس کے دل پر اللہ کی خاص نظر رہتی ہے۔" وہ بزرگ فرمانے لگے۔

"بیٹا میں عالم تو نہیں ہوں تاہم ایک بات میرے تجربے میں آئی ہے کہ میں کپڑا بناتا ہوں، کھڈی چلاتا ہوں، دھاگے ہوتے ہیں۔ میرے تجربے میں بات آئی ہے کہ جو دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے میں اسے گرہ لگاتا ہوں اس کے بعد اس پر خاص نظر رکھتا ہوں کہ دوبارہ نہ ٹوٹ جائے ممکن ہے جو بندہ شیطان کے راستے کو چھوڑ کر سچی توبہ کرے اللہ سے اپنی گانٹھ باندھ لے ممکن ہے اس کے دل پر اللہ کی خاص نظر رہتی ہو کہ یہ بندہ دوبارہ ٹوٹ نہ جائے۔

اسماء نور عشا......بھوج پور

دوستوں کے لیے

لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں بڑی بات یہ ہے کہ ایک ایسا دوست بناؤ جو تمہاری اس وقت مدد کرے جب لاکھوں دشمن ہوں۔

اچھا دوست چاہے جتنا بھی برا بن جائے کبھی اس سے دوستی مت توڑنا کیونکہ پانی چاہے جتنا بھی گندا ہو جائے آگ بجھانے کے کام آتا ہے۔

غریب ہے وہ شخص جس کا کوئی دوست نہیں۔

ملیحہ سعدیہ شوکت......تل خالصہ

آہو

لڑکی نے جٹ سے پوچھا "(آہو) کون لوگ کہتے ہیں؟"

جٹ: "ان پڑھ جاہل اور پینڈو لوگ (آہو) کہتے ہیں۔"

لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا۔ "اچھا آپ پڑھے لکھے ہیں۔"

جٹ فوراً بولا۔ "آہو۔"

عائشہ حسین......قلعہ دیدار سنگھ

shukhi@aanchal.com.pk

حسنِ خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو نہایت رحمان ورحیم ہے۔ عید نمبر کو سراہنے داد و تحسین سے نوازنے کا بے حد شکریہ۔ اگست کا شمارہ پیش خدمت ہے جس میں جشنِ آزادی کے رنگوں کو سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے امید ہے یہ شمارہ بھی آپ کے ادبی ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ نئے افق آنچل اور حجاب آفیشل گروپ میں تبصرہ مقابلہ میں جیتنے والوں کو بہت مبارک باد اور اس مقابلہ کو پرکھنے کے لیے ہماری محترم بہنیں سباس گل نادیہ احمد اور ندا حسنین کے بھی بے حد مشکور ہیں کہ انہوں نے اپنی قیمتی وقت میں سے کچھ وقت ہمیں دیا اور سارے تبصرہ پڑھ کر ان میں سے انعام یافتہ کا اعلان کیا۔ آئیے اب چلتے ہیں حسنِ خیال کی جانب اور جانتے ہیں کہ آپ کے کیا خیالات ہیں۔

صدف آصف...... کراچی۔ السلام علیکم مدیرہ صاحبہ حجاب کا عید نمبر ہاتھ میں لیا تو لسٹ دیکھ کر ایک دم سے دل تبصرہ کرنے کو مچل اٹھا اتنے سارے پیارے نام ایک جگہ واہ بھئی واہ۔ سب سے پہلے ٹائٹل کی تعریف ہو جائے بہاروں کے سارے رنگ خود میں سمیٹے ماڈل بھی سجائی حسین عید نمبر کے لحاظ سے پرفیکٹ تھی۔ عید کے لحاظ سے حجاب کی خوبصورتی کو چار چاند لگائے ہوئے تھی۔ حمد و نعت کے بعد ندا رضوان کا مضمون امہات المومنین پڑھا۔ پری وش کی کیا ہی بات ہے سب سے ہی مل کر بہت اچھا لگا۔ قسط وار ناول میں "میرے خواب زندہ ہیں" اچھا جا رہا ہے۔ اس کے بعد تیرے لوٹ آنے تک بہت اچھا جا رہا ہے، دوسروں کو دکھ پہنچانے والے خود کیسے سکھ پا سکتے ہیں، ارشیہ غزل نے دکھوں کی فصل میں بہت اچھا پیغام دیا۔ چاند میرے آنچل کا فرح دیبا کی عید کے حوالے سے اچھی تحریر تھی، نبیلہ نازش راؤ کا ناولٹ بھی اچھا لگا۔ اب آتے ہیں افسانوں کی جانب سب سے پہلے اقبال بانو کا نام پڑھ کر دل باغ باغ ہوا تحریر کے بہترین ہونے کے پیچھے ان کا نام ہی کافی ہے۔ محبتوں سے لبریز کہانی دل کو چھو گئی۔ ویل ڈن اس کے بعد سباس گل کا افسانہ پڑھا نام سے ہی منہ میں پانی آ گیا بہت مزے کی کہانی تھی۔ اب باری آئی ہے حرا قریشی کی، ان کے ساتھ ہمارا تعارف تبصرہ نگار کا تھا مگر افسانہ نگار کے طور پر بھی انہوں نے بہترین کام دکھایا، افسانے کا منفرد سا نام اس کے بعد ایک الگ پیرائے میں سبق دیتی ہوئی تحریر واقعی پسند آئی حرا، امید ہے کہ آپ آئندہ بھی آتی رہیں گی ویل ڈن۔ نزہت جبیں اپنی طرح میٹھے رشتوں والی کہانی کے ساتھ پسندیدگی کی سند لے گئیں۔ سحرش فاطمہ زبردست لکھ رہی ہو۔ لکھتی رہو قلم رکنا نہیں چاہیے۔ عرشیہ ہاشمی کا سبق آموز افسانہ۔ حنا اشرف پیاری لڑکی کی دل کو لبھاتی تحریر زبردست۔ قرۃ العین سکندر عید نمبر میں مزہ دے گئی، اس کے علاوہ حریم الیاس، سمیہ عثمان اور عائشہ پرویز کو بھی اتنا اچھا لکھنے کی مبارک باد۔ عید سروے ہمیشہ کی طرح دلچسپ لگا۔ باقی کے سلسلے بھی شاندار لگے۔

منزہ...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم! حجاب کے تمام اسٹاف اور قارئین کو میرا پیار بھرا سلام۔ میں حجاب میں پہلی بار شامل ہو رہی ہوں، جس طرح سے آنچل ہمارا فیورٹ رسالہ ہے حجاب نے بھی دل میں گھر کر لیا ہے اللہ تعالیٰ حجاب کو بھی ترقی دے آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف سب سے پہلے تو اُم مریم کو دیکھ کے دل باغ و بہار ہو گیا اُم مریم آپ کی تحریر کی تعریف میں ہم یہی کہیں گے ون اینڈ اونلی آپ کے ناول کا ہر کردار اپنی جگہ اہم تھا اور بھرپور تھا۔ اس کے بعد ہم آتے ہیں حنا اشرف کی طرف حنا اس بار آپ نے بہت اچھا لکھا اس پر آپ کو مبارک باد۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے اب ہم آتے ہیں سلمیٰ فہیم گل میرا فیورٹ ناول، سلمیٰ آپ کے ناول کا عنوان بے حد خوب صورت ہے۔ ناول کی پہلی قسط ہی اپنی طرف متوجہ کر گئی پلیز آپ نے تورع اور زری کو جدا نہیں کرنا یہ دونوں میرے فیورٹ کردار ہیں۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے باقی سارے ناول اور حجاب کے سارے سلسلے اچھے ہیں اللہ تعالیٰ حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔

☆ ڈیئر منزہ خوش آمدید۔

موم جٹ...... کالج روڈ۔ السلام علیکم! گرمی جوبن پر تھی جسم سے پسینہ ٹپک رہا تھا ایسے میں حجاب کی آمد بہار کی آمد سے کم معلوم نہیں ہوئی۔ عید نمبر نے تو کمال ہی کر دیا جناب ملا تو عید کے بعد مگر پھر بھی مزہ دے گیا۔ سلسلہ وار ناول میں "میرے خواب زندہ ہیں" بہت خوب جا رہا ہے "مکمل ناول میں اُم مریم نے کمال کا لکھا اُم مریم کی حجاب میں آمد خوش کر گئی الفاظ کا چناؤ یار آپ کیسے کرتی ہو؟ امیزنگ۔ "مجھے ہے حکم اذاں" آنچل میں لکھا جانے والا کیا زبردست ناول تھا ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں پر نقش رہے گا کبھی نہ بھولنے والا۔ افسانے سارے ہی بہت خوب رہے سب میں عید کا رنگ اور خوشبو محسوس ہوئی۔ "میٹھی عید اور نمکین سویاں" سباس گل نے ہمیشہ کی طرح کمال کر دیا۔ خوب صورت نوک جھوک پیار بھری مسکان سب دل کو چھو گئے۔ عرشیہ ہاشمی نے "ہزاروں خواہشیں" میں بہت اچھا پیغام دیا پُر اثر تحریر تھی۔ سحرش فاطمہ کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ کچن کارنر بہت سی معلومات میں اضافہ کر گیا ٹوٹکے سارے ہی کام کے تھے آخر میں یہی دعا ہے کہ آنچل کی طرح حجاب بھی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے اس ادارے نے ہمیشہ نئے قارئین کی حوصلہ افزائی کی ہے اور ہمیشہ معیار کو پرکھا تا کے دوسری اضافی چیزیں زندگی رہی تو پھر ملتے ہیں جناب اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر سسٹر آئندہ بھی شامل محفل رہیے گا۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ اس بار جولائی کا حجاب عید نمبر دلکش سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ فوزیہ غوث میں نے آپ کی دوستی قبول کی، اب آپ خوش ہیں۔ سیدہ رابعہ شاہ پہلی بار حجاب میں آمد پر خوش آمدید میری نگارشات پسند فرمانے پر حرا قریشی، مونا شاہ کا شکریہ۔ ارم وزاچ، ایس چلبلی، سباس گل، فصیحہ آصف خان، ارم کمال، لائبہ میر کے اشعار۔ عائشہ پرویز، سحرش فاطمہ، شازیہ نورین کا انتخاب۔ نبیلہ ناز، سمیہ کنول، لاریب عندلیب، سیدہ جیا عباس کی تحریریں پسند آئیں۔ آپی فریدہ جاوید فری آپ کی طرف سے مجھے بطور عیدی شاندار سوٹ خوب صورت پرس اور پرفیوم موصول ہو چکے ہیں جس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے تو مجھے اپنی بے پناہ محبتوں سے خرید ہی لیا ہے اجازت دیں اللہ حافظ۔

عائشہ دین محمد...... رحیم یار خان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ڈیئر حجاب رائٹرز اینڈ ریڈرز! ہاں تو اب آتے ہیں اپنے پیارے تبصرے کی طرف جو

ماشاءاللہ سے ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی اے ون تھا۔ ہمارے پیارے ریڈرز نے اپنے پیارے خوشگوار تبصروں سے اور بھی خوب صورت بنادیا اور پیاری رائٹرز نے اپنی خوب صورت اور پیاری تحریروں سے اور بھی چار چاند لگائے۔ اس ماہ کا ٹائٹل بھی خوب صورت تھا مگر مجھے خوب صورتی سے زیادہ سیرت اور کردار زیادہ پسند ہے۔ میں کبھی ان کی جیولری اور کپڑے نہیں دیکھتی (کیا کروں بہت سڑوں ہوں ناں) ارے مذاق میں لکھا ہے ایسا نہ ہو مجھے سڑوں ہی بلانے لگیں۔ اس کے بعد ابتدائیہ پر نظر دوڑائی ماشاءاللہ سب ہی رائٹرز جمع تھے اور نئے رائٹروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے خوشی ہوئی۔ ہمارے ملک میں اچھے رائٹروں کی کمی نہیں ویلکم موسٹ ویلکم سب کو میری طرف سے۔ ''ذکر اس پری وش کا'' میں اپنا نام دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی مگر ساحل نور دل سے اداس کر گئی۔ ڈیئر ماہ جبیں سوری ساحل نور آپ ہمیں کافی اداس بھی لگیں۔ آئندہ زندگی آپ کے لیے خوشیوں سے ہمکنار ہو آمین۔ یہ ہماری دعا ہے ڈیئر نور پھر حضرت ام حبیبہؓ کی زندگی کے بارے میں جان کر بے حد اچھا لگا۔ صرف اپنے پیارے حجاب کے توسط سے ہم نے اپنی پیاری امہات المومنین کے بارے میں جانا ہے تھینک یو حجاب اسٹاف۔ اُم مریم کی طویل عرصہ بعد حاضری دل کو خوش کر گئی'' کچھ اور ہے اپنے ساجن میں'' ویل ڈن جی ویل ڈن۔ بہت ہی اچھی لگی آپ ہمیشہ ان وڈیروں اور رئیسوں کے بارے میں بہت اچھا لکھتی ہیں' کیا آپ بھی رئیس یا وڈیرے ہیں؟ اور ہاں دل سے آپ کو منگنی کی مبارک باد۔ ''دل مضطرب'' اقبال بانو آپا اپنے ہمیشہ کے مخصوص انداز میں حاضر تھیں' ہم تو ان کا نام پڑھے بغیر بھی بتا سکتے ہیں کہ یہ کس رائٹر نے لکھا ہے مگر آپا ایک شکایت ہے آپ سے آپ ہیرو' ہیروئن کو ہمیشہ جدا کیوں کر دیتی ہیں' ضرور بتایئے گا۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' پیاری نادیہ فاطمہ آپی آپ بڑے ہی خوب صورت طریقے سے اسٹوری آگے بڑھا رہی ہیں۔ زرتاشہ معصوم تو لالہ رخ ثنا زخورین پیاری سب ہی کرداروں کے ساتھ بہتر انصاف کر رہی ہیں اور ہاں آپی آپ کو میری طرف سے شادی کی مبارک ہو' سدا خوش رہیں آمین اور ہمارے لیے مزے دار اسٹوریوں کی ساتھ حاضر ہوتی رہیں آمین۔ ''دکھوں کی فصل'' اریشہ غزل ویلکم موسٹ ویلکم مگر آپ نے ہمیں دل سے دکھی کر دیا۔ ماروی کے ساتھ بہت برا ہوا پلیز آئندہ بھی اچھی سی کہانی کے ساتھ حاضر ہویئے گا۔ ''میٹھی عید اور نمکین سویاں'' سباس آپی یا فرینڈ آپ ہمیشہ دوسروں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ آپی سوری فرینڈ میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے' کیا آپ کی بہن کوہاٹ میں رہتی ہیں' پلیز ضرور بتایئے گا؟ ''پیام عید کی روشن سحر'' نازش میں نے آپ کو پہلی دفعہ پڑھا ہے مبارک ہو آپ نے میرے دل میں خاص جگہ حاصل کی ہے اسی طرح حاظر ہوتی رہا کریں' نسا یہ بہت پیارا نام ہے۔ ''دل کے دریچے'' پلیز صدف آپی فائز اور سفینہ کو جدا مت کریں آفاق کو نکال دیں درمیان سے ''مجاحرہ'' حرا قریشی بیوٹی فل نیو رائٹر نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ کا نام تاریخ میں بہت اونچا ہوگا ان شاءاللہ دعا ہے۔ ہماری ویسے آپ کی تعلیم کیا ہے؟ ''میرے مہرباں میرے ہمسفر'' نزہت آنٹی آپ ہمیشہ منفرد موضوع لے کے آتی ہیں۔ ''چاند میرے آنچل کا'' قرح دیبا آپ بھی غالباً نیو رائٹر ہیں اور ماشاءاللہ بہت نائس اور خوب صورت لکھا ہے۔ ہماری طرف سے مبارک ہو آپ اب لکھنا نہ چھوڑ دیجیے گا ایسے رائٹروں کی ہمیں ضرورت ہے۔ ''تیرے سنگ چاندرات'' سحرش ڈیئر آپ کافی شریر لگتی ہیں' سوری مگر سچ میں آپ کو پڑھ کر مزہ آجاتا ہے۔ ہمارے لیے بھی دعا کیجیے' بہت خواہش ہے کہ ہم بھی رائٹر بنیں۔ ''تیرے لوٹ آنے تک'' سلمیٰ فہیم گل آپ بہت ہی اچھا اینڈ کر رہی ہیں قسط وار ناولز میں سب سے پہلے آپ کو پڑھتی ہوں' مبارک باد قبول کر لیں ہماری طرف سے۔ ''ہزاروں خواہشیں'' عرشیہ ہاشمی آپ نے واقعی سچ لکھا ہے' کیا کریں خواہشیں تو ہر انسان کے اندر لامحدود ہوتی ہیں مگر آپ نے ہمیں اچھا سبق دیا ہے تھینکس ڈیئر۔ ''چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں'' حنا اشرف میں نے آپ کا یہ دوسرا افسانہ پڑھا ہے' بیسٹ لکھا ہے مبارک ہو۔ ''یہ عید تیرے سنگ سجن'' قرۃ العین بڑا مزہ آیا آپ کو پڑھ کر' کچھ حد تک میں بھی ستارہ کی طرح ہوں' کام چور' آتی رہا کریں اپنی خوب صورت تحریروں کے ساتھ۔ ''عید اور اُجرت'' حریم ڈیئر آپ ہر دفعہ بہت ہی خوب صورت انداز میں شامل ہوتی ہیں' میں نے آپ کا یہ دوسرا افسانہ پڑھا ہے موسٹ ویلکم! ''عمر قید کی مجرم'' سمیہ عثمان بہت ہی اچھا سبق تھا آپ کی اسٹوری میں اور جب سے میں نے یہ جانا کہ آپ نگہت آنٹی کی بہو ہیں بہت ہی خوشی ہوئی۔ بزم سخن کی مالکہ محترمہ آپی ہم پر بھی نظر کرم کیجیے۔ ''پھر چاند نے چپکے سے کہا'' عائشہ پرویز میری ہم نام ڈیئر آپ بہت ہی اچھا لکھتی ہیں' ہماری طرف سے حجاب میں انٹری سبارک ہو۔ دوسرا افسانہ ہے آپ کا اچھا لگا پڑھ کر' رفاقت جاوید آپ کو پڑھ کر مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ ''بزم سخن'' سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں مگر جنہوں نے پہلی دفعہ لکھا ہے ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ کچن کارنر پلیز زہرا آپی ان کو کہیں آسان سا سامان لکھا کریں بیچ میں میں پڑھ کر ہی مشکل میں پڑ جاتی ہوں۔ کیا کروں' بہت کام چور ہوں۔ ''آرائش حسن'' یقین مانیں میں ان چیزوں سے بہت دور ہوں' بٹ حدیقہ آپی آپ کا نام بہت پیارا ہے۔ ''عالم انتخاب'' نزہت آنٹی میں آپ کے پاس غزل بھیجوں گی۔ ''شوخی تحریر'' میں سب نے ہی بیسٹ لکھا مگر اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہومیو کارنر طلعت آپا؟ شوبز کی دنیا' دعا ڈیئر آپ کی معلومات بہت ہی اچھی ہیں' اچھا اب اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

☆ڈیئر عائشہ! مفصل و جامع تبصرہ اچھا لگا۔

جویرہ وسمی...... ڈونگہ بونگہ۔ جناب آنی' السلام علیکم!

میری کام چوری میں کچھ دخل تمہارا بھی ہے حجاب
جب تم ہاتھ میں آتے ہو تو کچھ اچھا نہیں لگتا

حجاب کیا ہوا آپ محبت کی صدا ہو آپ' قلب کی امنگ اداسی میں مسکرانے کی وجہ ہو آپ۔ آپ کو اندازہ ہے میرے گھر والے آپ کے بارے میں کیسے نادر خیالات رکھتے ہیں' کان ذرا ادھر لاؤ کہیں یہ عائشہ پرویز' حرا وغیرہ نہ سن لیں' بقول ابو بکر نامہ حجاب جویریہ کی بیمار ساعتوں کو تندرست کرنے کا واحد علاج ہے بقول عمرامی اس کے آتش فشاں غصے پر ٹھنڈے چھینٹیں قصہ حجاب ہے رج کے مارا کرو جب یہ غضب ناک ہو بقول میری دادو جان کے ان رسالوں میں کچھ نہیں ہوتا اگر میری نظر کمزور نہ ہوتی تو میں خود بھی پڑھا کرتی' ہاہاہا۔ جوابی کارروائی بقول ماں جی ان کے آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے ہاہاہا۔ ارے جان من' ستم تو گر بتاتی ہوں تاکہ عید نمبر میں آپ کی سج دھج کیسی لگی ہمارے دل کو غصہ کیوں کرتے ہو آپ کا ٹائٹل نائس تھا خاص کر ماڈل کا ڈریس۔ ''بات چیت'' میں جہاں قیصر آراء سے گفتگو خوب رہی تو وہیں پھر ''حمد ونعت'' سے اپنے قلب کی سرزمین کو معطر کیا' امہات المومنین میں ندا رضوان کے قلم سے حضرت ام حبیبہؓ کے بارے میں کالم علم میں اضافہ کا باعث بنا جزاک اللہ۔ ''ذکر اس پری وش کا'' اقرا' عائشہ' ساحل نور یہ سے تعارف خوب رہا۔ ساحل نور نے اپنے احساسات کی ترجمانی کچھ اس انداز میں کی کہ ارض عین نم ہوگئی۔ عائشہ کا انداز بیاں لبوں پر مسکان چھوڑ گیا۔ ''آغوش مادر'' میں کنزہ مریم نے نہایت عمدگی کے ساتھ ماں کی اہمیت کو بذریعہ قلم اجاگر کیا۔ ''عید سروے'' میں ندا حسنین اور سباس گل نمبر لے گئیں۔ سمیہ عثمان کی ''بزم سخن'' میں پروین افضل' سز نگہت' فائزہ ناز کے اشعار محفل کو لوٹ کر لے گئے۔ ''کچن کارنر'' میں زہرا جبین نے مزے مزے کے پکوانوں سے عید کا مزا دوبالا کر دیا۔ صوفیہ خان کھانے کا مزہ آ گیا۔ لگتا ہے مجھے

سعودی عرب آنا ہی پڑے گا' کیا خیال ہے پھر؟ حدیقہ احمد سے "آرائش حسن" میں میک اپ کے ساتھ ملاقات خوب رہی۔ سچ بتائیں آپ کہیں پارلر والی تو نہیں ہیں نا؟ نزہت جبین عالم انتخاب میں خوب صورت غزلوں کے درمیان براجمان نظر آئیں' معذرت کے ساتھ غزلیں کچھ خاص متاثر نہ کرسکیں مگر عائشہ پرویز' سباس گل کی غزل عالم انتخاب میں سب پر نمبر لے گئی۔ شوخی تحریر میں فابیہ مسکان کے الفاظ پسندیدگی کی سند پاگئے۔ حسن خیال میں ہم ملے جویریہ سے ان کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ صبا عیشل' حرا قریشی' ریما نور انعام حاصل کرنے پر مبارکاں جناب سوئٹ بن گئی آپ لوگوں کی طرف۔ حسن خیال میں سب کے ہی خیالات لاجواب ٹھہرے مگر عائشہ پرویز' کوثر خالد' پروین افضل کے الفاظ حسن خیال کو چار چاند لگا گئے مختصر مگر جامع ارے بھئی آٹھ چاند لگانے کے لیے میں جو آرہی ہوں۔ حنا کے رنگ میں حنا کے نقش و نگار حجاب کی دلکشی میں اضافے کا سبب بنے۔ کہانیوں پر تبصرہ محفوظ ہے۔ عائشہ پرویز مبارکاں رائٹر بننے پر' اللہ آپ کے قلم میں برکت' الفاظ میں ترقی عطا فرمائے آخر میں ادارہ حجاب اور تمام قاری بہنوں کو بہت بہت عید مبارک' دعاؤں میں یاد رکھیے گا اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر جویریہ' کہانیوں پر تبصرہ کرتیں تو اور بھی اچھا لگتا۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم! پیاری جویریہ اور میرے سب چاہنے والوں اور نہ چاہنے والوں آپ سب کو ہزاروں دعائیں۔ کسی کو محبت کی' کسی کو چاہت کی' کسی کو ستائش کی' کسی کو نئی منزل کی' کسی کو خوش نصیبی کی' کسی کو خوشیوں کی' کسی کو غم سے رہائی کی' کسی کو خوب صورت بامعنی ناموں کی' کسی کو شمع کی۔ میرا طریقہ (المیہ کا متضاد) ہے کہ خوب صورت ناموں سے مجھے پیار ہوجاتا ہے اور جب میں انہیں تعارف میں پڑھوں تو وہ اچھے لوگ نکلا کرتے ہیں (مطلب نام کا اثر ہوتا ہے) لہٰذا بامعنی کی گنگناتی شعر محفل میں ساحل نور کو پڑھا تھا آج جب میں نے اس کا تعارف پڑھا تو دل کی گہرائیوں میں اتر کر ٹھنڈک عطا کرگئی۔ ساحل میں نے تمہارے غائب ہونے پر تمہیں یاد کیا اور اب ملی ہو تو اتنی خوشی ہوئی کہ کل رات تمہارا نام شاعری میں لانے کی دعا کی۔ اس وقت پوری ہوئی' ساتھ حمد بھی ہے اور دونوں وجہ چغتائی اور محسن علی سے بیچ بھی ہیں یعنی وہی قافیے اور نعت میری پرانی پنجابی تھی جو اردو میں ہوگئی اور کچھ ساحل کی وجہ سے نئے مختلف انداز میں۔ میں چاہتی ہوں یہ دونوں حجاب میں لگادیں امید ہے ہم سب قاریوں' لکھاریوں اور ادارے میں محبت کے پھول مہکیں گے اور ایک امن پسند گروہ ترویج پائے گا۔ "آغوش مادر" کنزہ مریم کے پہلے جملے کو چوم لیا' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی لکھتے اور پڑھتے وقت بھی وضو نہیں کرتے۔ میں نے حمد میں اسی بات کا اقرار کیا ہے' مولا تیرے کرم کی انتہا لکھوں' عصیاں پہ ڈال رکھی ہے تُو نے ردا لکھوں۔ کنزہ تمہارے نام سے بھی محبت ہوگئی ہے اب خاص دعا تمہاری ہوگی پہلے تم عام دعاؤں میں شامل تھیں' میں دعا کروں گی تمہاری امی سے ملنا تمہارا ممکن ہوجائے آمین۔ خطوں میں احوال بتاتی رہنا ضرور چھوٹے تمام سلسلے پڑھ لیے ہیں ایک سے بڑھ کر ایک۔ حسن خیال سب کا اچھا لگتا ہے دنگ بر نگا' حرا کی نقل تو کوئی اتار ہی نہیں سکتی بلکہ اسے پڑھنا بھی جان جوکھوں کا کام ہے۔ سمیرا حمید اور نمرہ بھی اتنی مشکل نہیں لگیں اب اتنا مشکل افسانہ اور اس کا نام کہ لغت سے مطلب دیکھ کر فرصت سے پڑھوں گی۔ عید پر مہمان آئے لہٰذا کارروائی پوری کررہی ہوں۔ عالم انتخاب میں بھی بیٹی کو کہوں گی حصہ لیں۔ میرے پاس تو نعتوں کے علاوہ مواد کم ہے آنچل میں اس بار حصہ نہ لے سکی لہٰذا قیصر آرا آپ کو خصوصی سلام قبول ہو۔ ہاں ارم کمال میں عید پر کھیر اور ایک گوشت کی ہانڈی کے سوا بھی کچھ نہیں پکاتی۔ وہ بھی اس بار نہیں پکی کہ دودھ نہ ملا اور پیک دودھ لاکر نند یا رضا نے اور گوشت بیٹی تو کھاتی نہیں رضا نے عید کے دن گوشت لاکر دیا وہ بھی خراب۔ اب ہم آدھ گھنٹہ تو صفائی میں لگاتے وہ چاچو کے گھر سے کھا آیا تو میں اور ساس نے کو بھی کھائی بڑی مزے دار تھی۔ اگلے دن مہمان آئے چاول شامی کباب اور جو وہ کہیں' ہانڈی یا بازاری۔ بوتل تو لازمی آتی ہے اور ہمارا حلیہ وہی نہا کر کوئی بھی سب سے بہتر سوٹ' بیٹا نئے بنا تا ہے۔ بیٹی بنا بھی لے تو اگر کزن کے گھر جائے تو پہنتی ہے' اچھا جی اللہ حافظ اس بار تو اپنی باتیں زیادہ ہوگئیں' والسلام۔

☆ ڈیئر کوثر تبصرہ کچھ ادھورا سا ہے کہانیوں کو بھی زیر غور لاتیں ناں۔

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور۔ السلام علیکم! جولائی کا حجاب دلکش ٹائٹل کے ساتھ ملا آنچل کی طرح ہمیں حجاب بھی اسی طرح عزیز ہے۔ حمد و نعت پڑھ کر بے حد سکون ملا اقرا قریشی' عائشہ گل' ساحل نور' فوزیہ غوث کا تعارف اچھا لگا۔ آغوش مادر مریم نے بے حد اچھا لکھا پسند آیا۔ ام مریم کا مکمل ناول "کچھ اور ہے میرے ساجن میں" بے حد اچھا ناول لگا' مبارک ہو آپ تو ہماری فیورٹ رائٹر ہیں۔ "میٹھی عید اور نمکین سویاں" واہ سباس گل جی کمال کردیا' خوش رہو بے حد سلام اور دعا۔ "میرے مہرباں میرے ہمسفر" نزہت تو لکھتی ہی اتنا اچھا ہیں' سلام دعا۔ اقبال بانو کا "دل مضطرب" پڑھ کر مزہ آگیا وہ تو افسانوں اور ناول کی ملکہ عالیہ ہیں' ابھی افسانے پڑھنا باقی ہیں۔ عالم انتخاب میں سب کے انتخاب پسند آئے' ہدیٰ عمران شکریہ میری شاعری پسند کرنے کا اور انتخاب کرنے کا۔ سب کو بے حد سلام اور دعا اور پیار۔

شمع مسکان...... جام پور۔ آداب تسلیمات۔

ہم نہیں پھر بھی تو آباد ہیں محفل ان کی
ہم سمجھتے تھے کہ رونق ہے تو دم سے اپنے

خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے شدید گرمی اور حبس کے اثر کو زائل کرتا طمن یار کا سرور بخشتا' خوشگوار خوش کن' دلفریب' جاں افزاں' روح پرور احساس قلب کو اپنی لپیٹ میں لیے باہر کے موسم کو بھی فریش کرگیا۔ نزاکت سمیٹے ہمارا من اس وقت ذروں میں بٹا جب ہر جگہ تولفٹ کا بورڈ نظر آیا۔ جونہی اپیا "رحم کی اپیل' عید سعید" نمبر لیٹ عید سے پورے پورے تو دن بعد ہماری چشم کو دیدار کو اعزاز بخشنے میں کامیاب ہوئے۔ ہماری دلی وابستگی اور جذبات کو مدنظر رکھ کر ہماری بے تابی انتظار کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ سرورق ماڈل صنم بلوچ سے مشابہ تھیں۔ "حمد" وجد چغتائی کی قلب سے نکلے اور نوک قلم سے رقم ہوئے رب کی ثنائی بیان کرتے پُراثر الفاظ تھے روح کو معطر کرگئے۔ "نعت" محسن علی نے آقا دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پیش کیے عقیدت کے پھول من شمع کو محبت آقا سے روشن کرگئے۔ "بات چیت" قیصر آنی سے اچھی رہی۔ جھلکیاں پر نظر ثانی کی ایک دو نہیں پورے گیارہ افسانے واہ جی امہات المومنین پڑھا۔ "ذکر اس پری وش کا" میں چاروں پریاں اپنی پروں میں ڈھیروں شرارتیں سمیٹے ہوئے اچھی لگیں۔ "عید سروے ہلال عید" ندا حسنین' نادیہ احمد' سحرش فاطمہ ہر جگہ چھائی ہوئی ہیں آنچل ہو یا حجاب ہو یا پھر کرن۔ "آغوش مادر" کنزہ مریم ماں کے متعلق آپ کی حساسیت کا بخوبی اندازہ ہوا بردکن فیصلہ ہے پر آپ اپنی ماں سے ملنے تو جاسکتی ہیں۔ رخ سخن اور ملاقات کا سلسلہ غائب پاکر مایوسی ہوئی۔ "کچھ اور ہے اپنے ساجن میں" ام مریم لفظ لفظ موتیوں کی مانند صفحہ قرطاس پر کندہ کیے دلکش پلاٹ کی وجہ سے عید نمبر کی جان تھا یہ ناول۔ الوینہ اور زوار شاہ کی روایتی اسٹوری انداز بیاں کی خوب صورتی سے قلب و ذہن پر نقش ہوگئی' ویل ڈن مریم جی۔ "دکھوں کی فصل" اریشہ جی بہت ماروی اور عمر پر ظلم ڈھالیے اس نازک جاں شمع پر ہی رحم کھائیں۔ "چاند میرے آنچل کا" فرح جی اسٹارٹ ماورائی انداز اپنائے

خوب صورتی و دلکشی سمیٹے پروسط میں ٹرن لیا اسٹوری چلتی اور اینڈ بالکل سوچ سے کوسوں دور' مجھ سے بالا تر' ایسا لگا جیسے بریانی کھاتے ہوئے منہ میں کنکر آ جائے' مجموعی تاثر اچھا رہا۔ "پیام عید کی روشن سحر" نبیلہ نازش راؤ زبردست سی تحریر کے ساتھ عید نمبر میں آپ کی آمد من میں خوشی کے پھول کھلا گئی' پُر خلوص اور سچی محبتوں کی لڑی میں پروئے ہوئے رشتے کی بے رحم ہواؤں سے وقتی طور کمزور پڑ سکتے ہیں پر ٹوٹ نہیں سکتے' خونی رشتے رب کی طرف سے دان کیے انمول تحفے ہوتے ہیں۔ "مجاحرہ" حرا جی آپ ہیں لفظوں کی ساحرہ ویل ڈن۔ "عمر قید کے مجرم" قاریہ کا نظریہ جو لاسٹ میں تجربہ ٹھہرا' میرے یقین کو کامل کر گیا کہ "مرد بے وفا ہوتے ہیں" "مضطرب کر گیا"۔ "یہ عید تیرے سنگ سجن" دلربا سی تحریر تھی قرۃ العین سکندر کی۔ "چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں" "سویٹ فرینڈ حنا اشرف بیسٹ لکھا۔ "پھر چاند نے چپکے سے کہا" عائشہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا اور بھی یار چھائے جا رہی ہو ایز اے رائٹر کیوں؟ "میرے ٹھہریاں میرے ہمسفر" حاشر تو ساگھی لگا' اتنی سی بات پر ایشل کو طلاق دینا' حرمہ کا ڈر صحیح تھا۔ حرمہ کوئی اور ہے کیا آپ کی نظر میں داعب جیسا' میرا آئیڈیل (قہقہہ)۔ "تیرے سنگ چاندرات" چلبلی' کھٹی میٹھی تحریر تھی سحرش آپ کی' بے ساختہ دہانے کے کناروں لبوں کے کٹاؤ میں مسکراہٹ نے اپنی چھب دکھائی۔ ہنستی مسکراتی مگر سبق آموز تحریر تھی' سلسلہ وار ناول اور ناولٹ کی رائٹرز سوری آ گین۔ "جیسا میں نے دیکھا" پروین کے بارے میں اور قرۃ العین کے بارے میں جان کر اچھا لگا اور لاسٹ کی نظم تو بہت بھائی۔ مستقل سلسلوں میں بزم سخن میں گل مینہ خان اینڈ حسینہ ایچ ایس ایس چلبلی (بیسٹ نیم) حفصہ یٰسین اور اقرا مسرت اقو کے انتخاب پسند آئے۔ کچن کارنر زہت جبین نے شیر خورمہ کا اچھا درج کیا ویسے نادیہ زعفرانی سویاں ٹرائی کروں گی' کچن سے جان جاتی ہے کبھی کیا جو کچھ نہیں۔ ندا حسنین جی سویاں تو اس عید کی خاص ڈش ہوتی ہیں' کھانے میں جناب (میرے لیے اسپیشل)۔ سحرش یار پلیز اوون کے بغیر کوئی کیک کی ترکیب دیں یا پھر آپ ہی میرے لیے...... ہاں ہاں ٹھیک سمجھیں آرائش حسن پر بھرپور توجہ بیوٹیشن ہونے کی بناء پر زیادہ ہوتی ہے۔ عالم انتخاب عائشہ پرویز' سحرش فاطمہ' ارم شہزادی' عمیر فاطمہ اور شازیہ نورین کی انتخاب شاعری بہترین تھی۔ حسن خیال میں انعام یافتہ فرینڈز کو مبارکباد۔ اپنی شمع کو دعاؤں میں یاد رکھنا' دلوں میں کوئی کینہ و کدورت نہیں رکھیں' خوش رہیں' خوشیاں بانٹیں' رب راکھا۔

☆ ڈیئر شمع شگفتہ و خوب صورت میں لکھا تبصرہ پسند آیا۔

فرسٹ ونر ریما نور رضوان...... کراچی السلام علیکم۔ دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ حجاب اسٹاف' حجاب ریڈرز' حجاب رائٹرز' حجاب فیس بک ممبرز سبھی کے ذہنی و قلبی سکون کے لیے دعاگو ہوں جولائی عید نمبر کی سعیدہ آپی نے بہت شاندار و جاندار رونمائی تقریب کروائی۔ بہت عمدہ' بہت خوب صورت' بہت اعلیٰ۔ پرنٹ میڈیا پر تو آنچل و حجاب ہے ہی ماشاء اللہ اول نمبر پر۔ ٹائٹل دلہن سے سجا ملا۔ بہت دلکش لگا۔ فہرست دیکھنے کے بعد مدیر اعلیٰ کی محفل بات چیت میں کرسی بڑی مشکل سے ایک خالی ملی۔ بمشکل تمام محفل میں گھس گھسا کر جگہ بنائی اور آرام سے کرسی پر بیٹھ کر مدیر اعلیٰ کی میٹھی' پیاری آواز میں باتیں سنی جو سیدھی دل میں اتر کر راحت فراہم کرتی رہیں۔ پیاری مدیرہ جی آپ کو بھی عید کی ڈھیروں ڈھیر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ حجاب سے جڑے ایک ایک فرد کو ریما نور رضوان کی جانب سے عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ حجاب ماشاء اللہ پسندیدگی کے معیار پر پورا اتر رہا ہے' آپ نے ہماری رائے جاننا چاہی ہے تو جناب حجاب کمپلیٹ ہے۔ بس ایک سلسلے میں اضافہ چاہوں گی۔ دوستوں کے نام خط۔ یعنی ملاقات جہاں دوستوں کے خطوط ہوں ایک دوجے سے خطوط کے ذریعے رابطہ رہے۔ یہ سلسلہ جس بھی ڈائجسٹ میں ہوتا ہے میں ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں۔ وجد چغتائی صاحب آپ کی حمد کتنی پسند آئی کیا لکھوں۔ نعت محسن علی صاحب بے شک محسن ایک دن ہم بھی طیبہ جائیں گے۔ حمد و نعت بہت عمدہ تھے۔ ندا رضوان کی محفل "امہات المومنین" میں ندا ممبر پر کھڑی درس و بیان کرتیں ملیں۔ عنوان حضرت ام حبیبہؓ بنت ابو سفیانؓ کے بارے میں جان کر دلی خوشی و طمانیت محسوس ہوئی۔ درس و بیان کی مقدس باادب محفل ہر ماہ حجاب میں ندا بہت چاہت' محبت' و عقیدت سے سجاتی ہیں۔ اس مقدس محفل میں شرکت کر کے ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ زینب علی "ذکر اس پری وش کا" کا محفل میں مسکراتی' کھلکھلاتی نظر آئیں۔ نٹ کھٹ' شرارتی' مسکراتی' کھلکھلاتی سہیلیوں سے سجی محفل اقرا روشی' ساحل نور' عائشہ گل' فوزیہ غوث سے ملاقات دلچسپ رہی۔ "آغوش مادر" کنزہ مریم آپ سے متفق ہوں کہ ماں کا ذکر کرتے ہوئے باوضو ہونا چاہیے۔ واقعی ماں کی محبت ریاکاری سے مبرا ہے۔ عزیز قارئین' دوستوں' حجاب کا عید سروے سرپرائز تھا کیا یا صرف مجھے ہی پتہ چلا کہ حجاب میں عید سروے ہے۔ پتہ ہوتا تو ضرور شرکت کرتی۔ عید سروے کی میزبانی کے فرائض انجام دیے ندا رضوان نے۔ سروے' بہت عمدہ' بہت زبردست' بہت اعلیٰ۔ سحرش فاطمہ' نادیہ احمد' سباس گل' شفق افتخار' ندا حسنین ان سب کی شرکت نے سروے کو خوشبو جیسا مہکا دیا۔ سبھی کے جوابات دلچسپ رہے۔ مکمل ناول "کچھ اور ہے اپنے ساجن میں" الوینہ اور زاویار کی محبت زبردست رہی۔ خالہ جی بڑی دل والی نکلیں ساتھ دینے والی' ساتھ نبھانے والی' عثمان شاہ جیسا ظرف ہر ایک کا نہیں ہوتا۔ بہت خوب صورت تحریر تھی۔ افسانہ دل مضطرب' افسانہ نگار موسٹ قابل احترام اقبال بانو۔ دل مضطرب نام نے ہی اضطراری کیفیت میں مبتلا کیا۔ عبدالہادی کی پہلی نظر کی محبت شیبا کو مسترد کر کے عبدالہادی کی ماں کی اپنے بھائی کی بیٹی شہلا سے زبردستی شادی کر کے معاشرے کی سفاک حقیقت دکھائی۔ کچھ مائیں اس طرح کرتیں ہیں۔ عبدالہادی اور شیبا کا وشنگ کارڈ کا سلسلہ پرانی یادیں تازہ کر گیا کبھی ہم بھی عید کارڈ گفٹ کرتے تھے اب تو ہر ایک مصروفیات کے بہانے اپنوں سے دور ہو گیا ہے۔ عبدالہادی کی ماں نے سیاست دکھائی اور بیٹے کو خود سے دور کر دیا عبدالہادی ماں کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے نہ آیا۔ پورا افسانہ ہی محبت کے مسحور کن احساسات لیے آخر میں سنجیدگی سے اختتام پذیر ہوا۔ ہمارے اطراف اس سے ملتی جلتی کہانیاں بہت ہیں۔ ویری ویلڈن۔ بہت خوب۔ ناول "دکھوں کی فصل" ناول نگار اریشہ غزل۔ اپنے مخصوص انداز میں سنجیدہ انداز تحریر میں ملی۔ تمام نام ہی بہت اچھے لگے میرل' ماروی' مراد۔ تمام کردار بہت خوب رہے۔ دلچسپی کا سامان ہے محبت کی حسین وادیوں میں گھومتی کہانی ماروی اور مراد کی محبت عروج پر رہی۔ میرل یک طرفہ محبت کی آگ میں جلتا رہا۔ جلن' حسد' غم اور غصے میں دکھ کی فصل بوئی تھی۔ محبت میں انسان محبوب کو گرم ہوا' دھوپ کی تپش سے بچاتا ہے اور میرل نے جلن کی وجہ سے ماروی کو فروخت کر دیا' اپنی انا' ضد' غصے کی تسکین کے بعد بھی میرل پچھتا رہا تھا۔ مضطرب تھا روہا تھا واقعی میرل کو تمام عمر دکھوں کی فصل ہی کاٹنی تھی۔ حرا قریشی کو ماہنامہ حجاب میں ایز اے رائٹر ویلکم ویلکم۔ ود فریش فلاور حرا تصور چشم کھولو۔ ماشاء اللہ پہلی مرتبہ ہی چھا گئی۔ پہلی تحریر "مجاحرہ" منفرد' سبق آموز فکر انگیز' ردا کی طرح ہمیں بھی بسا اوقات ایسی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' شعور و آگہی میں اضافہ کرتا افسانہ حرا کیپ اٹ اپ۔ سو میں سے سو مارکس دیے افسانہ "میٹھی عید نمکین سویاں" افسانہ نگار سباس گل۔ اشہد' سائرہ کی نجی زندگی کی نوک جھونک نے کہانی کو دلچسپ بنائے رکھا۔ سائرہ کے ساتھ مل کر میں نے بھی دونوں ہاتھوں سے لعنت دی حکومت کو۔ لعنت ہو ایسی حکومت پر جس نے غریب اور سفید پوش لوگوں سے چوڑیاں اور سویاں خریدنے کی بھی خوشی چھین لیں اور استطاعت نہیں رہنے دی۔ سباس آپی حقیقت لکھی...... مزاح و محبت کے رنگوں سے مزین سبق دیتا افسانہ۔ بہت خوب صورت۔ ناولٹ "پیام عید کی روشن سحر" محبت کے جذبات سے بھرے کردار ملے۔ فسا بیہ نام بہت پسند آیا۔ عبدالصمد کا فسا بیہ کے لیے اپنا بیڈ روم چھوڑ دینا کہانی میں سسپنس لے آیا۔ عبدالصمد کا محتاط رویہ ہر ایک کا خیال رکھنا۔ ہر بات سوچنا اور

سمجھنا بہت اچھا لگا عبدالصمد نے فسابیہ سے اقرار محبت اس لیے نہ کیا کہ گھر میں موجود چھوٹے بہن بھائیوں پر برے اثرات ہوں گے۔ عبدالصمد اور فسابیہ کی خاموش محبت کی جیت اختتام بہت پسند آیا۔ افسانہ ”میرے مہربان میرے ہمسفر“ نزہت جبین ضیاء۔ ایشل بنا کسی غلطی کے سزا کی حق دار ٹھہری۔ حارث کی کم عقلی کی وجہ سے۔ حرمہ خطا کر کے بھی شادمانی میں رہی۔ داعب کی عقل مندی کی باعث تحریر دل کو چھوگئی بہت زبردست اور منفرد بھی۔ افسانہ ”تیرے سنگ چاندرات“ افسانہ نگار سحرش فاطمہ۔ فائزہ اور زینب کی کہانی دلچسپی کا مرکز بنی رہی مزید یہ کہ نگ نیم نے کہانی کا لطف دوبالا کردیا سحرش کی یہ تحریر منفرد اور خاص لگی۔ اس تحریر میں مزاح کا عنصر واضح رکھا بہت عمدہ سحرش۔ افسانہ ”ہزاروں خواہشیں“ افسانہ نگار عرشیہ ہاشمی۔ بجا فرمایا لوگوں کا مسئلہ نجانے کیا ہے نہ خود سکون سے رہتے ہیں نہ دوسروں کو رہنے دیتے ہیں۔ حمنی کی کہانی سبق دیتی سی حمنی کی زبانی۔ بے شک انسان کی کامیابی اسی میں ہی ہے کہ وہ اپنے نفس کو پچھاڑ دے اور ہاں جی ہاں ماں۔ امی جی سو برڈیسنٹ ہی اچھی لگتی ہیں۔ میری امی تو سو برڈیسنٹ ہی ہیں۔ افسانہ ”چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے“ افسانہ نگار حنا اشرف۔ ابرش اور اذہان کی ازدواجی زندگی اور دلکش شاعری کے ہمراہ گھومتی تحریر من کو بہت بھائی۔ واقعی کچھ باتیں صیغہ راز میں رکھی جائیں تو ہی بہتر رہتا ہے ورنہ رشتوں میں دراڑ آنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اذہان کو رمشہ کو حد میں رکھنا چاہیے تھا۔ مرد بیوی کا کزنز سے فرینک ہونا برداشت نہیں کرتا تو بیوی کیونکر برداشت کرے۔ بہت زبردست تحریر لگی۔ افسانہ ”یہ عید تیرے سنگ“ افسانہ نگار قرۃ العین سکندر۔ طوبیٰ ستارہ کی شرارتوں کے درمیان کھڑوس بواجی کا کردار مزہ کرکرا کرتا رہا توبہ ہے اتنی سخت مزاج بواجی۔ بواجی ہند نے بھاوجوں کے دل میں حسد کا جذبہ بخوبی باکمال طریقے سے پیدا کیا۔ ایکسپرٹ لگیں بواجی۔ افسانہ حقیقت کے رنگوں سے آشنا تھا اس طرح کے کردار ہمارے معاشرے میں ہی بستے ہیں۔ بہت اچھی لگی۔ افسانہ ”عمر قید کے مجرم“ افسانہ نگار سمیعہ عثمان۔ مرد بے وفا ہوتے ہیں وجاہت نے احسن بن کر ثابت کردیا، صالحہ اور فاریہ کی بیک وقت زندگیوں سے کھیل کر۔ فاریہ کی تیز دماغی نے کڑی سے کڑی جوڑ کر سچ کا پتا لگالیا۔ افسانہ ”پھر چاند نے چپکے سے کہا“ افسانہ نگار عائشہ پرویز۔ ابنان کی بے پروائی۔ پریزے کو شوہر کی طرف سے وقت کی کمی ملی تھی پریزے کی حساسیت۔ بہت عمدہ تحریر۔ لفظوں کا چناؤ بہت خوب رہا۔ عائشہ آپ کی تحریر میں آپ نے جو پیغام دیا اس سے متفق ہوں کہ کوئی سروس انسانوں کا نعم البدل نہیں۔ افسانہ ”میرے آنچل کا چاند“ افسانہ نگار۔ فرح دیبا۔ ماہا کا فرقان کی گاڑی سے ٹکرانا، راج ماں کا نکاح کی خواہش کا اظہار کرنا، راج ماں کی خواہش کا ماہا نے احترام کیا۔ ماہا کا حادثاتی طور پر ملنا، کہیں الجھی کہیں سلجھی۔ پوشیدہ راز و بھید کھولتی تحریر۔ واؤ انٹرسٹنگ کہانی ڈرامائی تھی۔ ماہا کا سید فرقان سے نکاح کہانی کو نیا موڑ دے گیا۔ بے شک اللہ کے اختیار میں سب کچھ ہے بس ایمان کامل ہونا چاہیے۔ افسانہ ”عید اور اجرت“ افسانہ نگار حریم الیاس۔ طاہرہ باجی کی نصیحتوں اور ہزار ہا مرتبہ سمجھانے پر بھی تہمینہ صاحبہ مسلسل بے پروائی کا ہی مظاہرہ کرتی رہیں۔ بالآخر لیلۃ الجائزہ نے تہمینہ میں احتسابی عمل کا آغاز کردیا بہت اچھا سبق دیا حریم نے ماشاء اللہ بہت زبردست۔ بزم سخن میں تمام کا انتخاب پسند آیا۔ کچن کارنر خاص الخاص عید کے پکوانوں سے سجا ملا، اسپیشل کھیر اور بریانی ریسپی ٹرائی کی اور سب کی داد وصول کی۔ شکریہ حجاب تمہاری بدولت یہ داد ملی۔ آرائش حسن میں حدیقہ احمد جی میک اپ کرنے کے گر سکھاتی ملیں بہت ہی خوب صورت انداز میں تیار کروایا کیونکہ میں نے میک اپ کیا تھا کاسمیٹکس تو تمام موجود تھا اپنے اسٹائل میں نہیں کیا میک اپ حدیقہ جی کے اسٹائل میں کیا بہت اچھا لگا ایک دم سوفٹ اور نیچرل لک ملا شکریہ حدیقہ جی۔ ”عالم میں انتخاب“ میں میرا انتخاب بھی شامل تھا بے حد شکریہ حجاب۔ شوخی تحریر ہر بار کی طرح اس بار بھی لاجواب رہا۔ حسن خیال میں سب کے تبصرے پسند آئے۔ مستقل تمام سلسلے عمدہ ہیں۔

☆ ڈیئر ریما اول انعام حاصل کرنے پر مبارک باد اور اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی جنت کی حفاظت کرے اوران کو صحت کاملہ عطا کرے آمین...... قارئین ریما کی والدہ کے لیے دعاصحت کے ملتمس ہیں۔

سیکنڈ ونر لالہ رو...... ملتان ۔السلام علیکم! بہت عرصے بعد کسی پرچے کے لیے تبصرہ لکھنے کے لیے بے تاب ہیں اپنی چھبیس سالہ زندگی میں میں نے شعاع‘ خواتین‘ کرن کے علاوہ شاید ہی کوئی اور ڈائجسٹ پڑھا ہو اور اس کو متعارف کرانے کا سہرا (میری سوئٹ سسٹر) آپ کے ڈائجسٹ کی نوخیز رائٹر ”حرا قریشی“ کو جاتا ہے جن کے اصرار پر میں نے ”مجاحرۃ“ پڑھی۔ بحثیت ایک قاری کے سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہوں گی کہ تمام رسالہ ادب کے اعلیٰ شاہکار کی مانند لگا۔ ابتدا مدیرہ کی بات چیت سے ہوئی جس کا لب لباب عید کے تہوار کی خصوصی مبارکباد تھی پھر اس ماہ کی جھلکیاں یعنی عید اسپیشل تحریروں کا پیار بھرا تڑکا پھر جیسے ہی حجاب کی رنگ برنگی شوخیاں لٹاتی‘ شعور و آگاہی کی منازل طے کرواتی صاف وشفاف دنیا میں قدم رکھا ایسا لگا جیسے کسی حیرت کدے نے گھیر لیا ہو۔ سب سے پہلے وجد چغتائی کے سادہ و اثر انگیز الفاظ کی صورت میں حمد سے فیض اٹھایا‘ بہت خوب۔ محسن علی کے قلم سے نکلنے والی پرنور شعاعوں کے احاطے میں نعت سے مستفید ہوئی۔ ذکر اس مبارک ہستی کا جس کے لیے ساری کائنات کو تخلیق کیا گیا۔ کیسے کوئی اس ہستی کی مداح سرائی سے تغافل برتے‘ بہت اعلیٰ۔ ندا رضوان کی بہترین کاوش ”امہات المومنین“ کا سلسلہ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابو سفیانؓ کے بارے میں جان کر بے انتہا خوشی ہوئی اور اپنے اخلاق و کردار کی اصلاح کرنے کی نئی جہت ملی۔ ”ذکر اس پری وش کا“ سلسلے کا نام پڑھ کر ہی خود پر نازاں ہونے کا دل چاہے۔ نٹ کھٹ سی اقرا روشی، عائشہ گل حساس ساحل نور اور دوستانہ مزاج کی حامل فوزیہ غوث سے مل کر بہت مزا آیا۔ ”آغوش مادر“ کنزہ مریم کے قلم سے محبت کی سیاہی میں ڈوبی تشکر کے لبادے میں لپٹی جاندار تحریر...... سچ تو یہ ہے کہ ماں کے بغیر ساری دنیا ویران سی لگتی ہے اچھا انتخاب تھا۔ ”عید سروے“ میں شریں شفق افتخار‘ سکھڑ سی ندا حسنین ریز روی سحرش‘ سمجھدار نادیہ احمد اور صاف گو سباس سے مل کر اچھا لگا۔ ”کچھ اور ہے اپنے ساجن میں“ ام مریم کا مزے دار ناول...... گھریلو سیاست‘ اسحاق شاہ کی چال بازی‘ مخالف فریقین کے درمیان کسی ایک فریق کا محبت میں مبتلا ہونا‘ الوینہ اور زوار شاہ کی محبت کی داستان سناتا‘ خالہ بی کا کردار دوستی میں جان تک قربان کردینے والا‘ عثمان شاہ رشتوں کی جڑوں کو مضبوط کرتا‘ دوستانہ احساس کی ڈور تھامے الوینہ کی محبت کی ناؤ دریا سے پار کرواتا۔ ناول میں جان ڈالنے والا کردار نویل ڈن۔ دل مضطرب منجھی ہوئی رائٹر اقبال بانو کا حادثاتی محبت کا شکار افسانہ دل اداس کر گیا۔ شیبا ناصر نے عید کارڈ کی ریت خوب نبھائی‘ عبدالہادی اپنے عہد کا پکا‘ ماں کی سیاست کے آگے گھٹنے ٹیک بیٹھا بس اس کی بے بسی پہ خوب دل کرلایا۔ شہاب سے ہمدردی ہوئی لیکن تحریر کے اختتام پر عبدالہادی کا ماں کے مرنے پہ نہ آنا صدماتی کیفیت پیدا کر گیا۔ رہی بات صحیح فیصلے کی تو ماں کے نقطہ نظر سے انہوں نے جو کیا وہ ایک عمل کا ردعمل تھا۔ پہلے بڑے بیٹے کا اپنی پسند سے شادی کرنا پھر چھوٹے کا بھی اسی نقش قدم پر چلنا پھر ماں ہونے کے ناطے انہوں نے کوئی نہ کوئی تو سدباب کرنا تھا اور رہی بات عبدالہادی کی تو وہ فیصلے کی سلیب پر خود غرض محبت کا شکار رہا شادی شدہ زندگی میں کامیاب رہا۔ گھر‘ بیوی‘ بچے ہر جگہ خوشحال تھا اگر ہمت کرتی تھی تو انکار کرکے کرتا نہ کہ ماں کو سزا دیتا۔ ”دکھوں کی فصل“ اریشہ غزل محبت کی تکون میں لپٹا میرل‘ ماروی اور مراد کے کرداروں سے بنا‘ چاپلوسی‘ چال بازی‘ کینہ‘ بغض‘ حسد اور انا کی آگ میں جھلسا دینے والا ناول۔ دلچسپی کا عنصر کہیں بھی ختم نہ ہونے پایا لیکن اختتام اُف...... ایسا لگا جیسے کسی نے جلتے تندور میں دھکا دے دیا ہو زبردست۔ ”میٹھی عید اور نمکین سویاں“ سباس گل کا ہنستا مسکراتا افسانہ۔ مزا بھی اور جزا بھی اور اخلاقی سبق بھی‘ شاباش۔ ”پیام عید کی روشن سحر“ نبیلہ نازش راؤ کا محبت کی قندیل روشن کرتا ناولٹ عید کا لطف دوبالا کر گیا۔ بحثیت قاری کے یہ

ناولٹ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی' کہانی میں کردار و منظر نگاری اعلیٰ تھی۔ عبدالصمد (مردانہ خوبیوں کا مرقع) کی خاموش' پاکیزہ سادگی میں لپٹی محبت بہت بھائی' قسابیہ کا اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا خوب لگا۔ نذیراں کی عدالت میں دونوں کی محبت کے مقدمے کا فیصلہ اپنے انجام کو پہنچا' کمال کر گیا' کیپ اٹ اپ۔ ''مجاحرہ'' حرا قریشی کے ذخیرہ الفاظ کو اجاگر کرتا منفرد موضوع پر مبنی' شعور و آگاہی کی وادی میں دھکیلتا' حیران و پریشان کر گیا۔ خاص طور پر ایک شخص نے رات کو گناہ کیا اور لوگوں کو بتایا' اللہ نے اس کا پردہ رکھا لیکن اس نے اتار پھینکا یہ مجاحرہ ہے اور مجاحر کا یہ کہنا کہ اے اللہ یہ آپ کے احکامات ہیں۔ میں نے ان کی نافرمانی کی اور مجھے اس کی پروا نہیں اور میں یہ بات دنیا کو بتاؤں گا۔ پورے جسم کے رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا' اللہ ہم سب کو مجاحرہ سے بچائے اور اپنی خاص امان میں رکھے آمین۔ منظر نگاری' کردار نگاری' مکالمہ نگاری سب اعلیٰ پائے کی تھی' پڑھ کر لگا ہی نہیں کہ یہ کسی نوآموز رائٹر کی ہے۔ بہت خوب حرا اور اس کے لیے میں حرا سے کہوں گی کہ اسے شکر گزار ہونا چاہیے ان تمام اعلیٰ پائے کے رائٹرز کا جن کا پڑھا ہوا ایک ناول' ناولٹ' افسانہ' جملہ' سفر نامہ' شعر یا پھر ایک لفظ جو لکھنے کی تحریک اور حرا کے لیے مشعل راہ بنا اور اسے اور اسے لکھنے کے لیے حجاب جیسا پلیٹ فارم مہیا ہوا' سب کا بے حد شکریہ۔ نزہت جبین کی آئیڈیل جیسی لڑکیوں کے لیے زندگی کی صحیح راہ متعین کرتی تحریر اور پھر اجر و انعام کی صورت داعب جیسا شوہر ملنا' گڈ نزہت جی۔ فرح دیبا کا ناول فقط کہانی سمجھ کر پڑھا۔ شروع سے آخر تک معجزے ہوتے رہے' آخر محبت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ سحرش فاطمہ کا ہلکا پھلکا مزاح لیے افسانہ خوب رہا فائزہ اور زینب کے نیک' نیم فیض اور زین سے شروع ہونے والی تحریر نے آخر تک اپنی دلکشی و رعنائی کو برقرار رکھا۔ عرشیہ کا حقیقی رنگ لیے افسانہ پڑھ کر دل اداسی کی لپیٹ میں آ گیا۔ کچھ خواہشیں اس وقت پوری ہوتی ہیں جب عمر کی نقدی ختم ہو جاتی ہے۔ حنا کی تحریر میں شاعری اچھی تھی ازدواجی زندگی کے تقاضوں اور گھر کی بنیاد کو مضبوطی عطا کرتا افسانہ خوب۔ ''عید تیرے سنگ'' دلچسپ افسانہ حسد کا جذبہ کیسے دلوں میں نفرت کے بیج بوتا ہے؟ کیسے انسان کو شیطان کے بہکاوے میں لاتا ہے؟ مصنفہ نے سادہ آسان انداز میں سمجھا دیا جہاں فریدہ اور منزہ بیگم کے آپس میں شیر و شکر ہونے پر رشک آیا وہیں طوبیٰ اور ستارہ کی بہنوں جیسی محبت پر بے ساختہ پیار آیا' ویری ویل۔ حریم کا دلکش پیرائے میں لکھا افسانہ عید نمبر کی جان لگا' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ سمیہ عثمان کا مرد ہرجائی کی بے وفائی کی ترجمانی کرتا منفرد انداز بیاں گریٹ۔ عائشہ کا صنف نازک کے جذبات کی ترجمانی کرتا شریک سفر کی توجہ کا متمنی دل کو بھاتا اچھا لگا۔ ''جیسا میں نے دیکھا'' رفاقت کے توسط شاعری کے دلدادہ لوگوں کے لیے بہترین سلسلہ مزا آ گیا۔ بزم سخن کا سلسلہ بھی اچھا تھا۔ کچن کارنر میں ناریل کا حلوہ بنانے کا ارادہ ہے دعا کریں کامیاب ہو جائیں۔ ''آرائش حسن'' بھی خوب'' عالم میں انتخاب'' نزہت جبین کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ نہایت اعلیٰ ذوق۔ شوخئ تحریر میں کوثر خالد' نبیلہ عزیز' مشعل' زرمینہ' عائشہ مسکان' ایس بتول شاہ' لاڈورانی' کرن شہزادی' فابیہ' حمیرا ملک' غزل' جیا اور فرح کا انتخاب پسند آیا۔ حسن خیال میں تمام تبصرے جاندار تھے۔ ہومیو کارنر خاتون خانہ کے لیے معلوماتی تھا اور ویسے بھی یہ شمارہ مجھے اتنا پسند آیا کہ پہلا خیال یہی آیا'' جناب یہ رسالہ تو کسی کو گفٹ کرنا چاہیے'' بہترین' لاجواب' شاندار۔ آخر میں کہنا چاہوں گی کہ جس طرح خالق کائنات کا دن میں ہم پانچ مرتبہ شکر ادا کرتے ہیں اسی طرح اللہ کی اس خوب صورت دنیا میں جس کو بھی اس نے تخلیق کرنے کی صلاحیت دی ہے اس کا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے جن میں سرفہرست ہماری مصنفین کا ذکر آتا ہے۔ زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے امید افزا' پرعزم' حوصلہ بڑھاتی تحریریں جن کے ذریعے قاری زندگی کی شاہراہ پر درست راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ مزید براں حجاب کی کامیابی کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں......!

☆ پیاری بہنا پہلی مرتبہ شرکت اور انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

تھرڈ ونر مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ۔ ادب سے' چاہ سے' ادا سے' وفا سے' حیا سے' نگاہ سے' زباں سے' بیاں سے ہم محفل حجاب کی زینت بننے سے قبل باوقار و لبریز خلوص سلام عرض کرتے ہیں مزاج طبیعت کی عافیت مطلوب ہے۔ پُرکشش ٹائٹل سے نگاہ ہٹا کے دست نازک میں تھامے حجاب کا سینہ چاک کیا تو باقاعدہ ''بات چیت'' سے آغاز کیا۔ مدیرہ (خالہ جانی) کے شیریں انداز گفتگو اور نرم خوئی نے ہمیشہ کی طرح دل موہ لیا۔ بالکل بجا فرمایا آپ نے حجاب کی مقبولیت اور معیار ذوق قارئین کی توقعات سے بڑھ کر ہے۔ میں اگر ایک دن بھی لیٹ ہو جاؤں تو میرے قریبی ہاکر سے حجاب ہوا ہو جاتا ہے یعنی ادھر آیا ادھر گیا۔ اللہ ایسے ہی شہرت دوام قائم رکھے آمین۔ ''حمد و نعت'' کی خوب صورت لفاظی سے سرشار ہو کر ''امہات المومنین'' پہ قیام ٹھہرا۔ حضرت ام حبیبہؓ کی حیات اسلام کا اسلوب دل میں جذب ہو گیا' یہ استقامت حوصلہ اور صلابت۔ سبحان اللہ حق مسلمانیت خوب ادا کیا۔ ''ذکر اس پری وش'' آہاں کوہ قاف کے شہر پرستان کی چار پریاں بڑے ناز سے براجمان تھیں۔ ملنے ملانے کے بعد ''آغوش مادر'' میں کنزہ مریم نے چشم پر نم کر دی۔ یہ سہ حرفی لفظ ''ماں'' کیسا قرار رکھتا ہے اپنے اندر دل کے جلتے پھپھولوں پہ گویا باران رحمت سی برس جاتی ہے۔ ماہتاب کی چاندنی اور ٹھنڈک سے بھی زیادہ نور اور راحت اس لفظ میں پنہاں ہے۔ اشک شوئی کے بعد جو نگاہ عید سروے سے دوچار ہوئی تو بوجھل آنکھیں مسکرا اٹھیں' دلعزیز رائٹرز سے ملاقات نے دل کی دھرتی گل و گلزار کر دی (سباس آپی تسی ویری نائس ہو جی) اور پھر ام مریم کے'' کچھ اور اپنے میرے ساجن میں'' نے میری رفتار پہ ایک چوٹ ماری کہ پہلے لفظ سے شناسائی کے بعد آخری حرف کو جاتا' بیچ کے تمام عرصے میں میرے ہونٹ سحر کی زیادتی سے وقفے وقفے واقف ہوتے رہے۔ زوار شاہ کے تیور اور الوینہ کا تیکھا انداز پرفیکٹ میچ' جب وہ بار بار کھینچ کھانچ کے الوینہ کو لے جاتا تھا تب ایک تندی کسیلی لہر دل میں اٹھتی تھی۔ ناول کی خوب صورتی ہی دراصل الوینہ کی خوب صورتی اور زوار کے بگڑتے انداز میں پوشیدہ تھی۔ جاگیردارانہ وحشی نظام پہ کھلی چوٹ پہ مبنی ناول نے خوب محظوظ کیا۔ طویل ناول پڑھنے کا اپنا ہی مزا ہے اور وہ بھی ام مریم کے بے باک و نڈر انداز میں۔ ''دکھوں کی فصل'' اریشہ غزل کے ناول نے اذیت کے لمبے لمبے جوار دل کے کھیت میں اگا دیئے۔ میرل' مراد' ماروی لفظ میم کی تکرار لیے ایک خوب صورت تکون۔ میرل کی وارفتگی نے ماروی کو عذاب جاں کے تاحیات لمس سے آشنا کروا کے دم لیا۔ ہر چیز اپنے مدار میں جچتی ہے میرل کے منہ زور عشق نے اپنی ذات کو بھی نقصان پہنچایا اور ماروی و مراد کی محبت کو بھی رگیدڈالا۔ محبت تو ایثار کا دوسرا نام ہے۔ محبوب کے محبوب کو بھی چاہا جائے یہاں معاملہ الٹ تھا' محبت میں کھوٹ تھا' محبت کے معیار پہ پورا اترنے میں ابھی کسر باقی تھی۔ میرل کی بے ایمانی جیسے گناہ تازیست ضمیر پہ تازیانے برساتے ہیں تب ہی انجام دماغ کے الٹ جانے پہ ہوتا ہے۔ محبت کے تار تار ہونے پہ دکھ کے حصار میں مقید ہو گیا بایں ہمہ ناول بہت ہی عمدہ تھا۔ ''چاند میرے آنچل کا'' فرح دیبا کی تحریر تھوڑی تخیل پسندی میں ملفوف نظر آئی۔ ماہا گونگی تو نہ تھی احتجاج زبان سے ادا ہو جاتا ہے' جب زندگی کے اتنے بڑے فیصلے آن کی آن میں ہوتے ہیں (معذرت کے ساتھ ان لمحات کے ساتھ میں اتفاق نہیں کرتی) ویسے ناول اچھا تھا۔ ''پیام عیدی کی روشن سحر'' نبیلہ نازش راؤ کی غلط فہمیوں کے گرداب میں پھنسی ایک شگفتہ ہلکی پھلکی تحریر۔ قسابیہ کی نسوانی انا پہ پڑنے والی چوٹ فطری تھی۔ عبدالصمد کا گلہ بے جا نہ تھا۔ ساس کے سامنے ہوتے شکوے اور عبدالصمد کی کھنچائی نے ماحول خوشگوار کر دیا' خوب خوب۔ ''تیرے لوٹ آنے تک'' سلمیٰ فہیم گل کا کمال کا ناولٹ ہے' آخری قسط کا انتظار شدومد سے ہے۔ زادیار کے دل کا ہمک ہمک کے آغامینا کی جانب لپکنا اور انکشاف محبت کے دھماکے نے فریش کر دیا۔ ارقام کی رکھائی اور ظعینہ کی بے چارگی' زروہ اور تورع کے بیچ

حائل دیوار بھی اب ڈھے جائے گی۔ ناولٹ اختتام کی جانب عازم سفر ہے' اللہ قلم کی طاقت بحال رکھے۔ افسانوں کی نگری میں قدم رنجہ فرماتے ہی پہلا ٹکراؤ ''دل مضطرب'' سے ہوا۔ عبدالہادی اور شیبا کے ہجر پہ دل حقیقتاً اضطرابیت میں غوطہ زن ہوگیا۔ کچھ مائیں تعلیم وتربیت سب دے دیتی ہیں اور زندگی کے سب سے بڑے اور اٹوٹ رشتے کے معاملے میں ظرف کھینچ کر تنگ کرلیتی ہیں۔ کینہ اور عناد پال کر بچوں کی خوشیاں تباہ کردیتی ہیں۔ اولاد ایسے بٹ جاتی ہے کہ وہ حال ہوتا ہے ''نہ تین میں نہ تیرہ میں'' ہادی کے ساتھ بھی یہی ہوا نہ مکمل بیوی کا نہ محبوبہ کا۔ افسانے کی دلچسپ بات ہر سال موصول ہونے والے عید کارڈ تھے۔ ہمیشہ کی طرح محبت کی تلخ حقیقتوں کو اجاگر کرتی یہ تحریر دل کو بھاگئی۔ نگار دل کے ساتھ سباس آپی کا افسانہ ''میٹھی عید نمکین سویاں'' کھولا۔ اشہد کا نوکری کا سرپرائز اور سائرہ کی بدگمانیوں میں ڈولتی چاندرات اور پھر عید کا دن مزا دے گیا۔ ''مجاحرہ'' از حرا قریشی' دلکش ومنفرد موضوع بمع اسلوب' واہ لاجواب۔ مجاحرہ سے روشناس کرواتی آپ کی یہ تحریر یقین جانیں کئی در وا کرگئی۔ یارید اور یزدان خوب صورت کردار' ایک گناہ کو کہانی کے پیرائے میں بطور اصلاح لکھنا بہترین عمل۔ میں تو بہت فیض یاب ہوئی' علم دین تو جس کونے سے' جس لفظ سے' جس تحریر سے' جس بھی جگہ سے ملے بندے کو اچک لینا چاہیے اور عمل بھی کرنا چاہیے' بھئی حرا قلم کی چاشنی رواں رہے سدا رہے' سلامت رہے۔ ''میرے مہرباں میرے ہمسفر'' حرمہ کا نصیب اچھا تھا کیونکہ وہ خود سلجھی ہوئی تھی' بھروسے اعتماد اور سبھاؤ سے یہ بندھن چلتے ہیں جو کہ دونوں میاں بیوی نے خوب نبھایا۔ ہاں ماضی کی ایک لغزش تھی وہ بھی انجانے میں سرزد ہوئی' اللہ نے بہتر کیا افسانہ اچھا تھا از ہت جبین میم کا۔ ''تیرے سنگ چاندرات'' بقلم سحرش فاطمہ' ہائے میری لال جوتی شروعات ایسی تھی لب مسکرا اٹھے بس کراتھ جا کتنا کھاتی ہے۔ میں کیوں کروں ڈائٹنگ جیسے ڈائیلاگ نے شروع سے آخر تک محظوظ کیا بس تھوڑی غلطی کی کرفٹ سے تصویر کھینچی اور پٹ سے کلک مار کے سینڈ کردی۔ لڑکیوں کے معاملات نازک ہوتے ہیں' کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں سادہ لوح لڑکیاں' صد شکر کہ موصوف زین سچے عاشق تھے جو بات بن گئی' ویری گڈ سحرش۔ ''بڈھی گھوڑی لال لگام'' عرشیہ ڈیئر ویل ڈن' کہانی کے نام کے مفہوم کو بخوبی اجاگر کیا آپ نے۔ ''چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلیں'' از قلم حنا اشرف' ابرش کی جذباتیت نے معاملہ خوب بگاڑا مگر شوہر نامدار کی مستقل مزاجی نے آشیانہ آباد رکھا۔ ''یہ عید تیرے سنگ سجن'' قرۃ العین سکندر کی تحریر نے دیورانی جٹھانی کے حسن سلوک اور پھوٹ ڈالتی نند کے کردار کو اچھے انداز میں بیان کیا۔ نصیب کے کھیل سمجھ آنے میں ذرا دیر لگی مگر یہ تاخیر خوش آئند ثابت ہوئی۔ ''عید اور اجرت'' میں حریم الیاس نے چاندرات کی فضیلت کو بہتر طور پر بتایا سارے دن کا روزہ رکھ کے عشاء کی نماز ترک کرنا اور بازاروں میں مارا مارا پھرنا بہت افسوسناک ہے' افسانہ بہت پسند آیا۔ ''پھر چاند نے چپکے سے کہا'' عائشہ پرویز کا ہلکا پھلکا افسانہ مزا دے گیا۔ دل کے خیالات اور جذبات ڈائری میں قلمبند کرنا میرا بھی محبوب مشغلہ ہے۔ ''عمر قید کے مجرم'' سمیہ عثمان کے قلم سے خوب صورت شاہکار۔ آہ مردوں کی رنگین مزاجی' دوہری شخصیت کے حامل مرد زہر سے بھی بدتر لگتے ہیں مگر ایک تلخ حقیقت' ہمارے معاشرے کا المیہ دوسری شادی گویا ٹرینڈ بن گئی ہے۔ شریعت اور اسلامی قوانین کو غلط انداز میں استعمال کیا جارہا ہے' یہ بات تو طے ہے کہ وفا کی شرح مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ ہے۔ اس ماہ کے بیسٹ افسانے مجاحرہ اور عمر قید کے مجرم تھے۔ سلسلہ وار ناول ''میرے خواب زندہ ہیں'' اپنی برجستگی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ سونیا کا غرور ایک آنکھ نہیں بھاتا' لالہ رخ کی پریشانیاں کم ہوں گی یا زیادہ یہ تو کراچی میں قیام کے بعد ہی عقدہ کھلے گا البتہ فراز کی خدمات پیش پیش رہیں گی یہ تو جانتے ہیں ہم۔ ماریہ کا درد ابرام کو محسوس کرنا چاہیے' اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ ''دل کے دریچے'' میں غم حالات نے فائز کی کمر دوہری کررکھی ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز خوب دکھائی دے رہے ہیں' اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا یہ تو اگلی اقساط میں پتا چلے گا تمام سلسلہ باقیات ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ حسن خیال سے شمائلہ یہ نورین کا انتخاب بے حد پسند آیا تھا چاند کی شاعرہ میری فیورٹ نظم ہے۔ سویٹ ڈشز عید کا مزا دوبالا کرگئیں ذاتی طور پر مجھے کھیر بہت پسند ہے۔ بشرط حیات دوبارہ ملنے کی امید لیے اس جاذب ومنفرد محفل کی نشست سے برخاست ہونے کی اجازت چاہتی ہوں ایڈیٹرز کا کام بہت جاندار ہے اور خوب صورت جریدہ ان کی محنت شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس طلسم کدے سے نکلنا گو کہ چنداں مشکل ہے مگر بچھڑنا بھی ضروری ہے کہ مصداق جائے جاتے ہیں کہ جائیں گے تو پھر دوبارہ آئیں گے (ہہنا) اللہ عزوجل ہمارے ادارہ حجاب کو اتنی کامیابیاں دے کہ فلک پہ چمکتے ستاروں کی چمک میں اس کی چمک شامل ہوجائے آمین۔

☆ ڈیئر سمونا شگفتہ اور دلچسپ انداز میں لکھا آپ کا تبصرہ پسند آیا مبارک باد قبول کیجیے۔

حرا قریشی..... ملتان۔ چہار سو تخیل کے گوشوں پر سوار بادصبا کے امید دیاس دلاتے خوش کن خوشہ چیں شگوفوں سے پُر قہقہے بکھرے ہیں' دل میں گدگدی کرتی گرما کے تمازت سے لبریز موسم میں گردوں کے کشادہ سینے پر پھیلی چہچہاتی خوش کن کرنیں ہمارے کیف آفریں مسرت سے چمکتے رخ روشن پر تکی ہیں۔ جھومتے اشجار اس مسرت کا مژدہ خاص سننے کو بے چین ہیں اور پتوں کی شوخ نگاہیں ہمارے چہرے پر جھلکتی خوشی کی سن گن لینے کے لیے بیتاب ہیں انہیں کیسے بتائیں' یہ کیسے سمجھائیں؟ خوب صورت قلب حزیں کی رت کو مزید دلکشی عطا کرتے حجاب ڈائجسٹ حرا کی کلائی کی نازک گرفت میں اپنے سرورق میں مخفی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ جستجو تھی اپنے نام کی سو ندا رضوان سے خیالوں ہی خیالوں میں سرگوشیاں کرتے ہلال عید تک رسائی حاصل کی۔ اپنا سروے نہ پاکر شدید تحیر وحیرت میں گھر گئے کہ وہ خوش نویس تحریر جس کے پاپاب حروف ابدی کینوس کے سینے پر براجمان تھے کیسے ممکن ہے کہ شائع نہ ہوسکے۔ دل ناتواں کنول سی چشم نم میں چونکہ آنسو دیکھنے کا متمنی نہیں تھا سو اس نے فوری تسلی وتشفی کی باڑ گرادی کہ اگلے ماہ ہوگا شامل اشاعت' پتر غم نہ کر شکوہ نہیں ہے یہ بس یونہی ازراہ تذکرہ بات کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حجاب وآنچل کے مان ومحبت پر دل سے مقروض ہیں ہم اور تاابد اس مان کو سلامت رکھنے کی سعی جاری رکھیں گے۔ ضرور دیر سے ملا ہوگا۔ لیٹ ہوگا کہ حجاب تو اب بہت چاہنے والے بابا کی طرح ہماری ضدیں پوری کرنے لگا ہے بس ہمت مرداں مدد خدا کے مصداق دوبارہ سے ایک عزم صمیم لیے جگمگاتے نجم سے جذبے لئے بےلوث چاہتیں' محبتیں نچھاور کیے حسن خیال میں شرکت کے خواہاں ہوگئے اس شمارے میں حجاب بذات خود انمول تحریروں کے اثمار سے لدا ایک پُررونق دلکش باغ بنا ہوا تھا جہاں دیر تک ٹھہرنے کو دل مچل مچل جائے افسانوں کی فہرست میں سباس اور نزہت کے درمیاں حرا کا نام عجب فخر کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا (عجز کے ساتھ) عزیزی مدیرہ کی بات چیت پر ادب سے نشست برخاست کیے کان دھرے۔ تابع فرمان بچوں کی طرح ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ کر سینے کے بائیں جانب ارتعاش برپا نے سر اٹھایا کہ رب سوہنا ہمارے قلم ناتواں میں اتنی جرأت پیدا کردے کہ ہم بھی قادر مطلق اور اس کے محبوب کی مدح سرائی کرکے اپنے لفظوں کو تقدس کا لباس دے سکیں آمین۔ بہرحال وجد اور تحسین کی ثنا نے بھی روح کے جالوں سے کثافت دور کی۔ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ پر مبنی اوراق نے اجنبی اوراک کے پٹ جھٹ سے وا کیے حبیبہ کا خوشبو کے حوالے سے بیان سید حاذ من پر کتنی دیر تک معرکہ آرا رہا۔ پری وش میں ساحل نور کے تعارف نے توجہ کے نقطے کا دائرہ بنا ڈالا باقی بھی اچھے رہے۔ کنزہ نے تذکرہ ماں کا کرکے دکھتی رگوں کے تاروں کو بےدردی سے چھیڑ دیا۔ ام مریم کا ناول دیکھ خوشی ست گنی ہوئی۔ اب سمجھ آئی سجل (اسٹوڈنٹ) کیوں نیٹ سے ان کے ناول ڈاؤن لوڈ کرکے پڑھتی رہتی ہے۔ آفرین ام مریم

الوینہ کی یہ کہانی شدید اضطراب کا معمہ بنی رہی۔ خالہ کی بیماری زوار شاہ کا تحکم آمیز جبری رویہ آذر کی بیوی کی جاہلانہ انداز میں الزام تراشی۔ زمانے کے سرد و گرم مصائب آزمائش کی صورت اس نازنی ڈاکٹر پر اترتے رہے بس عفو کی مٹی کام آئی جان پدر باپ ملا تو زندگی صحیح نہج پر آ گئی۔ غم کے بادل چھٹے خوشی کی برکھا برسی۔ اریشہ کی تحریر پڑھتے ہی اسے بہترین کی سند بخش دی۔ میرل کے عمل پر حضرت علیؓ کا قول یاد آ گیا جو دوسروں کو تسلسل پریشان رکھتے ہیں پریشانی ان کے پاس سے بھی نہیں جاتی پھر دکھ کی آبیاری میں اس کا حصہ کیونکر نہ نکلتا۔ سہراب کے آشیاں میں ماروی کی آمد یا خدا اول دکھ سے تر ہوا جب مراد کے گھر والے راضی نہ تھے تو پیچھے ہٹ جانا ہی درست حکمت عملی تھی پردہ کہتے ہیں ناصیاں وہاں بھاری دام لگ گئے اور زیست شکست سے دوچار ہوئی۔ ”چاند میرے آنچل کا“ اچھی تھی پر بہت اچھا تاثر کہیں مبہم ہو کر کھو گیا جانے کیوں ”پیام عید کی“ نبیلہ جی کا پیام عید بالاصل عید کا تاباں پیغام تھا۔ گھریلو ماحول رشتوں کی نزاکت عید کی مہکتی رتیں احساسات و جذبات کی گرمی ہر ہر موڑ پر دلکشی و دلچسپی کا عالم بھرپور تھا۔ حرا کے ذکر پر لب بلاوجہ مسکراتے رہے ہر کردار اپنی جگہ فٹ پر عبدالصمد کا لاجواب رہا۔ فوبی اور عبدالصمد کی بحث اور سوالوں کے تابڑ توڑ جوابات پر محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نذیراں کی مشفقانہ فکر سورج کی شعاعوں کی مانند شفاف لگیں پس یہ تحریر قابل دید قابل غور اور قابل ذکر ہر درجے پر پوری اتری گرویدن۔ ”تیرے لوٹ آنے تک“ آغا ذری ذاویار تاباں کی گفتگو نے شروع میں ہی لطف در لطف کی صورت حال پیدا کر دی۔ آغا کا تورع کو اح کہنا بڑا ہی سوہنا لگتا ہے قطعیہ اور ارقام کی چپقلش پر افسوس ہوا۔ ذری کی پریشانی میں چھپے محرک کو جاننے کے لیے بے چین ہیں۔ تحریر سبک روی سے معیار کے مطابق آگے بڑھ رہی ہے۔ اقبال بانو کی دل مضطرب پر دل مضطرب نہ ہوتا یہ کیسے ممکن تھا؟ جب دو کشتیاں اپنے اپنے کناروں پر لگ گئیں تو پھر کیا راستے میں آنا۔ شیبا کا عید کارڈ محض ایک مصنوعی کسک کے ساحل پر رہا۔ عبدالہادی کے فیصلے سے متفق نہیں ہوں فطرت کا حقیقی رنگ بری طرح داری سے اس افسانے میں سمیٹ گیا۔ سباس کے افسانے پر نمکین سویوں کی اصطلاح پر حیران ارے یہ کیسی ڈش ہے؟ وہ تو تحریر پڑھی تو عقدہ کھلا نمک مرچ کے غلاف میں نصیحت کا عنصر پوشیدہ تھا۔ میٹھی عید کی لذت اور بڑھ گئی۔ مجاحرہ پر پیارے قارئیں کی رائے معتبر ہوگی۔ نزہت آپا کی تحریر عید پر ایک بھرپور عیدی۔ یہ حقیقت ہے کہ دکھ اذیت اور تکلیف کو چھپا کر مسکرانا بھی فن ہے۔ ہم متفق نزہت آپی کی بات سے سو فیصد داعب کا ٹیلی فون کال پر حقائق کے سامنے آنے پر داعب کا دور اندیشی کا مظاہرہ کرنا خوب بھایا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر مسائل کھڑے کر لینا اپنے ہی گھر کو برباد کرتا ہے۔ سیف جیسے لوگوں کا تو چوک پر منہ کالا کیا جائے بوجھ ہیں ایسے لوگ معاشرے پر بھاری بھرکم۔ آہ سحرش بھی جھلک دکھلائی ہوئی ہیں پُرمزاح رنگ لیے جیتی رہیے۔ زین اور فیض کے پیار کے نام جامہ ذیبی کی پُرلطف تصویر کشی کرتے رہے جان دو سکھیوں کے تکلم کے ساتھ اوپر سے کچ کا قصہ...... اف اول تو لڑکیوں کو اپنی قیمتی اشیاء کے حوالے سے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ دوسری بات زین کی جگہ کوئی بدقماش شخص ہوتا تو نقصان کا باعث تھا۔ ہزاروں خواہشیں سبق آموز تو چلو ہم بھی تیرے ساتھ چلے پیار کے منتر سے مزین تھی۔ غلط فہمی کے دیار سے چھٹکارا پا کر ابرش اور اذہان کا ملاپ قابل دید عید کا مزہ دوبالا کر گیا۔ قرۃ العین کی تحریر میں عجب عزیز رشتوں کی قربت اور جذبہ انسیت کی مہک رچی تھی جب تک زیر لب پڑھتے رہے دل ہی دل میں اس پیاری تحریر کی سرخ مرچوں سے نظر اتارتے رہے۔ طوبی ستارا کی نازک اندامیاں جھنجھلاتی دیورانی کی کلفتیں بعد از رنجشوں کے خاور کا طوبی اور موسیٰ کا ستارا کے سنگ ملاپ پُرکیف بہار کی نوید دے گیا اور وہ گلاب لگانے کی اجازت۔ قرۃ جی اب تو ایک ادھ گلاب میں بھی آپ کو دینے کا سوچ رہی ہوں کیا کہتی ہیں آپ؟ طوالت گراں تو نہیں گزر رہی بس تھوڑا اور برداشت کر لیں۔ حریم اور سمیہ کے افسانے سپرہٹ تھے عائشہ پرویز نے بھی مختصر مگر اچھی تحریر لکھی تبصرے تو خوب مزے کے کرتی ہو مزاح سے پُر کوئی کہانی بھی اگلی بار کے لیے رقم کر ڈالو اچھی تبصرہ نگار۔ بلا کی اس کے لہجے میں روانی ہے۔ نادیہ فاطمہ رضوی ”میرے خواب زندہ ہیں“ کی ہر قسط ارتکاز کے بحر میں ملفوف۔ فراز کا سونیا کو نہ اپنانے کا فیصلہ بالکل درست ہے۔ ماریہ کی کیفیت جیسکا اور ابرام کے لیے پہیلی کا رمز لیے ہے۔ جانے یہ سر شرجیل کے ساتھ مسئلہ کیا ہے زرتاشہ کا خون خشک کرتا رہتا ہے یہ شخص لالہ کی پریشانی بابا کے زمن میں کم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ نیلم اور باسل دونوں ہی اپنی جگہ بہت اچھے اداکار ہیں۔ آخر میں آتی فون کال کسی خطرے کی اطلاع دے رہی ہے نادی اور پیارا پیارا لکھے۔ ذکر ضرور اس (صدف) کا ہے جو لب مسکرا اٹھے ہیں۔ صدف تحریز ”دل کے دریچے“ کے حالات و واقعات کی منظر کشی کرتے ایسے آگے بڑھ رہی ہیں کہ قاری خود کو کہانی کا حصہ محسوس کر رہا ہے اور کرداروں کے براہ راست مکالموں سے اثر بھی لے رہا ہے آپ کے قلم کی نوک خوب تیز رفتار ہوئی ہے خیال رہے رکنے نہ پائے اب یہ۔ اس شمارے کے تبصرے حرا کی نظر میں سب ہی عمدہ تھے۔ کوثر خالد جی بس چندرہ منٹ؟ میرا چھوٹا سا دماغ تو کچھ اور کہتا ہے۔ ہومیو کارنر اتنا معیاری لکھنے پر محترمہ طلعت انعام کی حقدار ہے۔ سلسلوں کو تو حرا کی پہلی نظر بغور جانچتی ہے۔ کچن میں نزہت آپی شیر خورمہ نادیہ نازیل کا حلوہ نداو عائشہ سلیم سویاں طلعت زردہ کھیر حنا کیک سحرش طیبہ اور صوفیہ بریانی دستر خوان پر سجائی ہوئی تھیں۔ (حرا ڈٹ کے کھانے پر بھی موٹی نہ ہوئی (مسکراتے ہوئے کہا) ”جیسا میں نے دیکھا“ مختصر مگر مکمل لگی صدبرگ کی تو ساری شاعری اعلیٰ ہے۔ عید سروے میں سب قلم کاروں کے بارے میں جان کر بھی کو دعاؤں کا نذرانہ پیش کیا حرا قریشی کی کمی محسوس ہوئی۔ (قصور بھی اپنا ہی تھا الزام کس کو دیتے)

کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا میرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

عزیزی مدیرہ کے حوصلہ افزا اور خوب تر جوابات پر قلم مزید جوش میں آ جاتا ہے۔ طاہر قریشی محبت کے قبیلے سے ہیں؟ جناب کے لہجے سے عجز کی شیرینی ٹپکتی ہے سعیدہ نثار اور حنا مہر کی دل سے مشکور رب سوہنا محبتوں کو مزید ثبات بخشے اور قدم بقدم پر حجاب و آنچل سے وابستہ افراد کا حامی و ناصر ہوں آمین آپ کی ادنیٰ خاکسار دعاؤں کی طلبگار۔

☆ ڈیئر حرا! آپ اپنی طولانی اور جولانی کو یونہی رواں رکھیں آپ کا انداز بہت بھایا۔

نرمین نعیم سرھیو...... حیدر آباد ۔السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ حجاب (شمارہ جولائی 2016) ہاتھ لگا تو سب سے پہلے افسانے پڑھے الٹی گنتی سے کہ اکثر کام میں الٹے ہی کرتی ہوں (پچی پچی والے)۔ تو افسانوں کی طرف بڑھتے ہوئے عرض کرتی ہوں سب سے پہلے عائشہ پرویز کی پڑھی اچھی لگی ہلکی پھلکی، سچ ہے ہمیں رشتوں کی ضرورت ہوتی ہے آسائشوں میں تو اکثر دل افسردہ ملتے ہیں۔ سمیہ عثمان کی تحریر بہت اچھی لگی، خاص کر یہ بات کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے حق پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتی کہ کل کو ان کے بچوں کے ساتھ بھی یہ سب ہو سکتا ہے۔ حریم الیاس کے لفظوں نے دل موہ لیا، بات بہت لاجواب تھی ان کی تحریر میں میری امی بھی یہی کہتی ہیں کہ مزدوری تو کرتے ہو لیکن اجرت چھوڑ دیتے ہو تم لوگ (میرے بہن بھائی مجھ سمیت)۔ قرۃ العین حیدر کی مزاحیہ تحریر بہت مزیدار رہی بواجی کے کردار کو بہت اچھے سے بیان کیا گیا اور آج کل تو بواجی جیسا کردار ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ حناء اشرف کی کہانی میں اذہان کا کردار اچھا لگا کہ دیر آید درست آید، بلا خر اسے پتا چل گیا کہ اتنی بے تکلفی لڑکیوں سے اچھی نہیں ہوتی بیویوں کو خواہ مخواہ جلاپا ہو جاتا ہے (ہاہاہا)۔ پریزے کا شکی ہونا بنتا ہی تھا لیکن جلد بازی بھی اچھی نہیں تھی۔ وہیں رہتی رمشاء کا دل جلاتی نا...... عرشیہ ہاشمی کے

یہ الفاظ بہت اچھے لگے کہ مائیں سوبر اور ڈیسنٹ ہی اچھی لگتی ہیں (جیسے میری امی)۔ سحرش فاطمہ کی کہانی پڑھ کر مزہ آیا آخر میں یہ سوچ ذہن میں آئی کہ چلو یہ تو ہپی اینڈ تھا لیکن اگر کوئی غلط طریقے سے بے وقوف بناتا تو...... لڑکیوں کو محتاط رہنا چاہیے (میرے خیال میں ایک ہیڈن پوائنٹ تھا یہ کہانی میں)۔ نزہت جبین ضیاء کی تحریر بہترین اور دلچسپ لگی۔ میری بھی یہی سوچ ہے کہ لڑکیوں کو جب تک شادی نہ ہوجائے جذبوں کے معاملے میں احتیاط کرنی چاہیے، بھلے سے منگیتر ہو لیکن نکاح ہی اصل جائز رشتہ ہے۔ ''مجاحرہ'' منفرد کہانی تو جب کبھی میں نصیحت کی کوشش کروں ردا کی طرح ہی مجھے ایسی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے حوصلہ کم پڑ جاتا ہے۔ مجاحرہ ایک منفرد بات تھی جس سے تحریر پڑھنے سے قبل میں آشنا نہ تھی۔ خاص کر اوسور گولیشن سمجھانے کے لیے بے حد شکریہ یہ چیز ہمیشہ میرے سر کے اوپر سے گزر جاتی تھی۔ اللہ اللہ کر کے دماغ میں سمائی ہے واقعی دکھ ہوتا ہے جب آپ کی کوئی تحریر رد ہوجائے محنت ضائع ہوجائے اور سب سے بڑا دھچکا جب یہ کہا جائے کہ شاید رد و بدل کے بعد تحریر قابل قبول ہو (دل پر بھاری بوجھ آدھرتا ہے حقیقتاً) سباس گل کی تحریر اچھی لگی، زندگی میں ایک عید ایسی ہوتی ہے جس میں آپ کو بے انتہا خوشیاں ملتی ہیں (ذاتی تجربہ رہا ہے) اور میٹھے کے ساتھ نمکین بھی ضروری ہے ویسے سوچتی ہوں نمکین سوئیاں کیسی ہوں گی سباس آپی آپ نے کھائی ہیں؟ اقبال بانو کی تحریر میں حقیقت بڑی نمایاں تھی لیکن سوچتی ہوں آج بھی اتنی جذباتیت موجود ہے اس دنیا میں کہ ماں کا جرم ہی معاف نہ ہوسکے اور کیا کوئی عبدالہادی کو یہ نہ سمجھا پایا کہ یہ جو آشیانہ اب بنا تھا کیا ایسا ہی ہوتا وہ آشیانہ جو وہ شیبا کے ساتھ بناتا؟ خدا کو منظور نہ تھا ممکن تھا محبت ختم ہوجاتی یا کچھ اور ہوجاتا۔ اب آتے ہیں ناولز کی طرف تو نبیلہ نازش کا ناول زبردست رہا بڑا مزا آیا سوچ اچھی تھی، جذبوں کی عکاسی خوب تر تھی اینڈ لاجواب تھا (ہاہاہا) اچھی بات ہے لڑکیوں کو نکاح سے پہلے محبت کے چکر میں (چاہے ہونے والے شوہر سے) نہیں پڑنا چاہیے۔ کبھی کبھی لیکن سوچتی ہوں بولنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فرح دیبا کی تحریر تو اتفاقات سے پر رہی ویسے نئی بات یہ کہ کسی لڑکی کا نکاح ایسے بھی ہوسکتا ہے محو حیرت ہوں ویسے ہم جیسی (پاکستانی مشرقی لڑکیاں) تو واقعی گونگی ہوجائیں اس صورت حال میں۔ ویسے فرقان پہ حیرت ہے نکاح کو بھولا جاسکتا ہے؟ ایسا لگا جیسے ہیرو فرشتہ صفت ہو معذرت کے ساتھ بات تھوڑی ان نیچرل لگی۔ اریشہ غزل کے ناول میں دیہاتی پن کو واضح بیان کیا گیا لیکن آخر میں جو ہوا بہت برا ہوا مجھے تو مراد شروع سے ہی اچھا نہیں لگ رہا تھا جیسے آخر میں ماروی کو چھوڑ دے گا اور میرل کی دیوانگی نے تو حد ہی کردی اس کی اماں کو چاہیے تھا دو لگا کر رکھتی۔ ماروی نے بھی غلطی کردی۔ بحرحال تحریر اچھی رہی آخر میں ام مریم کے ناول نے مزہ دوبالا کردیا خاصا پیارا اور اچھا ناول تھا باقی سب سلسلے بھی خوب سے خوب تر رہے۔

صباء نسیم...... فیصل آباد۔ یہ میرا پہلا تبصرہ ہے کسی بھی ڈائجسٹ میں۔ حجاب نے اس بار بہت پریشان کیا ہر جگہ ڈھونڈا جہاں ملنے کی امید تھی مگر نہیں اس کو ملنا تھا نہ ہی ملا تائم سے پہلے اور آخرکار جس دن ملا تو سب سے پہلے ''تیرے لوٹ آنے تک'' کو پڑھا یہ سوچتے ہوئے کہ آخری قسط ہوگی مگر نہیں شاید سلمیٰ فہیم ہم پڑھنے والوں کو تڑپا تڑپا کے اختتام پڑھنے کو دیں گی۔ اس بار کی قسط کچھ خاص نہیں تھی جس الجھن کو کھولنے میں دو صفحے یا چلو تین کافی ہوسکتے تھے اس کو پوری قسط پر قربان کردیا۔ چلیں اب اینڈ اچھا کیجیے گا کیوں کہ تو رع تو لگتا ہے کچھ اور ہی سوچ کے بیٹھے ہیں۔ پھر پڑھا ''کچھ اور ہے چاہے ساجن میں'' ام مریم کا مکمل ناول یہ مجھے پہلے پڑھا ہوا ناول سے ملتا جلتا لگا۔ کہانی نئی نہیں لگی ام مریم کا ناول کا انتظار ہو اور جب ایسی کہانی ملے پڑھنے کو تو نہ پوچھیں کیا حالت ہوتی ہے۔ ''دل مضطرب'' اقبال بانو کا افسانہ اچھا تھا اس میں ہمارے معاشرے کے ہی پہلو کو دکھایا گیا ہے۔ وہ ماں باپ جو اپنے بچوں کو زندگی کی ہر سہولت دیتے ہیں پر زندگی کے اہم معاملے میں ان کی رائے نہیں پوچھتے جبکہ اسلام میں بھی اس کا حکم ہے اور وہ بچے جو دیکھتے ہیں کہ ان کے ماں باپ نے ان کی خوشی کے لیے زندگی میں کیا کیا، ماں باپ کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرسکتے اسے اتنی بڑی سزا کون دیتا ہے ماں باپ کو صرف ایک محبت کے لیے اف...... عریشہ غزل کے ناول میں محبت کی سفا کی کو بہت اچھی طرح دکھایا گیا۔ ''میٹھی عید اور نمکین سویاں'' اچھا لگا۔ ''مجاحرہ'' سب سے اچھا لگا بیسٹ۔ مجاحرہ کو جیسے وضاحت دی بہت اچھا۔ نزہت جبین کا افسانہ بھی اچھا لگا لڑکیوں کی غلطی نہ بھی ہو پھر بھی انہیں ہی الزام دیا جاتا ہے۔ ساری بات یقین اور بھروسے کی ہوتی ہے لیکن اچھی تحریر تھی۔ ''چاند میرے آنچل کا'' کچھ خاص نہیں لگا۔ ''تیرے سنگ چاند رات'' اچھا تھا۔ ''چلو ہم تیرے ساتھ چلیں'' شک انسان کو کہاں لے جاتا ہے اور نا کیسے رشتے توڑ دیتی ہے اچھا دکھایا آپ نے حنا۔ اللہ حافظ۔

سمھان آفندی...... چکوال۔ السلام علیکم! کیسے ہیں سب پڑھنے والے امید ہے ٹھیک ہوں گے اور اپنی زندگی کو اپنے انداز سے جی رہے ہوں گے۔ حجاب عید اس مرتبہ چاند رات کو ملا تھوڑا اسالیٹ ہوا اس مرتبہ۔ ٹائٹل عید کی مناسبت سے اچھا تھا فہرست میں تو سب اسٹار لکھے تھے اس بار جونیئر اور سینئر بھی مزا آ گیا جی۔ ابتدائی سلسلوں سے مستفید ہو کے عید سروے پڑھا سب کے جواب مزے کے تھے مگر دل پر راج ندا اور سباس آپی کے جواب نے کیا۔ ''کچھ اور ہے چاہے ساجن میں'' ناول مریم آپی کا اور مزے کا نہ ہونا ممکن ہے صاحب فوراً سے پہلے وہ پڑھا اس ناول کا ٹاپک بہت اچھا لگا۔ زوار شاہ بہت اچھا لگا مجھے عید کا یہ گفٹ بہت اچھا لگا مریم آپی۔ آپ نے تو زبردست انٹری ماری اب آتی رہیے گا ڈھیروں دعائیں آپ کے لیے۔ افسانے تمام عید کے حوالے سے تھے سو سب اچھے لگے مگر ٹاپ پر ''مجاحرہ'' اور سحرش آپی کا ناول رہا۔ ناولٹ ''تیرے لوٹ آنے تک'' بھی لگتا ہے سب لوٹ آئے ہیں دوریاں مٹ سی گئی ہیں رشتوں میں۔ بس اب جلدی سے ان کی شادی کی بھی خبر چاہیے ہمیں آغا مینا اور زادیار کی بطعینہ اور ارقام کی اور ہمارے آغا جی اور کرنا نانی چڑیل کی (ہاہاہا)۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' نجانے کس کے خواب زندہ ہیں لالہ رخ کے خواب یا پھر سونیا کے خواب فراز کو لے کر؟ مگر نادیہ آپی سونیا اور نیلم کو باسل اور فراز سے دور رکھیے گا ورنہ مجھ پر ان دونوں کے قتل کا الزام آ جائے گا ہاہاہا۔ ''دل کے دریچے'' معذرت ابھی پڑھا نہیں۔ باقی کے تمام سلسلے بھی سپر تھے بیسٹ آف لک اور شکریہ حجاب مریم آپی کا ناول شامل کرنے کے لیے۔ آپ سب کو اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے اللہ حافظ۔

☆اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ وطن پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رکھے آمین۔

ہم تو مٹ جائیں گے اے ارض وطن لیکن تم کو
زندہ رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

دودھ کی خرابیاں

بعض اوقات ناقص وخراب غذاؤں کے استعمال سے یا سینے کی اپنی ناقص کارکردگی یا کسی بیماری کے سبب دودھ کے اخراج میں بھی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ترش ونمکین چیزوں کے استعمال یا تیز بو والی خوراک مثلاً لہسن، ہینگ کباب، چینی کے استعمال سے بھی دودھ میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ جو مختلف صورتوں میں رونما ہوکر دودھ کو پرورش کی قابلیت سے محروم کردیتی ہے اور بچہ دست اور بدہضمی کا شکار ہوجاتا ہے۔

دودھ میں نشوونما کی ہوجانے سے بچہ تکلیف اٹھاتا ہے کیونکہ بچے کو اس دودھ میں پوری غذائیت نہیں ملتی نتیجتاً بچہ کمزوری کا شکار ہوجاتا ہے۔

دودھ کی کمی

بعض اوقات غذاؤں کی کمی، اچھی غذاؤں کے میسر نہ آنے، رنج وغم، تفکرات وترددات میں زیادہ مبتلا رہنے یا حیض ونفاس میں جسم سے غیر معمولی طور پر زیادہ مقدار میں خون کے جسم سے نکل جانے یا مزاج کی خرابیوں سے جسم میں خون کی مقدار طبعی حالت سے کم ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے دودھ کی پیدائش میں بین طور پر کمی واقع ہوجاتی ہے اس لیے کہ دودھ کی پیدائش کا دارومدار اچھی صحت پر ہوتا ہے اور اچھے خون کی پیدائش پر اس کے علاوہ بعض اوقات خون کے مزاج کی خرابی اور اس میں سودا یا صفرا کے اختلاط کی وجہ سے رونما ہونے والی خرابیاں بھی دودھ کی کمی کا باعث بن جاتی ہیں۔

علامات

خون کی کمی کی صورت میں جو حالات ضعف ونقاہت چہرہ کی زردی وسفیدی، جسم کی خشکی، بے رونقی وغیرہ کی صورتوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔

اسی طرح خون کے فساد اور اس کی خرابیوں کے سلسلہ میں جسم میں گرمی، جلن، خارش، پھنسیاں، داغ، دھبے وغیرہ جیسے عوارضات رونما ہوتے ہیں وہ بھی ظاہر ہیں جب ماں میں بچہ کی نشوونما کے لیے دودھ کی کافی مقدار نہیں ہوتی تو اس کی حالت کو ہومیو پیتھک ادویات ٹھیک کردیتی ہے جس سے دودھ کی مقدار قدرتی ہوجاتی ہے۔ مصنوعی یا نشیلی ادویات سے دودھ کو بڑھانا ماں اور بچہ دونوں کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے علاج بالمثل ماں کے نظام کو بھی ٹھیک کردیتا ہے اور دودھ کی اصلاح بھی کرتا ہے۔

دودھ میں کمی کے لیے مندرجہ ذیل ادویات مفید ہوتی ہیں۔

الونائیٹ:۔ چھاتیوں میں اجتماع خون جلندار، گرمی، سخت اور تناؤ، دودھ کی کمی کے ساتھ پریشانی اور بے چینی۔

بیلاڈونا:۔ چھاتیاں بھاری معلوم ہوں، دردسر آنکھوں میں سرخی، مریضہ اچھی طرح سونا پائے۔

کالٹیکم:۔ جہاں بینائی جاتے رہنے کا خدشہ ہو، کانوں میں شوروغل، پریشانی اور غم گینی، مریضہ عموماً راتوں کو جاگنے یا تفکرات کی عادی ہو۔

کیمومیلا:۔ چھاتیاں سخت، چھونے سے حساس اور ان میں کھنچنے والے درد ہوں، مریضہ لڑتی جھگڑتی ہو۔

چائنا:۔ جہاں رطوبات زندگی خصوصاً خون، دست یا سیلان الرحم وغیرہ کے ضائع ہوجانے سے کمزوری ہو، کندھوں کے درمیان شدید درد۔

ڈلکا مارا:۔ خصوصاً جب ٹھنڈی مرطوب ہوا کے لگنے سے دودھ کی تراوش رک گئی ہو۔ دودھ مقدار میں کم، جلد ٹھنڈک سے ذکی الحس اور ٹھنڈ لگ جانے سے جلد پر دانے پڑجائیں۔

فاسفورک ایسڈ:۔ دودھ مقدار میں کم، کمزوری اور دماغی طور پر لاپروائی۔

اگر دودھ مقدار میں زیادہ ہو لیکن اس کے باوجود بھی

بچہ کی نشوونما نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ ماں میں ہو یا بچہ میں۔ ایسی حالت میں ماں کو ملکریا' چائنا' سنا مرکیورس یا سلفر دینی چاہیے یا بچہ کو کمکریا' سلیسیا' برائٹا کارب' بورکس یا دیگر ادویہ دینی چاہیے۔

دودھ کی زیادتی

بعض اوقات دودھ و خون بڑھانے والی غذاؤں' دواؤں کے زیادہ استعمال کرنے سے دودھ کی زیادتی ہو جاتی ہے اس کی کچھ اور بھی وجوہات ہیں جو ماں کے نظام میں ابتری کا باعث بنتے ہیں مثلاً بچے کو کسی مصلحت و مجبوری کی وجہ سے دودھ نہ پلانا۔

پستانوں کے مزاج میں گرمی و تری کے غلبہ اور اس کی قوتوں بالخصوص قوتِ جاذبہ اور دودھ بنانے والی قوت کے قوی ہونے یا نازک مزاجی کی حالت میں بچے کو معمول سے زیادہ پیار کرنے کے سبب پستانوں میں دودھ کی مقدار معمول سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بھی دودھ کے زیادہ ہونے اور دباؤ کی وجہ سے پستان کی قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے اچھے دودھ کی پیدائش بند ہو جاتی ہے اور ناقص دودھ کے پیدا ہونے کے سبب سے بچے کی پرورش میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ دودھ کے زیادہ بہتے رہنے اور اس کی پیدائش کے سلسلہ برابر جاری رہنے کے نتیجہ میں مریضہ پر ضعف و نقاہت کے آثار غالب ہو جاتے ہیں۔

بہتر یہی ہے کہ ایسی حالت کی روک تھام کی طرف توجہ مرکوز کرنی چاہیے کیونکہ دودھ کی زیادتی کے ہوتے ہوئے اکثر یہ ہوتا ہے کہ دودھ کی مقدار گو بڑھی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس میں غذائیت کی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے بچہ عموماً بیمار رہتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ ضروری ہے کہ اس ابتری کو دور کیا جائے مندرجہ ذیل ادویہ اس ابتری کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔

ایتھوزا: ۔ بچہ دودھ کافی مقدار میں پیئے یہاں تک کہ قے کر کے تھک جائے لیکن جوں ہی طاقت آتی ہے پھر دودھ پیئے' بچے کی اجابت قبض کی ہو یا بہت ڈھیلی۔ والدہ کی صحت ٹھیک نہیں' نفاس' بہت پتلا اور پانی کا سا منہ کا ذائقہ کڑوا' دودھ موافق نہیں آتا' شکم پھولا ہوا ایسی حالت میں ایتھوزا ماں اور بچہ دونوں کو دینا چاہیے۔

بورکس: ۔ دودھ بہت گاڑھا اور بدمزہ' کھنچنے کے بعد فوراً دہی کی طرح پھٹکیاں بن جائے' صبح کے وقت متلی۔

کالی بائی کرام: ۔ دودھ جب چھاتیوں سے بہے تو ایسا دکھائی دے جیسے تاروں اور پانی کا بنا ہوا ہو۔

لیکسیس: ۔ دودھ پتلا اور نیلگوں جس کو بچہ پینے سے انکار کر دے۔ مریضہ صبح اٹھنے پر غمگین اور تمام دن مایوسی اور ناخوشی کی کیفیت میں گزارتی ہے یہ سب تکالیف کسی لمبی دماغی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔

نکس وامیکا: ۔ یہ دوا ان خواتین کے لیے ہے جو عادتاً چٹ پٹی مصالحہ دار مرغن غذائیں اور شراب وغیرہ کی عادی ہوں یا جن میں غذا کی غلطی کی وجہ سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہوں قبض اور نفاس کی حالت میں ابتری۔

ریوم: ۔ کھٹی بو والے دست' درد شکم کے ساتھ دوران اجابت کپکپی' دودھ اسی قسم کی دست بچے میں پیدا کرے۔ دودھ پینے کے فوراً بعد ہی بچہ کو لوز موشن ہو جائیں جس سے کھٹی بو آئے۔

سیلسیا: ۔ بچہ چھاتی کو منہ نہ لگائے یا دودھ پینے کے فوراً بعد قے کر دے' پہلے چھاتی کو منہ لگانے سے انکار کر دے پھر دودھ پینا شروع کرے۔ جس کے بعد قے ہو' بچے کی نشوونما غیر ترقی یافتہ' ماں کی صحت خراب۔

اس کے علاوہ رسٹاکس' پیپیا' پلساٹیلا' مرکیورس' کروٹن ٹگ' سنا' کاربوانیمل ملس' علامات کے مطابق دیئے جاسکتے ہیں۔

دعا فاطمہ

چھوٹی سے بڑی اسکرین

اداکارہ عتیقہ اوڈھو بہت جلد بڑی اسکرین پر ایک منفرد کردار میں جلوہ گر ہوں گی۔ عتیقہ اوڈھو نے ٹی وی ڈراموں کے ساتھ اب فلموں میں بھی دلچسپی لینا شروع کردی ہے اور انہیں کراچی میں بننے والی ایک میگا پروجیکٹ کی فلم میں کاسٹ کرلیا گیا ہے۔ تاہم ابھی تک اس فلم کی تفصیلات سامنے نہیں آئی ہیں۔

انوکھا تجربہ

اداکارہ صبا قمر نے کہا ہے کہ آج میں کامیابی کے جس مقام پر ہوں اس میں میری مسلسل محنت کا راز چھپا ہے، جب میں نے شوبز سرگرمیوں کا آغاز کیا تو ابتداء میں مجھے چھوٹے چھوٹے رول ملنا شروع ہوئے، پہلے ڈرامے میں تین دن کی ریکارڈنگ کرنے کے بعد مجھے ایک ہزار روپے کا معاوضہ ملا جس کے بعد میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور مسلسل محنت پر فوکس کرکے معاشرے میں اپنے لیے عزت اور مقام پیدا کیا۔ میں نے کبھی کسی کے لئے برا نہیں سوچا، میں ان کو بھی آج عزت دیتی ہوں جنہوں نے مجھ سے برا سلوک کیا۔ بھارتی فلم میں کام کرنے کا تجربہ بہت اچھا رہا ہے۔ بھارت میں کام کرتے ہوئے میں نے بہت کچھ سیکھا اور وہاں کی ایک بات دل کو لگی کہ ان کے ہاں سینئر اداکاروں کی عزت اور جونیئرز کی رہنمائی کی جاتی ہے۔

سات سات سو کروڑ ڈالر کا

فلم بینوں کی اکثریت نے بھارتی فلم "سلطان" کے مقابلے میں پاکستانی اردو فلم "سوال 700 کروڑ ڈالر کا" کو زیادہ بہتر قرار دے دیا۔ فلم میں اداکار غلام محی الدین کے بیٹے علی محی الدین کی پرفارمنس کو بے حد پسند کیا جارہا ہے۔ (اچھا......) علی محی الدین کے ہمراہ جاوید شیخ اور غلام محی الدین کی موجودگی نے علی محی الدین کے اعتماد میں اضافہ کیا ہے۔ "سوال 7 سو کروڑ ڈالر کا" کی کامیابی سے پاکستانی فلموں کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ فلم کے ہدایت کار جمشید جان محمد کی صلاحیتوں کا بھی اعتراف کیا جارہا ہے۔

مریم مختار

ٹی وی فنکارہ و اینکر صنم بلوچ کو اداکار، ہدایتکار سرمد کھوسٹ نے پاک فضائیہ کی پہلی خاتون پائلٹ شہید مریم مختار پر بننے والی فلم میں مرکزی کردار کے لیے کاسٹ کرلیا ہے۔ مذکورہ فلم مریم مختار کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے بنائی جارہی ہے۔ فلم کی شوٹنگ جلد شروع ہوگی۔ مریم مختار 2015ء میں تربیتی پرواز کے دوران طیارہ

کرنے سے شہید ہوگئی تھیں۔

پاکستانی فلم

اداکار فواد خان کی پہلی پاکستانی فلم کی شوٹنگ رواں برس کے آخر میں شروع ہوگی۔ ایک انٹرویو میں فواد خان کا کہنا تھا کہ میں بالی وڈ کے ساتھ لالی وڈ فلموں میں بھی اداکاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ (لیکن صرف ارادہ) میں نے دو پاکستانی فلمیں سائن کی ہیں جن میں سے ایک فلم کی شوٹنگ آئندہ چند ماہ میں شروع ہوجائے گی جبکہ دوسری فلم کی شوٹنگ اگلے برس ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ مجھے اپنے وطن سے عزت اور شہرت ملی ہے۔ میں پاکستانی فلمی صنعت کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا اعزاز سمجھتا ہوں۔ مجھے ایک عرصے سے ملکی فلموں کی پیشکش ہورہی تھی تاہم میں بالی وڈ پراجیکٹس میں مصروف تھا، اس لیے فلمیں سائن نہیں کیں۔

فضا علی اور گلوکاری

اداکارہ فضاء علی نے کہا ہے کہ میں نے گلوکاری اور رقص کی خصوصی تربیت بنگلہ دیش سے حاصل کی تھی، گھریلو ماحول میں گلوکاری کرکے اپنے شوق کو پورا کرلیتی ہوں۔ (ہماری سماعت پر رحم کرنے کا شکریہ) ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ میرا تعلق کراچی سے ہے مگر شادی ہونے کے بعد لاہور منتقل ہوگئی۔ یہ بات سو فیصد درست ہے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ (یعنی آپ اپنی شادی کے بعد پیدا ہوئیں) لاہور میں مجھے بڑے اچھے دوست ملے اور مجھے جس قدر محبت اہل لاہور کی طرف سے ملی اس کا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

بلائنڈ لو

فلمساز چوہدری اعجاز کامران نے اپنی نئی اردو فلم "بلائنڈ لو" کی نمائش کی تیاری مکمل کرلی۔ انہوں نے بتایا کہ فلم کے ہدایت کار و کیمرہ مین فیصل بخاری نے فلم پر بہت محنت کی ہے۔ فلم میں اداکار مصطفیٰ قریشی کے صاحبزادے عامر قریشی پہلی مرتبہ ایک اہم کردار میں جلوہ گر ہورہے ہیں جبکہ دیگر فنکاروں میں متعدد نئے اور پرانے فنکاروں کو کاسٹ کیا گیا ہے۔ فلم کی تشہیری مہم کا آغاز کردیا گیا ہے۔

ہامون جادوگر (عینک والا جن)

پی ٹی وی لاہور سے چلنے والے بچوں کی ڈرامہ سیریل "عینک والا جن" نے میرے کردار ہامون جادوگر کے کردار کو ہمیشہ کے لئے امر کردیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ریڈیو پاکستان لاہور ایف ایم 93 کے پروگرام "لاہور لاہور اے" میں ہامون جادوگر (حسیب پاشا) نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹی وی کے بعد الحمراء ہال لاہور سے میرا یہی کردار برسوں سے بچوں، بڑوں کو تفریح فراہم کررہا ہے۔ مجھے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہامون جادوگر نے بے انتہا شہرت اور عوام کا پیار دیا ہے۔ اس پروگرام کی پروڈیوسر نائلہ سید تھیں۔

شادی...... میزبانی

ٹی وی فنکارہ سعدیہ امام اداکاری کے بعد میزبانی کے میدان میں بھی کامیاب (خوش فہمی) شادی سے قبل وہ جس ڈرامے میں بھی وارد ہوتیں خواتین کو رلائے بغیر نہیں رہتی تھیں (فطرت سے مجبور) لیکن شادی کے بعد جرمنی اور پھر واپسی پر انہوں نے اداکاری کے بجائے میزبان بننے کو ترجیح دی۔ (شادی کے بعد میزبکا کام بچا تھا وہ ٹی وی پر پورا کررہی ہیں) اس بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس تبدیلی نے ان کی زندگی میں مسکراہٹیں بکھیر دی ہیں (یعنی شادی نہ ہونے کا رونا تھا) اور وہ اب پہلے کی نسبت زیادہ تروتوانا محسوس کررہی ہیں۔

مہوش حیات...... آئٹم نمبر

اداکارہ وماڈل مہوش حیات نے کہا ہے کہ مجھے ہمیشہ سے ہی چیلنجنگ کردار پسند ہیں۔ جب ایک آئٹم نمبر ملا تو اس کو اپنی صلاحیتوں سے سجانے سنوارنے کے لئے بہت محنت کی۔ اسی طرح ایکٹنگ کے شعبے میں بھی اپنے کرداروں میں حقیقت کا رنگ بھر کر ہی سکون محسوس کرتی ہوں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ جب کوئی فنکار کامیاب ہوتا ہے تو اس کو فلم اور ڈراموں کے مرکزی کرداروں کی آفرز کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں (واقعی......؟) جو تعداد بڑھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں تو صرف اچھا کام کرنا چاہتی ہوں چاہے وہ رول چھوٹا ہو یا بڑا۔ میرے نزدیک جب کوئی فنکار اچھا کام کرتا ہے تو اس کی داد اسے ضرور ملتی ہے، جو کسی بھی ایوارڈ اور اعزاز سے بڑی ہوتی ہے۔

سینئر اداکار شبیر جان

سینئر اداکار شبیر جان نے کہا ہے کہ اداکاری اصل میں اپنی ذات کی نفی ہوتی ہے اور جو اداکار اپنی ذات کے برعکس حقیقت کے قریب ہوکر کردار نبھاتا ہے وہی اصل فنکار ہے۔ اداکاری کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نئے آنے والوں کے لیے یہی سبق ہے کہ جو کام بھی کرنا ہے وہ نیک نیتی اور لگن سے کیا جائے اور پھر اس کے نتائج اللہ پر چھوڑ دیئے جائیں اور وہ کبھی مایوس نہیں کرتا۔

اسٹیج ڈرامے

معیاری اور بامقصد کہانیوں پر مبنی اسٹیج ڈرامے بنانے کی ضرورت ہے۔ ان خیالات کا اظہار تھیٹر کے سینئر اداکاروں مسعود اختر، علی اعجاز اور قوی خان نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے ڈرامے دکھائے جائیں جن کی کہانیوں، کرداروں میں کوئی مثبت پیغام ہو، تھیٹر اوٹ پٹانگ حرکات کا نام نہیں۔ (بالکل) ہمیں نئی نسل کو اپنی ثقافت سے روشناس کرانے اور شائقین کو تھیٹر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بامقصد ڈراموں کو فروغ دینا ہوگا۔

ہدایتکارہ سنگیتا

ہدایتکارہ سنگیتا نے کہا ہے کہ خواہش ہے کہ فلم انڈسٹری دوبارہ ماضی کی طرح ترقی کرے۔ (اب تو تھوڑی بہت بہتر ہوئی ہے آپ کا اشارہ کون سے ماضی کی طرف ہے) موجودہ حالات میں غیر ملکی فلموں کی نمائش روکنا بہت ضروری ہے۔ عیدالفطر پر واحد میگا فلم "سوال 7 سو کروڑ ڈالر کا" کے مقابلے میں بھارتی فلم "سلطان" کی نمائش سے مقامی فلمسازوں اور نئے سرمایہ کاروں میں مایوسی بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری اردو فلم "تمہی تو ہو" کی نمائش جلد ہوگی۔

اداکارہ صائمہ

اداکارہ صائمہ نے کہا ہے کہ ماضی کی نسبت اس سال میں ہمسایہ ملک کے مقابلے میں پاکستانی فلموں کا زیادہ تعداد میں پیش ہونا خوش آئند ہے۔ فلم بینوں کو اپنی فلم کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ فلمسازی کے رجحان کو فروغ دیا جاسکے۔ 2016ء پاکستانی فلم انڈسٹری کے لئے بہترین سال ثابت ہورہا ہے۔ پاکستانی فلموں کی کامیابی کے لیے سینما مالکان اور فلم بینوں کو اپنی فلموں کو ترجیح دینی چاہیے۔

گلوکارہ شازیہ خشک

گلوکارہ شازیہ خشک نے کہا ہے کہ میں گائیکی کے حوالے سے اپنے گلے کا بڑا خیال رکھتی ہوں اور روزانہ ریاضت کے ساتھ ٹھنڈے پانی، نمک اور مرچوں سے پرہیز کرتی ہوں۔ میرے اور میرے شوہر کے درمیان نوک جھوک چلتی رہتی ہے کیونکہ بنیادی طور پر وہ پروفیسر ہیں اور ان کو فن کا شوق بھی ہے، وہ اچھی شعروشاعری کا شوق بھی رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے کبھی کبھار میری ان سے نوک جھوک ہوجاتی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں شازیہ نے کہا کہ آنے والے وقت میں میوزک کا مستقبل روشن دیکھ رہی ہوں۔

اداکارو پروڈیوسر

اداکارو پروڈیوسر ہمایوں سعید نے کہا کہ فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے ہم سب کو اتفاق سے کام کرنا ہوگا اور کراچی سے تعلق رکھنے والے پروڈیوسر فلموں میں بھرپور سرمایہ کاری کررہے ہیں۔ اپنے ایک انٹرویو میں ہمایوں سعید نے کہا کہ فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے ہماری جدوجہد رنگ لے آئی ہے۔ ہم نے اس وقت فلم میں سرمایہ کاری کی جب پروفیشنل فلمساز رسک لینے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ یہ ہمارے لیے ایک چیلنج تھا کیونکہ فلم انڈسٹری کو دوبارہ اپنے مقام تک لانا کسی فرد واحد کا کام نہیں، اس لیے ہم سب کو باہمی اتفاق اور ایمانداری سے کام کرنا ہوگا۔

اداکار ایوب کھوسو

اداکار ایوب کھوسو نے کہا ہے کہ اب ہماری فلموں کا معیار پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ آئٹم سانگز فلموں کی کامیابی کی ضمانت نہیں ہیں۔ بھارت سے مقابلے کے لیے معیاری فلمیں بنانا ہوں گی اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ملکی فلموں کو ترجیح دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت بیشتر فلمیں مکمل ہیں لیکن سینما والے اپنی ملکی فلموں کو چھوڑ کر بھارتی فلموں کو ترجیح دے رہے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے کہ سینما والے اپنی ملکی فلموں کو چھوڑ کر پیسہ کمانے کی خاطر بالی وڈ کو اہمیت نہ دیں۔ (ناقدری عالم کا صلہ بھی تو ہے)

گلوکارہ حدیقہ کیانی

معروف گلوکارہ حدیقہ کیانی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ انہیں میوزک کے علاوہ امور خانہ داری نبھانا اچھا لگتا ہے، میں گھریلو کام کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتی ہوں جبکہ میوزک میرا جنون ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے گلوکارہ عابدہ پروین اور نصرت فتح علی خان بہت پسند ہیں، میں اکثر ان کے گانے گنگناتی ہوں۔

عشق پازیٹیو

ہم فلمز' کے ایس ایل اور ایوریڈی پکچرز کی جانب فلم "عشق پازیٹو" کی خصوصی پریس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں حاضرین کو نئی پاکستانی رومانٹک کامیڈی فلم کے 4 ویڈیو گانوں اور میوزک لائن اپ کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ اس فلم کے نمایاں ستاروں میں نور بخاری حامد

علی خان' بھارتی اداکار سونو سود' فاریہ بخاری اور دردانہ بٹ شامل ہیں۔ فلم کی ہدایتکاری نور بخاری کی ہے جبکہ تحریر سورج بابا اور پیش کش شازیہ محمود حسین اور کاشف لطیف کی ہے۔ یہ فلم 22 جولائی کو سینما گھروں کی زینت بنے گی۔ پریس کانفرنس میں فلم کے نمایاں ستاروں نے حاضرین کو فلم سے متعلق اپنے تجربات سے آگاہ کیا۔ فلم کے ہدایت کار اور مرکزی کردار نور بخاری نے فلم سے وابستہ معروف گلوکاروں کی تفصیلات بتائیں۔ اس موقع پر ہم نیٹ ورک کی صدر سلطانہ صدیقی نے کہا کہ ہم نیٹ ورک کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ نئے ٹیلنٹ کو سپورٹ کیا جائے اور عشق پازیٹو کے انتخاب کا بھی یہی سبب ہے۔

تمغہ حسن کارکردگی

تھیٹر سے تعلق رکھنے والے حلقوں نے اسٹیج کے بے تاج بادشاہ امان اللہ کو تمغہ حسن کارکردگی دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ فنکاروں نے کہا ہے کہ امان اللہ نے تین دہائیوں سے زیادہ عرصے تک اپنے فن سے لوگوں کی خدمت کی ہے جس پر وہ پرائیڈ آف پرفارمنس کے حقدار ہیں مگر انہیں ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ فنکار کی اصل قدر اس کی زندگی میں ہی کرنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ نا صرف امان اللہ بلکہ انور علی، ذوالقرنین حیدر، اسلم شیخ، قیصر جاوید جیسے لوگوں کو بھی اعلیٰ حکومتی ایوارڈ ملنا چاہیے جن کو کام کرتے ہوئے 35 سے 40 سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ کوئی سفارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ فنکار آج تک تمغہ حسن کارکردگی سے محروم ہیں۔

ہم ایک ہیں

مقبوضہ کشمیر میں ہونے والی ہلاکتوں پر فنکار برادری نے اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں، کشمیریوں کی آواز بندوق کے ذریعے دبانے کی کوشش کی جارہی ہے، جمہوریت کے دعویدار بھارت کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے عیاں ہو گیا، عالمی برادری کو اس کا فوری نوٹس لینا چاہیے۔ گلوکارہ شاہدہ منی نے کہا کہ کشمیریوں کی شہادت پر دکھ ہوا، دنیا نے بڑی جمہوریت کے دعویدار بھارت کا اصل چہرہ دیکھنا ہے تو مقبوضہ کشمیر میں جا کر دیکھے کس ظالمانہ طریقے سے نہتے کشمیریوں کو ٹارگٹ کلنگ میں شہید کیا جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے وہ دن اب دور نہیں جب کشمیریوں کو آزادی نصیب ہوگی۔ اداکار عاصم بخاری نے کہا کہ پاکستانی حکومت کو چاہیے کہ وہ کشمیریوں پر بھارتی فوج کے مظالم کو عالمی سطح پر اٹھائے، کشمیری منتظر ہیں کہ عالمی برادری ان کے حق میں کب آواز بلند کرے گی۔ بھارتی فوج کی جانب سے نہتے کشمیریوں پر گولیاں برسائی جارہی ہیں دو دنوں میں 30 لوگوں کو شہید کر دیا گیا اور تین سو سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے ہیں یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی پوری دنیا خاموش ہے۔ فلمسٹار ریما نے کہا کہ دنیا کے وہ ملک جو کہیں پر بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر آواز بلند کرتے ہیں کشمیری منتظر ہیں کہ وہ کب اپنے ضمیر کی آواز بلند کریں گے، کب اقوام متحدہ انسانی حقوق کے بہہ جانے کا نوٹس لے گی اور کشمیریوں کو ان کے وہ حقوق دلوائے گی جس کا کشمیریوں کے ساتھ بھارت نے خود وعدہ کیا تھا۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں میں کشمیریوں کو حق خودارادیت دیا گیا ہے، ان قراردادوں پر کب عملدرآمد کیا جائے گا۔ ٹی وی اداکارہ سوہانہ خان نے کہا کہ آج کشمیریوں کو کچلنے اور ان کی آواز کو دبانے کے لیے بندوق کا بے دریغ استعمال کیا جارہا ہے، ان تمام واقعات کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، عالمی برادری اور انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں کشمیر میں ہونے والے اس ظلم کا نوٹس لیں اور ظالم کے ہاتھ کو روکنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

معدے کے امراض کے لیے

ترکیب:

چینی (باریک پسی ہوئی)	ایک پاؤ
میٹھا سوڈا	ایک چھٹانک
ست پودینہ	ایک تولہ

چینی اور میٹھا سوڈا آپس میں ملائیں اور پھر ست پودینہ اس میں ملا کر خوب رگڑیں اتنا کہ چینی، میٹھا سوڈا اور ست پودینہ آپس میں یکجان ہوجائیں۔ کسی ہوابند ڈبے یا بوتل میں محفوظ رکھیں، زیادہ مقدار میں نہ بنائیں، نمی کے موسم میں جم جاتا ہے۔ بناتے رہیں ساتھ استعمال کرتے رہیں ساتھ آدھا چمچ کھانے کے بعد دن میں تین دفعہ بھی لے سکتے ہیں اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو بار بار بھی لے سکتے ہیں۔

اس کا سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ سینے کی جلن، پیاس کی زیادتی، گرمی کی شدت، کھانا ہضم نہ ہونا یا ہضم ہوئے بغیر نکل جانا، دائمی قبض ہونا، اجابت کھل کر نہ آنا، ذہنی تفکرات، ذہنی دباؤ، بچوں کے دست، اجابت، بچوں کی قے، بچوں کا موٹا تازہ نہ ہونا، بھوک نہ لگنا، طلب غذا کی نہ ہونا، تھوڑا سا کھا کر چھوڑ دینا اور بڑوں کے لیے ایسے جو متلی سے بدحال ہوجاتے ہیں یا کسی چیز کو کھانے کو جی نہیں چاہتا یا ایسے مصروف لوگ جو وقت بے وقت کھانا کھاتے ہیں پھر انہیں صحیح ہضم نہ ہوتا ہو پیٹ بڑھ رہا ہے، جسم میں چربی بڑھ رہی ہے۔ گرمی کے روزوں میں، بندش میں، جلن، پیاس کی زیادتی کو ختم کرتا ہے۔ خاص طور پر افطاری کے بعد جو گھبراہٹ ہوتی ہے اس کے استعمال کرنے سے اس کو فوراً افاقہ ہوتا ہے اگر صبح سحری کے بعد اس کو کھالیا جائے تو سارا دن پیاس، بھوک، شدت حدت اور نڈھالی سے روزے دار بچا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دوا یعنی سفید پاؤڈر دل کی گھبراہٹ کے لیے مفید ہے دل کے وہ مریض جو بائی پاس کراچکے ہیں یا کرانے والے ہوں یا دل کی کسی بھی مرض میں مبتلا ہوں ان کے لیے بہت موثر ثابت ہوا ہے۔

دل کی گھبراہٹ کے لیے، اعصاب کے کھچاؤ کے لیے، طبیعت کی بے چینی اور نڈھالی کے لیے، ذہن کی اور طبیعت کی تراوٹ کے لیے بہت زیادہ موثر۔ یہ دوا ہر موسم میں مفید ہے یہ صرف موسم گرما کے لیے مخصوص نہیں جتنا فائدہ موسم گرما میں دیتی ہے اتنا ہی فائدہ موسم سرما میں بھی دیتی ہے۔

دمہ ...... کیا، کیوں، کیسے؟

دمہ **(استھما)** یونانی لفظ ازما سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "سانس کا پھولنا" چونکہ دمہ میں "ازما" مبتلا مریض کی سانس پھولتی ہے اور وہ ہانپنے لگتا ہے اس لیے اس بیماری کو **استھما** کا نام دیا گیا ہے۔ دمہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں مریض پورے طبعی طریقے سے سانس لینے میں دشواری محسوس کرتا ہے اور بہم کھانسنے لگتا ہے جس کی وجہ ہوا کی نالیوں کا سکڑ کر تنگ ہوجانا ہے۔ سانس کی نالیوں سے ایک خاص قسم کی آواز "ویز" نکلتی ہے اور مریض کو سانس لینے میں تکلیف اور دشواری محسوس ہوتی ہے۔ چھاتی پر دباؤ محسوس ہوتا ہے اور دمہ کا حملہ شروع ہوتے ہی مریض بے قراری کی حالت میں ہانپنے لگتا ہے اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار ٹپکنے لگتے ہیں اور وہ تازہ ہوا (آکسیجن) کی تلاش میں ہاتھ پیر مارتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ چند ثانیے بعد مریض ایک خصوصی پوزیشن اختیار کرلیتا ہے جس سے اسے قدرے راحت ملتی ہے اس دوران دوائیوں کا استعمال کرنے سے وہ تھوڑی دیر بعد پھر سے نارمل دکھائی دیتا ہے۔ دمہ کا حملہ کسی وجہ سے کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، بروقت مناسب علاج ملنے سے مریض کو فوری راحت ملتی ہے لیکن کبھی کبھی مریض پے در پے حملوں کا شکار ہوتا ہے۔ اسے اسٹیٹس **استھمیٹکس** کہتے ہیں۔ یہ ایک میڈیکل ایمرجنسی ہے جس کا علاج اسپتال میں تحت نظر ماہرین کیا جانا ضروری ہے ورنہ یہ حالت جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔

دمہ ایک عام بیماری ہے جو کسی بھی عمر میں لاحق ہوسکتی

ہے۔ کل آبادی میں دس سے بارہ فیصد بچے اور پانچ سے سات فیصد بڑے اس بیماری میں مبتلا ہوئے ہیں۔ مختلف تحقیقات سے پتا چلا ہے کہ یہ بیماری زیادہ تر بچوں اور (سن بلوغت سے قبل) نوجوانوں کو اپنی گرفت میں لیتی ہے۔ بچوں میں یہ بیماری یا تو ایک مزمن بیماری کا روپ دھار لیتی ہے یا سن بلوغت کے بعد خود بخود غائب ہوجاتی ہے۔ ایک اور تحقیق کے مطابق ثابت کیا جاچکا ہے کہ اگرچہ یہ بیماری عمر کے کسی بھی موڑ پر گھیر لیتی ہے مگر پچاس فیصد افراد عمر کے دسویں سال سے پہلے ہی اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جہاں تک بالغ افراد کا تعلق ہے مرد و زن یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں مگر بچوں میں لڑکوں لڑکیوں کا تناسب 2.1 ہے یعنی لڑکوں میں بیماری زیادہ پائی جاتی ہے۔

مجموعی طور پر دمہ کی دو قسمیں ہیں

(۱) خارجی ظاہری یا حساسیتی الرجی

(۲) باطنی داخلی یا غیر حساسیتی الرجی

دمہ خارجی' ظاہری یا حساسیتی

زیادہ عام ہے جو عام طور پر بچپن میں ہی شروع ہوتا ہے اس قسم کے دمہ میں مبتلا بچے اور ان کے قریبی رشتہ دار کسی خاص قسم کی حساسیت (الرجی) کے شکار ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کو وقتاً فوقتاً مختلف چیزوں کے ساتھ الرجی ہوتی ہے۔ جو خاص محرکات خارجی ان کے اندر حساسیت پیدا کرتے ہیں ان میں زرگل (پھولوں کا زیرہ) گھروں کے اندر اٹھنے والے گرد و غبار، باریک کیڑے مکوڑے مختلف قسم کی غذائیں اور کچھ کیمیائی مادے قابل ذکر ہیں۔ یہ چیزیں یا ان کی بو سانس لیتے وقت پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہیں اور حساسیت پیدا ہوجاتی ہے جس سے دمہ کا حملہ شروع ہوتا ہے۔

دمہ باطنی' داخلی یا غیر حساسیتی

دمہ کی یہ قسم سن بلوغت کے بعد شروع ہوتی ہے اس میں فرد نہ تو خود کسی حساسیت کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قریبی رشتہ کسی خاص حساسیت کا شکار ہوتا ہے۔ ان افراد میں دمہ کا حملہ کسی وائرسی انفکشن کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ان افراد میں قابل ذکر محرکات خارجی نہیں ہوتے ہیں لیکن دس فیصد مریض دوائیوں کے لیے حساس بن جاتے ہیں جن میں اسپرین قابل ذکر ہے یعنی اگر یہ لوگ اسپرین استعمال کریں تو ان پر دمہ کا حملہ ہوسکتا ہے۔ یہ دمہ کی ایک اور قسم بھی ہے جو کچھ خاص دوائیاں استعمال کرنے سے شروع ہوتا ہے۔

ان دو قسموں کے علاوہ ایک اور قسم کا دمہ ہے جسے مخلوط قسم کہتے ہیں جس میں مریض نہ اولین اور نہ دوئم قسم میں فٹ ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے (جو عام طور پر ڈاکٹروں سے پوچھا جاتا ہے) کہ دمہ اور الرجی میں کیا فرق ہے؟ الرجی یا حساسیت انسانی جسم کے کسی بھی حصہ کا غیر معمولی ردعمل ہے جو کسی بیرونی حالت یا ایجنٹ کی وجہ سے واقع ہوتا ہے جبکہ دمہ نتیجہ ہے الرجی کا جس کا تعلق سانس کی نالیوں سے ہے۔ دمہ جہاں سانس کی نالی اور پھیپھڑوں سے تعلق رکھتا ہے الرجی جسم کے کسی بھی حصہ کا عکس العمل ہوسکتا ہے۔

دمہ **(استھما)** تشخیص کرنے میں ڈاکٹروں کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ مریض کا شرح حال سن کر ظاہری حالت دیکھ کر اور طبی معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر فوری تشخیص کرتا ہے اور وہ دوائیاں تجویز کرتا ہے۔ دمہ کے مریض کے لیے دوائیاں تجویز کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کی عام زندگی کے معمولات کو برقرار رکھا جائے اور مرض کے بار بار حملوں کو کم کیا جائے۔ اس کے لیے مریض کو مرض کے متعلق تمام معلومات بہم پہنچانا اشد ضروری ہے۔ دمہ میں حملے کے وجوہات یا مرض میں شدت پیدا کرنے کے اسباب مریض کے لیے جاننا بے حد ضروری ہے تاکہ وہ آئندہ احتیاطی تدابیر پر عمل کر کے اپنے آپ کو پے در پے حملوں سے بچا سکے جو دوائیاں مریض کے لیے تجویز کی جائیں ان پر سختی سے عمل کرنا ضروری ہے اور کبھی بھی کسی بھی صورت میں دوائیوں کی تعداد نہ از خود کم کرے نہ زیادہ اور تب تک دوائیوں کا استعمال جاری کیا جائے جب تک ڈاکٹر ہدایت دے کوئی بھی دوائی ڈاکٹری مشورہ کے بغیر استعمال نہ کریں۔